جنوری ۲۷ء

مرقع

مرتبہ

وصل بلگرامی

مرقع کے قواعد وضوابط

۱۔ "مرقع" حتی الامکان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ تک شایع ہو کریگا۔

۲۔ "مرقع" کی قیمت عام خریدارون کیلیے پانچ روپیہ سالانہ مع محصولڈاک مقرر ہے۔ جو پیشگی وصول ہونا چاہیے۔

۳۔ "مرقع" کا نمونہ بغیر ۵ر نقد وصول ہوئے روانہ نہین ہوسکتا۔

۴۔ "مرقع" کی قیمت رسالہ و دیگر معزز اصحاب و راس کے مربیون سے اُن کی ہمت افزائی پر منحصر ہے۔

۵۔ جواب طلب امور کیلیے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا آنا لازمی ہے۔

۶۔ خط وکتابت کے سلسلے مین خریداری کا نمبر لکھنا ضروری ہے۔

۷۔ رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۲۵ تاریخ تک آجانا چاہیے۔

۸۔ کوئی مضمون ایسا شایع نہ ہوگا جو مخرب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کرسکے۔

۹۔ تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظم و نثر درج ہونگے جو اپنی خوبیون کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ سے نہایت خوشگوار ہونگے۔

۱۰۔ "مرقع" کو موجودہ پالٹکس یا مذہبی مباحث سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

۱۱۔ تنقیدی مضامین بھی اسمین شایع ہونگے۔ مگر وہی جن مین خلوص ہوگا۔ باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی رنج کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا۔

۱۲۔ ایسے مضامین جنمین کسی شخص پر چوٹ کیگئی ہو یا اسمین ایسے الفاظ ہون جن سے دوسرے کو رنج کا شائبہ بھی پیدا ہو ہرگز شایع نہ ہونگے۔

۱۳۔ جس نظم و نثر کے مضمون مین زبان، لغت یا فن کی غلطیان ہونگی اسوقت تک شایع نہ ہوگا جب تک اسکی مناسب ترمیم اطلاع پانے پر خود صاحب مضمون نہ کردین۔

۱۴۔ "مرقع" کا مسلک صلح کل ہے وہ انشاء اللہ کبھی دلآزار یا متعصب ثابت نہ ہوگا۔

۱۵۔ "مرقع" کو ذاتیات سے کبھی تعلق نہ ہوگا۔ وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جرائد ہون یا اہل اخبار، اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریگا اور انشاء اللہ وہ ہمیشہ اسمین ثابت قدم رہیگا۔

مدیر "مرقع" لکھنؤ

مرقع مین اشتہارات بھیجتے وقت

(ذیل کا نرخنامہ ملاحظہ فرمالیجیے)

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
ایک سال کے لئے	سہ	صیہ	عہ
چھ ماہ کے لئے	صیہ	عہ	ےعہ
تین ماہ کے لئے	عہ/	صعہ	سے/
ایک ماہ کے لئے	سے/	صر/	سے/

ضروری نوٹ

ٹائٹل پیج کے صفحہ ۲ و ۳ و ۴ کی اجرت کا نرخ اسکے علاوہ ہے جو خط وکتابت سے طے ہوسکتا ہے۔ اجرت کا پیشگی آنا ضروری ہے۔

منیجر "مرقع" لکھنؤ

رشحاتِ بسمل

از جناب مولوی سید امین الحسن صاحب بسمل موہانی مربیِ "مرقع"

مین خود کہہ دون نہ کیون مجھکو ہوا کیا — دلِ نادان سے اب وہ رہا کیا

نہین جب کوئی پہلو مین تو ہمدم — مجھے بہلائیگی کالی گھٹا کیا

کسی کو دیکھکر شیدا ہوے کیون — یہ تم کو حضرتِ ناصح ہوا کیا

نہین ہین بزم مین اورون پہ نظرین — ہمین ہم ہین ہمارا پوچھنا کیا

جب اُسکے ہو رہے پھر کیون خلش ہے — تغافل کیا جفا کیسی، وفا کیا

تری مرضی بہشتِ اہلِ دل ہے — رضا جوئی ہوئی تو مدعا کیا

وہ خود نظرون سے دین پیغامِ الفت — نہین تو سوزِ الفت مین مزا کیا

فلک پر کیون چڑھی جاتی ہے دنیا — نتیجہ اِس کا ہوگا اے خدا کیا

زمانہ کو ہے کیون بسمل سے کاوش
محبت کا بُرا ہو اب رہا کیا

جلد ۲ | جنوری سنہ ۱۹۲[illegible]ء | نمبر ۱

مرقع
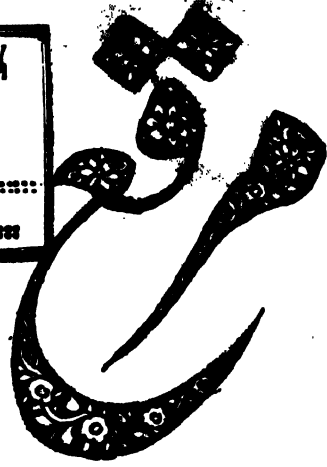
کلام الملوک ملوک الکلام

نعت شریف

طبعزاد اعلیحضرت ہزاگزالٹڈ ہائینس آصفجاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب میر سر عثمان علیخان بہادر فتح جنگ جی سی ایس آئی تاجدار دولت آصفیہ دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و اقبالہ

شہ ملک رسالت صاحب تاج و سریر آمد
ضیا بارد - جہان افروز - چون مہر منیر آمد

امین و خازن رحمت معین و شافع امت
وزیر و - رازدار و - نائب رب قدیر آمد

رسول ہاشمی خیر الوریٰ - صل علے احمد
کریم - صادق - نور - نذیر و ابشیر آمد

چہ خوش چشمے کہ مازاغ البصر نازل بشان او
ز قلب پر صفا - در دین حق بین بصیر آمد

خوشا پیغمبر برحق - کہ بہر ما گنہ گاران
رؤف و الرحیم آمد - کفیل و النصیر آمد

نہ ماند تا حجابے - جلوۂ روئے حقیقت را
پے کشف رموز غیب - علام و خبیر آمد

بنام آن شہ لولاک صد جان و دلم قربان
کہ عثمان از طفیلش بر مسلمانان امیر آمد

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ "مرقع" نے اپنے دورِ حیات کا سالِ اولین ختم کرکے دوسرے سال میں قدم رکھا کشتی کو ساحل تک پہونچنے میں جن جن حوادث سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اُن کا حال کوئی ناخدا کے دل سے پوچھے "سبکساران ساحل" ان مشکلات سے کہاں واقف ہوں "شبِ تاریک" "بیم موج" "گرداب بلا" کے مصائب کچھ کم حوصلہ شکن اور صبر آزما نہیں ہوتے بادِ مخالف کے جھونکے موجِ صبا نہیں صرف ناخدا کا استقلال ان سب مصیبتوں کو برداشت کرتا ہے جب جاکر کہیں ساحلِ مقصود سے ہمکناری نصیب ہوتی ہے۔ اس نونہالِ ادب پر بھی بادِ خزاں کے جھونکے آئے، بجلیاں گریں لیکن آخرکار باغبان کی کوششیں بارآور ہوئیں اور یہ نونہالِ ادب پہلے ہی سال پھل لایا۔ اس دعوے کا ثبوت "کہ یہ نونہال پہلے ہی سال پھل لایا" ہم اُن تبصروں سے پیش کرینگے جو ہندوستان کے مشہور اور مقتدر رسائل وجرائد نے مرقع پر کیے ہیں جن میں سے چند کا اقتباس اس نمبر کے آخری صفحات پر شائع کیا گیا ہے اس کے پڑھنے کے بعد آپ ایک حد تک اندازہ کرسکیں گے کہ ہم کہاں تک اپنے اغراض و مقاصد کامیاب ہوئے اور ہم کہاں تک اپنے معیار پر پورے اُترے۔ اسی سلسلہ میں ہم میران اخبارات وجرائد اور اُن اصحاب کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنے مخلصانہ اور مفید مشوروں سے ہمیں مستفید فرمایا، ہم نے اُن کے نیک مشوروں پر عمل کرنے کی برابر کوشش کی اور کر رہے ہیں۔

—— • • • ——

جنوری ۱۹۲۶ء کا یہ پہلا نمبر ہم اپنے قدردانوں کے سامنے خصوصیت کے ساتھ پیش کرتے ہیں یہ مرقع خاص نمبر ہے اور امید کیجاتی ہے کہ ناظرین مرقع اس نمبر کے ملاحظہ سے محظوظ ہونگے۔ کیا باعتبار مضامین نظم و نثر اور کیا باعتبار کتابت و طباعت یہ رسالہ معیار عام سے کہیں بالاتر نظر آئیگا حجم کے لحاظ سے بھی مرقع کا یہ نمبر گزشتہ نمبروں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ مرقع کی ضخامت ۸۰ صفحوں کی ہے لیکن یہ نمبر ۹۶ صفحہ پر شائع کیا جا رہا ہے، اساتذہ و مشاہیر شعراء و ادباء کے خطوط کے عکس اس نمبر میں بجائے ایک کے دو کے ساتھ ہیں۔

مرقع کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے سب سے پہلے التزاماً اساتذہ، مشاہیر شعراء و ادباء کے خطوط کے عکس و نمونے شائع کرنا شروع کیے جن کی تلاش و حصول میں بہت کوشش کرنا پڑی شاید اس سے پہلے کسی مجلہ میں اس التزام کے ساتھ ایسے عکسی نمونے شائع نہیں ہوئے۔ اس کے بعد اب ہمعصر نیرنگ لاہور نے بھی اس کا آغاز کیا ہے۔

"مرقع" کی یہ جدت ملک میں بہت مقبول ہوئی۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ وہ زمانہ جلد آئیگا جب ملک کو اس کی قدر معلوم ہوگی اور یہ عکس و نمونے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھے جائیں گے۔

—— • ——

مدیر مرقع کی ناگہانی علالت سے (جس کا ذکر دسمبر کے مرقع میں ہوچکا ہے) اس جنوری نمبر پر کچھ نہ کچھ اثر کیا یہی وجہ ہے کہ جنوری ۱۹۲۶ء کا مرقع تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ جس کے لیے مدیر مرقع اپنے قدردانوں سے معافی کا خواستگار ہے۔

منجملہ ان دشواریوں کے مرقع کی طباعت میں بھی دشواریاں حائل ہیں۔ مرقع دسمبر ۱۹۲۵ء تک مقبول المطابع ہند پریس میں طبع ہوتا رہا اور صرف مرقع ہی نہیں بلکہ ہندوستان کا مشہور و موقر مجلہ "نگار" بھوپال کی طباعت بھی مدیر مرقع کے اہتمام سے ہوتی رہی۔ بہت سے اہتمام کے باوجود خاص اپنی پرنٹنگ مشین نہ ہونے سے رفتار طباعت میں ترقی نہ ہوسکی۔

لیکن الحمدللہ کہ یہ سخت ترین دشواری بھی رفع ہوگئی اور مکرمی جناب نیاز فتحپوری مدیر نگار کے ہمت دلانے سے مدیر مرقع نے پرنٹنگ مشین بھی منگالی یہی نہیں بلکہ مدیر مرقع اور مدیر نگار کی باہمی سلوک شرکت بھی ہوگئی اور دونوں نے ملکر ایک پریس نگار مشین پریس کے نام سے قائم کردیا۔

—— • ——

اس میں مدیر مرقع نے اپنا ذاتی پریس مقبول المطابع بھی شامل کردیا لیکن طے پایا ہے کہ بشرطِ یہ کہ مشین پریس مقبول المطابع کا نام بھی قائم رہیگا۔ مرقع کی حسن طباعت میں اگر آج تک کچھ کمی رہ گئی تھی تو اب امید کیجا سکتی ہے کہ وہ انشاء اللہ تعالیٰ پوری ہوجائیگی۔ اس نمبر کی اشاعت میں تاخیر کچھ مشین کے فٹ ہونے وغیرہ کے سبب سے بھی ہوئی

لیکن آیندہ کے لیے خدا نے مستقل آسانی پیدا کردی۔

گزشتہ سال مرقع کی اشاعت میں پوری کوشش نہ ہوسکی لیکن پھر بھی اشاعت یوں کچھ نہیں ہی اس سال خاص کوشش کی جائیگی۔ امید ہے کہ ملک ہماری ہمت افزائی کرے گا۔

اسوقت تک جن حضرات نے ہماری قلمی مالی امداد فرمائی ہے اور مرقع کی اشاعت میں کافی حصہ لیا ہی ہم اُن کے تہِ دل سے ممنون ہیں اور ہمیشہ رہینگے۔ بالخصوص جناب حاجی محمد مصطفٰے خانصاحب مالک کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ، جناب سید فضل علی صاحب بیرسٹرایٹ لا پٹنہ، جناب خان بہادر رشید زاہد علی صاحب سبزپوش رئیس اعظم گورکھپور، جناب رضی کاکوروی، جناب نواب فصاحت جنگ جلیل القدر حافظ جلیل حسن صاحب جلیل مانکپوری، جناب مظفر حسین صاحب سفیر دمن باد، جناب خان صاحب اسد اللہ خانصاحب انسپکٹر پولیس (دکن)، جناب قاضی محمد خلیل صاحب حیران رئیس اعظم بریلی، جناب عزیز خلف حضرت آزاد عظیم آبادی، جناب عشق بلگرامی، جناب سید نیاز احمد صاحب نیاز خیرآبادی سپرنٹنڈنٹ پولیس بھوپال، جناب قاضی ظہیرالدین صاحب بسوانی، جناب عبد الاحد صاحب آنریری منصف و رئیس بھرسا ضلع بلیا، جناب ذوقی لکھنوی بی۔ اے علیگ، جناب نواب حیدر یار جنگ بہادر، جناب نواب اختر یار جنگ بہادر، جناب مولوی سید محمد محسن صاحب بلگرامی، جناب مولوی سید ابن الحسن صاحب رضوی نسیم موہانی، جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے، جناب منشی ممتاز علی صاحب آہ، جناب سید وصی الحسن صاحب گیلانی ڈپٹی کلکٹر، جناب مولوی محمد انعام اللہ خانصاحب عارف میرٹھ، جناب مولوی سید محمود الحق صاحب حقی، جناب مولوی انعام الحق صاحب خفی، جناب شفیق جونپوری، جناب حافظ انوار الرحمٰن صاحب سربراہ کار کورٹ بارہ بنکی، جناب بسمل سوانی، جناب مولوی نعیم الحق صاحب آزاد، جناب عزیز بی۔ اے حیدرآبادی، جناب عقیل کراچی، جناب سید اختر حسین صاحب گورنمنٹ آف وارڈس لکھیم پور، جناب مولوی سلطان احمد صاحب واقف بسوانی، نیتر حیدرآبادی و دیگر اصحاب نے جس قدر قدردانی فرمائی جسقدر امداد کی اسکے شکریہ کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں۔ خدا کرے اُن کی توجہات میں اضافہ ہو یہ توجہات غیرفانی ثابت ہوں اور مرقع کو اپنی آیندہ توقعات میں ہر طرح کامیابی حاصل ہو۔

احسان فراموشی ہوگی اگر ہم اُن حضرات کی قلمی اعانت کا اعتراف نہ کریں جنھوں نے اپنے جواہر پاروں سے مجلہ مرقع کو فی الحقیقت مرقع بنا دیا جنکی جنبش قلم کا مرقع کا ہر صفحہ رہین منت ہے۔ اُن گراں بہا مضامین کا جنکی اشاعت کا فخر صرف مرقع کو حاصل ہے کسی طرح سے شکریہ ادا نہیں کیا جاسکتا۔

اس نمبر کے کامیاب بنانے میں جن اصحاب نے ہماری خصوصیت سے اعانت کی۔ ہمارا اتو یہ بیانی کے ہم خاص طور سے شکرگزار ہیں۔

۱۹۲۲ء کے مرقع کے نمبروں میں شایع کرنیکے لیے ہم ہندستان کے مشہور مستند شعرا و ادبا کے نظم نثر اور موجودہ مضامین میں سے چند مخصوص مضامین کی فہرست پیش کرتے ہیں جنکو ہم بلحاظ گنجایش ترتیب وار بابت فروری سے شایع کرنا شروع کرینگے اس فہرست سے ہمارے ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ بلحاظ مضامین مرقع نے کسقدر ترقی کی اور سال رواں کے لیے اسکے پاس کسقدر سرمایہ موجود ہے

فہرست مضامین

وضع اصطلاحات علمیہ۔ ازجناب مولوی ابوالبقا صاحب بی۔ اے۔ جونپوری۔

ترکی مناظر۔ باغی۔ مترجمہ جناب مولوی محمد سلیم الحق صاحب حقی دہلوی بی۔ اے علیگ

اودھ۔ ورود شہزادہ مرزا جہانگیر۔ ازجناب سراج حسین خانصاحب طباطبائی۔

انتخاب صحیح۔ فسانہ۔ ازجناب شوکت تھانوی۔

تم میرے ہو۔ فسانہ۔ ازجناب مجنوں گورکھپوری

فسانۂ نقاد۔ ازجناب مولوی سید امتیاز احمد صاحب اشرفی۔ بی۔ اے۔ علیگ

تربیت اطفال ازجناب چودھری رحم علی صاحب ہاشمی۔ بی۔ اے۔

مداخلت قدرت۔ ازجناب حکیم مظفر حسین صاحب اظہر دہلوی

انتقام۔ فسانہ۔ ازجناب صادق حسین صاحب بی۔ اے۔ علیگ۔

انتقام۔ فسانہ۔ ازجناب نیاز فتحپوری اڈیٹر نگار۔

فلاسفہ حکمائے یونان۔ سنان بن ثابت حیرانی۔ ازجناب مولوی محمد حسین صاحب محوی صدیقی لکھنوی

عبہری۔ سنگ سبز کا دروازہ۔ حسن و عشق کا ایک رقیق افسانہ۔ ازجناب راجہ غلام احمد صاحب

تائید اعظم رسول۔ ازجناب راجہ غلام احمد صاحب

فلسفۂ مذہب۔ ازجناب محمود علی صاحب رئیس اعظم الہ آباد

سنہرا غار۔ ازجناب محمد بشیر خاں صاحب

دیوی کا وعدہ۔ ازجناب محمد بشیر خاں صاحب۔ نجم الصباح۔ " " "

سوز دروں۔ (فسانہ) ازجناب مولوی محمد رضی الحسن صاحب رضی کاکوروی

ضمیہ خانم۔ ازجناب خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی

نذرِ تیز ے ساز۔ جناب ابو محمد الدین صاحب تسلیم ہو تغیر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن۔

امیر مینائی۔ از جناب مولوی ممتاز علی صاحب آہ۔

لکھنؤ ہم پر فدا ہے ہم فدائے لکھنؤ۔ از استاذی حضرت محمد مدظلہ

مرزا رفیع سودا کی اصلاح تمام الدین عاجز چاند پوری کی شعری و عیش معروض پہ از جناب نفیس بنگلوری۔

فسانہ۔ جلیل احمد صاحب قدوائی بی۔ اے علیگ

ریویو پر شرح خاقانی۔ جناب شاداں بلگرامی۔ از جناب سید فضل حسین صاحب بی۔ اے۔

اردو حصۂ نظم میں: لسان الملک حضرت ریاض خیرآبادی، جناب برکت قدوائی۔ جناب جوش ملیح آبادی، جناب آنی جائسی، جناب بادی علی شمیم بی۔ اے۔ جناب اکبر عظیم آبادی، جناب عشق جائسی، جناب ذوقی لکھنوی، جناب آثر لکھنوی، جناب رواں، جناب فرحت بنارسی، جناب اشہر لکھنوی، جناب مولوی عبد السمیع خاں صاحب نکہت بی۔ اے، جناب مولوی محمد یوسف صاحب نفیس بنگلوری۔ جناب جگر مرادآبادی، جناب سید بشیر الدین احمد صاحب نقوی گلشن بی۔ اے، جناب عندلیب شادانی، جناب ذاکر حسین صاحب لکھنوی، جناب گوہر لکھنوی، جناب ثاقب کانپوری و دیگر نامور شعرا و ادبا کے مضامین موجود ہیں۔

اب تک ہلاک بکر نہیں آیا انشاء اللہ تعالیٰ جلد سے جلد شائع کیا جائیگا۔

ہندوستان کی علمی و ادبی دنیا کے لیے خصوصیت کے ساتھ یہ امر باعث مسرت ہے کہ انکے طبقے ایک علم دوست سخن سنج صاحب علم و فضل مدبر سیاست داں آج حضور پر نور اعلیٰ حضرت شاہ دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ کی کونسل کا صدر اعظم ہے۔ ہم اس انتخاب پر حضور پر نور شاہ دکن دام اقبالہٗ کی خدمت عالی میں بصد ادب ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہیں کہ حضور پر نور نے ہز اکسلنسی یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد صاحب "متخلص بہ شاد" جی سی۔ آئی۔ ای کے سی آئی ای دام اقبالہٗ کو صدر اعظم مقرر کرکے ہندو مسلمانوں کو عموماً اور ادبی طبقہ کو خصوصاً شکر گزاری کا موقع عطا فرمایا، ہم ہز اکسلنسی یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد صاحب شاد کو اس تقرر پر تہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں جیسے کہ ممدوح ہر طرح سے اہل ہیں کیونکہ مہاراجہ صاحب ممدوح کا ہاتھ ایک عرصہ تک سلطنت دکن کا قلمدان وزارت سنبھال چکا ہے۔ اور جس اعلیٰ قابلیت اور بہترین سیاست دانی کے ساتھ آپ نے فرائض کو ادا فرمایا آپ ہی کا حصہ تھا۔ ہمیں امید ہے کہ سرکار مہاراجہ شاد دام اقبالہٗ باوجود اپنی مصروفیتوں کے اردو ادب میں مثل سابق گراں بہا اضافہ فرماتے رہیں گے۔ مدیر مرقع نے ہز اکسلنسی سر مہاراجہ بہادر کے صدر اعظم ہونے پر جو مبارکباد کا تار روانہ کیا تھا اُسکا جواب بذریعہ تار جناب ممدوح نے اپنے لطف و کرم سے فوراً عطا فرمایا جو حسب ذیل ہے:

"آپ کی مبارکباد کا تہ دل سے شکریہ"

"امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے"

مہاراجہ کشن پرشاد

اس سے جناب کی ہر دلعزیزی، اخلاق بے پایاں اور لطف خاص کا پتہ چلتا ہے۔ خدا کرے یہ عہد ہر طرح مفید اور کامیاب ثابت ہو۔

وصل بلگرامی

مرقع کے لیے یہ امر مایۂ صد نازش و افتخار ہے

کہ یہ عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ کے ملاحظہ سے شرف یاب ہوتا ہے ہم جناب مولوی سید امین الحسن صاحب رضوی بسمل بہاری ناظم ریاست عالیجناب نواب سر سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ کے شکریہ سے بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے جنھوں نے عالیجناب سر سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ کی دست مبارک کی لکھی ہوئی تحریر عکس کے واسطے ہمارے پاس ارسال فرمائی ہے جسمیں جناب نواب صاحب ممدوح نے مرقع کی بابت اظہار پسندیدگی فرمایا ہے اور اپنی گرامی نامہ سے سرفراز کیا ہے۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ عکس تحریر...

شرر و شاد

بزم ادب میں آج صفِ ماتم بچھی ہے، وہی شمع ہے، وہی بزم ہے وہی اہل بزم لیکن ایک آہ اسی ہے کہ چار دطرف چھائی ہوئی ہے شمع فسردہ ہے، اہل بزم شکستہ دل ہیں گرمیِ بزم "تبسم شرر" تک تھی اس ایک شرر کے ساتھ رخصت ہو چکی شمع اردو کے خاکستر میں یہی شرر تھا جسکے دم سے شمع باقی تھی آج وہ بھی رخصت ہو گیا ایک شرر ہے بزم ادب میں کتنی شمعیں روشن تھیں ایک شمع ہے خاموش جو بزم ہے تیرہ و تار۔ اے بزم ادب شمع بجھ گئی جسکے دم سے تیری محفل میں پروانوں کا ہجوم تھا۔ اے دنیائے ادب آفتاب غروب ہو چکا جسکی ضو فشانیوں سے تیری زمین منور تھی۔ اے زبان اردو تیرا باغ اجڑ گیا۔ اے خوش بیانانِ اردو ادب تمھارا خرمن کلیم نکی نذر ہو چکا زبان اردو سے دل کھول کر روئے۔ اب ایسا سحر طراز انشاپرداز تیری دنیا کہاں سے پیدا کریگی۔ ایسا بیمثال مورخ کہاں سے لائیگی جس نے مسلمانوں کے دلوں میں نصف صدی تک اپنی عہد کہن کی یاد تازہ کر دی تھی جسکی بدولت بچہ بچہ اپنی مختلف ممالک کی تاریخ سے اسطرح آشنا تھا کہ آج ہزار کد و کاوش بھی جتنا مواد ایک ناول میں ہوتا ہے کسی تاریخ کی ایک کتاب میں دستیاب نہیں ہو سکتا۔ مشہور فقرہ جو سیرت نگاری میں فرد تھا افسانہ نویسی میں یکتا تھا جو فن تاریخ میں اپنی آپ مثال تھا جو ادب اردو کی روح رواں تھا آج دنیا سے اٹھ گیا۔ مولانا مرحوم کے انتقال سے مرقع اور مدیر مرقع کو جو نقصان پہنچا ہے وہ ناقابل تلافی ہے۔ مدیر مرقع کو جو خصوصیت مولانا مرحوم سے تھی۔ اسکا اندازہ شاید اس امر سے ہو سکے کہ ۸۔ دسمبر کو میرے زمانہ علالت میں جناب مرحوم عیادت میرے غریب خانہ پر باوجود پیرانہ سالی تشریف لائے، کسے خبر تھی کہ ۲۴۔ دسمبر ۱۹۲۶ء کو مجھے بازو دیکے بجائے تجہیز و تکفین کے لیے جانا ہوگا۔ مرحوم کو برابر اس ناچیز کا خیال رہا بیمار ہونے کے چند منٹ پہلے میری علالت کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ انتقال سے ایکدن پہلے بھی میری خیریت دریافت فرماتے رہے۔ مرقع مولانا مرحوم کے احسانات سے گرانبار ہے باوجود اس سن و سال کے مرحوم مرقع کو اپنے رشحات قلم سے سرفراز فرماتے رہے۔ مدیر مرقع دست بدعا ہے کہ مرحوم کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں لے اور درجات عالیہ عطا فرمائے۔ تربت جناب مولوی عبد الحلیم سے آپ کے انتقال کی تاریخ نکلتی ہے جو لوح تربت پر کندہ کرنے کے لیے میرے خیال میں مناسب ہے۔

ہمیں امید ہے کہ برادرم مولوی صدیق حسن صاحب جو مولانا مرحوم کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں دلگداز کو جاری رکھیں گے جس سے مولانا کی یادگار ہمیشہ قائم رہے گی ملک کو بھی اس کی قدردانی کرنا چاہیے اور اسکی ترقی و بقا میں حصہ لینا چاہیے۔

ابھی شرر کا داغ دل پر تازہ تھا کہ خان بہادر جناب شاد عظیم آبادی کی رحلت کی جانسوز خبر آئی شاد و شرر دونوں رخصت ہوئے اور اردو شاعری کا چمنستاں ہمیشہ کے لیے ناشاد ہو گیا۔ خداوند تعالیٰ مرحوم کے متعلقین کو صبر عطا فرمائے اور مرحوم کو غریق رحمت کرے — افسوس اے تشنہ کامانِ اردو — آن قدح بشکست و آن ساقی نماند!

وصل بلگرامی

خمریاتِ ریاض

(از لسان الملک حضرت ریاض ظلہٗ)

نہیں مینا یہ اے شراب فروش
ہے کوئی شاہد شباب فروش

پہنچے کعبے میں ہم شراب فروش
لے کے مشکیزوں میں کہ آب فروش

خود کو سمجھے ہے کیا شباب فروش
دن جوانی کے ہیں حباب فروش

نقد دل ۔ لے کے ہیں سراپا لطف
تھی نگاہِ غضب عتاب فروش

اُس نے پوچھا جو دیکھی دل کی بیاض
کون ہو تم ۔ کہا کتاب فروش

میکشو گردِ مسجدِ جامع
جمع رہتے ہیں کیوں کباب فروش

کیسی مے ۔ مول لونگا حج کا ثواب
ہے کہاں حاجیِ ثواب فروش

خوب ہیں شاہدانِ بازاری
ہیں سیہ کار وہ خضاب فروش

آگ لیں بادہ کش شراب کے مول
ہو جہنم اگر عذاب فروش

زالِ دُنیا ہو یا ہو دخترِ رز
بنتی ہیں ۔ نوجوان شباب فروش

صرفِ دولت عبث ہے بہرِ خطاب
جب حکومت نہیں خطاب فروش

میرے خط کا جواب غیر کے پاس
مل گیا ۔ قاصدِ جواب فروش

مول لوں بیقرار دل کے لئے
کاش ہو برقِ اضطراب فروش

بیل انگور کی ہے کاہکشاں
تارے توڑیں گے آفتاب فروش

حشر میں دونگا ۔ ایک کے دس دس
دے مجھے قرض اے شراب فروش

کام کی چیز ہے ملے جو ریاض
دخت رز نوجوان شباب فروش

سیرۃ صحابہؓ کا ایک ورق

حبرِ اُمّت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا تدبّر اور فہم قرآن

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا علم اور اُنکی قرآن دانی ضرب المثل ہے۔ یہ وہی ہین جنکو حبرِ اُمّت کا مبارک لقب دیا گیا ہے جنکا معدن علم و فضل ہونا صحابہ مین مسلم تھا جنکی ذکاوت، فطانت اور حذاقت و فقاہت مانی ہوئی تھی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نہ صرف ایک زبردست مفسر ہی تھے، نہ صرف فضلاء صحابہ مین ایک عدیل فقیہ ہی تھے نہ صرف ارباب تحدیث مین تحدیث اخبار کے ایک درخشان آفتاب ہی تھے بلکہ فنونِ عربیت، شعر، حساب اور جمیع فنون لطیفہ اور دیگر فنونِ ادب، علوم مجلسی مین ایک امتیازی شان رکھتے تھے، وہ ایک غیر معمولی فطانت و فراست رکھنے والے مناظر اور علی قدر العقول مسکت جوابات سے مخالف کو ساکت و مبہوت کر دینے والے حاضر جواب بھی تھے۔

وہ اہم اور پیچیدہ مسائل جن کے حل کرنے مین خائر عقلین بھی بسا اوقات پسرڈال دیتی تھین، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بدیہیات کی طرح اُنکے منشا کو سمجھتے اور فی البدیہہ حل فرما دیتے تھے، اُنکی حاضر جوابی اور برجستہ گوئی تمام صحابہ کے نزدیک مسلم تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے افقہ اور زیرک خلیفہ کے پاس جب مشکل مقدمات و پیچیدہ امور آجاتے تھے تو وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کرتے تھے کہ اَنْتَ لَہَا (ان باریکیون کے حل کرنے کے اہل تم ہی ہو)

جب خوارج کا زور بڑھا اور اُنھون نے مجادلہ و مناظرہ کی جسارت کی تو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر انتخاب نے تمام صحابہ مین سے اُن ہی کو چن لیا اور بالآخر اس میدانِ مناظرہ کی فتحیابی کا سہرا ابن عباس کے سر رہا۔

لیث بن ابی سلیم نے طاؤس سے (جو ابن عباس کے شاگرد ہین) کہا کہ مین نے تو بڑے بڑے صحابہ کو چھوڑ کر اس لڑکے (ابن عباس) کا دامن تھام لیا ہے۔ کیونکہ مین نے ستر صحابہ کو دیکھا کہ جب کوئی مسئلہ اُن مین دائر ہوتا تھا تو وہ ابن عباسؓ کے قول پر فیصلہ چھوڑ دیتے تھے اور اُن ہی کی حذاقت و فراست کی طرف رجوع کرتے تھے۔

اور یہ سب کچھ اس کا نتیجہ تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ آپکے لئے دعا فرمائی ہے اور فرمایا اللھم علمہ الحکمۃ (اے اللہ ابن عباس کو حکمت سکھلا دے)

وہی حکمت تھی جو تعلیم، بیان، تلقین، موعظت اور مناظرہ کی شکل مین وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی تھی اور بڑے بڑے اعلم اور افقہ صحابہ کی گردنین اُنکے سامنے جھکا دیتی تھین بقول عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کے کہ کوئی عالم نہ تھا جو اُنکے سامنے جھک نہ گیا ہو اور کوئی سائل نہ تھا جس نے اپنے سوال کے متعلق اُنکے پاس علم نہ پایا ہو۔

ابن عباسؓ کی اسی حکمت لدنی اور حذاقت طبعی کا ایک ادنٰے نمونہ ہے جسکو تاریخ کے اوراق سے مین پیش کرنا چاہتا ہون۔

ہرقل (قیصر روم) نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک

مکتوب بھیجا جس میں چند عجیب و غریب سوالات کئے گئے۔ تھے جو تحقیقت نہایت پیچیدہ اور فہم سے بالا تھے۔ امیر معاویہ کے درباریوں نے عرض کیا کہ سوالات اہم اور ادق ہیں اور آپ اس میدان میں دوڑ نہ سکیں گے اگر آپ نے کوتاہی یا لغزش کسی جواب میں بھی دکھائی تو یقیناً آپ قیصر کی نگاہوں سے گر جائینگے اور آپکا ایک نصرانی بادشاہ کی نگاہوں میں خفیف ہو جانا ملت اسلامیہ اور مسلمین کی خفت ہے اس لئے مناسب ہے کہ آپ ان سوالات کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجدیں اور وہاں سے جوابات لیکر انکو قیصر کے پاس بھیجدیں۔

چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سوالات روانہ کر دئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے یہاں جواب میں کوئی تاخیر ہی نہ ہوتی تھی بلکہ جتنا پیچیدہ سوال ہوتا تھا وہ اُتنا ہی جلد اسکی تہ کو پالیتے اور جواب میں سرعت فرماتے تھے۔ انہوں نے جوابات روانہ فرما دئے۔ ان سوالات و جوابات میں آپ اس حبر اُمت کی زود فہمی اور بدیہہ گوئی ملاحظہ فرمائیں۔

قیصر سوال کرتا ہے کہ:-

(۱) شے اور لاشے کیا ہے۔

(۲) وہ چار چیزیں کون سی ہیں جو ذی روح ہیں مگر نہ باپ کی پیٹھ میں رہیں نہ ماں کا پیٹ انہوں نے دیکھا؟

(۳) وہ کونسا انسان ہے جو بلا باپ کے پیدا ہو۔

(۴) وہ کون سا انسان ہے جس کے ماں نہیں؟

(۵) وہ کون سی قبر ہے جو صاحب قبر سمیت دوڑتی پھری۔

(۶) وہ کون سا درخت ہے جو بغیر پانی کے اگایا گیا ہے۔

(۷) کائنات کا وہ کونسا حصہ ہے جس پر ایک دفعہ کے سوا سورج نے نہ کبھی پہلے طلوع کیا نہ بعد میں کریگا؟

(۸) وہ کون سی چیز ہے جس نے ابتدائے آفرینش سے صرف ایک دفعہ حرکت کی نہ پہلے کبھی کی نہ بعد میں کریگی؟

(۹) وہ کون سی چیز ہے جس نے سانس لیا اور اسمیں روح نہ تھی؟

(۱۰) چاند میں جو داغ نظر آتا ہے وہ کیا ہے؟

(۱۱) آج کا دن گزشتہ کل، آئندہ کل، اور آئندہ کے بعد کی کل (پرسوں) کیا ہے؟

(۱۲) وہ کون سا دین ہے جسکے سوا کسی دین کو خدا قبول نہ فرمائیگا۔

یہ چند سوالات قیصر نے کئے لیکن فلسفیانہ حیثیت سے نہیں کئے بلکہ مذہبی حیثیت سے۔ اور ان سوالات کے ذریعہ سے امیر معاویہؓ کو نہیں مسلمانوں اور اسلام کی جانچ کرنا چاہتا تھا۔ اُسے یہ دیکھنا تھا کہ قرآن ان اشیاء کے متعلق کیا علم رکھتا ہے۔ اور اُسکی آیات ان سوالات کے متعلق کیا رہنمائی کرتی ہیں

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حسب ذیل جوابات دئے جو محض قرآن سے ماخوذ ہیں۔ اور ان سوالات کے متعلق قرآن نے جو بصیرت پیش کی ہے بعینہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی خداداد فطانت سے پیش فرما دئے ہاں یہ خیال رکھا جائے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دینے میں محض آیت پیش کر دینے پر اکتفا کیا ہے۔ آیت کا ترجمہ اور مناسب مقام حل ناظرین کی تفہیم کے لئے میں نے خود کیا ہے۔ جواب حسب ترتیب سوالات ملاحظہ ہوں۔

جوابات

(۱) شے فی الحقیقت پانی ہے کیونکہ پانی ہی سے ہر شے کو حیات زندگی اور وجود کی دولت دی گئی ہے۔ اور جب کہ شے کی شیئیت پانی سے ہوئی یعنی شے کا شے ہونا پانی پر موقوف ہو گیا تو پانی ہی درحقیقت شے ہو گیا۔ کیونکہ وہ مایہ الشیئیۃ اور اشیاء کو اشیاء بنانے والا ہے۔ قرآن کریم نے ارشاد فرمایا۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ　　ہم نے ہر شے کو پانی سے پیدا کیا ہے

اور لاشے دنیا ہے۔ جو اگر موجود بھی ہوئی تو معدوم ہونے کے لئے اور ظاہر بھی ہوئی تو چھپ جانے کے لئے پس اسکا وجود سایہ اور ظل کا سا وجود ہے اور جو سایہ کی طرح مٹنے والا وجود موہوم رکھے تو وہ خود بھی معدوم ہے اور جسکے ساتھ وابستہ ہو جائے اُسے بھی معدوم کر دیگی۔ اور ظاہر ہے کہ جو عدم بلکہ مایہ العدم ہو حقیقۃً وہی لاشے کہلائے جانے کا مستحق ہے اسی لئے قرآن نے فرمایا

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ

یہ دنیا کی زندگی کھیل کود کے سوا کچھ بھی نہین۔

(۲) وہ چار چیزین جو ذی روح اور زندہ پیدا کی گئین مگر باپ کی پیٹھ اور مان کے پیٹ سے آشنا نہین ہین ان مین سے ایک آدم علیہ السلام ہین۔ حق تعالیٰ نے انکی نسبت خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (مین نے اپنے دونو ہاتھون سے آدم کو پیدا کیا) فرمایا۔ دوسری چیز انکی زوجہ ہین جو پشت پدر اور بطن مادر کے بجائے آدم کی بائین پسلی سے پیدا کی گئین۔ تیسری چیز حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ ہے جو پتھر سے بطور معجزے کے ظاہر ہوئی تھی۔ چوتھی چیز حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کا مینڈھا ہے جو انکے فدیے کے لئے جنت سے لایا گیا۔

(۳) وہ انسان جسکے باپ نہین مسیح علیہ السلام ہین۔

(۴) وہ انسان جسکے مان نہین آدم علیہ السلام ہین۔

(۵) وہ قبر جو صاحبِ قبر سمیت دوڑتی پھری۔ یونس علیہ السلام کی مچھلی تھی جو ان کو اپنے بطن مین لیکر دریا مین دوڑتی رہی اور اسی لئے ان کا لقب قرآن مین صاحب الحوت ہے انکی نسبت قرآن کریم نے خبر دی ہے کہ:۔

فالتقمه الحوت وهو مليم
فلولا انه كان من المسبحين
للبث فى بطنه الى يوم
يبعثون ٥

پھر انکو مچھلی نے نگل لیا۔ اور وہ اپنے آپکو ملامت کر رہے تھے سو اگر وہ تسبیح کرنیوالون مین سے نہ ہوتے تو قیامت تک اُسی کے پیٹ مین رہتے۔

امام رازی لکھتے ہین کہ اگر وہ لا الٰه الا انت سبحانك انى كنت من الظالمين ٥ سے تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک مچھلی ہی کے پیٹ مین رہتے اور وہ مچھلی ہمیشہ کے لئے انکی قبر بنا دی جاتی۔

(۶) وہ درخت جو بغیر پانی کے اُگایا گیا شجرۂ یقطین ہے جو یونس علیہ السلام کو دھوپ سے بچانے کے لئے ان پر اس وقت اُگایا گیا ہے جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ سے نکالے گئے ہین۔ قرآن کریم نے فرمایا

فنبذناه بالعراء وهو
سقيم ٥ وانبتنا عليه
شجرة من يقطين ٥

سو ہم نے انکو ایک میدان مین ڈال دیا اور وہ اُس وقت مضمحل تھے اور ہم نے اُن پر ایک بیلدار درخت بھی اُگا دیا۔

(۷) وہ حصۂ کائنات جس پر ایک دفعہ کے سوا سورج نے کبھی طلوع نہین کیا اور وہ [illegible] یعنی بحر اور دریائے نیل کا وہ جوفی حصہ ہے۔ جو بنی اسرائیل کے گذر جانے کے لئے پھاڑ دیا گیا تھا اور اِدھر کا پانی اِدھر اور اُدھر کا پانی اُدھر دیوار بن کر کھڑا رہ گیا تھا۔ بارہ راستے اسمین بنا دیے گئے تھے تاکہ بارہ سبطین اپنے اپنے راستہ سے گذرین۔ دریا کے اُس حصہ کو اُس وقت کے سوا سورج نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ قرآن نے فرمایا

واذ فرقنا بكم البحر
فانجينكم واغرقنا
آل فرعون وانتم تنظرون ٥

اور جب کہ پھاڑ دیا ہم نے تمہارے لئے دریا کو پس تمہین تو بچا لیا۔ اور آل فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے

(۸) وہ چیز جس نے ابتدائے آفرینش سے ایک دفعہ کے سوا کبھی [illegible] حرکت نہین کی طور سینا ہے جبل طور اور ارض مقدسہ کے درمیان [illegible] راتون کی مسافت ہے جب کہ ارض مقدسہ مین بنی اسرائیل کی ڈھٹائی اور شوخ چشمی حد سے گذر گئی اور اُنہون نے توریت کو نہ قبول کیا تو اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے جبل طور کو اُسکی جگہ سے اُٹھا کر وہان سے اُڑایا اور ارض مقدسہ مین لا کر بنی اسرائیل کے سر پر معلق کر دیا۔

اور اُن سے کہا گیا کہ یا توراۃ کو قبول کرو اور یا تم پر یہ پہاڑ چھوڑ دیا جائیگا تو اُنہوں نے جبراً قہراً آسمانی کتاب کو قبول کیا۔ قرآن کریم نے ارشاد فرمایا

واذ نتقنا الجبل فوقهم	اور وہ وقت بھی یاد کرو جب کہ ہم نے
كانه ظلة وظنوا	پہاڑ (طور) کو اُٹھا کر چھت کی طرح
انه واقع بهم	ان پر معلق کر دیا اور انکو یقین ہو گیا
خذوا ما آتيناكم	اُن پر گرا اور کہا کہ قبول کرو جو کتاب
بقوة واذكروا	ہم نے تمہیں دی ہے مضبوطی کے ساتھ
ما فيه لعلكم	اور یاد رکھو جو احکام اُس میں ہیں جس سے
تتقون ٥	توقع ہے کہ تم متقی ہو

(۹) وہ چیز جس نے بغیر روح کے سانس لیا اور نفس کھینچا صبح ہے (کیونکہ سانس لینا زندگی اور روح کی علامت ہے متنفس چیز متحرک چیز ہوتی ہے) شب تار اپنی شان سے آتی ہے۔ عالم پر سکون اور حزن و گلینی کے آثار طاری ہو جاتے ہیں اور ایک مُردنی سی دُنیا پر چھا جاتی ہے اور جب صبح آتی ہے تو عالم کھیلاتی جلاتی اور متحرک و بشاش بنانے آتی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالم زندہ ہو گیا اور ہر متنفس میں کچھ سانس اور دم موجود ہے پس جو صبح عالم کے زندوں کو نفس بخش رہی ہے اور دنیا کے سانس اور دم کے لئے محرک بن رہی ہے وہی حقیقت میں متنفس اور متحرک ہے۔ اگرچہ وہ حیوانی روح نہیں رکھتی اسی لئے قرآن نے اُسکے کمال اشراق اور ضو فشانی کو تنفس سے تعبیر فرمایا۔

والصبح اذا تنفس	قسم ہے صبح کی جب کہ وہ سانس لے (یعنی با ن شان و آن آنے لگے)

(۱۰) چاند کا داغ اور محو وہی ہے جسکو قرآن کریم نے فرمایا

فمحونا آية الليل وجعلنا	ہم نے محو کر دیا رات کی علامت کو اور
آية النهار مبصرة	ظاہر کر دیا دن کی علامت کو

اگر یہ محو نہ ہوتا تو رات اور دن میں کوئی امتیاز باقی نہ رہتا اور رات کو دن سے تمیز دے سکتے اور نہ دن کو رات سے۔

(۱۱) آج کا دن عمل ہے۔ گزشتہ دن مثل ہے (جو گزر چکی) آئندہ دن اَمَل ہے (جو ضرور واقع رہیگی) اُس سے اگلا دن آمل ہے (جو امید محض ہے پوری ہو یا نہ ہو)

(۱۲) وہ دین کہ جسکے سوا کوئی دین اور مشرب قبول ہی نہ ہوگا لا اله الا الله ہے۔

یہ واقعہ جن عبر و بصائر کو اپنے اندر پنہان رکھتا ہے اُن میں سے اہم الاہم یہ چیزیں ہیں ایک یہ کہ زندگانی کا جو واقعہ بھی ایک مُسلم پر گزرے (یا جو بڑے سے بڑا سوال کہ قلب پر وارد ہو) اسکو قرآن کے سامنے پیش کر دینا ہی ایک مسلمان کا امتیاز ہوگا۔ سترا و ضرا کی ایک ایک ساعت کے متعلق ہم کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرح قرآن ہی سے پوچھنا چاہئیے کہ وہ کیا ارشاد کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی چیز کتنی ہی پیچیدہ صورت میں آئے گھبرایا اور متلاشی کے لئے قرآن سے نکل آتی ہے ؎

جميع العلم في القرآن لكن　　تقاصر عنه افهام الرجال

پس محرومی ہوگی اگر ہم تلاش و سعی بھی چھوڑ دیں یا تلاش و سعی کا رُخ قرآن کے سوا کسی اور چیز کی طرف پھیر دیں۔

فاسئلك يا الله يا رحمن بجلالك ولنور وجهك ان تنور بكتابك بصري وان تطلق به لساني وان تفرج به عن قلبي وان تشرح به صدري وان تستعمل به بدني فانه لا يعينني على الحق غيرك ولا يوتيه الا انت ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم ؕ

وانا عبد الضعيف
محمد طيب عفا الله عنه
(دار العلوم دیوبند)　(منقول از رسالہ القاسم دیوبند)

سوزِ جگر

جناب سید عبدالحکیم میاں صاحب سیفؔ شاہجہانپوری

یادگارِ حضرت جلالؔ لکھنوی مرحوم

ہمکو جلایا رات دن سوزِ جگر نے کیا کیا
اِس سے لگی نہ بجھ سکی دیدۂ تر نے کیا کیا

شب کو جو سوئیں چین سے ہو انہیں اسکی کیا خبر
ہجر کے مبتلا کے ساتھ دردِ جگر نے کیا کیا

چونک اُٹھا وہ رشکِ گل جان مری ہوا ہوئی
صبحِ وصال یہ ستم بادِ سحر نے کیا کیا

کیوں دلِ زار ہجر میں کوئی بھی تھا شریکِ غم
مجھ کو جلانے کے سوا سوزِ جگر نے کیا کیا

مجھکو ملا کے خاک میں ایسے وہ بھولے بنتے ہیں
جیسے اُنہیں خبر نہیں نیچی نظر نے کیا کیا

ہے کوئی مجھ سے ہم بغل خواب یہ دیکھتا تھا میں
اُٹھ کے مجھے جگا دیا دردِ جگر نے کیا کیا

خیر ہوئی شبِ وصال مجھ سے نہ وہ خفا ہوئے
سوچیے تو جنابِ دل آپ کے شر نے کیا کیا

دل کی لگی نہ بجھ سکی دونوں کی ضد میں خاک بھی
سوزِ جگر کی لاگ سے دیدۂ تر نے کیا کیا

صبحِ وصال سو گئے جاگے ہوئے مرے نصیب
کیوں اُسے دوس دیجئے مرغِ سحر نے کیا کیا

دل سے رقیب دوست نے پھیر لی مجھ سے آنکھ یوں
دیکھ تو تیرے پیار کی ایک نظر نے کیا کیا

شمع لحد ہوئی جو گل بلبلوں کا ہوا ہجوم
سیفؔ نیا یہ گل کھلا بادِ سحر نے کیا کیا

سیدنا آدم و عیسیٰ علیہما السلام

ذیل کا مضمون جناب گویا جہان آبادی کی تحقیق و تدقیق کا نتیجہ ہے جو نہایت قابلیت اور کافی محنت جانفشانی سے لکھا گیا ہے جناب نیاز فتحپوری نے جب سے اپنے موقر رسالہ "نگار" میں ایک مستقل عنوان استفسارات کے نام سے قائم کیا ہے اُس وقت سے طرح طرح کے سوالات پڑھنے میں آتے ہیں۔ اور میں اس امر کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جناب نیاز ہر سوال کے جواب دینے کی خواہ وہ کتنا ہی زبردست اور دقیق کیوں نہ ہو ضرور کوشش کرتے ہیں اور ایک حد تک انہیں اچھے طور سے کامیاب نظر آتے ہیں جس سے مستفسر اور ناظرین نگار کے علاوہ خود اُن کو فائدہ پہونچتا ہے اور وسعت مطالعہ کے ساتھ ساتھ معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے جناب نیاز کی قابلیت، ذہنیت اور انشا پردازی سے کسکو انکار ہو سکتا ہے لیکن نگار میں اگر وہ استفسارات جو مذہب سے متعلق ہیں درج ہی نہ کئے جاتے تو زیادہ مناسب تھا۔ یہ میں نے صرف اس لئے عرض کیا کہ مذہب کا تعلق زیادہ تر عقائد سے ہے۔ اور عقائد کی اشاعت نگار کے ذریعہ سے میرے خیال میں مناسب نہیں۔ مذہبی سوالات کے جوابات دینے کے لئے ہندوستان میں بڑے بڑے لوگ موجود ہیں اور اس کام کو باحسن وجوہ انجام دے رہے ہیں یہ کام انھیں پر چھوڑ دیا جاتا تو اچھا تھا۔ اس طرح کئی ایک سوالات اور اُن کے جوابات نگار میں شائع ہوئے جنکا تعلق مذہب و عقائد سے ہے ان جوابات سے مسلمانوں میں بےچینی پیدا ہو گئی ہے اور ان خیالات کی نسبت بہت کچھ اظہار افسوس کیا جا رہا ہے۔

منجملہ اُن جوابات کے ایک یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کا بے باپ کے پیدا ہونا غلط اور قطعی غلط ہے آپ کے والد یوسف نجار تھے آپ سے کوئی امر خلاف عادت (معجزہ) ہرگز صادر نہیں ہوا۔ آپ عمر طبعی تک پہونچکر بقضاے الٰہی فوت ہو گئے۔ انھیں باتوں کو مختلف طریقوں سے ثابت کیا گیا ہے اور سائنس کے مقررکردہ قانون الٰہی کے خلاف کسی امر کو نہیں مانا ہے۔

جناب گویا جہان آبادی نے اس مضمون میں مندرجۂ بالا امور کا جواب دیا ہے۔ اور کوشش کی ہے کہ جناب نیاز کے استدلال و خیالات کے جوابات اُسی پیرایہ میں دئے جائیں جس پیرایہ میں جناب نیاز نے جواب لکھا ہے جناب نیاز سے مجھے اس امر پر زبانی گفتگو بھی کرنے کا موقع ملا تھا اور میں نے مرقع میں مذہبی بحث نہ چھیڑنا اگر وہ یہ فرماتے کہ میرے پاس بھی جوابات آئے ہیں اُن کو میں شائع کروں گا اور وہ سب جوابات جو اُنکو میں چھپنے سے پہلے دکھاؤں گا اگر اُن سے میری تشفی ہو گئی تو خیر ورنہ پھر جواب لکھوں گا۔ اس لئے میں نے مرقع میں جناب گویا جہان آبادی کا مضمون جو نہایت کاوش اور کافی تحقیق و تدقیق سے لکھا گیا ہے جناب نیاز کا انشا لیکر شائع کرنا مناسب سمجھا غور کرنے سے جناب نیاز صاحب کی تسکین ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اصل مستفسر کو اس سے یہ رائے میں فائدہ پہونچے گا اور وہ لوگ جو خیالات جناب نیاز کی تحریر شاید کچھ سے کچھ سمجھ گئے ہوں اس سے نفع حاصل کرینگے اور ہر مسلمان کو اس مسئلہ میں کافی واقفیت حاصل ہو گی۔ میں جناب نیاز اور جناب گویا دونوں کے جوابات پر تبصرہ کرتا لیکن مناسب یہی سمجھا کہ اس مضمون کو اس وقت یونہیں اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور اہل علم حضرات کے خیالات معلوم ہو لیں اس کے بعد اگر ضرورت ہوگی تو کچھ لکھا جائیگا۔ (وصل بلگرامی)

مشاہدہ ہے کہ جب ایک انسان کسی خاص راہ میں کچھ سبقت لے جاتا ہے تو وہ آپ کو ہر میدان کا مرد سمجھنے لگتا ہے "نفسیات" اس انسانی رجحان کے علل و اسباب کی تشریح و توضیح کچھ ہی کرے لیکن ہم تو اسے ایک دلچسپ بوالعجبی ہی سے تعبیر کرینگے۔

حضرت نیاز فتحپوری "انشاے جمیل" کے موجد کے جائیں یا مخترع، چشم ما روشن دلِ ما شاد، لیکن یہ تو ہمیں کیا غالباً کسی کو بھی تسلیم نہ ہوگا کہ آپ کی نافقہ اختراعیں (اجتہادات) ہر علم و فن میں کسی امتیاز کی مالک ہیں۔

اشاعتِ نگار سے "نیاز صاحب" اِس امر کا ثبوت فراہم کرنے کی متواتر کوشش کرتے رہے ہیں کہ وہ افسانہ نویسی کے سوا تاریخ، طبیعات، الٰہیات، مذہبیات غرض کہ ہر شعبۂ منقول و معقول میں ایک خصوصی توغل اجتہاد و استعداد رکھتے ہیں۔

بسلسلۂ استفسارات "نگار" ستمبر ۲۶ء میں ایک مقالہ رقم فرمایا ہے ا۔ صفحے کا "حضرت عیسیٰ علیہ السلام" کے عنوان سے جناب نے جو ہرین نگارش فرمایا ہے، جس کا ماحصل بہ ترکِ حشو و زوائد بدفعات ذیل ہے،

ا۔ حضرت عیسیٰ کو بے باپ کے پیدا ہونا غلط اور قطعی غلط ہے عقیدہ رہے کہ آپ کے والد یوسف نجار بن یعقوب بن ماثان الخ تھے۔

۲۔ آپ سے کوئی امر خرق عادت (جسے معجزہ کہتے ہیں) ہرگز

صادر نہیں ہوا۔

۳۔ آپ عمر طبعی تک پہونچ کر بقضائے الٰہی فوت ہوئے۔

اول الذکر دعوے کی تائید میں جو سب سے پہلی دلیل جناب نے پیش فرمائی ہے وہ یہ ہے۔

چونکہ سورۂ انعام (قرآن) میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ آل ابراہیمؑ سے ہیں اور مریم کا سلسلۂ نسب ابراہیم تک منتہی نہیں ہوتا، اس لئے قرآن کے دعوے کی تائید صرف اِس طرح ممکن ہے کہ یوسف نجار کو والدِ عیسیٰ تسلیم کر لیا جائے، یوسف کا سلسلۂ نسب البتہ حضرت ابراہیمؑ تک پہونچتا ہے۔ اصل الفاظ نیاز صاحب کے یہ ہیں۔

"مریم کے والد کون تھے، یہ امر بالکل تاریکی میں ہے........ اس پر اعتماد کر کے کہ حضرت عیسیٰ کو مادری سلسلے سے آلِ ابراہیم میں شامل نہیں کیا جا سکتا[1] حالانکہ قرآن پاک سے صراحۃً اُن کا ذریات ابراہیم یا آل داؤد میں ہونا ثابت ہے، البتہ اگر مریم کے نسبتی شوہر یوسف نجار کو عیسیٰ کا باپ تسلیم کر لیا جائے تو حضرت عیسیٰ کا آسانی سے آل داؤد میں ہونا ثابت ہو سکتا ہے[2]۔ کیونکہ یوسف یقیناً آلِ ماثان سے تھا اور ماثان کا سلسلہ نسب داؤد تک پہونچتا ہے، جیسا کہ متی کی انجیل سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے باپ کا نام یوسف تھا[3]........ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ کے باپ نہ تھے اور وہ واقعی بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو پھر انجیل و قرآن کی یہ صراحت کہ وہ آلِ داؤد سے ہوں گے بالکل لغو ہو جاتی ہے الخ"

---

[1] اگرچہ تمام مسلمان مورخ اِس پر متفق ہیں کہ مریم آل ابراہیم میں سے تھیں لیکن ابن ہشام و ابن اسحاق وغیرہ بعض مورخ اُن کے سلسلۂ نسب میں کچھ مختلف ہو گئے ہیں، اسی اختلاف کی بنا پر آپ اِس اعتقاد پر مجبور ہوئے ۱۲

[2] ترکیب تو مناسب ہے، مگر مصیبت یہ ہے کہ شاید کوئی مسلمان اس پر رضامند نہ ہوگا ۱۲

[3] متی کی انجیل میں کہیں نہیں ہے کہ یوسف عیسیٰ کے باپ تھے ۱۲

نتیجہ یہ نکلا کہ مریم کا آلِ داؤد سے نہ ہونا ثابت اور اس لئے حضرت عیسیٰ کا آلِ داؤد میں ہونا صرف اسی صورت میں معتبر سمجھا سکتا ہے کہ یوسف کو آپ کا باپ تسلیم کر لیا جائے۔ غور فرمایئے!

یہ ہے "مجتہدِ اعظم ادبِ اردو" کی وہ سب سے پہلی دلیل جس کی بنا پر وہ حضرت عیسیٰ کے بے باپ کے پیدا ہونے کے قائل نہیں۔

آؤ ہم بطور خود سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ آیا کسی شہادتِ موثق سے حضرت مریم کا آل داؤد سے نہ ہونا ثابت ہے؟ ہم اس تنقیح کے ایجابی و سلبی دونوں پہلوؤں پر نظر کریں گے، اصل تنقیح یہ ہے کہ آیا مریم آل ابراہیم سے تھیں؟

کس قدر حیرت ہے کہ خود اُس نبی محترمؑ کے حالات، جسکی عزمت کا اعتراف آج بھی بے شمار دلوں کو منور کر رہا ہے، جہل اور جہل مرکب کی تاریکیوں میں مخفی ہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر قرآن کی ضیا بار شعاعیں اُن صدہا کفر و شرک کی تاریکیوں کو (جو شخصیتِ حضرت عیسیٰ پر حجاب تھیں) دور نہ کر دیتیں تو آج بھی دنیا کی تاریخ اس سوال کا صحیح جواب دینے سے عاجز تھی کہ حضرت عیسیٰ کون تھے اور آپ کی ولادت کا صحیح واقعہ کیا ہے؟

بہر حال معاونِ تحقیق کم و بیش حسب ذیل ذرائع ہیں۔

۱۔ ادبیات رومانیہ

۲۔ ادبیات اسرائیلیہ

۳۔ ادبیات اسلامیہ

سرمایۂ شہادت، ادبیات رومانیہ میں سے صرف طیسی طوس کی تاریخ ہے، ادبیات اسرائیلیہ میں سے یوسفوس کی تاریخ، طالمود اور مجموعۂ اناجیل اور ادبیات اسلامیہ میں سے قرآن اور مسلمان مورخوں کی تاریخیں ہیں۔

رومی مورخ طیسی طوس نے جو قریب قریب حضرت عیسیٰؑ کا

ہم عصر رہا ہے کچھ تذکرہ حضرت عیسیٰ کا اپنی تاریخ مین کیا ہے لیکن اُس سے مسئلۂ زیر بحث پر کوئی روشنی نہین پڑتی یہی حال یوسفوس یہودی مورخ کا ہے کہ اُسنے بھی آپ کے متعلق کوئی کرامات نہین لکھی، یوسفوس بھی قریب قریب حضرت عیسیٰ کا ہم عہد مورخ تھا، اُسکی تاریخ آپکے ایک صدی بعد کی تصنیف ہے وہ اگر چاہتا تو آپکے مفصل حالات لکھ سکتا تھا مگر نہین لکھے، طالمود، فقۂ یہود کی کتاب ہے، اُس کا کچھ حصّہ حضرت عیسیٰ کے بعد کا لکھا ہوا ہے اور اُسی مین حضرت عیسیٰ کا تذکرہ بھی ہے لیکن بلا قابل التفات، یہود کی عداوت حضرت عیسیٰ سے محتاجِ بیان نہین، جسے کوئی شبہ ہو اسی طالمود کو اُٹھا کر دیکھلے، کوئی ناپاک سے ناپاک کلمہ ایسا نہین جو آپکی شان مین استعمال نہ کیا گیا ہو، اس لیے اصول تو انکی شہادت کو ملحوظ رکھتے ہوئے طالمود کو معرضِ بحث مین لانا یا اُس سے کوئی استناد کرنا قطعی خلافِ انصاف ہوگا، اب رہین اناجیل سو وہ ایک حد تک مدِ تحقیق ہین اور ہم نے اُن سے فائدہ اُٹھایا ہے، ادبیاتِ اسلامیہ مین سب سے قرآن سے جو ہمارا بہترین ماخذ ہے،

اسلامی تاریخون کے متعلق ہمین صرف یہ کہنا ہے کہ مسلمان مورخین نے جو کچھ حالات حضرت عیسیٰ کے بیان کئے ہین وہ اکثر و بیشتر اسرائیلیات (یہود کی زبانی روایات وغیرہ) سے ماخوذ ہین، اس لئے اناجیل کے مقابلے مین ہرگز قابلِ اعتبار و استناد نہین۔

اس اجمالی تبصرے کا حاصل یہ ہے کہ دیگر ذرایع سے مایوس ہوکر بالآخر مدارِ بحث (اس مسئلہ مین) صرف اناجیل و قرآن ہی پر رہ جاتا ہے۔

اب ہم اپنے ماخذ پر غور کرتے ہین۔

اناجیل کی دقت گردانی ہمین اس نتیجہ پر پہونچاتی ہے کہ

"حضرت ذکریا کی بیوی، الیشبع (الیشاع) حضرت ہارون کی اولاد مین سے تھین اور حضرت مریم اُن کی رشتہ دار تھین" لوقا باب ۱ آیت ۵ و ۶ و ۳۶ -

"حضرت مریم کے والد کا نام جواشیم تھا جو قوم یہود کے ایک گڑریے کی حیثیت رکھتے تھے"

ایک قدیم انجیل (اپاکرفل) جو یعقوبی عیسائیون مین قطعی مستند مانی جاتی ہے (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

"حضرت مریم آل داؤد مین سے تھین اور یوسف نجار کی چچازاد بہن تھین"

(نیو پاپولر انسائیکلوپیڈیا بحوالۂ اناجیل)

تائید مزید

"مریم یواقیم کی لڑکی تھین، اور یواقیم لڑکا تھا ماثان کا جو آل ابراہیم مین سے تھا"

(ابن خلدون بحوالۂ کتاب یعقوب بن یوسف نجار)

اب رہا شہادت کا دوسرا پہلو یعنی مریم کا آل ابراہیم سے نہ ہونا، جہانتک ہمارے علم مین ہے نہ تو کسی مورخ نے (یہود کی روایات کو چھوڑ کر) یہ کہین لکھا ہے اور نہ کسی انجیل مین مذکور ہے کہ مریم آل ابراہیم سے نہ تھین، اب رہگیا بعض مورخین کا اختلاف والد مریم کے سلسلۂ نسب مین سو وہ قطعی قابل اعتنا نہین کہ وہ مقابلۂ زبانی روایات پر مبنی ہے[1] اور اُس کے خلاف اناجیل کی تحریری شہادت موجود ہے،

اس لئے اس بحث کے آخر مین، اناجیل کی شہادت پر اعتماد کرتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہین کہ

"مریم آل ابراہیم مین سے تھین"

---

[1] قرآن اور اناجیل کی شہادت کے خلاف ابن عساکر یا ابن اسحاق وغیرہ کے اُس باہمی اختلاف سے جو انھون نے سلسلۂ نسب مریم مین کیا ہے یہ نتیجہ نکالنا کہ مریم نسل ابراہیم مین سے نہ تھین کہان تک صحیح ہو سکتا ہے؟ ابن عساکر ہون یا ابن اسحاق ان سب حضرات کا تاریخی سرمایہ صرف اسرائیلیات کا نقش ثانی ہے جو ہرگز مستحق اعتنا نہین ۱۲

اس کی تائید قرآن پاک کی اس صراحت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرتِ مریم کے والد کا نام عمران تھا۔

اذ قالت امرات عمران الخ سورۂ آل عمران ۳ع ۳ آیت ۳۱ ؎۱

اور عمران بصراحت مذکور آلِ ابراہیم سے تھے' اب یہ اعتراض کہ قرآن میں مریم کے والد کا نام عمران مذکور ہے اور اناجیل میں یواقیم یا جواقیم' کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے' یہ نادر الوقوع نہیں کہ ایک نام عبرانی اور یونانی زبانوں سے جب عربی میں پہونچے تو اس حد تک تبدیل ہو جائے کہ پہچان نہ پڑے' ملاحظہ ہو۔

عبرانی	یونانی	عربی	کیفیت
یاریح	جرح	یعرب	نام ایک شخص کا
یقطان	جقطان	قحطان	"
"	اتریا	یثرب	مدینہ
—	کیٹرموٹی	حضرموت	ساحلی شہر یمن کے پاس
	اسکوتا	مسقط	عمان کا دار الحکومت

(ارض القرآن)

یہ عبرانی' یونانی اور عربی ہی پر منحصر نہیں ہے ہر زبان میں یہی ہوتا ہے'

ابن رشد (فلسفی) کو انگریزی میں اویروان کہتے ہیں' وادی الکبیر (واقع اندلس) کا نام انگریزی میں گواڈل کوئیور (GUADAL QUIVER) ہے' غرض کہ اس قسم کی مثالیں تلاش سے صدہا مل سکتی ہیں۔

اب ہم آگے چلتے ہیں' نیاز صاحب نے اول الذکر دعوے کی تائید میں اس کے بعد چند حوالے اناجیل سے پیش فرما کر براہِ راست یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ یوسف مریم کے شوہر اور عیسیٰ کے باپ تھے' قرآن کے متعلق فرماتے ہیں "وہ کلام مجید کی آیات میں کسی جگہ اس کا اظہار نہیں کیا گیا ہے کہ آپکی ولادت بغیر باپ کے ہوئی" اناجیل کے حوالے حسب ذیل ہیں ہم قرآن پاک کی آیتیں اس کے بعد پیش کرینگے۔

انجیل متی	باب ۱	آیت	۱۶
" لوک	باب ۲	"	۳۳
" یوحنا	باب ۶	"	۴۲

مجموعۂ اناجیل ہمارے پیش نظر ہے' پہلے انجیل متی باب ۱ آیت ۱۶ کو دیکھتے ہیں۔

متی کہتے ہیں "یعقوب سے یوسف پیدا ہوا' یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوا جو مسیح کہلاتا ہے" آگے چل کر اسی باب کی آیت ۱۸ میں کہتے ہیں "اب یسوع کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اسکی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو اُن کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی"

ان دونوں حوالوں کے دیکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یوسف کو مریم کا شوہر صرف اُسی نسبت کی وجہ سے کہدیا ہے جو رسماً عمل میں آئی یعنی رسم منگنی۔ یوسف کو کہیں عیسیٰ کا باپ نہیں کہا گیا ہے اس کے علاوہ یہ تو صراحۃً مذکور ہے کہ عیسیٰ کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی۔

لوقا کی انجیل

"اور اس کا باپ اور اُس کی ماں (یعنی عیسیٰ کی)" نیاز صاحب کو

؎۱ نیاز صاحب اپنے مضمون میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "اب رہ گیا مریم کو بنت عمران کہنا جیسا کہ سورہ تحریم آیت ۱۲ میں ہے ومریم ابنت عمران الخ سو یہ بھی اُسی لحاظ سے کہا گیا جس طرح اخت ہارون کے لفظ کو استعمال کیا گیا ہے" مطلب یہ ہے کہ مریم عمران کی بیٹی نہ تھیں نہ یہ آیت قابلِ استناد ہے۔ آپ سورۂ تحریم کی اس آیت کو سورۂ آل عمران کی آیت مذکور کے ساتھ پڑھیں اور سوچیں کہ آیا قرآن نے یہ صاف طور پر ظاہر نہیں فرما دیا ہے کہ مریم کے باپ کا نام عمران تھا؟ ایک جگہ مریم کی ماں کو عمران کی بیوی کہا گیا (سورۂ آلِ عمران ملاحظہ ہو) اور دوسری جگہ مریم کو عمران کی بیٹی کہا ہے (سورۂ تحریم ذکر رہیں) مگر نیاز صاحب ابھی تک یہی کہے جاتے ہیں کہ فی الحقیقت قرآن نے مریم کو عمران کی بیٹی نہیں کہا ہے کیا بصیرت ہے! ۱۲

اگر صرف باپ کے لفظ کی لغوی و شرعی بحث کرکے کوئی مطابقت نہیں الحاقی [illegible]
کی ایک اور مقصود ہو یعنی اثبات دعویٰ تو وہ ہرگز حاصل نہیں ہوتا،
[illegible] ! لوقا کی انجیل میں تو اور انجیلوں سے کہیں زیادہ صراحت کے ساتھ
حضرت عیسیٰ کا بے باپ کے پیدا ہونا مذکور ہے جس کا کچھ حصہ ہم بھی آگے
چل کر نقل کریں گے، چونکہ یوسف کی منگنی مریم کے ساتھ ہوئی تھی اور
وہ مریم کے نسبتی شوہر تھے صرف اسی رعایت سے یوسف کو عیسیٰ کا باپ
کہدیا ہے، اگر لوقا فی الحقیقت یوسف کو عیسیٰ کا باپ تسلیم کرتا تو اس صراحت
سے حضرت عیسیٰ کا بے باپ کے پیدا ہونا نہ بیان کرتا۔

یوحنا کی انجیل

یہودی حضرت عیسیٰ کی باتوں پر آپس میں بڑبڑاتے ہیں اور کہتے ہیں۔
"کیا یہ یوسف کا بیٹا یسوع نہیں، جسکے ماں باپ کو ہم جانتے ہیں؟"
نیاز صاحب ! یوحنا نے یہ یہودیوں کا قول حضرت عیسیٰ کی نسبت نقل کیا
ہے، کیا آپ کو یہودیوں کی اُس عداوت کا حال جو اُنھیں حضرت عیسیٰ
سے تھی معلوم نہیں ؟ اس قول میں یوحنا نے اپنے عقیدے کا اظہار
نہیں کیا ہے، اپنے عقیدے کا اظہار کیا ہے باب آیت ۱۸ میں جہاں
مسیح کو خدا کا اکلوتا بیٹا بتایا ہے۔

افسوس کہ ان حوالوں کے دیکھنے کے بعد بھی ہم جہاں تھے وہیں ہیں
یعنی ہماری رائے میں اناجیل میں یہ کہیں نہیں ہے کہ یوسف فی الحقیقت
حضرت عیسیٰ کے باپ تھے برخلاف اس کے ہمیں تو جا بجا یہی نظر آیا کہ کنواری
مریم روح القدس کی قدرت سے حاملہ ہوئی۔

یہاں ہم انجیل و قرآن سے وہ حوالے پیش کرتے ہیں جن سے
ہمیں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت عیسیٰ (قدرت خدا سے) بغیر باپ کے
پیدا ہوئے بلکہ جملہ مفسرین قرآن، محدثین و متکلمین و محققین غرض کہ
جمہور اہل اسلام آغاز اسلام سے آج تک یہی سمجھتے آئے ہیں کہ حضرت
عیسیٰ کی ولادت بطور خرق عادت بغیر باپ کے ہوئی، اس کے بعد
نیاز صاحب کے وہ تصرفات دکھائیں گے جو جناب نے مفاہیم
آیات قرآنی میں کئے ہیں۔

ملاحظہ ہو

قرآن پاک	انجیل لوقا
جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم !	فرشتے نے اُس کے (یعنی مریم کے)
اللہ تجھے خوشخبری سناتا ہے اپنے	پاس اندر آکر کہا کہ سلام تجھکو جس پر
ایک کلمے کی جس کا نام عیسیٰ بن	فضل ہوا.......... دیکھو تو
مریم ہے، وہ دنیا اور آخرت میں	حاملہ ہوگی اور بیٹا جنےگی اس کا
عزت والا اور مقربین میں سے ہے	نام یسوع رکھنا وہ بزرگ ہوگا
وہ لوگوں سے پالنے میں اور پوری	....
عمر کا ہو کر کلام کریگا اور وہ نیکوکاروں	خداوند اس کے باپ داؤد کا تخت
میں ہے۔ مریم بولی اے میرے رب !	اُسے دیگا..............
میرے لڑکا کیونکر ہوگا ؟ حالانکہ	مریم نے فرشتے سے کہا یہ کیونکر ہوگا ؟
مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا " فرمایا	جس حال میں کہ میں مرد کو نہیں
اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے	جانتی " فرشتے نے جواب میں
وہ جب کوئی کام ٹھہراتا ہے تو صرف	کہا " روح القدس تجھ پر نازل ہوگا
اتنا کہدیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے	اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر
ہو جاتا ہے۔	سایہ ڈالے گی ....
سورۂ آل عمران آیت ۴۰ لغایت ۴۳	باب آیت ۲۸ لغایت ۳۵ ملخصاً

ایک تحریف شدہ کتاب (انجیل) کو قرآن سے کیا نسبت با این
ہمہ (حیرت ہے کہ) اس واقعہ کے متعلق قرآن پاک اور انجیل کی آیتیں
کس درجہ متحد المفہوم ہیں، ہم نے متحد المفہوم آیتوں کو زیر خط کر دیا ہے
انجیل میں یہ بھی ہے کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور خدا تعالیٰ کی
قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی لہ مگر اسکے آگے انجیل میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے،

لہ قدرت کا سایہ ڈالنا یعنی مریم کا خرق عادت کے طور پر حاملہ ہونا کس قدر لطیف کنایہ ہے ۱۲

کہ اس کے بعد حسب بشارت روح القدس حضرت مریم پر نازل ہوا البتہ قرآن پاک مین اس واقعہ کا تذکرہ اس طرح ہے'

اور کتاب (قرآن) مین مریم کو
یاد کر جب وہ اپنے لوگون سے ایک
شرقی مکان مین الگ ہو بیٹھی' پھر
اُن کی طرف سے ایک پردہ ڈال لیا
پھر ہم نے اُس کی طرف اپنی روح
(روح القدس) کو بھیج دیا پھر وہ
ہماری روح پورا انسان بنکر اُسکے
سامنے آئی' مریم نے کہا مین تجھسے
رحمان کی پناہ مانگتی ہون' اگر تو پرہیزگار
ہے' کہا مین تو تیرے رب کا رسول ہون
تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا بخشون'
وہ بولی میرے لڑکا کیونکر ہوگا اور
کسی آدمی نے مجھے نہین چھوا۔ اور مین
ہرگز بدکار نہین' بولا یون ہی ہوگا۔
تیرے رب نے کہا ہے کہ یہ کام مجھپر
آسان ہے اور ہم چاہتے ہین کہ اس
لڑکے کو آدمیون کے لئے معجزہ اور اپنی
طرف سے رحمت بنائین اور اُس کی
پیدائش کا معاملہ ازل سے مقرر ہے
(کہ بے پدر پیدا ہو) پھر مریم نے اس
لڑکے کو پیٹ مین لیا۔

سورۂ مریم آیت ۱۶ لغایت ۲۲۔

اب آپ مکرر انجیل کی اس عبارت کو پڑھئے" روح القدس تجھپر نازل ہوگا اور خدا تعالی کی قدرت تجھپر سایہ ڈالے گی" اس کے بعد سورۂ مریم کی جس قدر عبارت ہم نے خط کھینچدیا ہے اُس کو پڑھئے اور پھر نتیجہ پر غور کیجئے کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت (خرقِ عادت کے طور پر) انجیل و قرآن مین مذکور ہے یا نہین ؟

اور ملاحظہ ہو۔

انجیل متی
"خداوند کے فرشتہ نے اُسے
(یوسف نجار کو) خواب مین دکھائی
دیکر کہا اے یوسف ابن داؤد !
اپنی بیوی (منگیتر) کو اپنے ہان
لے آنے سے نہ ڈر' کیونکہ جو اُسکے
پیٹ مین ہے وہ روح القدس
کی قدرت سے ہے۔

باب آیت ۲۰ - ۲۱ -

مگر حضرت عیسیٰ کی ولادت بغیر باپ کے نہ مانی جائے اور نیاز صاحب کے کہنے سے بالفرض یوسف کو حضرت عیسیٰ کا باپ تسلیم بھی کر لیا جائے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ سورۂ مریم مین (جس کا حوالہ ہم اوپر دے چکے ہین) یہ فرمایا ہے کہ" ہم چاہتے ہین کہ اِس لڑکے (عیسیٰ) کو آدمیون کے لئے" (باعتبار تخلیق خاص) معجزہ بنائین" اس صورت مین کہ آپکی (یعنی حضرت عیسیٰ کی) ولادت بھی نسل اور بچون کے مان لی جائے تو آپ کی تخلیق خرقِ عادت کے طور پر کس طرح متعین ہو سکتی ہے' معمولی طور پر بچے پیدا ہوتے ہی رہتے ہین' خدا کا یہ فرمانا کہ" ہم چاہتے ہین کہ اس لڑکے کو آدمیون کے لئے معجزہ بنائین" کس طرح متحقق ہو سکتا ہے' دوسرے یہ کہ اگر آپ کی ولادت واستقرار حمل کا واقعہ ایسا ہی معمولی تھا جیسا اور بچون کا تو قرآن و انجیل مین بار بار اس طرح اور اس اہتمام سے (جیسا کہ بیان ہوا)

کیون مذکور ہے؟ نبی تو اور بھی ہوئے کسی کا واقعہ ولادت اس اہتمام سے قرآن مین مذکور نہین، اس کا کیا سبب ہے؟

یہ وہ سوالات ہین جو نیاز صاحب کے دعوے کی سماعت کے بعد ہم قرآن پاک اور انجیل کی آیتون پر نظر ڈالتے ہین تو دل مین خود بخود پیدا ہوتے ہین۔

مزید برآن ہم کہتے ہین، قرآن شریف مین، خدا نے حضرت عیسیٰ کو یا مسیح ابن مریم کے نام سے قریباً ۱۲ مرتبہ مخاطب کیا ہے (سورۂ آل عمران مین ایک مرتبہ، سورۂ نسار مین دو مرتبہ، سورۂ مائدہ مین سات مرتبہ، سورۂ مریم مین ایک مرتبہ اور سورۂ مومنون مین ایک مرتبہ) اس مین کیا راز ہے؟ اگر فی الحقیقت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ یوسف تھے تو کہین تو قرآن، آنحضرت کو عیسیٰ ابن یوسف کہتا، قرآن کی (جسے فرقان ہونے کا دعویٰ بھی ہے) نیاز صاحب کے دعوے کے خلاف اس قدر خاموشی کچھ تو معنی رکھتی ہے [1]

اس بحث کے آخر مین نیاز صاحب کے اس دعوے پر ایک نظر پھر ڈالئے۔

"بہرحال کلام مجید سے یہ بات کسی طرح ثابت نہین ہوتی کہ مسیح کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی"

اور

"چارون انجیلون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف مریم کے شوہر اور عیسیٰ کے باپ تھے"

نیاز صاحب کی
تفسیر بالرّاے

مفسرین کی اصطلاح وہ تفسیر قرآن جو خلاف قرآن و احادیث رسول اللہ صلعم، محض اپنی راے سے کی جائے تفسیر بالرّاے کہلاتی ہے اور اس کی چند قسمین ہین منجملہ اُن کے ایک یہ کہ کسی مذہب فاسد کے لئے تفسیر تجویز کر لی جائے یعنی مذہب کو اصل قرار دیکر اُسکی مناسبت سے کلام خدا مین معنی پہنائے جائین دوسرے یہ کہ اس طرح تفسیر کرنا کہ مراد خداوند تعالیٰ کی اس آیۃ سے قطعاً یون ہے حالانکہ اُس کے لئے کوئی دلیل موجود نہو تیسرے تفسیر بالاستحسان یعنی بلا لحاظ حجت و دلیل اپنی خواہش کے موافق معنی کو مطابق کر لینا۔

اس تشریح کے بعد ہم نیاز صاحب کی تفسیر کے چند نمونے پیش کرتے ہین جو ہر سہ اقسام مذکور پر حاوی ہین، ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ سورۂ آل عمران مین ہے "یامریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسیٰ بن مریم" جملہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت مین کلمے سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہین، مگر نیاز صاحب کے نزدیک کلمے سے مراد پیشین گوئی ہے اور آپ اس آیت کا ترجمہ یون فرماتے ہین۔

"اللہ خوشخبری دیتا ہے تجھے اپنی طرف سے ایک پیشین گوئی کی (اور وہ پیشین گوئی ایک لڑکے کی ہے) جس کا نام مسیح ابن مریم ہوگا" پیشین گوئی کی خوشخبری خاص طور پر قابل ملاحظہ ہے!

حضرت نیاز صاحب کا مذہب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے والد یوسف نجار تھے، اس لئے اُسکو ثابت کرنے کے لئے یہ ناگزیر تھا کہ آپ اس ارشاد خداوندی کی تفسیر اس طرح کرین کہ لفظ کلمے کے معنی ہی بدل

---

[1] نیاز صاحب بھی اس اعتراض سے بے خبر نہ تھے، چنانچہ خود ہی ایک جگہ اپنے مضمون مین ایک ظاہر دیانہ انداز مین فرماتے ہین "اگر کلام مجید مین کسی کے باپ کا ذکر نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا باپ ہی نہ تھا تو موسیٰ کو بن باپ کے ماننا پڑیگا کیونکہ انکی پیدایش کے ذکر مین بھی انکے باپ کا نام نہین لیا گیا ہے" مبارک ہو تشنہ کامان حقیقت! کہ نیاز صاحب نے نہایت تشفی بخش جواب مرحمت فرمایا ہے، خلیہ اس کے یہ معنی ہوئے کہ قرآن مین حضرت موسیٰ کو بھی ہر جگہ اُن کی والدہ کی نسبت مخاطب کیا گیا ہے اور حضرت عیسیٰ کی طرح کہین بھی اُن کے والد کا نام مذکور نہین! ۱۲

ہیں" اس اجمال کی تفصیل یہ ہے'

چونکہ خدا نے حضرت عیسیٰ کو بلا ترتیب سلسلۂ علت و معلول جاریہ محض اپنے امر سے (جسے لفظ کن سے تعبیر کیا ہے) پیدا کیا ہے (ملاحظہ ہو سورۂ مریم) اس لئے آپ کے لئے لفظ کلمہ آیت مذکور میں استعمال فرمایا ہے جو دلیل اس امر کی ہے کہ آپکی تخلیق (خرق عادت کے طور پر) صرف ایک فیضان امر الٰہی سے تھی ۔ اب اگر نیاز صاحب لفظ کلمے کے معنی متداولہ تسلیم کرتے تو اُن کا مقصود فوت ہوجاتا یعنی یہ دعویٰ کہ قرآن کی کسی آیت میں حضرت عیسیٰ کا بے باپ کے پیدا ہونا مذکور نہیں" باطل ہوجاتا اس لئے آپنے کلمے کے معنی پیشین گوئی کے لئے ۔

ہم کہتے ہیں کہ حضرت نیاز! یہاں تو (آیت مذکور میں) آپ نے کلمے کی توجیہ خلاف مقصود قائل خوب کی (کیا کلام ہے) مگر سورۂ نساء کی اس آیت "انما المسیح ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القٰھا الی مریم وروح منہ" میں کلمے کی تفسیر کیا ہوگی یہاں تو لفظ پیشینگوئی کو بجائے کلمے کے چسپاں کیجئے اور معنی فرمایئے ؎۱

۲ ۔ سورۂ آل عمران "قالت رب انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر قال کذالک اللہ یخلق ما یشاء اذا قضیٰ امراً فانما یقول لہ کن فیکون"

اس آیت کا متداولہ ترجمہ یہ ہے کہ "(مریم نے) کہا اے میرے رب! میرے لڑکا کیونکر ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا، کہا اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے جب کسی کام کا حکم کرتا ہے تو صرف اتنا کہہ دیتا ہے ہوجا، سو ہوجاتا ہے"

نیاز صاحب اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں

"جب مریم نے کہا کہ میرے کیسے بیٹا ہوگا جبکہ مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا تو فرشتے نے کہا ایسا ہوگا' ؎۲ (یعنی تمھیں مرد چھوئے گا اور تمھارے اولاد ہوگی)"

نیاز صاحب! یہاں تو آپنے کذالک کے بعد اللہ یخلق ما یشاء کو محذوف فرماکر اس طرح ترجمہ کیا ہے کہ لا تقربوا الصلوٰۃ کی مشہور تفسیر جس کے مقابلے میں ہیچ ہوگئی سبحان اللہ' اس کو کہتے ہیں' کلام آلٰہی میں اپنے مطلب کے موافق تصرف کرنا!

۳ ۔ سورۂ مریم فاتت بہ قومہا تحملہ ط قالو یا مریم لقد جئت شیئاً فریاً ط یا اخت ھارون ما کان ابوک امرء سوءٍ وما کانت امک بغیاً ط فاشارت الیہ قالو کیف نکلم من کان فی المھد صبیاً قال انی عبد اللہ اٰتانی الکتاب وجعلنی نبیاً ط

متداولہ ترجمہ ۔ پھر اس کو (حضرت عیسیٰ) کو اٹھاکر اپنی قوم میں لائی' بولے (لقد جئت شیئاً فریاً) تو ایک عجیب چیز لائی' اے ہارون کی بہن تیرا باپ برا آدمی نہ تھا اور تیری ماں بھی بدکار نہ تھی' اس پر مریم نے لڑکے کی طرف اشارا کیا' وہ بولے ہم اُس سے (کیف نکلم من کان فی المھد صبیاً) جو پالنے میں بچہ ہے کیونکر کلام کریں' (بچہ) بولا میں اللہ کا بندہ ہوں اُس نے مجھے کتاب دی اور نبی فرمایا ہے ۔

یہاں نیاز صاحب کو حضرت عیسیٰ کا زمانۂ شیر خوارگی میں کلام کرنا خلاف عقل معلوم ہوتا ہے اس لئے آپ اس طرح تفسیر فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ نے جو گفتگو کی اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت عیسیٰ بالغ ہوچکے تھے اور اُن کو کتاب الٰہی مل چکی تھی اور یہ امر ظاہر ہے کہ آپ کو نبوت ۳۰ سال کی عمر میں ملی ہے' ابھی کے ساتھ قوم کا یہ کہنا کہ اُس سے

؎۱ اس کے علاوہ قرآن پاک میں متعدد جگہ لفظ کلمہ یا کلمات کا استعمال ہوا ہے مگر کہیں بھی کلمے کا ترجمہ پیشین گوئی نہیں کیا گیا ہے' ملاحظہ ہو سورۂ لقمان ۔ ۳ع' فاطر ۲ع یونس ۹ع' انعام ۱۰ع آیت ۳۴ ۔

؎۲ ایسا ہوگا ترجمہ کیا گیا ہے کذالک کا ملحوظ رہے ۱۲

کیا بات کرین جو گہوارے مین بچہ تھا (یعنی انھون نے لفظ کان کا استعمال کیاہے جس سے زمانہ ماضی ظاہر ہوتاہے نہ یہ کہ وہ فی الحال گہوارہ کے بچے ہین) اس سے بھی ظاہر ہوتاہے کہ حضرت عیسیٰ بچہ نہ تھے' اب رہا یہ امر کہ قوم کا مریم سے کہنا کہ تم عجیب چیز لائی ہو اور یہ کہ تمھارے ماں باپ خراب نہ تھے سو اس سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ اُن پر ناجائز مولود پیدا کرنے کا الزام لگایا تھا' اور اُن کا کوئی شوہر نہ تھا' چونکہ حضرت حضرت عیسیٰ یہودیون کے عقائد کے خلاف تلقین کرتے تھے اس لئے انھون نے لفظ فریًا استعمال کیا جس کے معنی ایسے شخص کے ہین جو عجیب وغریب باتین کرے یا دکھائے یعنی انھون نے کہا کہ اے مریم یہ کیسا بیٹا تم لائی ہو جو ہمارے معتقدات کی اس قدر توہین کرتاہے حالانکہ تمھارے ماں باپ تو ایسے نہ تھے' یہ سُن کر مریم نے کہا کہ اسی سے پوچھو جس پر اہل قوم نے کہا ہم اُس سے کیا بات کرین جو کل گہوارے مین کھیلتا تھا' اس سے مقصود گویا عیسیٰ کی توہین تھی الخ یہ کہنا ہم بھول ہی گئے تھے کہ اسی سلسلہ مین آپنے فاتت بہ قومہا تحملہ کا ترجمہ کیاہے' مریم حضرت عیسیٰ کو سواری مین لائین ؎۲

اس طرح آپ کی تفسیر کے موافق اس آیت کا ترجمہ یہ ہوا۔

"جب مریم حضرت عیسیٰ کو کسی سواری مین اپنی قوم کے پاس لائین تو اہل قوم نے کہاکہ اے مریم یہ کیسا بیٹا تم نے جناہے حالانکہ تمھارے ماں باپ تو ایسے نہ تھے' یہ سنکر مریم نے کہاکہ اسی سے پوچھو جس پر اہل قوم نے کہاکہ ہم اُس سے کیا بات کرین جو کل گہوارے مین کھیلتا تھا"

نیاز صاحب نے اس آیت مین' متداولہ ترجمہ سے دو جگہ ایسا انحراف کیاہے جس سے مفہوم آیت قطعی بدل گیا'

ایک' فاتت بہ قومہا تحملہ مین تحملہ کا ترجمہ اٹھاکر لانے کی عوض سواری مین لانا کیاہے' دوسرے من کان فی المھد صبیا کا ترجمہ جو گہوارے مین بچہ ہے کے بجاے جو کل گہوارے مین کھیلتا تھا' کیاہے' مقصود اس انحراف سے یہ ہے کہ (ثابت کرنا نیاز صاحب کو یہی تھا) جس زمانے مین حضرت عیسیٰ نے قوم سے باتین کین وہ بچہ نہ تھے بلکہ ۳۰ برس کے بالغ تھے"

نیازؔ صاحب کو اس قسم کی تفسیر و ترجمہ کرتے ہوئے شائد سورۂ آل عمران کی اس آیت کا خیال نہ رہا'

ویکلم الناس فی المھد الخ (کلام کریگا آدمیون سے پالنے مین) خدانے مریم کو حضرت عیسیٰ کی یہ خصوصیت کہ وہ پالنے سے (زمانہ شیرخوارگی مین) لوگون سے کلام کرین گے' بشارت فرمائی تھی' اس صورت مین آپ کا گہوارے سے بات کرنا جیساکہ سورۂ مریم مین مذکور ہے یعنی انی عبداللہ فرمانا' مصداق بشارت و موید آیت یکلم الناس فی المھد الخ کا ہی' اگر آپ کی اس تفسیر و ترجمہ کو (حضرت عیسیٰ نے زمانہ شیرخوارگی مین نہین عہد بلوغ کو پہونچ کر لوگون سے کلام کیا) مان لیا جاے' تو اس سے یکلم الناس فی المھد الخ (مذکورۂ سورۂ آل عمران) ہی کی تکذیب ہوتی ہے بلکہ سورۂ مائدہ رکوع ۱۴ کے اس ارشاد "تکلم الناس فی المھد الخ" کی بھی تکذیب ہوتی ہے' معاذاللہ منہا۔

؎۱ یہ غلط ہے' قرآن پاک مین یہ لفظ متعدد جگہ اور بھی استعمال ہوا ہے وہان بھی کان کے معنی "واقع ہوا" یا مرادی معنے "ہو" کے ہوتے ہین۔ مثلاً انہ کان توابا' وکان اللہ غفوراً رحیما' یا "ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" وماکان لمومن ولا مومنات" وکان امراللہ مفعولا" وماکان علی النبی من حرج اب غور کیجئے کہ ان مثالون مین کہین بھی زمانۂ ماضی ظاہر ہوتاہے اسی طرح یہان بھی کان فی المھد مین زمانۂ ماضی کا تعین کرنا سراسر غلط اور ہر تفسیر اور ہر مستند تفسیر قرآن کے خلاف ہے ۱۲

؎۲ یہان تحملہ کا ترجمہ آپنے سواری مین لانا کیا ہی حالانکہ جملہ مفسرین قرآن کے نزدیک یہان تحملہ کا ترجمہ اٹھاکر لائی ہے' سورۂ بقرہ کے آخر مین' وہاب تابوت سکینہ "تحملہ الملئکۃ" ہے' اب یہ غور طلب ہے کہ فرشتے تابوت کو خود اٹھاکر لائے تھے یا کسی مرکب پر لادکر لائے تھے ؟ ۱۲۔

واقعہ یہ ہے کہ سورۂ آلِ عمران میں خدا نے یہ فرمایا کہ ہم نے مریم کو یہ بشارت دی کہ تیرا بیٹا پالنے سے یعنی شیر خوارگی کے زمانے میں لوگوں سے باتیں کریگا؛ سورۂ مریم میں وہ واقعہ بیان فرمادیا جس سے بشارت موعودہ کی عملاً تصدیق ہو گئی یعنی عیسیٰ کا وہ کلام جو انھوں نے زمانہ شیر خوارگی میں کیا تھا' خود عیسیٰ کی زبان سے نقل فرمادیا' سورۂ مائدہ میں اس واقعہ کی کہ عیسیٰ نے بچپن میں کلام کیا تھا' مکرر تصدیق فرمادی اب یہ ناممکن ہے کہ اس واقعہ کی کوئی تاویل کی جاسکے۔

اگر ہم مسلمان ہیں' قرآن کو کتاب الٰہی سمجھتے ہیں تو ہمیں اس پر بھی ایمان لانا پڑیگا کہ جو کچھ قرآن میں مذکور ہے وہ سب سچ ہے۔

اگرچہ نیاز صاحب نے اس کے بعد سورۂ نساء کی آیت ۱۷۱ اور سورۂ انبیا کی آیت ۹۱ کی تفسیر میں بھی اپنا کمال دکھایا لیکن ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ نیاز صاحب کی تفسیر کے نمونے آپکے پیش نظر ہیں' ہم خود اور کچھ کہنا نہیں چاہتے اس کا فیصلہ آپکی عقل سلیم پر ہی چھوڑتے ہیں کہ نیاز صاحب نے آیات قرآنی کی تفسیر کی ہے یا تخریب ؟

۵ کیا لطف جو غیر پردہ کھولے

نہایت سنجیدہ لفظوں میں حاصل اس تمام گفتگو کا یہ ہے کہ نیاز صاحب نے ایک ناکامیاب کوشش اس امر کے ثابت کرنے کی فرمائی ہے کہ قرآن پاک میں کہیں حضرت عیسیٰ کا بے باپ کے پیدا ہونا مذکور نہیں۔

نیاز صاحب چونکہ حضرت عیسیٰ کا بے باپ کے پیدا ہونا خلاف قانونِ قدرت سمجھتے ہیں' اس لیے ہم آپکی اس تمام سعی ناکام کو اس طرح نیک نیتی پر محمول کرسکتے ہیں کہ آپ نے جس تصور کو خود اپنے لئے گوارا نہیں کیا (یعنی خرقِ عادت کے اعتقاد کو) اُس کے نقوش کو صفحاتِ قرآن پر بھی دیدہ زیب نہ سمجھے' یہیں سے ابتدا ہوئی اس تمام جد و جہد کی' اصلیت (غالباً) اتنی ہی ہے۔

یہ ہمیں بھی تسلیم کہ خلافِ قانونِ قدرت کسی شے کا موجود یا معدوم ہونا دونوں محال ہے مگر خرقِ عادت کو خلاف قانونِ قدرت کہنا کیا ہے ؟ یہ ہے ہماری سب سے بڑی غلطی کہ پہلے تو ہم اسے بزعم خود خلافِ قانونِ قدرت سمجھیں اور پھر اُسے دامن مذہب پر دھبا سمجھکر ہر ممکن کوشش جو اس کے مٹانے کی ہوسکتی ہو کریں' چاہے نتیجہ اس تخریب انجام دوستی کا یہی ہو کہ دامن مذہب چاک چاک ہو جائے' اور آج یہ ایک حقیقت ہے کہ ہماری اس تخریب انجام دوستی سے مذہب کو سخت صدمہ پہونچا ہے' نئی نئی تفسیروں نے سیکڑوں لوگوں کے عقائد کو متزلزل کردیا' ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں الحاد کی اشاعت میں بڑی مدد ان نئے مفسروں ہی نے دی ہے۔

ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مذہب تو بجائے خود ایک مستقل خرقِ عادت ہے'[۱] اس کے روحانی دامن میں' معجزات خار نہیں ہیں' گل ہیں' یہ ہمارا نقص نظر ہے کہ ہم اُنھیں خار سمجھتے ہیں اور اپنا دامن بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

شائد آپ یہاں یہ کہیں کہ ایک طرف تو اسلام کو فطری مذہب کہتے ہیں اور دوسری طرف خرقِ عادت کے اعتقاد کی تعلیم دیتے ہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بالکل ٹھیک ہے خرقِ عادت کا اعتقاد ہرگز اصول فطرت کے خلاف نہیں' تضاد کا خیال صرف ایک لفظی التباس کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے' جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ خرقِ عادت کے معنی ہرگز قوانین فطرت کے شکست کے نہیں ہیں' خرقِ عادت تو ہمارے مشاہدۂ محدود کے اعتبار سے خرقِ عادت ہے ورنہ حقیقتاً خرقِ عادت ہرگز نہیں' بہرحال' خرقِ عادت محال نہ ہونے پر بھی مستبعد ضرور ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے مشاہدۂ محدود کے خلاف ہوتا ہے' غالباً خدا نے اسی استعجاب کو رفع کرنے کے لئے (جو لوگوں کو ولادت عیسیٰ کے متعلق تھا)

---

[۱] غالباً مذہب کی اس تعریف سے نیاز صاحب کو بڑی وحشت ہوگی مگر ہم بشرط ضرورت ہم تو ثابت کرنے کو تیار ہیں کہ مذہب سے خرقِ عادت کا تصور جدا نہیں کیا جاسکتا

خود ہی قرآن پاک میں ارشاد فرما دیا۔ آل عمران "ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون" بے شک عیسیٰ کی مثال خدا کے نزدیک آدم کی سی ہے کہ اُسے خدا نے مٹی سے بنایا پھر اُس سے کہا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا ۔

خدا نے اس آیت میں اُس تمام بحث کا (جو ولادتِ عیسیٰ کے متعلق ہو سکتی ہے) خاتمہ کر دیا اور خود مثال دیکر فرما دیا کہ جس طرح ہم نے آدم کو بے ماں باپ کے پیدا کیا اسی طرح عیسیٰ کو بے باپ کے پیدا کیا ۔

کوئی شخص جو قرآن کے نقطۂ نظر سے ولادتِ عیسیٰ کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہو اُس کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ اس آیت کو مشعلِ راہ بنا لے اسی لئے ہم نے اس مضمون کا عنوان "آدم و عیسیٰ" تجویز کیا ہے۔

اب یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ خدا نے فرما دیا ہے کہ عیسیٰ کی مثال (باعتبارِ تخلیق) آدم کی سی ہے اور باعتبار نصوصِ قرآنی ثابت ہے کہ آدم بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے' اس لئے حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ تجویز کرنا اس آیت کے قطعی خلاف ہے ۔

اس آیت میں اور دوسری جگہ قرآن میں مذکور ہے کہ خدا نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ نظریۂ ارتقا کے قطعی خلاف ہے کہ انسان رفتہ رفتہ ترقی کر کے اس درجہ تک پہونچا ہے نہ کہ مٹی سے (جو خود کوئی عنصر نہیں) بنا ہے ۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ خیال ہی غلط ہے کہ "خدا نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا" کے یہ معنی ہیں کہ آدم کسی زمانے میں حشرات الارض کی طرح زمین سے پیدا ہو گئے تھے پھر انھیں سے نسلِ انسانی چل پڑی' قرآن اس خیال کا مؤید نہیں ۔

خدا نے آیت مذکورہ میں دو قسم کے اسبابِ تخلیق آدم کے بیان فرمائے ہیں' پہلے ظاہری و معمولی یعنی مادی جنکی طرف اشارہ خلقہ من تراب میں فرمایا' دوسرے غیر معمولی و مخفی جنکو مادی کے مقابلے میں غیر مادی کہہ سکتے ہیں' جنکی طرف اشارہ لفظ کن سے فرمایا ہے' اب مسئلۂ ارتقا پر غور فرمائے جب مادۂ کائنات ایک نوع سے دوسری نوع میں تبدیل ہوا ہے تو دو ہی قسم کے اسباب کارفرما نظر آتے ہیں ایک تو وہی معمولی دوسرے وہ غیر معمولی جو تغیر صورتِ نوعیہ کی علت ہوے یہاں تک کہ صورتِ نوعیہ حیوانی رفتہ رفتہ صورتِ نوعیۂ انسانی میں تبدیل ہوئی ۔

کائنات نام ہے ایک علل و معلولات کے نہایت وسیع سلسلے کا' اس لئے یہ قریب بہ محال ہے کہ انسان قوانین فطرت کا پورے طور پر استقصا کر سکے' عقلِ انسانی کی واماندگی کی مثالیں کمیاب نہیں' انتہا یہ ہے کہ ہمیں ایک ذرّے کی اصل کا بھی کما حقہ علم نہیں' اِس علمی بے مائگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمیں کسی امر کو خلافِ قانونِ قدرت صرف اس بنا پر نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ عجیب ہے یا سمجھ میں نہیں آتا' کسی بات کا سمجھ میں نہ آنا کوئی دلیل اُس کے غلط ہونے کی نہیں ۔ معجزات کو بھی اسی پر قیاس کیجئے کہ نہ تو وہ محال ہوتے ہیں نہ خلافِ قانون فطرت' البتہ غیر معمولی علل و اسباب کے غیر معمولی نتائج ضرور ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کی تخلیق بھی انھیں اسباب کے ماتحت عمل میں آئی' جنکے آغوش میں وجودِ آدم نے پرورش پائی تھی' مضمون کی نزاکت زیادہ تفصیل کی متحمل نہیں' اس لئے ہم اسے یہیں ختم کرتے ہیں۔ اس کے بعد بحث معجزات عیسیٰ کی باری تھی مگر اب ہم اس مضمون کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتے' نفسِ خرقِ عادت کے متعلق اجمالاً اوپر کہہ ہی چکے ہیں' نیاز صاحب نے اپنے مضمون میں یہ ثابت کرنے کیلئے کہ حضرت عیسیٰ سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا جا بجا آیاتِ قرآنی کی (خلافِ اصولِ تاویل[1]) تاویلات بعیدہ کی ہیں۔ اب رہا حضرت عیسیٰ کا فوت ہونا یا نہ ہونا سو یہ وہ بحث ہے کہ مسلمانوں کی اکثر جماعتیں جس پر بعد و مدت تک زور آزمائی کر چکی ہیں' اس موضوع پر کافی سے زیادہ لٹریچر فریقین کا موجود ہے۔ خدا بھلا کرے مرزا غلام احمد قادیانی کا جنھوں نے ایک نیا فرقہ نہیں ایک نیا تفرقہ اور ایجاد کر دیا۔ مسلمانوں میں اختلافات کی کمی نہیں' خدا جانے حضرت نیاز کیوں کسی فتنۂ جدید کے سنگ بنیاد رکھتے ہیں ؟

(سید ضامن حسین گویا جہان آبادی ۔ پیلی بھیت)

[1] اصولِ تاویل ... التفرقہ بین الاسلام والزندقہ مصنفہ ... امام ... غزالی

بہار برق

(از جناب حافظ سید فضل حق صاحب آزاد عظیم آبادی)

اے محل افسردگی ساماں، بہار برق تاب
پیچ و تاب موسے آتشدیدہ ما اضطراب

صرصر باغ نزاکت، موج آب زندگی
لرزہ بر اندام نور آفتاب زندگی

خندہ در دامن بہارستان تبسم در بغل
اضطرابستان بے تابی طلاطم در بغل

نبض سیمابی بہ احساس تپیدن مشتعل
حسن صد شوخی بہ اخفائے خزیدن مشتغل

اشتعال طبع و جوش آرزوے بے نقاب
سمجھے ہم دوشیزگان ہند کا ہے تو حجاب

بچپن کے دن

جناب حامد اللہ صاحب افسر میرٹھی

اے .... بچپن کے دن بچپن کی راتیں یاد ہیں
بیٹھ کر کرتے تھے جو باتیں وہ باتیں یاد ہیں

اب نہیں آراستہ ہوتی خیالوں کی وہ بزم
ہاے وہ بچپن کے منصوبے وہ تجویزیں وہ عزم

وہ دعائیں اتحاد باہمی کے واسطے
گفتگوئیں وہ وطن کی بہتری کے واسطے

سادگی کے بے غمی کے اور بھولے پن کے دن
ہاے وہ بچپن کی راتیں اور وہ بچپن کے دن

چاندنی اب بھی ہے لیکن وہ زمانہ اب کہاں
وہ مرا بے چین ہونا اور وہ گانا اب کہاں

ہاے وہ گرمی کا موسم وہ مئی کی دوپہر
ہاے وہ فیضی کی گیتا اور وہ اسکا اثر

میں بھی ہوں، دیوان حافظ بھی ہے لیکن ہم نشین
وہ سکون دل وہ راحت اور وہ بےفکری نہیں

اب نہ وہ باتیں نہ وہ راتیں نہ وہ ناز و نعم
اب تو افسر زندگی کی کشمکش ہے اور ہم

غزل

(جناب رضی کاکوروی (اورنگ آباد دکن)

فرقت و موت کو رضی رہنے دو ساز باز ہیں
عمر دراز کٹ چکی اپنی شب دراز ہیں

اڑکے پہونچ گئے ہیں جو تحلب ستم نواز ہیں
لگ گئے شوخیوں سے کے پر تیر نگاہ ناز ہیں

دست الم سے چھیڑنا اچھا نہیں ہے مطربا
آ چلی ہیں خرابیاں تار نفس کے ساز ہیں

سوز دروں سے قلب تک ہاے پہونچنا ہی محال
آبلے پڑ نہ جائیں گے پاے نگاہ ناز ہیں

اپنی تباہیوں پہ بھی اس طرح صبر آگیا
دخل نہیں کسی کو بھی قدرت کارساز ہیں

سوز دروں سے بن گیا نالۂ غم شرر فشاں
لگ گئی آگ لگ گئی اُن کے حریم ناز ہیں

ایک ہی وار ہیں رضی جوہر تیغ کھل گئے
بسمل سرفروش تھا خار نگاہ ناز ہیں

مرقع

سنہ ۱۹۳۷ء

عکس تحریر جناب شیخ امداد علی بحر ارشد تلامذہ حضرت ناسخ مغفور

(درخواست بحضور جناب سیّد آغا علی حسن خان صاحب مرحوم رئیس اعظم لکھنؤ)

مع تاریخ وفات جناب میر انیس مرحوم و جناب مرزا دبیر مغفور و یک غزل خود

بسم اللہ الرحمان الرحیم

عکس تحریر جناب سیّد آغا علی حسن خانصاحب مرحوم رئیس اعظم لکھنؤ

جناب آغا صاحب سکندر منش ارسطو دانش دام اقباله

عرض میرساند

بعد ادای آداب قدمبوسی و تسلیمات لاله شیو سہای نوشته بنام حضور

آورده کیفیت مندرجه معلوم شده درین روزها نواب صاحب بهادر

بطرف شعر گوی بسیار متوجه اند هر روز یک دو غزل موزون مینمایند

و همه شعرای ملازم را طلب فرمایند و پیش انها کلام بلاغت نظام

میخوانند و داد طلب میشوند و مشاعره مقرر است لیکن شریک مشاعره

نشوند بدین سبب سفر بنده بسوی وطن موقوف است و قطعه تاریخ

وفات میر انیس و دبیر بپشت عریضه مرقوم است در وزن رباعی تاریخ دبیر است

و قطعه میر انیس بدین وزن است فاعلن مفتعلن فاعلان بخدمت محمد مرزا صاحب

تسلیمات و جناب مرزا اختر التفات خانصاحب بندگی و مرزا وزیر علی صاحب سلام بنده برسد

عریضه نیاز مندیه

سلیمان اعظم

(از جناب خواجہ قمرالدین احمد صاحب کن مسلم اکادمی و منیجر نامی پریس لکھنؤ)

مسلمانون کی تیرہ سو برس کی سلطنت اور جہانبانی کی تاریخ مین عربون کے ابتدائی عہد کے بعد جس قوم کا نام اور جس قوم کے کارنامے سب سے زیادہ روشن اور درخشان نظر آتے ہین وہ ترکون کی قوم ہے، یہ وہ قوم ہے جس نے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد خلافت عباسیہ کے ابتدائی عہد سے آج تک شجاعت و جان بازی کے بے نظیر اتصاف کے ساتھ حمایت اسلام اور حفاظت دین کا وہ فرض ادا کیا ہے جو دوسری قومون سے پورا ہونا دشوار تھا، عربون کے ابتدائی کارنامے بلاشبہہ حیرت انگیز اور انکی کشورستانی اور جوانمردی کی داستانین مافوق العادت کہی جا سکتی ہین لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ اوصاف ان مین کتنے روز قائم رہے، کیا ایک صدی کے بعد ان مین نمایان تبدیلی نہین ہوگئی، کیا تن آسانی اور دنیا کی لذتون مین پڑکر وہ آرام طلب و رنگیلے نہین بن گئے، پھر وہ کون قوم تھی جس نے اسلام کی عظمت و شان کو اور خلافت عباسیہ کے نام و نشان کو ساتوین صدی ہجری تک دنیا مین قائم رکھا، ہندوستان ایسا ملک جسکو دنیا کی بڑی سے بڑی قومین بھی اپنے قبضہ مین لا سکتی تھین اور جسکی بیشمار آبادی، وسیع رقبہ اور سب سے بڑھکر راجپوت اور دوسری جنگجو قومون کی بسالت زبردست سے زبردست قومون کو پیر جمانے کا موقع نہ دیتی تھی اور اژدہے کی طرح ہضم کر لینے کو کافی تھی کس قوم نے اپنی ترکتازیون سے اس سرزمین کی خاک اڑادی اور ایک ہزار برس تک اس پر حکومت اور جہانبانی کی صلیبیون کے مذہبی جوش و خروش اور طوفان خیزیون کے سامنے کون سینہ سپر رہا، یورپ کے قلب تک جا کر کس قوم نے اسلام کو پہنچایا - اور باوجود یورپ کی متفقہ کوششون کے آج تک اپنی ہستی کو اس سرزمین پر قائم رکھا، وہ کون قوم ہے جس نے قسطنطنیہ ایسے ناقابل تسخیر مقام کو فتح کیا، کس کے خوف سے صدیون تک یورپ لرزہ براندام رہا، ترکون ہی کو اسکا فخر حاصل ہے کہ باوجودیکہ دولت دنیا ان سے ایک ہزار سال سے ہمکنار ہے مگر وہ عیش پرست اور آرام طلب نہ بنے اور جوانمردی و شجاعت کا جوہر آج تک ان مین بدستور باقی ہے - یہی سبب ہے کہ یورپ اور دنیا کی کوئی قوم آج تک انکو فنا نہ کر سکی، اور سچ تو یہ ہے کہ یورپ کی عالمگیر جنگ مین اگر کوئی قوم مفتوح سے فاتح بن گئی تو وہ صرف ترک ہین -

اس قوم عالی شان کے کارنامے اسلامی تاریخ کے صفحات پر زرین نقش و نگار ہین اور گو زمانہ کے انقلاب نے اسکی وہ عظمت و شان باقی نہین رکھی جو پہلے تھی، تاہم وہی ایک قوم ہے جس سے دنیا مین مسلمانون کی عزت و آبرو ہے اور جسکی تاریخی روایات اسکا یقین دلاتی ہین کہ مستقبل مین بھی اسکے ہاتھون ہمکو اگلی شان و شوکت نصیب ہو سکیگی -

اگر ہم ترکون کی تاریخ کا مطالعہ کرین تو ہمکو معلوم ہوگا کہ اس قوم مین ایسے ایسے زبردست شہنشاہ اور فاتحین گزرے ہین جو دوسری قومون مین مشکل سے ملین گے، ان ترکی قومون کو چھوڑ دیجیے جن کا عہد یاد ختم ہے جیسے سلجوق وغیرہ ہین، آپ ترکان آل عثمان کو لیجیے جو خدا کے فضل سے اس وقت بھی سلطنت اور جہانبانی کر رہے ہین انکی تاریخ مین آپ کو محمد فاتح، سلیمان اعظم اور سلیم ثانی کے نام ملینگے جو اپنے اپنے زمانہ مین

دنیا کے سب سے زبردست اور سب سے طاقتور حکمران سمجھے جاتے تھے۔

ہم اپنے مضمون مین سلطان سلیمان اعظم کے بعض مختصر حالات لکھنا چاہتے ہین، جس سے معلوم ہوگا کہ ابھی زیادہ زمانہ نہین گزرا کہ دنیا مین مسلمانون کو کس قدر شکوہ اور عظمت حاصل تھی اور ترکی قوم کس عروج و کمال تک پہنچ گئی تھی اور آج کیا حالت ہے۔

سلیمان اعظم ۱۵۲۰ء مین سلیم اول کی جگہ پر تخت نشین ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ یورپ کی حکومتین خواب غفلت سے بیدار ہو چکی تھین اور ان مین علوم و فنون کے دور جدید کا آغاز ہو چکا تھا، انکی فوجین جدید آلات حرب توپون اور بندوقون کا مہارت کے ساتھ استعمال کرتی تھین، اور ان مین کافی انضباط و اتحاد پیدا ہو گیا تھا، قسطنطنیہ کو ترکون کے ہاتھ سے واپس لینے کا خیال اور بیت المقدس پر علم تثلیث بلند کرنے کی آرزو ہر فرمانروائے یورپ کے دل مین جاگزین تھی، اندلس مسلمانون سے خالی ہو چکا تھا اور عیسائیون کے حوصلے بلند ہو رہے تھے، اور ترک انکی نگاہون مین کانٹے کی طرح کھٹک رہے تھے، بہت ممکن ہے کہ اگر اس وقت ترکون کا بادشاہ کوئی کمزور اور پست ہمت شخص ہوتا تو زبردست مسیحی بادشاہون کی طاقت کے آگے ترکون کا وہی حشر ہوتا جو اسپین مین عربون کا ہوا تھا مگر خدا کو یہ منظور تھا کہ انکی عظمت اور سطوت معراج کمال پر پہنچے اس نے سلیمان ایسے زبردست شخص کو انکا بادشاہ بنایا جس نے اپنی تلوار کے زور سے تمام مخالفین کے ارادے پست کر دئے اور ترکون کو اسکے عہد مین وہ عروج حاصل ہو گیا جو نہ اسکے پہلے کبھی حاصل تھا اور نہ اسکے بعد حاصل ہو سکا، وہ ابتدا ہی سے ہونہار اور لائق سمجھا جاتا تھا، سلطان بایزید ثانی کے عہد مین کہ ہنوز خرد سال تھا کئی صوبون کا حاکم بنایا گیا اور اپنے باپ کے عہد مین جبکہ اسکا سن صرف بیس سال تھا قسطنطنیہ کا گورنر مقرر ہوا۔ چھبیس سال کی عمر مین صاحب تخت و تاج ہونے پر وہ بہت تجربہ کار ہو چکا تھا، اور ترک اسکی نیک مزاجی اور فیاضیون کی وجہ سے اس سے بیحد محبت کرتے تھے، اسکی انصاف پسندی، دانشمندی اور شجاعت پر تمام قوم کو پورا اعتماد تھا اور ترک یہ سمجھتے تھے کہ وہ اسکی بدولت ایسی عظمت اور بلندی حاصل کرینگے جو کبھی حاصل نہ ہوئی تھی، سب سے پہلے اس نے ملک شام مین امن قائم کیا اور باغیون کا قلع قمع کیا جس سے اسمٰعیل شاہ ایران کو بھی کافی سبق ملا جو ترکون پر حملہ کرنے کے منصوبے سوچ رہا تھا اسکے بعد ہنگری مین اسکو فتح حاصل ہوئی۔ لوئی ثانی نے جو ہنگری کا بادشاہ تھا سلیمان کے سفیر کو قتل کرا دیا جس پر غضبناک ہو کر سلیمان نے ایک لشکر جرار کے ساتھ بنفس نفیس فوج کشی کی اور فتح پر فتح حاصل کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا - ۲۹ اگست ۱۵۲۱ء کو اس نے بلگریڈ کو فتح کیا، یہ بہت مضبوط اور مستحکم مقام تھا اور محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ بھی اسکو فتح کرنے مین ناکامیاب رہا تھا، اسکے بعد اس نے جزیرہ رہوڈس کو فتح کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ ساحل مصر و شام جدید مقبوضات کو محفوظ رکھنے اور بحیرۂ روم پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے اسکا فتح کرنا ضروری تھا - ۱۸ جون ۱۵۲۲ء کو تین سو جنگی جہازون کا زبردست بیڑا لیکر وہ روڈس کی سمت کو روانہ ہوا - ۲۹ جولائی کو وہ جزیرہ مذکور مین اترا اور پہلی اگست سے اسکا محاصرہ شروع کر دیا - روڈس والون نے پانچ مہینے تک بے مثل شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا - آخر عاجز آکر امن کے وعدہ پر ہتھیار ڈال دیے - ۱۵۲۶ء مین سلطان نے ایک لاکھ سپاہی اور تین سو توپون کے ساتھ ہنگری پر حملہ کیا اور شاندار فتح حاصل کی - اسکے تین برس کے بعد ۱۵۲۹ء مین وہ آسٹریا کے مقابلہ پر ایک زبردست جنگ کی غرض سے نکلا، تین لاکھ سپاہ اسکے ہمرکاب تھی سلطان پیش قدمی کرتا ہوا ویانا پایۂ تخت آسٹریا تک پہنچ گیا اور اسکا محاصرہ کر لیا، جسکے فتح ہو جانے مین کوئی شبہہ نہ تھا لیکن موسم کے شدائد جان نثاری فوج کی سرکشی اور رسد کی قلت کے سبب سے سلطان کو

محاصرہ چھوڑکر قسطنطنیہ واپس آنا پڑا۔

۱۵۴۷ء مین آسٹریا سے صلح نامہ ہوا جسمین سلطان تمام ہنگری اور ٹرنسل وینیا کا حکمران قرار پایا اور آسٹریا نے سلطان کی باجگزاری قبول کی، ایک طرف بری فتوحات کا یہ حال تھا کہ ترک وسط یورپ تک پہنچ گئے تھے اور آسٹریا، جرمنی اور فرانس کی ہستی انکے ہاتھون معرض خطر مین تھی، دوسری طرف ترکون کی بحری فتوحات کا سلسلہ بھی بہت وسیع تھا، ترکون کی بحری طاقت اس زمانہ مین تمام دنیا کی طاقتون سے زبردست تھی، ترکی جنگی جہاز بحر روم، بحر قلزم اور بحر ہند کے ساحلون پر پھیلے ہوئے تھے۔

خیرالدین پاشا امیرالبحر تھا جو باربروسہ کے نام سے آجتک یورپ مین یاد کیا جاتا ہے۔ ۱۵۳۴ء مین باربروسہ نے اٹلی پر حملہ کیا اور ریجیو، سٹریرو، اسپرلونگا اور فونڈی پر قبضہ کرلیا، ۱۵۳۷ء مین اس نے پھر اٹلی کے سواحل کو تباہ کیا اور جب وینس باب عالی کی مخالفت پر آمادہ ہوا تو باربروسہ نے اُن تمام مجمع الجزائر کو چھین لیا جو وینس کی حکومت مین تھے اور مشہور شہر نیپولی ڈی رومانیا اور کیسٹل نووہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ سلیمان نے ۷۶ سال کی عمر مین انتقال کیا، جو سلطنت اس نے اپنے وارثون کے لئے چھوڑی، اس مین سائپرس اور کینڈیا کے سوا اور کوئی معتدبہ اضافہ نہین ہوا۔ اسکے قلمرو مین دنیا کے مشہور اور قدیم ترین مقامات واقع تھی۔ کارتھیج، ممفس، ٹائر، نینوا، بابل، پلمائرا، اسکندریہ، بیت المقدس، دمشق، سمرنا، نیس، بروسہ، ایتھینز، قسطنطنیہ، الجیریا، قاہرہ، مکہ، مدینہ، بلگریڈ، بصرہ، بغداد۔ یہ سب مقامات اسکے زیرنگین تھے۔ تقریباً بیس قومین اسکی حکومت مین آباد تھین۔ یہ بادشاہ اکبر اعظم کا ہمعصر تھا جو ہندوستان مین ترکی خاندان کا نیکنام اور زبردست بادشاہ گزرا ہے۔

سلیمان اعظم کی یوروپین مورخین نے بھی بہت تعریف کی ہے، وہ اسکو اپنے وقت کا سب سے بڑا شہنشاہ مانتے ہین اور اسکے عدل و انصاف اور رحمدلی اور حسن انتظام اور شجاعت و بسالت کی تعریف مین رطب اللسان ہین، سلیمان کے زمانہ مین ترکون کا یورپ مین وہ اقتدار اور شکوہ تھا کہ وہان کے سلاطین اپنے تاج و تخت حاصل کرنے کے لئے سلطان کی مدد کے آرزومند ہوتے تھے اور وہان کے سلاطین وزرائے سلطان کو خطوط مین اپنا بھائی لکھتے تھے۔

سلیمان نے اپنی وسیع حکومت کے لئے قوانین اور آئین بنالے اور انکو رائج کیا جن سے ملک کی فلاح اور بہبودی مین بہت اضافہ ہوا اسی لئے اِسکو قانونی کا خطاب مورخین نے دیا ہے۔

افسوس ہے کہ ترکون کو سلیمان کے بعد پھر اس جاہ و جلال کے سلاطین نصیب نہ ہوئے اور انکی پیشقدمی رکتی چلی گئی۔ یہانتک کہ انقلاب زمانہ نے انکو موجودہ حالت پر پہنچا دیا لیکن ہمین مایوس ہونا چاہئے۔ ترکی قوم ایک زندہ قوم ہے اور اس نے سخت سے سخت دور مین اپنے زندہ رہنے کا حق ثابت کردیا ہے۔ اِس تنزل کے زمانہ مین بھی وہ عثمان پاشا انور پاشا اور مصطفےٰ کمال پاشا جیسی اُلوالعزم اور زبردست ہستیان پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور کیا عجب ہے کہ جمہوریت ترکیہ کے موجودہ صدر مصطفےٰ کمال پاشا کی مبارک کوششون سے اسکا دور انحطاط پھر دور ترقی اور عروج سے بدل جائے اور اسکو مستقبل قریب ہی مین وہ سطوت اور عظمت بہم پہنچے جو اسے سابق مین حاصل تھی۔ یورپ بھی اب ترکون کی سخت جانی سے عاجز آگیا ہے۔ اور اسے یقین ہوگیا ہے کہ بیدست و پائی مین بھی اس قوم کو صفحۂ ہستی سے محو کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اور وہ یہ بھی سمجھ گیا ہے کہ لاکھ کوشش کرے لیکن مسلمانون کے قلوب سے ترکون کی محبت کو نکال نہین سکتا، وہ اچھے ہین یا بُرے ہین مسلمانانِ عالم کے سرتاج ہین اور ہمیشہ رہینگے۔

خواجہ قمرالدین احمد

روحِ سخن

جناب مولانا فصیح الدین احمد صاحب فصیح افغانی ناوہی سابق ایڈیٹر العباس شمس و مسلم ہنود سیوہاری

عشق کب تھا روزِ ازل محوِ جمالِ یار تھا
حُسن خود تھا آئینہ خود آئینہ بردار تھا

شور نوشانوش تھا مطرب بھی نغمہ بار تھا
چاندنی راتیں تھیں تم تھے دامنِ کہسار تھا

عمر بھر کی دشت پیمائی سے یہ ثابت ہوا
ایسا صحرا مین تھا جیسا کہ دل مین خار تھا

کائناتِ زندگی اک آہ مین مستور تھی
چشمِ تر کا ایک آنسو سرِ صد اسرار تھا

مین کرم سمجھا جسے وہ جور تھا بیداد تھی
مین ستم سمجھا جسے وہ التفاتِ یار تھا

یا تڑپتا ہون کہ اسمین اب حرارت تک نہین
یا یہی دل تھا کہ جسکا نالہ آتش بار تھا

نبضین ساقط ہو چکین تھین پھر چکی تھین پتلیان
دم نکلنے کے لئے صرف انتظارِ یار تھا

یہ نہین کیا چرخ کے دامن بھی جل جاتے تھے جب
یاد آیا یہ کہ دل کا نالہ شعلہ بار تھا

کچھ خبر مجھکو نہین کیا عہد تھا یومِ الست
مین اکیلا گوشہ مین محوِ جمالِ یار تھا

جب مین تنہا بسترِ غم پر تڑپتا تھا فصیح
کون اُن فرقت کی راتون مین مرا غمخوار تھا

جناب شفیق صدیقی جونپوری فیض یافتہ مولانا حسرت موہانی صاحب

رنگینی میسر تھی کہان گلہائے خندان کو
گلستان کر دیا ہے تیرے جلوے نے گلستان کو

وہ مطرب ہون کہ اکثر یار کی بزمِ ترنم مین
بنا آیا ہون نغمہ اپنے ہر تارِ رگِ جان کو

کر اُس سے جاکے اے صیاد کچھ تسکین کی باتین
گرفتارِ قفس پھر یاد کرتا ہے گلستان کو

گنہگارون کا مُنہ تکنے لگے زہاد محشر مین
کچھ اس انداز سے رحمت نے دیکھا شرمِ عصیان کو

چمک اُٹھا یکایک ہی سحر ہستی کا ہر ذرہ
کہان سے لائی تو آغوش مین مہرِ درخشان کو

تمہاری محفلِ شب مین ستارون کی ضیا پاشی
نمایان کر رہی ہے اور بھی حُسنِ نمایان کو

کرو سیرِ دلِ ویران مین آکر سیر داغون کی
اگر دیکھا نہ ہو تم نے بیابان مین گلستان کو

زمانے مین عبث بدنام ہین پیر و حرم والے
تیرے جلوے نے خود چھیڑا ہے بحثِ کفر و ایمان کو

وہ رونق اب کہان اس خاک سی اُڑتی ہے ہر جانب
بیابان کر دیا ہے تیرے دیوانے نے زندان کو

اُسی سے تو واضح ہے دلِ ابدا طلب اپنا
مری صبحِ وطن جا ڈھونڈ دو شامِ غریبان کو

چمن کے برگ و گل مین ہم ال کیا دیکھ لیتے ہین
کلیجے سے لگا لیتے ہین ہر شاخِ گلستان کو

خبر ہو اے شفیق انسان کو حسنِ مخفی کی
فرشتے بھی جا ہینگے کبھی اس رازِ پنہان کو

جناب طارق جونپوری یادگار سراج الملک حضرت حفیظ مرحوم

نہ ٹھہر تھم گیا کہہ کر دلِ پُر آرزو میرا
خوشی منظور تھی قاتل کی بہلے گا لہو میرا

ہوائے گلشنِ ایجاد ایسی معتدل ہے اب
اُڑا جاتا ہے رنگِ رُخ مثالِ نکہت و بو میرا

عجب پُر لطف ہے نقش و نگارِ خانۂ قاتل
مگر پھر دیکھیئے اسمین ہو شامل کچھ لہو میرا

یہ شامِ ہجر کی چپ چپ یہ سناٹا یہ تنہائی
تڑپ سکتا نہین کھلکر دلِ پُر آرزو میرا

صدا پلٹی ہوئی ہے نالۂ منصور بالکل
ذرا وہ بھی تو سُنتے نغمۂ ساز گلو میرا

جنابِ شیخ سے بحث آ پڑی ہے بابِ کوثر مین
ارے ساقی اُٹھا دینا ذرا جام و سبو میرا

حریمِ قدس کا منظر عیان ہے خانۂ دل مین
چراغِ طور کا ہمسر ہے داغِ آرزو میرا

وہ مستانہ اداؤن سے ادھر اک رہ گزر کھا
غبار ابتک سرِ منزل ہے گرمِ جستجو میرا

نظر پڑ جائے گردون کی نہ جھکے کہین ظالم
کوئی سنتا ہے پہلو مین بیانِ آرزو میرا

قناعت مین بارشادِ طارق مردِ کامل ہے
فلک میرا جہان میرا اگر ہو جائے تو میرا

جناب صوفی شاہجہانپوری از کانپور

ہوئی جب روح رخصت قالبِ مجروحِ بسمل سے
لپٹ کر رو لین لاکھون حسرتین دامانِ قاتل سے

شرف حاصل ہوا مقتل مین آخر دستِ قاتل سے
تنِ خاکی کو آزادی ملی ہے آج مشکل سے

اُڑا لائے تھا کہ کبتک لے ایک ہی محفل مین سودائی
اب کے گئے اور چل اے جنون وحشت کی منزل سے

فغان ہے صورتِ نغمہ ہر اک نالہ طرب افزا
صدائے ساز آتی ہے مرے ٹوٹے ہوئے دل سے

نتیجہ ہے یہ گویا انتہائے ناتوانی کا
کہ اب سینہ مین ظالم درد بھی اُٹھتا ہے مشکل سے

گلِ صد رنگ بنکر بن گیا ہے زینتِ دامن
جو قطرہ خون کا ٹپکا ہمارے دیدۂ دل سے

مجھے برباد کرکے وہ بھی اب محوِ تماشہ ہے
بنا ہے اک خیالِ آرزو ہر ذرۂ دل سے

ہجومِ یاس و ناکامی و ارمانِ تمنا ہے
دلِ محروم سب کچھ لے چلا ہے تیری محفل سے

ہٹا دے سرحدِ ادراک سے جوشِ جنون مجھکو
لپٹ جاؤن مین شوقِ قتل مین شمشیرِ قاتل سے

دلِ پُر آرزو آ تجھ سے مل لین جی بھر کے
کہ اب دشوار ہے تیرا پلٹنا اُسکی محفل سے

یہ قلبِ مضطرب کر رہا ہے عالم بھر کی گردش کا
ہلا دیتا ہون ہر ساکن کو مین اک جنبشِ دل سے

جو باتین اتفاقاً ہو گئین ہین عشق کی اے صوفی
مٹا دو انکو اب حرفِ غلط کی طرح تم دل سے

نَزَعُ مِنْ عِلْوٍ خَيرَ مِنْ عِلْوٍ

"حیات الشعراء و نباتُ الشعراء"

(از حضرت ابو العلاء مولانا حکیم ناطق لکھنوی)

اہل عرب کی حیات اور شاعری دونون کو آب و ہوائے عرب کی خاص قوت قلبی و دماغی نے حسن اتفاق سے ایسی مدد دی ہے کہ دو سو سے زیادہ شعرا گزرے ہین جنکی عمر حیات طبیعی و معمولی یعنی ۱۲۰ سال سے زائد ہوئی ہے۔ قصد تھا کہ ایسے شعراے عرب کا تذکرہ مسلسل لکھون مگر یکسر و ہزار سودا صرف اتنا ہی موقع دے سکتا ہے کہ کبھی کسی شاعر کے حالات لکھ دیا کرون۔

حرثان بن لوث بن حارث جسکا لقب ذوالاصبع تھا، اپنے زمانہ کا بہترین ادیب شاعر اور عرب کے ایک بڑے علاقہ کا جو کہ یمن کے قریب ہے فرمانروا تھا۔ اِسکا زمانہ حضرت عیسیٰؑ کے ۲۳۹ برس بعد اور آنحضرت کے ۳۳۹ سال قبل تھا اُس زمانہ مین اشعار جمع کرنے یا کسی اہتمام شاعرانہ کا رواج نہ تھا، مگر لوگون کی قوت حافظہ ایسی زبردست تھی کہ جتنے اشعار ابھی تک کتابون مین مدون نہین ہوسکے اُنسے زیادہ اُنھین یاد تھے۔ جس وقت جس شاعر کے دل مین کوئی جذبہ پیدا ہوتا اُسی وقت وہ ایک موزون نظم کے لباس مین ظاہر ہوتا اور سننے والے اُسے اپنے حافظہ مین نقش کرکے خلعت دوام سے زیب و زینت دیتے۔

ذوالاصبع نے تین سو برس کی عمر پائی۔ اسکی چار لڑکیاں تھین اور ایسا اتفاق ہوا کہ چارون کی جوانی کا آفتاب عروج سے زوال کی طرف مائل ہوا مگر شادی کا زمانہ دیکھنے مین نہ آیا۔ ایک دن ایک جگہ چارون جمع تھین اور کوئی غیر نہ تھا، یہ خیال تھا کہ کوئی اور اُنکی باتین سُن سکیگا۔ چارون کے دل مین ایک ہی جذبہ تھا اور اُسکا قدرتی تقاضا یہی تھا کہ بغیر ظاہر ہوئے نہ رہے۔ باہم ایک نے دوسری کو اشتعال دی۔ بڑی لڑکی نے یہ قطعہ نظم کرکے فی البدیہہ پڑھا جیسا کہ شعراے عرب کا دستور تھا۔

اَلَا هَلْ اَرَاهَا لَيْلَةً وَضَجِيْعُهَا ... اَشَمُّ كَنَصْلِ السَّيْفِ مُهَنَّدٌ
عَلِيْمٌ بِاَدْوَاءِ النِّسَاءِ وَاَهْلُهُ ... اِذَا مَا انْتَمٰى مِنْ سِرِّ اَهْلِيْ وَمَحْتِدِيْ

کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ایسی رات ہم دیکھین جسمین شب باش ایسا شخص ہو جو تیغ ہندی کی طرح اصالت کا سچا ہو اور وہ عورتون کی دوائین جانتا ہو، اور جسکا نسب ہمارے خاندان اور کفو سے تعلق رکھتا ہو۔"

فی البدیہہ اور فصیح و بلیغ شعر کہدینا تو عرب کے مردون اور عورتون کا مساوی حق تھا، مگر ان اشعار کے ذریعہ سے شعر کہنے والے کی ادبیت اُسکا جذبہ اور عام اخلاقی غیرت و حمیت کا اندازہ کرنا ایک نقاد نگاہ مین نظر انداز نہ ہونا چاہئے۔

"کیا یہ ہوسکتا ہے؟ کہ ایسی رات نصیب ہو!"

اِس سے اُن جذبات کا اندازہ ہوسکتا ہے جو ایک ایسی جوان عورت کے دل مین ہون جسکی جوانی کا درخت پھولنے پھلنے سے پہلے کمہلا گیا۔

"جو عورتون کی دوائین جانتا ہو" یہ فقرہ جذبات اور ادبی بلاغت دونون کو جامع ہے۔ اور اُسکی ادبی جامعیت یہ ہے کہ جتنے تعلقات عورت کے مرد کے ساتھ آخر وقت تک رہتے ہین اُن سب کو

مطلب ہے۔ میرے خیال میں فی البدیہہ اشعار کا اس قدر بلیغ ہونا عرب کے امتیازات خصوصی میں سے ہے۔ یہ لڑکی جو کہ ایک بادشاہ یا ایک شاعر اور عالی نسب ذوالاصبع کی خون کی حصہ دار ہے کہتی ہے کہ اُسکا آیندہ شوہر وہ ہو جو اشم ہو۔ اشم کے اتنے معانی ہیں کہ ایک لفظ میں اُسکا اُردو ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ اشم کا اطلاق حسب ذیل مردوں پر ہوتا ہے جو بلند جگہ پاتے ہوں یا بالذات بلند ہوں اور بلند مرتبت ہوں اور بلند بینی ہوں اور جنکی دماغی قوتیں زیادہ رسا ہوں اور ہر کیفیت کو جلد پہچان لیتے ہوں۔ اور جس معنی پر تیغ ہندی سے مثال دی ہے وہ یہ ہے کہ صاحب جوہر ہو کرا اور ریختہ ہو۔

اور یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں کہ ایک بہادر قوم کی لڑکی یہ جانتی ہو کہ کون سے اسلحہ کس ملک کے اچھے ہوتے ہیں۔

چوتھے مصرع میں اس شریف زادی نے اپنے شوہر کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ اُسکے خاندان سے ہو جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اب تک کوئی نفسانی جذبہ اُسکی خاندانی عزت وخودداری میں غالب نہیں آسکا۔

اُس سے چھوٹی لڑکی اسکے بعد کہتی ہے۔

أَلَا لَيْتَ زَوْجِي مِنْ أُنَاسٍ أُولِي عِدًى　　حَدِيثُ الشَّبَابِ طَيِّبُ الثَّوْبِ وَالْعِطْرِ
لَصُوقٌ بِأَكْبَادِ النِّسَاءِ كَأَنَّهُ　　خَلِيفَةُ جَانٍ لَا يَنَامُ عَلَى وِتْرِ

(ترجمہ) اے کاش میرا شوہر میرے ہی خاندان سے ہوتا اور اُسکے دشمن زیادہ ہوتے۔ (حدیث الشباب کا ترجمہ ناممکن ہے، مفہوم آگے بتایا جائیگا) خوش پوشاک اور خوشبو۔ عورتوں کے سینہ سے ایسا لپٹنے والا جس طرح سانپ لپٹتا ہے اور جکڑبندی کر لیتا ہے، اور اُس میں یہ صفت بھی ہو کہ تنہا نہ سویا کرے۔

یہ لڑکی نازک خیالی میں اُس سے زیادہ، اور خودداری میں کم ہے کہتی ہے "میرا شوہر ایسا ہو کہ اُسکے دشمن بہت ہوں" ہمت اور عزت کی عالی خیالی سے یہ سمجھنے کہ جو ذی مرتبہ ہوتا ہے وہ محسود خلائق ہوتا ہے اور جو شخص ردی حالت میں ہوتا ہے اُسکا کوئی دشمن نہیں ہوتا۔ دوسرے مصرع میں کہتی ہے کہ "خوش وضع اور خوش لباس ہو" اس نگینی اور فصاحت کا اندازہ ہوتا ہے، اور طیب الثوب کے بعد العطر ایسے موقع پر آیا ہے کہ نحوی ترکیب کے تبدل وتغیر سے تین معانی ہوتے ہیں۔ لباس عمدہ اور عطر قیمتی ونفیس ہو۔ لباس میں اُسکی خوبیوں کے ساتھ عطر بھی لگا ہو۔ خوش لباس اور خوش وضع ہونے کے علاوہ خود اُسکا جسم بالذات معطر اور خوشبودار ہو۔ اسی مصرع میں حدیث الشباب ایک ایسا بلیغ اور جامع لفظ ہے جسکی تعریف نہیں ہو سکتی حدیث الشباب کے معانی حسب ذیل ہیں۔

وہ ذات جو منشا سے شباب ہو یعنی شباب کو ایک ذات مُدرک سمجھیں اور اُسکا مقصود اصلی ومنشا یا نصب العین۔ اور لفظ حدیث نوجوان، نوخیز، کم عمر اور امرد کے معنی پر کثرت سے مستعمل ہے۔ زیادہ لطیف بات یہ ہے کہ کسی نو وارد چیز کو بھی حدیث کہتے ہیں۔

دوسرا شعر قیامت ہی کا ہے۔ کہتی ہے کہ "عورتوں کے سینہ سے اس طرح لصق، وصل، چسپاں اور ہم آغوش ہوتا ہو جس طرح مار پیچاں لپٹتا اور کستا ہے" یہ مضمون تمثیل میں تو اپنی نظیر رکھتا ہی نہیں۔ مگر ہم آغوشی کی آرزومندی کا ترجمان اس سے بہتر میرے خیال میں ناممکن ہے۔

چوتھے مصرع کا آخری جزو ایک عجیب وغریب چیز ہے۔ لا ینام علی وتر "جب سویا کرے تو زوج اور جفت ہو طاق نہ ہو" اسکا مفہوم محاورۃً تو یہ ہے کہ تنہا نہ سونے مگر لطیفہ یہ نکتہ ہے کہ ایک سے زیادہ عورت نہ ہو۔ تیسری جو ان دونوں سے چھوٹی ہے کہتی ہے۔

أَلَا لَيْتَهُ يَكْسِي الْجَمَالَ نَدِيَّهُ　　لَهُ جَفْنَةٌ تَشْقَى بِهَا الْمَعْزُ وَالْجُزْرُ
لَهُ حَكَمَاتُ الدَّهْرِ مِنْ غَيْرِ كَبْرَةٍ　　تَشِينُ فَلَا فَانٍ وَلَا ضَرَعٌ غُمْرُ

اس نے اپنے آیندہ شوہر کے لئے کوئی لفظ استعمال نہین کی بلکہ ضمیر سے کام لیا۔ اِس اشارت نے صراحت سے زیادہ لطف دیا کہتی ہے۔

"کاش وہ ایسے ہوتے کہ اُنکی مجلس صاف ستھری، آراستہ و پیراستہ ہوتی اور اُن کا خوانِ طعام ایسا وسیع ہوتا کہ بکرے اور اونٹ کے گوشت سے مملو ہوتا"

(اگر لفظ مغنا د جنا د کے حرکات بدل دئے جائین تو پھلون اور خرمون کے معنی ہونگے) کہ:۔

وُہ ایسے ہوتے کہ دنیا کے حکیمون اور عقلمندون مین اک فرد ہوتے اور اُن مین ناتجربہ کاری اور اوچھاپن نہ ہوتا"

چوتھی لڑکی جو کہ کمسن تھی سب کے رنگ ڈھنگ دیکھتی رہی اور چپ بیٹھی سنتی رہی۔ جب سب نے مل کر اُسکو مجبور کیا اور طعنے دینے لگین کہ سب کے دل کے بھید تو چپکی بیٹھی سُنا کی اور اپنے دل کا راز نہین کھولتی، تو اُس نے کہا کہ "مین یہ شعر و شاعری تو جانتی نہین۔ اتنا جانتی ہون۔

زَوْجٌ مِنْ عُوْدٍ خَيْرٌ مِنْ قُعُوْدٍ

یعنی "لکڑی کا بھی شوہر ہو تو اس سے بہتر ہے کہ لڑکی اپنے مان باپ کے گھر مین بیٹھی رہے"

نثر کے اِس معمولی اور چھوٹے سے فقرے مین نفسیات اناث کا وہ فلسفہ تھا اور اس مین جذب و تاثیر کی وہ ہُوا تھی کہ خلوت سے نکلا عرب کے تمام میدانون اور شہرون مین گونجنے لگا اور اُس وقت سے آج تک ضرب المثل ہے جو کوئی شخص اپنے داماد کی شکایت کرتا ہے اور بیٹی کو گھر مین بٹھا لیتا ہے، تو جو لوگ اُسے سمجھانے آتے ہین وہ یہ مثل کہتے ہین۔

"زَوْجٌ مِنْ عُوْدٍ خَيْرٌ مِنْ قُعُوْدٍ" یا جس عورت کا شوہر بُرا ہوتا ہے اور اُسکی ہجولیان اُسکی ہمدردی مین اُسکے شوہر کی بُرائی کر کے اُسکے دل کو ٹھنڈا کرنا چاہتی ہین تو وہ شریف زادی اور صاف عصمت عفت کہتی ہے "زَوْجٌ مِنْ عُوْدٍ خَيْرٌ مِنْ قُعُوْدٍ"۔

اور صرف یہی نہین ہوا کہ مثال عرب مین ایک مثل کا ادبی اضافہ ہو گیا بلکہ جو لوگ اپنی جان لڑکیون کی شادی مین غفلت و بے پروائی کرتے تھے وہ دفعتہً ہوش مین آگئے اور آج بھی جسکو یہ جملہ یاد آجاتا ہے اور اُسکے گھر مین بیاہنے کے قابل لڑکیاں ہوتی ہین تو وہ چونک اُٹھتا ہے۔

عجیب اتفاق یہ ہوا کہ جس کمرے مین یہ چارون لڑکیان مخلع بالطبع تھین اُسی سے متصل ذوالاصبع بھی موجود تھا اور خود بخود اُسکے دل مین آیا کہ ان کی باتین سننا چاہئیں اور دیکھنا چاہئے کہ یہ آپس مین کیا بات چیت کرتی ہین۔ غرضکہ ذوالاصبع نے اول سے آخر تک سب باتین سُنین مگر اس افشائے راز سے فائدہ یہ ہوا کہ ان چارون کی بہت جلد شادی ہو گئی اور حُسن اتفاق یہ کہ ہر ایک کا شوہر ہر ایک کی مرضی اور مقصد کے موافق ملا جس لڑکی نے اپنے اشعار مین جو صفات بیان کئے تھے اُنہین اوصاف کا شوہر بھی اُسکو ملا۔ زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہوا کہ سب سے چھوٹی لڑکی جس نے یہ کہا تھا کہ "لکڑی کا بھی شوہر ہو تو ماں باپ کے گھر مین بیٹھے رہنے سے بہتر ہے" اُسکو بھی ویسا ہی زوج ملا جیسا اُسنے کہا تھا یعنے بالکل کاٹھ کا اُلّو، جس کا حال اُسوقت معلوم ہوا جب کہ تقریباً ایک برس بعد اپنی لڑکیون کو بُلایا اور سب سے حالات پوچھے کہ کیونکر گزرتی ہے اور شوہر سے کیسی نبھتی ہے۔

ہر ایک نے اپنے شوہر کے حالات نہایت ہی تحسین و تعریف کے ساتھ بیان کئے۔ مگر چھوٹی لڑکی جس کا میان بالکل نکھٹو تھا اُس نے اس طرح کہا۔

شَرُّ زَوْجٍ يُكْرِمُ نَفْسَهُ وَيُهِينُ عِرْسَهُ

یعنی "بدترین شوہر ہے جو اپنے آپ کو بنا چُنا کے رکھتا ہے اور اپنی بیوی کو ذلیل و خوار"

اَلضَّأْنُ جُوعٌ لَا يَنْفَعَنَّ وَهِيمٌ لَا يَنْفَعَنَّ۔

وَصُمٌّ لَا يَسْمَعْنَ وَاُمٌّ مَّعْوٍ يَتْبَعْنَ يَعْشِيَ

گھوڑے کے مویشیون کا حال بیان کرتی ہے، کہ

"بھیڑی کے گلہ کا یہ حال ہے کہ بھوکی مرتی ہین کچھ کھانے کو

نہین پاتین روتی ہین اور پیاسی رہتی ہین پانی نہین ملتا

بہری ہوگئی ہین، سنتی نہین، اور جب ایک بھیڑی کنوئین مین

گرنے جاتی ہے تو سب اُسکی اتباع کرتی ہین"

اس موقع پر جبکہ نفسیات کا ذکر آگیا ہے مجھے اس عام خیال سے اپنا اختلاف ظاہر کردینا چاہتے ہین کہ ہندوستان کی عورتین شرم و حیا مین عرب کی عورتون سے زیادہ ہین - یہ ایک غلط خیال ہے واقعات بالکل اسکے خلاف شہادت دیتے ہین، بلکہ جن امور مین عورتون کو شرم نہ چاہئے - اُن مین شرم کرتی ہین اور عرب کی عورتین اسکے برعکس ہین لیکن جذبات کا غلبہ جسوقت عورت پر طاری ہوتا ہے اُسوقت ساری دنیا کی عورتین یکسان ہوجاتی ہین -

مثلاً ہندوستان اور خصوصاً بنگال کا ایک واقعہ پیش کرتا ہون جو ذوالاصبع کی لڑکیون سے بالکل مشابہ ہے -

بنگال کا ایک مشہور فاضل علامہ جسکا خطاب اور لقب ودیا ساگر (بحر العلوم) تھا اور اس قدر مقبول و مشہور ہوا کہ آج تک اُسکی یاد زندہ رکھنے کے لئے اُسکا مجسمہ (اسٹیچو) کالج اسٹریٹ مین موجود ہے اُسکی ایک لڑکی نوجوان بیوہ ہوگئی - برہمنون مین لڑکی کے لئے دوسری شادی نہایت ہی شرمناک اور خلاف ننگ و ناموس فعل ہے، اور تقریباً پچاس برس قبل تو مسلمان شرفا بھی اِس جھوٹی شرمیلی" رسم کے مقلد تھے اور جو آوازین اب اس رسم کے خلاف سنائی دیتی ہین وہ اُسوقت بہت دُور تھین یہ واقعہ اُسی زمانہ کا ہے -

ودیا ساگر کی بیٹی ایک روز سمندر کے نظارے مین مصروف تھی، اُسکے جذبات کا بحر بے پایان جوش مین آیا اور اُسکی مسلسل محویت نے خیالات و الفاظ مین ہمکاری و مطابقت پیدا کردی - بنات ذوالاصبع کی طرح بیساختہ چند اشعار پیدا ہوگئے جنکا لفظی ترجمہ یہ ہے -

"مین دریا کنارے اکیلی بیٹھکر لہرون کو گنتی رہونگی!"

اپنا حال دل و موج اور سطح سمندر سے بیان کرونگی!"

آسمان کو اِس طوفان خیز واقعہ سے آگاہ کرونگی!"

اور جس وقت یہ دونون موجین ملینگی

فضائے علوی اور عالم بالا مین اک تہلکہ پڑجائیگا"

شبنم سحر کی طرح مرد کا چہرہ بیوفا ہے!"

آہ اب اُسکی بیوفائی بھی میرے مقدر مین دیکھنا نہین ہے!"

دل یہ چاہتا ہے کہ رسم و رواج کی رسیون کو توڑ ڈالون

اور اب اس غم کا بار نہ اُٹھاؤن"

جن لفظون پر خط کھینچدیا ہے اُن کو جی لگاکے پڑھئے تو کسی تنقید اور تبصرہ کی ضرورت نہ رہیگی - یون تو ہر لفظ جذب اور تاثیر مین ڈوبا ہوا ہے اور ہر مصرع ادبیت کا ایک خزانہ ہے مگر اُس مئے دولہا کی مثال جو کہ فوراً آفتاب فنا مین جذب اور سلب ہوگیا ہو شبنم سحر سے بہتر اور کسی عبارت مین نہین ہوسکتی، اور اسکے اثر کی تو پناہ نہین ہے کہ "اب اُسکی بیوفائی بھی میرے مقدر مین نہین - ع

اب جفا کا بھی آسرا نہ رہا

ترجمہ کو اثر سے اصل نظم کا اندازہ کیجئے -

ذوالاصبع کی طرح ودیا ساگر نے بھی اِس ساز عالم نواز کی آواز سُن لی اور رسمی و مصنوعی شرم و ناموسی کے مقابل انسان اور خصوصاً بے بس عورت کے دلی جذبہ کی قدر و عزت کی اور اُسکی دوسری شادی کردی -

ابو العلاء ناطق لکھنوی

چاند

(از جناب مولوی ابو البراءة سید ظفر مہدی صاحب گہر جائسی مدیر خاص رسالۂ سہیل مین، لکھنؤ)

اے مزارِ نورِ قدرت! اے شبستانِ جمال
نور انجم ہو رہا ہے جذب تیرے نور مین
رونقِ شامِ غریبان ہے ترا روشن چراغ
بن گیا ہے رفتہ رفتہ برق صد خرمن چراغ

ساکنِ خاموش گردون مین سمجھتا ہون کہ تو
جرم نورانی ہے لیکن ہین جو یہ کالے نشان
آسمان کے سینہ پر اک داغ پر تنویر ہے
ظلمتِ غم کی، کہ دودِ آہ کی تاثیر ہے؟

سینۂ عاشق ہے تو اور داغ زخمون کے کھُرنڈ
رہ چکا ہے یا تو آئینہ جمالِ دوست کا
یا مرے مانند تھا تو بھی کبھی شیدائے زلف
اور یہ دھبے ہین تیرے پرتو سودائے زلف

آج تجھکو رحم کیون آیا مریضِ ہجر پر
وہ نہین میری نگاہون مین جہان اندھیرے
میرے غمخانہ مین کیون پھیلی ہے تیری چاندنی؟
نور دامن دار کیسا اور کیسی چاندنی

سیکڑون تارِ نظر ہین آج تیرے گرد و پیش
اُف، نظر لگ جائیگی اے جلوۂ بیباک حسن
آخر اب کیا چاہتی ہے محفل آرائی تری
ایک تو ہے اور دنیا ہے تماشائی تری

کھینچ لے بلّٰہ ظالم اپنا دامن کھینچ لے
دیکھ سب زخمِ دلِ ویرانہ پہلو پھٹ گئے
یاد آتی ہین کسی کی مجھکو جلوہ باریان
اے بآغوش فلک! کیسی یہ دل آزاریان

جا مرے ظلمتکدہ کو روشنی سے کام کیا
ہان تری ٹھنڈی شعاعین خواب آور ہین ضرور
چادر مہتاب سے بستر کی آرائش نہ کر
خفتہ بختون سے مگر سونے کی فرمائش نہ کر

آسمان کے چاند! میرا چاند بھی دیکھا کہین
اُف، جوانی جسکی تھی اک ساغر بریز مے
اِس سیہ خانہ مین جو اک شب تجلی بار تھا
بچپنا جسکا کبھی اک جانستان تلوار تھا

یاد آیا ہے کہ تو خنجر تھا چرخِ پیر کا
بحر اخضر مین روان تھی نقرئی کشتی تری
سجدہ کرتی تھین نگاہین پر ضیا محراب مین
تھا ستارون سے سفینہ موتیون کی آب مین

ہے یہ کس کے ناخنِ پا کا تصدق، سچ بتا
نقص بھی وہ اب نہین ہے، جو ابھی کل شب کو تھا
جس سے تو مسند نشینِ چرخ اول ہو گیا
کس کے ابرو کے اشارے سے مکمل ہو گیا

کیا یہ سارا نور پنہان تھا ترے آغوش مین
یہ ترا تکمیل کا انداز کہتا ہے، کہ حسن
یا تو پہلے حاجبِ خلوت سرائے حسن تھا
انتہائے عشق ہے، عشق ابتدائے حسن تھا

مجھکو تعلیمِ سکون دیتا ہے خاموشی کے ساتھ
ہان، سکون ہو جائیگا جس دن تہ گل مجھ میں ہم
کیا نظر تیری نہین، ہے التہابِ قلب پر
خود مری ہستی ہے مبنی اضطرابِ قلب پر

(از جناب مولوی فضل اللہ خان صاحب شاہجہان پوری)

دور حاضر کے ترکون مین اس امر پر باہمی اختلاف پایا جاتا ہے کہ زبان ترکی مین عربی و فارسی کے الفاظ باقی رکھے جائین یا اُن کو نکالدیا جائے۔ ایک بڑی جماعت ان الفاظ کے باقی رکھنے کی حامی ہے۔ جدید ترکی کے مشہور و معتبر ادبا و شعرا بھی اسی خیال کی تائید کرتے ہین۔ عبدالحق حامد بے (جنکو "ادیب اعظم" کا لقب حاصل ہے) سلیمان نظیف بے فائق عالی بے۔ جناب شہاب الدین بے۔ جلال نوری بے۔ شاعر محمد عاکف انور پاشا مورخ۔ شہید انور پاشا سابق وزیر جنگ۔ اسمٰعیل حقی بے دیار بکری اسمٰعیل حقی بے ساکن سمرنا۔ فلاسفر رضا توفیق وغیرہ اسی خیال کے موید ہین۔ علی کمال ترکی کا مشہور اخبار نویس جسکو ترکون نے خیانت کے جرم مین پھانسی دے دی تھی وہ بھی یہی راے رکھتا تھا۔ ان لوگون کے علاوہ ترکی کے شعرا و ادبا اخبار نویس۔ وزرا۔ اور مشہور لیڈرون کی ایک بڑی جماعت یہی خیال رکھتی ہے۔ ان لوگون کا نظریہ ہے کہ موجودہ عثمانی ترک گو بحیثیت اصل و نسل نسب و حسب کے قدیم ترکون کی ذریات سے ہین لیکن چونکہ صدیون سے یہ لوگ مغربی ایشیا مین آباد ہین اور یہان کی دیگر قومون سے جو مغربی ایشیا اور جنوبی یورپ مین رہ رہی ہین ہوئی قرابت رکھتے ہین اور ان کے خونون مین ایرانی۔ عربی۔ کردی۔ چرکسی۔ کرجی۔ رومی۔ ارمنی۔ بلغاری۔ ارناوطی اور بشناقی قومون کا خون ملگیا ہے اس لیے ایک مستقل قوم بنگئے ہین اور اصل ترکون کی قومیت اور انکی قومیت مین ایک فرق بعید پیدا ہوگیا ہے۔ خصوصاً مغل قوم سے جسے یاجوج و ماجوج کہا جاتا ہے انھین کوئی لگاؤ نہین اسلیے کہ تمام مغربی و مشرقی مورخین اسپر متفق ہین کہ مغل قوم اپنی بھیانک صورت سختی مزاج اور توحش مین مشہور ہونیکے علاوہ تمدن و تہذیب کی دشمن اور قتل و خونریزی کی عاشق تھی بخلاف موجودہ عثمانی ترکون کے کہ ان مین ملاحیت و خوبصورتی۔ مکارم اخلاق اور نرمی مزاج کے علاوہ تمدن و تہذیب اور جوانمردی و شجاعت کے اعلیٰ جوہر پائے جاتے ہین۔ اس گروہ کا خیال ہے کہ موجودہ ترکی عثمانی ادب اور ترکی عثمانی تہذیب اتراک آل عثمان کے ساتھ مخصوص ہے اور اس تہذیب و ادب کے ارتقا کے لیے ادب عربی و فارسی سے بہت کچھ خوشہ چینی کی گئی ہے جس وقت عثمانی ترک ایشیا سے ہجرت کرکے مغربی ایشیا کی طرف آئے ہین تو انکی علمی زبان فارسی و عربی ہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کی زبان سے بالکل جدا ہے اور مغلون و ترکون کی زبان مین کوئی مشابہت نہین۔

جو گروہ مذکورۂ بالا نظریہ رکھتا ہے گو وہ ترکستان چین ترکستان روس اور ترکستان شمال فارس کے رہنے والون سے اظہار بے تعلقی و بیزاری نہین کرتا لیکن مغلون کو اپنے سے بالکل علٰحدہ جانتا ہے اور اُن کی بھیانک تاریخ پر لعنت و تبرا کرتا ہے ان لوگون کا خیال ہے کہ مغلون نے مشرق کو تباہ و برباد کرنے اور اسلام کو رسوا و ذلیل کرنے مین سب سے پہلے حصہ لیا۔ ترکون کے متمدن شہر خراسان و ماوراالنہر کو برباد کرنے کے علاوہ عرب و فارس کی سلطنتون کو مٹا دیا بنی نوع انسان کے لاکھون افراد قتل کر ڈالے اور اپنی درندگی و وحشت سے مشرق پر ایسی ضرب کاری لگائی جس کے بعد مشرق کو پھر سنبھلنا نصیب نہ ہوا

انور پاشا کا خیال تھا کہ موجودہ ترکون اور مغلون مین کوئی قرابت دمی نہین اور نہ زمانۂ سابق مین کوئی قرابت تھی۔ ان کے خیال مین موجودہ ترکون کا بہت سفید رنگ آمرین قوم سے ملتا ہے اور جنس مغلی کے ساتھ ان کا اختلاط بعد مین ہوا۔ انور پاشا کے علاوہ بعض دیگر ترکی مورخین نے چنگیز و ہلاکو خان اور اُن کی قوم کو اسی طرح وحشی و جنگلی لکھا ہے۔ جس طرح کہ عرب۔ ایران۔ یورپین اور روسی مورخین نے۔ موجودہ زمانے کے ایک مشہور ترک طاہر مولوی نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس مین چنگیز و ہلاکو خان کے وحشیانہ اعمال کا تذکرہ کیا ہے اور کہا ہے کہ ترکون کو چنگیز و ہلاکو خان پر فخر و مباہات نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہی لوگ مشرق کے انحطاط و زوال کا باعث ہوئے اور سب سے بڑی مصیبت اسلام پر ان کے دور مین پڑی۔ اگر ترکون کو فخر کرنا ہے تو انھین آل طولون، شاہان مصر، سلاطین سلاجقہ، سلاطین آل زنگی، الاتابکی اور سلاطین آل عثمان کی روشن تاریخون پر کرنا چاہیے۔ جلال نوری ترکون کے مشہور مصنفین مین سے ہین ان کا قول ہے کہ عثمانی ترک اول مسلمان ہین اس کے بعد ترک۔"

مذکورۂ بالا جماعت کے علاوہ ایک دوسری جماعت بھی ترکون مین موجود ہے۔ اس کو "جماعت طورانی" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ گروہ اول الذکر اصحاب کے نظریہ سے بالکل مخالف ہے۔ اس کے مشہور لیڈر۔ ضیا کوک الپ۔ احمد آغا ایف۔ یوسف اقشورہ جلال ساہر۔ یحییٰ کمال۔ حمد اللہ صبحی ایڈیٹر "ترک یوردی" اور محمد امین بے شاعر ملی وغیرہ ہین۔ دور حاضر کے نوجوان ترک اور یونیورسٹیون کے طلبا انھین لوگون کے موید و حامی ہین۔ ان لوگون کا خیال ہے کہ ترک اقوام انسانی کی قدیم ترین قوم ہے اور تمدن و تہذیب و قابلیت و ہنرمندی مین سب سے پہلے انھین کا درجہ ہے۔ موجودہ ترک اور مغل ایک ہی قوم سے ہین اور ایک دن ایسا آئیگا ہے جبکہ یہ دونون قومین بالکل متحد و متفق ہو جائینگی۔ اس تحریک کو یہ لوگ "تحریک اتحاد طورانی" سے تعبیر کرتے ہین۔ یہ لوگ اتحاد مین صرف سیبریا۔ ترکستان روس۔ ترکستان چین۔ ترکستان فارس۔ قوقاس۔ اناطول۔ روملی کے ترکون کو ہی نہین شریک کرتے۔ بلکہ وہ اس لڑی مین ان مغلون کو بھی پرونا چاہتے ہین جو چین ایشیا فیلنڈ اٹلی اور دیگر یورپین مقامات پر آباد ہین۔ غرض یہ کہ ان کے اس اتحاد مین ہر وہ قوم شامل ہے جس مین طورانی خون ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ "وہ پہلے ترک ہین اور اس کے بعد مسلمان"۔ یہی لوگ مذہب کو پس پشت ڈالکر "اتحاد اسلامی" کی تحریک کا مذاق اڑاتے ہین۔ ہان یہ لوگ اتحاد اسلامی کی تحریک کو اسوقت مفید سمجھتے ہین جبکہ "اتحاد طورانی" کی تحریک کو اس سے فائدہ پہونچے۔ ان مین سے بعض حضرات اپنے اس عقیدے مین حد سے تجاوز کر گئے ہین حتیٰ کہ یہ کہتے ہین کہ "ہم طورانی ہین اور ہمارا قبلہ طوران ہے" یہ لوگ چنگیز و ہلاکو خان کی تعریف مین قصائد لکھتے ہین اور اُن کو قومی گیت کی طرح گاتے ہین مغلون کے گزشتہ بہیمانہ اعمال و افعال ان کے نزدیک باعث فخر و مباہات ہین۔ ان کا خیال ہے کہ چنگیز و ہلاکو خان کی فتوحات کا تذکرہ قوم کے قلوب مین بہادری و جوانمردی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔

ایک مرتبہ محمد امین بے شاعر شاعر الملی سے سوال کیا گیا کہ یہ سب سچ ہے کہ آپ طورانی ہین اور اتحاد قومی کی تحریک کو نشو و نما دیتے ہین اور یہ امر اسلام کے خلاف بھی نہین۔ لیکن یہ سمجھ مین نہین آتا کہ آپ چنگیز و ہلاکو خان پر کیسے فخر و مباہات کرتے ہین۔ جبکہ ساری دنیا کے مورخین ان کو تمدن و تہذیب کا دشمن اور قتل و خونریزی کا عاشق لکھتے ہین۔ اس کے جواب مین امین بے نے فرمایا کہ "ہم چنگیز خان کی ذات پر اس لیے

فخر کرتے ہین کہ اس کی فوجی قوت نہایت مکمل و منظم تھی اور مفتوحون پر جو خونریزی و بربادی کے اتہامات لگائے گئے ہین سو وہ سراپا غلط ہین۔ جس جگہ پر انھون نے کسی قسم کی سختی برتی ہے تو اسکی وجہ جنگی ضروریات کا اقتضا قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیا جرمنی نے شمال فرانس مین جو کچھ کیا وہ کم تھا؟ پھر کیا اس کے بعد جرمنون کو یورپ کی متمدن و مہذب قومون مین نہین شمار کیا جاتا ہے۔

مذکورۂ بالا جماعتون کا اختلاف صرف اسی حد تک ختم نہین ہو جاتا بلکہ اس کا دیگر امور پر بھی اثر پڑتا ہے۔ موخرالذکر گروہ نے اپنے نظریہ کو تقویت دینے کے لیے یہ کوشش شروع کی کہ موجودہ ترکی زبان سے عربی و فارسی کے الفاظ نکال کے قدیم ترکی الفاظ رکھے جائین تاکہ ترکون کی قومی زبان دوسری زبانون کے "میل کچیل" سے بالکل پاک و صاف ہو جائے۔ ان لوگون کا خیال ہے کہ موجودہ زبان مین عربی و فارسی کے الفاظ "اتحاد طورانی" کی تحریک کو نقصان پہونچا رہے ہین۔ اس مسئلہ پر ان دونون مین خوب نوک جھونک ہوتی رہتی ہے۔ قسطنطنیہ مین آج ان دونون جماعتون کو علیحدہ علیحدہ نامون سے پکارا جاتا ہے۔ جو لوگ عربی و فارسی کے الفاظ ترکی زبان سے خارج کر دینے کے حامی ہین انھین "ترکجی" کہا جاتا ہے اور جو ان الفاظ کے بقا کے حامی ہین انھین "اسلامجی" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اسلامجی گروہ اپنے دعوی کے دلائل مین بیان کرتا ہے کہ گو ترکی زبان مین مادی اشیا و حرکات بدن کے لیے الفاظ کافی و وافی ہین لیکن امور عقلیہ اور معانی مجردہ کے لیے ترکی الفاظ کافی نہین اس لیے صرف ترکی الفاظ پر مشتمل زبان ایک ایسی قوم کے واسطے جو تہذیب و تمدن کے اعلی مدارج تک نہ پہونچی ہو اپنی زندگی و بیان الفاظ کے لیے بیشک کافی و وافی ہوگی لیکن وہ قوم جسکا شمار دنیا کی متمدن قومون مین ہو اور جس کی ضروریات روز بروز بڑھتی جاتی ہون اس کو دوسری زبان کے الفاظ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ضرور داخل کرنا پڑینگے اور جو الفاظ داخل ہو چکے ہین اُن کے اخراج کے بعد زبان نامکمل اور ادھوری رہ جائیگی۔ علاوہ ازین آج جس زبان پر صدیان گذر گئین جس مین ہر فن و موضوع کی کتابین تصنیف ہو چکین۔ جسکے شعرا و ادبا نے اپنی قابلیت کا سکہ جمایا اور جس مین ترکی قوم کے دیرین کارنامے اور قومی فتوحات کا ذخیرہ موجود ہے کیا اس زبان کو بالکل نیست و نابود کرنا یا اُس کے اسلوب و طرز بیان کو بدل کر دوسرا جدید طریقہ اختیار کرنا احیاے جذبۂ قومیت مین ممد و معاون ہو سکتا ہے اور اگر اس کو مفید تسلیم بھی کر لیا جائے تو کیا یہ جدید زبان زمانۂ قریب مین وہی ادبی و تاریخی وقار حاصل کر لیگی جو قدیم زبان کو حاصل ہو چکا ہے۔ رہا یہ امر کہ عربی و فارسی کے الفاظ ترکی جذبۂ قومیت کو نقصان پہونچاتے ہین غیر مسلم ہے۔ اس لیے کہ ان الفاظ کے بقا اور ترکی قومیت کے مضمون مین کوئی تناقض و تعارض نہین بلکہ ان کے بقا کی بنا پر ترکی کو سیاسی حیثیت سے مختلف منافع و فوائد کی امید ہو سکتی ہے کیونکہ ان کے بقا سے عربون اور ایرانیون کے قلوب مین ترکی قوم کی محبت کے جذبات تازہ رہینگے۔ مؤخرالذکر گروہ چونکہ "اتحاد اسلامی" کی حامی و مؤید ہے اسلیے وہ ان الفاظ کے بقا کو ضروری اور لابدی خیال کرتی ہے۔ شہید انور پاشا کا قول تھا کہ "ترکستان کے ترکون کو ہم اسلیے متحد نہین کہ وہ ترکی النسل ہین ہمارا اتحاد اس بنا پر ہے کہ ہم اور وہ مسلمان ہین"

(فضل اللہ خان شاہجہان پوری)

پپیہا

(از جناب [illegible] صاحب [illegible] صدیقی [illegible])

او پی کا مہجور پپیہا او دل سے مجبور پپیہا !
او غم کش رنجور پپیہا !
کیف عشق مین چور پپیہا !
بیخود اور مخمور پپیہا !
نغمون سے معمور پپیہا !
دل کو بنا پُر نور پپیہا !
روح کو کر مسرور پپیہا !

او پی کا مہجور پپیہا او دل سے مجبور پپیہا !
اپنے پی کو ڈھونڈھ رہا ہے
کھوئے ہوئے کا کچھ بھی پتا ہے
دشت و جبل مین شور اُٹھا ہے
آہ یہ کیسا حشر بپا ہے
کیون یہ سراپا درد صدا ہے
کچھ تو بتا دے راز یہ کیا ہے ؟

او پی کا مہجور پپیہا او دل سے مجبور پپیہا !
منڈلاتی ہین کالی گھٹائین
چلتی ہین پُر شور ہوائین
آتی ہین دلدوز صدائین
درد سے ہین معمور فضائین
فطرت کی یہ شوخ ادائین
تیرے حق مین کیون ہین بلائین

او پی کا مہجور پپیہا او دل سے مجبور پپیہا !
ختم ہوئی خورشید کی منزل
جلوہ فگن ہے ماہ کامل
ہر ذرہ ہے نور کا حامل
بیخود ہے دنیا کی محفل
زاہد ہین مسجد مین داخل
تجھکو نہین کیون تسکین حاصل

او پی کا مہجور پپیہا او دل سے مجبور پپیہا !
اُف شب ہجران کی طولانی !
اُس پہ ستم ہے سوز نہانی !
کاش تو اپنے دل کی کہانی
یون دُہراتا مجھکو زبانی
بڑھ گئی دل کی اور گرانی
تو نے جی مین کیا ہے ٹھانی ؟

او پی کا مہجور پپیہا او دل سے مجبور پپیہا !
کس بستی مین تیرا گھر ہے ؟
کس کے لئے آشفتہ سر ہے ؟
کس کا تصور پیش نظر ہے ؟
یاد مین کس کی تو مضطر ہے ؟
عشق مین کس کے درد جگر ہے ؟
اپنی بھی کچھ تجھ کو خبر ہے ؟

او پی کا مہجور پپیہا او دل سے مجبور پپیہا !
مسکن تیرا کوہ کا دامان
شاید دل مین ہے کوئی ارمان
آٹھ پہر حیران و پریشان
رہتا ہے کیون چاک گریبان ؟
دل مین ہو تیرے جلوۂ عرفان
نور سے ہے معمور بیابان

او پی کا مہجور پپیہا او دل سے مجبور پپیہا !

جانِ عالم اور ملکہ مہر نگار

(افسانہ)

(خاص مرقع کے لئے)

(از حضرت نیاز فتحپوری)

"معاذ اللہ"

یہ تھا سب سے پہلا وہ لفظ جو ایک نوجوان لڑکی کو دیکھکر اسلم کے منھ سے نکلا' بعض الفاظ ایسے ہین جو اپنی صوتی خصوصیت کے لحاظ سے بھی کسی خاص جذبہ کی مکمل تصویر پیش کردیتے ہین' اور اسی اصول پر اسلم نے حسن کی یہ تین قسمین کی تھین :-

اول :- وہ جس کو دیکھنے کے بعد بے اختیار "واہ" منھ سے نکل جائے۔

دوسرے :- وہ جس پر نگاہ پڑتے ہی "سبحان اللہ" کہنے پر انسان مجبور ہو جائے۔

تیسرے :- وہ جو مجبوراً زبان سے "معاذ اللہ" کہلوالے۔

اسلم اپنی افتادِ طبیعت کے لحاظ سے آفادی نہین بلکہ استفادی انسان تھا وہ چاہتا تھا کہ ہر چیز کا شیرین حصہ' خواہ اُس کے لئے کتنی ہی مادی قربانی کیون نہ کرنی پڑے اُس کو ملے - اور تلخ اجزاء دوسرون کے لئے چھوڑ دے - اپنی گزشتہ حیات شباب مین جس کی مدت کم و بیش دس سال سمجھنی چاہیئے - اس کو سیکڑون ہی بار "واہ" قسم کے حسن سے واسطہ پڑ چکا تھا - اور بیسیون مرتبہ "جمال سبحان اللہی" کے حضور مین بھی جبین نیایش جھکا چکا تھا لیکن "حسن معاذ اللہ" کا صرف ایک واقعہ اُسے یاد تھا' جب اُس نے ۱۹۱۰ء کی نمایش الہ آباد مین صرف مطالعۂ جمال کی غرض سے مخصوص طور پر ریشمی و زرکار ساریون کی دوکان قائم کی تھی - ہر چند اس کاروبار مین اُس کو سخت نقصان ہوا ---- اور حسن کے ساتھ وہ کون سا کاروبار ہے جس کا نتیجہ تباہی نہین ہوتا - لیکن جب مین نے ایک مرتبہ اُس کو اس حماقت پر ملامت کی تو بولا!

"سنو! - بسنت کا زمانہ ہے' جاڑے کا غیر شاعرانہ موسم' جو رعنائی و شباب کا دشمن ہے' ختم ہو رہا ہے - موسم بہار کی ہلکی گرمی نے خون کو رقیق کرکے رخسارون سے ہولی کھیلنا شروع کر دی ہے حسن سبک ریشمی ملبوس اختیار کرکے نمود شباب کے ناجائز حجابات کو دور کرتا جا رہا ہے ہر ہر قدم پر نرم آنچل شانہ سے سرک سرک کر نگاہون کو جوانی کا راز دار بنا رہا ہے - شبنم کا وقت ہے' ہوا پھولون کی خوشبو سے لدی ہوئی مشام مین سکر کی سی کیفیت پیدا کر رہی ہے - شفق کی رنگینی چمن پر ہلکا ہلکا عبیر ملتی جاتی ہے' نمایش گاہ مین جسے مین نے ہمیشہ اپنی زندگی کا ایک بہترین خواب سمجھا' لاکھون برقی قمقمون نے سیلاب نور جاری کر رکھا ہے' فضا اپنے تمام ماحول سے متاثر ہو کر ایک قمقمۂ رنگین بنی ہوئی ہے - حسن و شباب اپنی آرایش رنگا رنگ سے سڑکون کو متحرک توس و قزح بنائے ہوئے ہین - اور روش پر ابرک کے ذرے جب اُن کی رفتار سے منتشر ہوتے ہین تو بجلی کی روشنی مین ایسا نظر آتا ہے کہ اُن کی ٹھوکر زمین سے چنگاریان پیدا کر رہی ہے - یا سیکڑون جگنو پامال ہونے کے لئے اُن کے قدمون سے لپٹے جا رہے ہین - الغرض یہ موسم ہے' یہ وقت ہے' یہ عالم رنگ و بو ہے' کہ ساری نمایش گاہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید پر لگا کر اُڑ جانے والی ہے' اور مین حالت سکر مین ----

تشبیہ و استعارہ نہیں بلکہ واقعی حالت سکر میں ——— اپنی دکان کے سامنے بیٹھا ہون کہ ناگہان ایک تلاطم نور، ایک سیلاب رنگ ایک طوفان حسن و شباب یعنی ایک عورت، مکمل عورت، تمام نازک ترین خصوصیات نسائی لئے ہوئے دکان کی طرف بڑھتی نظر آتی ہے، اور ایک ایسے غرور و پندار کے ساتھ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ دنیا کی ہر ہر چیز وہ اپنی ہی مملوکہ سمجھتی ہے دیوارون پر لٹکی ہوئی ساریون کو آگ دیکھنے لگتی ہے۔ مین جب تک آگے بڑھون وہ تیتری کی طرح ادھر اودھر پھر کر ایک آسمانی رنگ کی بنارسی ساری پر اپنا ہاتھ رکھکر میری طرف دیکھتی ہے، یعنی قیمت دریافت کرتی ہے، مین بڑھکر گویا یہ دیکھنے کے لئے کہ کس قیمت کی ساری ہے اس کا کونہ اپنے ہات مین لینا چاہتا ہون اور عالم سرشاری مین اُس کے ہات پر اپنا ہات رکھدیتا ہون۔ وہ چونک پڑتی ہے مین معذرت کرتا ہون کہ معاف فرمایئے مین نے تو آپکے ہاتھ کو بھی ساری ہی کا کوئی زرکار بوٹہ سمجھا تھا وہ یہ سُن کر شرما جاتی ہے، اور بجاے ساری کے میرے دل کا سودا ہو جاتا ہے ——— اب آپ ہی بتایئے کہ مجھ سے زیادہ فطرت ناشناس اور احسان فراموش کون ہو سکتا تھا اگر مین قدرت کے اس عطیہ کی قدر نہ کرتا۔ شاید آپ کو نہین معلوم کہ میری دوکان کا اکثر حصہ اسی کی نذر ہو گیا۔ لیکن مین آج بھی اسپر فخر کر سکتا ہون کہ اس نے میری تباہیان بہت گران قیمت پر خریدی ہین ———"

اس وقت جب اس لڑکی کو دیکھکر اسلم نے معاذ اللہ کہا تو مین سمجھ گیا کہ اب ضرور اس کی شرارتین عود کر آئین گی۔ اس لئے مین نے چاہا کہ اس کے خیال کو کسی اور طرف منتقل کر دون۔ لیکن وہ کیا ماننے والا تھا، برابر خاموشی سے جانے والی نگاہون سے تعاقب کئے گیا۔ اور جب وہ دوسری سڑک پر مڑ گئی تو چند لمحے ساکن رہنے کے بعد مجھ سے بولا کہ "بتایئے اب کیا کرون؟"

مین نے ہنسکر جواب دیا کہ "سواے صبر کے کیا چارہ ہے"

یہ سن کر اُس کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور بولا کہ "شاید آپ کو علم نہین مین حُسن سے ایک بار متاثر ہونے کے بعد اس وقت تک کس درجہ سنجیدہ رہتا ہون جب تک وہ مجھے مل نہ جائے۔ لیکن اس سے تو آپ ضرور واقف ہون گے کہ ایک سنجیدہ انسان مذاق کو پسند نہین کرتا۔ آج مجھے بمبئی آئے ہوئے پندرہ دن ہو گئے اور یہ زمانہ اسقدر خشک و بے مزہ بسر ہوا ہے کہ مین اب ایک لمحہ کے لئے بھی اس موقع کو ہات سے جانے دینا گوارا نہین کر سکتا" اس لئے مین واقعی پوچھتا ہون کہ بتایئے یہ کون تھے" ——— مین نے کہا "پاگل ہوئے ہو، بمبئی کوئی تمھارا گاؤن جلال آباد تو ہے نہین۔ کہ ہر شخص ساری آبادی سے واقف ہو، یہان تو محلہ کے ہمسایہ کے ایک ہی مکان کے دو رہنے والے بھی ایک دوسرے سے برسون واقف نہین ہوتے"

اسلم نے یہ سنکر تھوڑے سے تامل کے بعد کہا کہ "اچھا تو آپ گھر چلیے" اور مجھے تھوڑی دیر کے لئے آزاد کر دیجئے۔ مین آپ سے وہین کسی وقت آکر مل جاؤن گا۔ یہ کہکر وہ آگے بڑھا اور کرایہ کی موٹر پر بیٹھکر روانہ ہو گیا۔

(۲)

اسلم نہایت دولتمند خاندان کا لڑکا تھا۔ اس لئے جب وہ کالج کی تعلیم سے فارغ ہو کر نکلا تو اس نے اپنے مستقبل کے لئے تجارت کو پسند کیا اور اس فن کو سیکھنے کے لئے امریکہ چلا گیا۔ اس نے چار برس یہان قیام کیا اور اس زمانے مین اس نے تجارت کے متعلق جس قدر معلومات حاصل کین وہ شاید اس سے زیادہ نہ تھی کہ "فن تعشق" کیلئے بڑے سے بڑے سرمایہ کو برباد کر دینا بڑے نفع کا سودا ہے۔

وہ فطرت کی طرف سے حد درجہ بے چین و چلبلی طبیعت

لے کر آیا تھا' اور لطف و نشاط کی جستجو کے سوا اُسے کوئی اور مشغلہ پسند نہ آتا تھا' تعلیم کے دوران مین بھی اس کی زندگی اس طرح بسر ہوئی کہ کبھی ایک لمحہ کے لئے کسی پروفیسر نے اس کی طرف سے یہ خیال قائم نہین کیا کہ یہان سے نکلنے کے بعد وہ کوئی سوچنے والا انسان بن سکے گا'' اس مین شک نہین کہ وہ بے انتہا ذہین تھا - اور اسی ذہانت کی بدولت باوجود اس کے کہ اُس نے نہ کبھی غور سے کوئی لکچر سُنا اور نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا' وہ گریجویٹ بھی ہو گیا تھا - لیکن اس کی ذہانت صرف اس کوشش مین صرف ہوتی تھی کہ وہ اپنی ادنیٰ سی' ادنیٰ اسفلی خواہش کو بھی مضمحل نہ دیکھ سکے ——— ایک دن پروفیسر صدیقی کے ہان دعوت تھی کالج کے پروفیسر اور اکثر سینیر طلبہ جمع تھے' مختلف مباحث پر گفتگو ہو رہی تھی کہ انسان کے مستقبل کا ذکر آیا اور اس سلسلہ مین جب اسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ کیا بننا چاہتا ہے تو اس نے نہایت آزادی سے کہدیا کہ ''مین تو اوباش بننا چاہتا ہون''

اس وقت گفتگو نہایت سنجیدگی سے ہو رہی تھی - لیکن اسلم کے اس فقرہ نے صحبت کا رنگ بدل دیا - اور ہر شخص تفریح و تفنن کے لئے آمادہ ہو گیا -

پروفیسر صدیقی نے حیرت سے پوچھا کہ ''اوباش کسے کہتے ہین'' اسلم نے کہا کہ ''آپ نے تو اس قدر استعجاب سے پوچھا گویا یہ کوئی بہت مبری بات ہے' اس لئے قبل اس کے کہ مین اوباش بنون آپ مجھے اس کا صحیح مفہوم تو بتا دیجئے' ممکن ہے یہ اس قدر خراب بات ہو کہ مین بھی اس سے احتراز کرنے لگون -

صدیقی نے کہا کہ ''بھائی ہماری زبان اور ہمارے محاورہ مین اوباش اُس شخص کو کہتے ہین جس کے اخلاق نہایت ذلیل ہون جسے عزت و آبرو کا پاس نہ ہو اور جس کے وجود سے نظام تمدن کو نقصان پہونچے ——— اسلم نے یہ سنکر کہا کہ ''پروفیسر صاحب معاف فرمائیے آپ نے تو بالکل علمی زبان مین معلمانہ انداز بیان سے اس کی صراحت کی' جس کو مین نہین سمجھ سکتا' نظریے اور نتائج صرف کتاب ہی کے اوراق پر اچھے معلوم ہوتے ہین آپ تو مہربانی فرما کر صاف صاف الفاظ مین عملی دنیا کی مثالین دیکر سمجھائیے''

صدیقی ——— ''مثلاً جھوٹ بولنا' شراب پینا' عورتون سے ناجائز واسطہ رکھنا' فریب دینا' والدین کی اطاعت نہ کرنا' اہل و عیال کو تکلیف دینا' لوگون کے حقوق ادا نہ کرنا' اور اس طرح کی وہ تمام باتین جن سے یہ معلوم ہو کہ ان کے مرتکب کو خدا کا کوئی ڈر نہین ہے - اوباشی مین داخل ہے''

یہ سن کر اسلم بہت ہنسا' اور بولا کہ ''مین تو ڈر رہا تھا کہ خدا جانے آپ کیا کیا کہین گے' لیکن اگر اوباشی صرف اسی کا نام ہے تو مجھے یہ کہتے ہوئے کہ مین اوباش بننا چاہتا ہون شرم آتی ہے - یہ باتین تو میرے عزائم سے کہین فروتر ہین اور مین اوباشی کا مرتبہ جس کا صحیح مفہوم شاید انگریزی لفظ (Adventure) سے ادا ہو سکتا ہے' اس سے بہت زیادہ بلند سمجھتا ہون' آپ کی مثالون مین سے بعض تو میری سمجھ ہی مین نہین آئین - مثلاً حقوق ادا نہ کرنا کہ ابھی تک یہی محقق نہین ہوا ہے کہ حقوق کس بلا کا نام ہے' یا خدا سے ڈرنا کہ اس وقت تک خدا سے ڈرنے کی کوئی وجہ میری سمجھ مین نہین آئی - جس طرح وہ مجھے مار ڈالنے والا ہے' اسی طرح ایک ''تت'' بغداد کے سجادہ نشین صاحب کو بھی ہلاک کر دیگا پھر ڈرنے کا نتیجہ اسی طرح والدین کی اطاعت نہ کرنا' اور فریب دینا ہے کہ خدا معلوم آپ اطاعت اور فریب کس کو کہتے ہین - رہا اہل و عیال (اس کریہ لفظ کو زبان سے ادا کرتے ہوئے بھی مجھے شرم آتی ہے) کو تکلیف دینا سو میرے نزدیک وہ شخص اوباش ہو ہی نہین سکتا جس نے ایک مرتبہ

اپنی دیہال کرکے اس غیر اوباشانہ حرکت کا ارتکاب کرلیا ہو۔ یعنی گیا جھوٹ بولنا اور شراب پینا۔ سو ان مین سے ایک دنیاوی تدابیر مین داخل ہے اور دوسرا انعام قدرت کے عملی مطالعہ مین۔ بہرحال آپ نے اوباشی کی تعریف وہ نہین کی جو مین سمجھتا ہون۔ میرے نزدیک اوباشی نام ہی صرف اس احساس کا کہ جوانی پھر دوبارہ نہین آسکتی "

صدیقی —— " مگر یہ احساس تو ہر شخص کو ہوتا ہے اور مجھے بھی ہے "

اسلم —— " آپ کو بھی ہوگا لیکن آپ اس احساس کے بعد ٹھنڈی سانس بھر کر رہجاتے ہون گے یا زیادہ سے زیادہ اپنی خادمہ زلفون پر پرخفا ہونے لگتے ہون گے' لیکن میرے اندر تو یہ احساس ایک مستقل جنون ہے' اور مین اس قدر حریصانہ انداز سے جوانی کی ایک ایک لمحہ پر مہر دوام ثبت کرنا چاہتا ہون۔ کہ اگر مجھ سے کہا جائے کہ اگر تم صرف ایک دن کی ناکامی گوارا کرلو تو ساری دنیا مسلمان ہوئی جاتی ہے' تو مین کہدونگا کہ تم تو خدا کے لئے سارے جہان کو کافر بنادو اور میری جوانی کا ایک لمحہ اور بڑھادو —"

ممکن ہے کہ اُس وقت اسلم کی یہ گفتگو صرف لطف و تفریح رہی ہو لیکن اس مین شک نہین کہ تھا وہ کچھ اسی خیال کا انسان اور امریکہ جانے سے پہلے اور واپس آنے کے بعد اس نے جو کام بھی کیا اس جذبہ سے خالی نہ تھا۔ پھر چونکہ وہ حسین بھی تھا شائستہ و مہذب بھی تھا۔ ان تمام اداؤن کا ماہر تھا جو مختلف موقع و محل' مرتبہ و مدارج کے لحاظ سے ایک عورت کو مالوف کرنے کے لیے صرف کیجاتی ہین۔ اس لئے شاید ہی کوئی واقعہ اس وقت تک کی زندگی مین ایسا ملے گا جو اسکی ناکامی کی مثال مین پیش کیا جاسکے۔

اس نے ہمیشہ تجارت کی اور ہمیشہ کو تباہ کیا' لیکن چونکہ دولت کافی تھی' اس لئے ابھی تک کوئی سبق دینے والا تلخ تجربہ حاصل نہ ہوا تھا اب بھی حضرت گنج لکھنؤ مین اسکی ایک بڑی دوکان آلات موسیقی کی موجود تھی۔ اور اسی سلسلے سے وہ بمبئی آیا تھا کہ وہ اجنبی لڑکی اُسے اُسے نظر آگئی۔ اور وہ پلاندار اس کے تعاقب مین نکل گیا۔

(۳)

مین نے ساری رات اسلم کا انتظار کیا' لیکن وہ نہ آیا۔ صبح مجھے ایک ضروری کام سے باہر جانا تھا اس لئے ملازم کو ضروری ہدایتین کرکے چلا گیا' اور شام کو واپس آیا۔ لیکن اسلم اب تک گھر نہ آیا تھا۔ مین اب فکرمند ہوچلا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیونکر اس کا پتہ چلانا چاہیئے کہ دفعتًہ دروازہ کھلا اور حضرت نہایت خوش خوش اندر داخل ہوئے مین حقیقتًہ اس سے بہت برہم تھا اور چاہتا تھا کہ اس کو سخت ملامت کرون۔ لیکن قبل اس کے کہ مین کچھ کہتا وہ سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا اور بولا کہ خدا کے لئے میری داستان سُن لیجئے اگر اس سے آپ کو لطف نہ آئے تو پھر جو سزا جی مین آئے مجھے دیجئے "

اس کی اس ادا پر مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔ اور مین نے کہا کہ داستان واستان مین کچھ نہین سننا چاہتا' خدا جانے کہان کہان کی خاک چھانکر آئے ہوگے "

اسلم —— " مین خاک چھان کر آیا ہون۔ میری حالت دیکھئے "

اب جو مین نے غور سے دیکھا تو واقعی اس کی صورت بہت پررونق تھی۔ داڑھی بالکل صاف تھی' ترچھی مانگ سیاہ بالون کے درمیان نہایت نمایان طور پر چمک رہی تھی۔ بوٹ جگمگا رہا تھا' سوٹ بھی نہایت احتیاط سے برش کیا ہوا تھا' اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید اب آراستہ ہوکر گھر سے جانے والا ہے۔

میری بڑھتی ہوئی حیرت کو دیکھکر وہ پھر شوخ انداز سے ہنسا اور میرے پاس بیٹھکر بولا کہ " آپ اپنی طرف سے لکھنؤ ایک خط لکھ دیجئے کہ اسلم نہایت ضروری کام سے امریکہ چلا گیا ہے اور وہان کئی مہینے صرف ہون گے' کاروبار کے متعلق تمام ہدایتین میرے پاس

چھوڑ گیا ہے' اس لئے جو کچھ دریافت کرنا ہو مجھ سے پوچھتے رہو۔ اور روزانہ حساب کی تفصیل بھیجتے رہو سا اسلم کی والدہ کو اطلاع نہ پہنچنے پائے"

مین نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا "کیا واقعی تم امریکہ جا رہے ہو" اسلم مسکرا کر بولا کہ "امریکہ تو نہین جا رہا ہون لیکن ابھی کئی مہینہ تک لکھنؤ نہین جا سکتا' اور نہ یہ چاہتا ہون کہ وہان سے یہان کوئی آئے۔ اس لئے یہی بہانہ مناسب ہے"

—— "تم آخر لکھنؤ کیون نہین جانا چاہتے ہو؟"

—— "اس لئے کہ مین نے یہان ملازمت کر لی ہے"

—— "ملازمت! اس کے کیا معنی؟"

—— "آپ یقین کیجئے کہ مین نے نوکری کرلی ہے' اور ہر چند یہ میری زندگی کا بالکل نیا تجربہ ہے لیکن اسقدر پر لطف ہے کہ مین اس سے کسی طرح باز نہین آسکتا'

—— "کچھ تفصیل تو بیان کرو۔ کہ یہ قصہ کیا ہے' کل تم ایک عورت کی جستجو مین نکلتے ہو اور شام کو ملازم ہو کر واپس آتے ہو؟"

—— "جناب اگلے زمانہ کے لوگ تو محبت مین عمر بھر کا خط غلامی لکھدیتے تھے اور آپ کو چند روز کی عارضی ملازمت کرنے مین بھی تعجب ہوتا ہے۔

مین اس کی مہمل و مجمل گفتگو سے پریشان ہو کر اٹھ بیٹھا' اور بولا کہ "خدا نے تمھین فارغ پیدا کیا ہے' جتنا چاہے مسخراپن کر لو۔ مجھ غریب کو اتنی فرصت کہان کہ گھنٹون بیٹھکر تمھارے معمے حل کرتا رہون۔ کہنا ہے تو صاف صاف کہئے ورنہ مین جاتا ہون مجھے ضروری کام ہے"

اسلم نے یہ سنا اور بالکل غیر متاثرانہ انداز سے بولا کہ "اچھا جائیے' لیکن لکھنؤ کو تو خط لکھدیجئے۔"

اس کے جواب پر مجھے اور غصہ آیا۔ اور بولا "تو پھر تم صاف صاف نہ بتاؤ گے؟"

—— "بتاؤن گا کیون نہین لیکن آپ سنتے کب ہین؟"

—— "سن تو رہا ہون"

—— "اچھا تو سنئے کہ کل شام کو کرافرڈ مارکیٹ کے قریب مین نے اس کو پکڑ لیا اور موٹر چھوڑ کر اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ وہ سیدھی سینما ہاوس گئی۔ اور مین بھی اس کے ساتھ ساتھ اندر داخل ہوا (درمیان کی غیر ضروری کڑیان چھوڑتا جاتا ہون)

شام کو دھندلی روشنی مین اور کچھ دور سے مین نے اسے دیکھا تھا لیکن اس وقت بجلی کی روشنی مین زیادہ قریب سے دیکھا' سچ کہتا ہون مجھے اپنی بدبختی پر کس قدر افسوس ہوا کہ آج تک کیون اس سے بیخبر رہا۔ مین ایسا محسوس کر رہا تھا کہ قدرت نے اس کو صرف میرے ہی لئے پیدا کیا ہے' اور مجھ سے زیادہ اس بہار فطرت کی گلچینی کا مستحق اور کوئی نہین ہو سکتا' آپ نے کل دور سے دیکھ کر یہ حکم لگا دیا تھا کہ کمسن ہے' لیکن یقین کیجئے' اس کے شباب کا وہ عالم ہے جیسے ایک لبریز جام شراب کہ ذرا سی جنبش ہوئی اور چھلک پڑا۔ مین قریب ہی بیٹھا ہوا تھا اور اس کے جسم سے برقی شعاعین نکل نکل کر میرے خون کے اندر تپ کی سی حرارت پیدا کر رہی تھین۔

خدا کا وجود ثابت کرنے کے لئے لوگ خدا جانے کیا بے سروپا دلائل پیش کیا کرتے ہین۔ حالانکہ اس سے زیادہ روشن دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ایک حسین عورت بھی پیدا کر سکتا ہے' آپ خود غور کیجئے کہ افشردۂ ورود یاسمین کو منجمد کر کے اس سے ایک مجسمۂ جمیل تیار کرنا۔ اس کی رگ رگ مین شراب سیال دوڑا دینا اور کمر کی دونون جانب کا بلور نکال کر سینہ مین بھر دینا تاکہ ایک ہی وقت مین شباب کی نزاکت و قوت دونون ملکر بجلی کی منفی مثبت رو کی طرح دیکھنے والے کو مسحور کر دین کیا سوا سے خدا کے کوئی اور کر سکتا ہے' باور کیجئے یہی چاہتا تھا کاش

میں ذرۂ خاک ہو کر اس کی راہ میں پڑ جاتا اور وہ پامال کرتی ہوئی گزر جاتی۔ الغرض کھیل شروع ہونے سے قبل جتنے مدارج محبت کے ہو سکتے تھے وہ سب فلم کی رفتار کی طرح جلد جلد طے ہو گئے۔ اور جس وقت روشنی گل ہوئی تو سب کی نگاہیں پردہ پر تھیں لیکن میں؟ —— اب کیا کہوں، میری جگہ جو آپ ہوتے تو آپ بھی اسی گوہر شب چراغ کو دیکھا کرتے۔

تھوڑی ہی دیر بعد جب اصل ڈراما شروع ہوا اور میں نے سر اٹھایا تاکہ دیکھوں پردہ پر متحرک ہونے والی تصویروں میں کوئی صورت قابل التفات ہے یا نہیں تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی:-

"صبح کا وقت ہے اور خوش فزا صحرا، پہاڑ کے نیچے ایک صاف شفاف چشمہ جاری ہے، دونوں طرف کروندے کی سبز سبز جھاڑیاں ہوا کی وجہ سے آہستہ آہستہ جنبش میں ہیں اور وہیں کنارے ایک جوگن بال کھولے ستار بجا رہی ہے ——"

آپ سمجھے یہ جوگن کون تھی؟ بے اختیار منھ سے حیرت کی ایک ایسی آواز نکل گئی جس پر قریب کے دو چار آدمیوں نے مجھے مڑ کر دیکھا بھی لیکن میں فوراً سنبھل گیا اور غیر معمولی لطف و انہماک کے ساتھ تماشہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

یہ ریل ختم ہوئی، درمیانی وقفہ آیا۔ اور جس وقت وہ باہر نکلی تو میں بھی ساتھ ساتھ آیا۔ اور ذرا آگے بڑھ کر سامنے ہو گیا، اور نہایت عاجزی کے ساتھ سر جھکا کر میں نے اس سے کہا:-

"اے محترم خاتون! معاف فرمائیے، میں بغیر کسی تعارف کے آپ سے خطاب کی جرأت کر رہا ہوں لیکن رسمی تعارف کے انتظار میں میرا اپنے جذبات کو ضبط کرکے خون کر دینا غالباً اس آرٹ کی توہین ہو گی جس کا اظہار آپ نے آج ڈراما میں کیا ہے، میں نے امریکہ کے دوران قیام میں بھی بڑی نادر مثالیں فن تمثیل کی دیکھی ہیں کیونکہ کال حوویل تک خود بھی وہاں کی رایل فلم کمپنی میں بحیثیت ایکٹر کے کام کر چکا ہوں لیکن یقین کیجیے کہ وہ بیساختہ پن جس کی نمائش آپ نے اپنی تمثیل میں کی ہے، وہ اس قدر عجیب و غریب چیز ہے کہ الفاظ اس کے اظہار سے قاصر ہیں۔"

میں یقیناً اس سے جھوٹ بولا کہ میں نے امریکہ میں سینما ایکٹر کی حیثیت سے کام کیا ہے، لیکن چونکہ میں اپنی ساری اسکیم مرتب کر چکا تھا اس لئے اس کے مطابق مجھے یہ جھوٹ بولنا ضروری تھا اور آئندہ بھی خدا جانے مجھے کیا کیا کہنا اور کرنا پڑے گا۔

اس نے ایک منفعلانہ تبسم کے ساتھ جو صرف ایک ایکٹرس کی طرف سے ظاہر ہو سکتا ہے جواب دیا "آپ کے حسن ظن کا شکریہ، مجھے یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ آپ خود بھی سینما میں کام کر چکے ہیں" —— وہ یہ کہکر گویا چاہتی تھی کہ راستہ صاف کر دیا جائے۔ لیکن میں نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھا اور کہا "صرف یہی نہیں کہ میں سینما میں کسی وقت کام کر چکا ہوں بلکہ اب بھی اس غرض سے بمبئی آیا ہوں۔ اور یہ میری انتہائی خوش نصیبی ہے کہ آپ سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی، جو ہندوستان کی فضاے سینما کا درخشندہ ترین ستارا ہے۔"

اس نے یہ سن کر تھوڑا سا تامل کیا اور بولی "اس وقت تک آپ کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی یا نہیں" میں نے کہا "میں کل ہی آیا ہوں۔ اور ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم کر سکا کہ کون کون سی کمپنیاں یہاں فلم تیار کرتی ہیں" اس نے جواب دیا "سب سے بڑی کمپنی تو میرے والد فریدون جمشید جی کی ہے اور یہاں غالباً آپ کو کامیابی ہو جائے گی۔ اگر تکلیف نہ ہو تو تماشہ کے بعد میرے ساتھ چلیے۔ اور گفتگو کر لیجیے۔"

خدا خدا کرکے کھیل ختم ہوا، اور میں رات ہی کو فریدون جمشید جی

سے ملا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھون نے میری خدمات کو نہایت مسرت سے قبول کیا، اور آج ہی صبح سے مین نے وہان کام شروع کر دیا۔ چونکہ رات گفتگو مین وہان زیادہ دیر ہو گئی تھی۔ اس لئے مین اور [illegible] ہوٹل مین ٹہر گیا۔"

جون جون وہ اپنی داستان بیان کرتا جاتا تھا میری حیرت بڑھتی جاتی تھی۔ یہان تک کہ جب وہ ختم کر چکا تو پندرہ منٹ تک بالکل سکوت کا عالم مجھ پر طاری رہا۔ اور پھر اس سے دریافت کیا کہ "یہ جو جھوٹ کا طومار باندھکر تم نے وہان ملازمت کر لی ہے۔ تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا ظاہر ہے کہ تم اس خدمت کو اچھی طرح انجام نہ دے سکوگے اور آخر کار نکالے جاؤگے۔"

"خیر یہ تو مستقبل بتائے گا کہ مین وہان سے نکالا گیا، یا خود کسی کو نکال لایا۔ لیکن خدا کے لئے آپ تو لکھنؤ خط لکھدیجئے تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے۔"

مین نے خط تو نہین لکھا کیونکہ جانے کی جلدی تھی، اور کچھ غصہ بھی تھا لیکن اس سے یہ کہکر کہ کل لکھدونگا کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

(۴)

اسلم کو فریدون جی کی کمپنی مین ایک مہینے سے زیادہ کام کرتے ہو گیا ہے۔ اور اتنے عرصے مین اس نے اپنے آپ کو بہترین ایکٹر ثابت کر دیا ہے، سوائے اس کے کہ بوسہ لینے کی تمثیل مین وہ ضرورت سے زیادہ وقت صرف کر دیتا ہے۔ اور ۵ فٹ سے زیادہ فلم اس کے لئے درکار ہوتا ہے۔ فریدون جی اسلم کی قابلیت و ذہانت اور فن تمثیل کے ساتھ اس کی [illegible] مناسبت سے متاثر ہو کر بڑی حد تک اس سے بے تکلف ہو گیا ہے۔ اور چونکہ یہ تمام خدمات وہ بغیر کسی معاوضہ کے انجام دے رہا ہے۔ اس لئے خوب بھی ہے اور مکان پر اس کی بے تکلفانہ آمد و رفت کو گوارا کئے ہوئے ہے۔

اس دوران مین مس شیرین بھی ایک حد تک اس سے مانوس ہو گئی ہے لیکن اس وقت تک اپنے کسی طرز عمل سے اسلم مین یہ جرأت پیدا نہ ہونے دی تھی کہ وہ معمولی سی ملاقات کے دائرہ سے باہر قدم اٹھائے۔

وہ متعدد ایسے ڈرامون کا ہیرو بنا جن مین شیرین کو ہیروئن بننا تھا۔ لیکن بدقسمتی یا اتفاق سے وہ ہمیشہ کسی نہ کسی سبب کی بنا پر شرکت سے باز رہی۔ اور اس لئے اس وقت تک کوئی ایسا موقع اسے نہین ملا کہ وہ تمثیل ہی کے پردے مین اپنے جذبات کا اظہار کر سکتا۔

دوپہر کا وقت تھا، اسلم اپنے کمرے مین بیٹھا ہوا اخبار دیکھ رہا تھا کہ دفعۃً فریدون جی آیا اور بولا "آپ کو ایک خوشخبری سناتا ہون۔ مہاراجہ کوپیر پور نے مجھے بلایا تھا، وہ چاہتے ہین کہ دیوالی سے پہلے فسانۂ عجائب کا فلم تیار کر دیا جائے۔ مصارف کا تخمینہ انھون نے طلب کیا تھا۔ اسے مین آج دے گیا تھا۔ انھون نے منظور کیا اور ۵۰ ہزار پیشگی رقم بھی دیدی۔ مین نے قصداً بہت زیادہ مصارف درج کر دیے تھے۔ تاکہ وہ ہمت ہار بیٹھین اور ہم اس ذمہ داری سے آزاد رہین۔ کیونکہ وقت بہت کم ہے، اور کام زیادہ۔ لیکن جب انھون نے تخمینہ دیکھکر نصف رقم بھی ادا کر دی تو مجھے مجبوراً اقرار نامہ داخل کرنا پڑا۔ یقین کیجئے مین نے صرف آپ کے اعتماد پر اس کام کو لیا ہے۔ اب آپ ہی اس کو انجام تک پہونچائیے۔ جان عالم آپ کو بننا ہوگا اور ملکۂ مہر نگار شیرین کو۔ یہ تین ہزار کی حقیر رقم حق خدمت کے عوض مین پیش کرتا ہون اسے قبول کیجئے۔"

اسلم نے یہ سنکر فریدون جی کے ہاتھ سے نوٹ لیکر پھر انھین کی جیب مین رکھدیے اور بولا کہ "اس کی مطلق ضرورت نہین ہے۔ کیونکہ الحمد للہ اس سے زیادہ کے ماہانہ تنخواہ پانے والے خود میرے ملازم ہین۔ مین آپ سے پہلے بھی عرض کر چکا ہون کہ میرا یہان ایکٹر کی حیثیت سے کام کرنا صرف شوق کی بناء پر ہے۔ جسے مین محض ایک دلچسپ (Adventure) سمجھکر اختیار کئے ہوئے ہون۔

او ساب پھر اس کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں - اگر میرا شوق مجھے آپ کی اعانت کے لئے آمادہ نہیں کر سکتا، تو روپیہ کی قوت مجھے کیا پابند کر سکتی ہے، بہر حال آپ اطمینان رکھئے میرے امکان میں جو امداد ہے اس کیلئے میں ہر وقت حاضر ہوں - آپ تشریف لے چلئے میں ابھی حاضر ہوتا ہوں اور اسی وقت سے کام شروع کرتا ہوں -

فریدون کے چلے جانے کے بعد اسلم دیر تک سوچتا رہا اور پھر ایک فیصلہ کر کے جس کے آثار اس کے مسرور چہرہ سے عیاں تھے اسٹیج کی طرف چلدیا -

(۵)

ایک ہفتہ سے شب و روز فسانۂ عجائب کا فلم تیار کرنے میں ہر شخص مصروف و منہمک ہے - اور تقریباً نصف حصہ مکمل ہو چکا ہے، شام کا وقت ہے، اسلم اور شیریں دونوں ابھی ابھی فارغ ہو کر تفریح کے لئے ساحل قلابہ پر نکل آئے ہیں اور ایک بنچ پر خاموش بیٹھے ہیں -

شیریں صندلی رنگ کی نوجوان لڑکی تھی - اور اس میں شک نہیں کہ بمبئی کی پارسی جماعت میں جہاں حقیقتاً بہت کم کوئی مثال حسن کی نظر آتی ہے، غیر معمولی طور پر دلکش حسن و جمال کی مالک سمجھی جاتی تھی - یوں تو عمر کا اٹھارھواں سال ایک ایسا سحر کار و فسوں ساز سال ہے کہ ایک مرتبہ پوت کو بھی پارۂ الماس بنا کر چھوڑتا ہے، لیکن شیریں کا یہ موسم حقیقتاً ایسا نہ تھا کہ کوئی اُسے دیکھتا اور دیکھکر آسانی سے گزر جاتا -

لب کا بادہ چکاں ہونا، بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے ہر وقت نشہ سا ٹپکنا چہرے کا تکمیل کی حد تک زہرہ کے مجسمے سے ماخوذ ہونا رخسار کا یکسر آتش بلور میں نظر آنا اور اسی طرح دیگر خصوصیات جمال ایسی ہیں جو اسلم کی نگاہوں سے اس سے قبل بھی گزر چکی تھیں لیکن شیریں کا ساشباب اور تناسب اعضاء اس کو کہیں نظر نہ آیا تھا -

جسم کی انتہائی تعریف یہ کیجاتی ہے کہ "سانچہ میں ڈھلا ہو" لیکن شیریں کی قامت کو دیکھکر اسلم ایسا محسوس کرتا تھا کہ شاید سانچہ کا مفہوم بھی اس کو دیکھنے کے بعد سمجھ میں آسکتا ہے اور اس کا معیار یہی کہ وہ شیریں کے قد و قامت پر ٹھیک اترے - سہا شباب سو اس کا یہ عالم تھا کہ اسلم اول تو اس کے خوف سے شیریں کو نگاہ بھر کر دیکھتا نہ تھا، اور اگر کبھی دیکھتا تو ایک لرزش سی اسکے جسم پر طاری ہو جاتی - اور اس کی ساری روح بیتاب ہو کر قوت لامسہ میں تبدیل ہو جانا چاہتی تھی -

دونوں خاموش بیٹھے ہوئے سمندر کی لہروں اور اُن کے ساتھ چاند کے کھیل کو دیکھ رہے تھے - کہ اسلم نے ہمت کر کے اس سکوت کو توڑا اور بولا "آپ کے ہاں پرستش آفتاب و آتش کو انسان کے کس جذبۂ پرستاری کے اظہار کا ذریعہ قرار دیا جاتا ہے"؟

—— "غالباً عظمت فطرت کا احساس"

—— "شائد، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کا تعلق غالباً افراط جمال سے ہے، کیونکہ ہمارے ہاں بھی بہترین عبادت وہی ہے جسے پرستش حسن سے تعبیر کرتے ہیں - اور اسی بنا پر کم از کم میرے مذہب میں عورت کو سجدہ کرنا قریب قریب فرض کے ہے -

—— "میں نے مذہبی کتابوں کا مطالعہ تو نہیں کیا، لیکن یہ بالکل نئی بات ہے جو سن رہی ہوں، مجھے تو یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کا مرد بڑے ظالم و جابر چیز ہے، اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ مرد کا سجدہ کریں"

—— "آپ کو بالکل غلط اطلاع ملی ہے، اسلام تو اسقدر آزاد مذہب ہے اور اس نے عورت کا اتنا احترام روا رکھا ہے کہ شاید ہی کسی مذہب میں ایسی نظیر ملے - اور میں نے اس تعلیم سے

جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر آج مین آپ کے ساتھ آفتاب کی پرستش کرنے پر آمادہ ہو جاؤن یا کسی مندر مین بت کے سامنے سر جھکا دون اور اس سے میرا مقصود صرف آپ کی یا کسی عورت کی دلداری ہو تو اس سے زیادہ مستحسن امر کوئی نہین ہو سکتا، یہان تک کہ اگر عورت کے لئے مین مذہب ایسی چیز کو بھی قربان کر دون تو روا ہے"

—— "اگر واقعی یہ سچ ہے تو آزادی کی انتہا ہے، اور مین آپ کو مبارکباد دیتی ہون کہ آپ ایسے آزاد مذہب کے مقلد ہین جس کو شاید مذہب ہی نہین کہہ سکتے"

—— "لیکن یہ آزادی اسی وقت حاصل ہے جب کوئی عورت اس پر مجبور کرنے والی ہو، جس کا اسوقت تک مجھے کوئی موقع نہین ملا"

—— "اور نہ شاید ملے کیونکہ آپ کی شادی تو بہرحال کسی مسلمان ہی لڑکی سے ہوگی اور وہ کیون آپ کو ترک مذہب پر مجبور کرنے لگی"

—— "نہین مین نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مین شادی مذہب کے خیال سے بالکل علٰحدہ ہو کر کرون گا - خواہ اس کے لئے مجھے وہی غیر حقیقی زندگی کیون نہ بسر کرنی پڑے - جیسی مین آج کل فسانۂ عجائب کے فلم مین دیکھ رہا ہون - کہ مین جان عالم ہون اور آپ ملکۂ مہر نگار - حالانکہ آپ کے دل مین میرے لئے ادنیٰ شائبہ اس محبت کا نہ ہوگا جس کا اظہار آپ اسٹیج پر کیا کرتی ہین"

چونکہ شیرین اس فلم کی تیاری کے دوران مین کئی مرتبہ محسوس کر چکی تھی کہ اسلم اس سے محبت کرتا ہے - اس لئے وہ یہ فقرہ سن کر چونکی اور چند سکنڈ خاموش رہنے کے بعد بولی کہ "اگر مین واقعی آپ سے محبت کرتی تو شاید اس کی تمثیل مجھ سے ممکن نہ ہوتی"

—— "لیکن کبھی آپ نے اس امر کے امکان پر اظہار حیرت نہین کیا کہ آج ڈیڑھ مہینے سے مین آپ کی محبت کی آگ دل مین لئے پھنک رہا ہون اور کسی خبر تک نہین"

یہ کہکر اس نے شیرین کی طرف جھک کر اس کا دامن پکڑ لیا اور چاہا کہ اپنے جذبات کو اور زیادہ وضاحت کے ساتھ پیش کرے کہ شیرین اٹھ کھڑی ہوئی اور دامن چھڑا کر بولی کہ مسٹر اسلم، اب دیر زیادہ ہو گئی ہے، مجھے اجازت دیجئے"

اسلم بھی اس کے ساتھ اٹھ بیٹھا، لیکن اس انداز سے جیسے کوئی جواری بڑی رقم لگانے کے بعد پانسہ پھینکے جانے کا بےچینی سے انتظار کر رہا ہو - اور بولا :-

"سنیئے" مین ان لوگون مین نہین ہون جو ایک عزم کرنے کے بعد اس سے ہٹ جاتے ہین - یا کسی بات کا اظہار کر دیتے ہین، اس حال مین کہ روح ہمنوا نہین ہوتی - اس لئے آپ یاد رکھیئے کہ اگر آپ نے اس مرتبہ میری التجا کو ٹھکرا دیا تو مین اس وقت تک چین سے نہ بیٹھون گا جب تک آپ کو یقین نہ دلا دون کہ آپ کا یہ انداز استغنا میرے لئے یقینی موت ہے"

یہ کہکر اس نے پھر شیرین کا دامن پکڑ لیا - اور بولا کہ "آپ جاتی ہین تو جایئے لیکن جانے سے پہلے کم از کم یہ تو کہہ جایئے کہ کہ آپ مجھ سے متنفر تو نہین ہین"

—— "مین آپ سے کیون نفرت کرنے لگی، بلکہ ایک حد تک مین آپ کو پسند کرتی ہون اور آپ مین بعض ایسی خوبیان پائی ہون جو عام طور پر بہت کم نظر آتی ہین - لیکن آپ کو یقین کرنا چاہیئے کہ شادی کے مسئلہ مین بالکل مجبور ہون اور والد کی مرضی کے خلاف مین کوئی وعدہ کسی سے نہین کر سکتی"

—— "لیکن اگر وہ راضی ہو جائین تو پھر اُس وقت تو آپ کو کوئی عذر نہ ہوگا -

—— "ہرگز نہین"

(٦)

دیوالی کے تین دن باقی ہین، اس لئے فلم کی تیاری نہایت تیزی سے جاری ہے صرف اخیر کے دو منظر جو سارے ڈرامہ کی جان ہین اور جن مین جان عالم اور مہرنگار کی شادی دکھائی جانے والی ہے باقی رہ گئی ہے۔

چونکہ یہ تیاری کا آخری دن ہے' اور شام تک فلم کو مکمل ہو جانا ہے' اس لئے بہت صبح سے اسٹیج پر تمام ضروری سامان مہیا ہے اور اسلم کا انتظار ہو رہا ہے۔

فریدون جی نے کئی آدمی اسلم کے بلانے کے لئے بھیجے' اور جب انھین دیر ہوئی تو خود پہونچ گیا۔ لیکن وہ سخت حیران ہوا جب اس نے دیکھا کہ اسلم ابھی تک تیار نہین ہے اور نہایت اطمینان سے بیٹھا ہوا کتاب دیکھ رہا ہے'

فریدون جی نے کہا "مسٹر اسلم یہ کیا غضب ہے' کہ آپ ابھی تک نہین پہونچے' آپ کو معلوم ہے کہ ایک ایک لمحہ کس قدر قیمتی ہے۔ اگر آج فلم تیار نہ ہوا تو دیوالہ نکل جائیگا"

اسلم — "جی ہان۔ مجھے اس کا احساس ہے' لیکن افسوس ہے کہ مین اب بالکل مجبور ہون۔ اور آپ کی کوئی مدد نہین کر سکتا"

یہ سنکر فریدون کی ایسی حالت ہوگئی جیسے اس پر بجلی گر پڑی ہو۔ اور بولا۔ "مسٹر اسلم یہ آپ کیا کر رہے ہین خدا کے لئے رحم کیجئے اور ایسا مذاق نہ کیجئے"

اسلم — "مذاق نہین مین واقعی عرض کر رہا ہون لیکن آپ اسقدر گھبراتے کیون ہین' بہت سے ایکٹر اور بھی موجود ہین جو میری جگہ جانعالم بن کر مہرنگار سے شادی کر سکتے ہین"

— "مگر یہ کیسے ممکن ہے جبکہ اس وقت تک سارے فلم مین آپ جان عالم کا پارٹ کر چکے ہین۔ اول تو اس خوبی سے کوئی دوسرا کر نہین سکتا۔ اور اگر یہ ممکن ہو تو بھی ہیرو کی صورت تبدیل ہو جانے کی تاویل کیا ہو سکے گی' اور اس نقص کے ساتھ مین کیونکر اُسے بھیج سکون گا اور دیکھنے والے کیا کہین گے' یہ تو کسی طرح ممکن نہین کہ دوسرا آپ کی جگہ کام کرے تا وقتیکہ شروع سے سارا فلم نہ بدلا جائے' اور اس کے لیے وقت نہین ہے —"

— "تو مجھ سے اب یہ نہین ہو سکتا کہ جان عالم بن کر تو مہرنگار کے ساتھ شادی کر لون لیکن اسلم ہونے کی حیثیت سے شیرین سے بالکل بیگانہ رہون"

فریدون جی نے اسلم کا یہ فقرہ سننے کو تو سن لیا' لیکن اس نے ایسا محسوس کیا جیسے کسی نے گرم سیسہ پگھلا کر دل و دماغ مین ڈالدیا ہے۔ اس کا ایک ایک ریشہ اینٹھا جا رہا تھا۔ اور سارے جسم پر تشنج کی سی کیفیت طاری تھی۔ وہ سر پکڑ کر وہین بیٹھ گیا اور ایک ہی لمحہ مین ساری صورت حال اس کے سامنے آگئی۔

ایک طرف تو اس کا سارا کاروبار تھا' اور دوسری طرف عزت کا خیال' اُسے یقین تھا کہ اگر اسلم راضی نہ ہوا تو اس کی کمپنی کا ٹوٹ جانا یقینی ہے' کیونکہ علاوہ اس ۵۰ ہزار کی رقم کے جسے وہ وصول کر چکا تھا، حسب معاہدہ اُتنی ہی رقم اور ہرجانہ کی ادا کرنی پڑیگی جسے وہ کسی طرح مہیا نہ کر سکتا تھا لیکن اگر اس نے اسلم کے ساتھ شیرین کی شادی منظور کر لی تو سارے شہر مین ناک کٹ جائیگی اور لوگ اُسے حقیر جاننے لگین گے، اس لئے وہ کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح ان دونون مصیبتون سے بچا رہے۔ اور اسنے اپنی ذہانت سے کام لیکر جو ایک پارسی تاجر کا حصہ ہے دل ہی دل مین ایک فیصلہ کیا اور اسلم کو مخاطب کر کے اس نے کہا کہ "اچھا مجھے منظور ہے۔ کل شادی بھی ہو جائے گی"

اسلم جو انسانی فطرت کا بڑا ماہر تھا' یہ سنکر ہنسا اور بولا کہ "سیٹھ صاحب! مین بچہ نہین ہون جسے آپ دھوکا

فرواسے ہلا لیں۔ شام کو فلم مکمل ہو جاتا ہے۔ صبح کو میں آپ کا وعدہ یاد دلاتا ہوں اور آپ ہنس کر صرف ہنس دیتے ہیں۔ جناب سیٹھ صاحب میں نے آپ ہی کی کمپنی میں بیسیوں کھیل ایسے کھیلے ہیں۔ میں تو صرف اس شرط پر چل سکتا ہوں کہ پہلے شیرین میری ہو جائے۔ آپ جاکر انھیں لایئے میں کپڑے پہن کر تیار ہوتا ہوں اور ایک گھنٹہ کے اندر سول میرج (Civil Marriage) کا قانون ہم دونوں کو واقعی جان عالم اور مہر نگار بنا دے گا۔ اور اس کے بعد ظاہر ہے کہ مجھے تعمیل ارشاد میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔"

....

....

....

فلم تیار بھی ہوا اور راجہ کو بیرو پے کے علاوہ ہزاروں آدمیوں نے بھی دیکھا اور دیکھ رہے ہیں لیکن اس حقیقت کا علم شاید اب بھی کسی کو نہیں کہ گو فسانۂ عجائب کے جان عالم اور مہر نگار کی ہستیاں فرضی ہیں لیکن اس فلم میں ان کا وجود بالکل حقیقی تھا۔ اور وہ اب بھی جب ایک دوسرے کو پکارتے ہیں تو انھیں ناموں سے !

تازہ افکار

جناب مولوی سید عبدالغفور صاحب شہر رضوی بہاری مددگار ناظم ندوۃ العلماء
تلمیذ جلیل القدر نواب فصاحت جنگ حضرت جلیل جانشین امیر مینائی

غضب کا ہے وہ متوالا دیکھنے میں بھولی صورت کا — نگاہیں قہر ہیں آنکھیں فسوں ہیں قد قیامت ہے

ادائیں تیری قاتل ہیں جوانی تیری آفت ہے — غضب میں جان ہے اپنی قیامت پر قیامت ہے

شباب آیا ہے جب سے روز برپا ایک آفت ہے — وہ پہلے فتنہ قامت تھا مگر اب تو قیامت ہے

کیا وعدہ مگر آئے نہ اب تک کیا مصیبت ہے — نہ جینے کا سہارا ہے نہ مر جانے کی صورت ہے

کمال جذبۂ الفت سے مجنوں کی یہ حالت ہے — کہ جس پر آنکھ پڑتی ہے وہی مجنوں کی صورت ہے

کسے ہے تاب جو دیکھے تمہاری جلوہ آرائی — اک آئینہ نہیں محفل کی محفل محو حیرت ہے

ہوا کیا چشم قاتل کو نہیں ملتی نہیں ملتی — دم آخر ہمیں سے پھر گئی کیا بے مروت ہے

پتنگے جل گئے تو جل گئے جلنا ہی لکھا تھا — کھڑی روتی ہے تو اے شمع اس کی کیا ضرورت ہے

سماں آنکھوں پہ پھرتا ہے محشر کا نگاہوں میں — جو دل میں داغ فرقت ہے وہ خورشید قیامت ہے

گیا میں جان سے کیا ہو گیا اے درد دل مجھ کو — جو تنہا چھوڑ کر اٹھا یہی تیری رفاقت ہے

ملو یار سے ہے فیصلہ موقوف محشر میں — یہی دوزخ کا دوزخ ہے یہی جنت کی جنت ہے

شہر بزم سخن میں رنگ کیا دیکھی غزل اپنی — نہ اب ہے وہ دماغ اپنا نہ وہ اپنی طبیعت ہے

جناب شاکر کانپوری

ذکر و فکر جام کا نزدیک انجام آ گیا — آفتاب زندگی آخر لب بام آ گیا

دل میں صورت آ گئی لب پہ ترا نام آ گیا — جس سے جو کچھ ہو سکا وہ ہجر میں کام آ گیا

خال رخ میں پرتو زلف سیہ فام آ گیا — صبح کا سیارہ گردوں پر سر شام آ گیا

جا رہا ہوں اس جہاں سے میرا پیغام آ گیا — لے مری تکلیف تیرا وقت آرام آ گیا

چھڑ گئی تھی بحث مرقد میں فرشتوں سے مری — ہو گئے خاموش ادب سے جب ترا نام آ گیا

اُسکے سب فریادیوں میں اک صدا ممتاز تھی — کچھ نہ کچھ ساز دل بشکستہ بھی کام آ گیا

ہم چھپا سکتے نہ تھے دم بھر بھی اسرار عشق — بات جب کی پہلے ہی لب پر ترا نام آ گیا

ہے جواب زندگانی آخری ہچکی تری — خوش ہو اے بیمار فرقت آج پیغام آ گیا

بادہ نوشی سے بہت روکا زمانے نے مجھے — دور گردوں کیا کرے جب دور میں جام آ گیا

سمجھئے اندازہ اُسکے انتہائے عشق کا — خوف ہو آغاز میں جسکو کہ انجام آ گیا

جب طبیعت کو ازل میں اختیار اتنا ملا — میرے لب پر آپ کا بیساختہ نام آ گیا

بادۂ صافی میں آ جاتا ہے عکس دو جہاں — ہو گیا دل آئنہ جب سامنے جام آ گیا

زندگی میں لکھ گیا شاکر جو اپنے واقعات — آج حسن شوق میں وہ تذکرہ کام آ گیا

سنہ ۱۹۲۷ء

عکس تحریر فصیح الملک جناب نواب مرزا خان صاحب داغ مرحوم دہلوی

(ہر سہ خطوط بنام مولوی نعیم الحق صاحب آزاد شیخوپوری)

مہربانا آپکے خط کا جواب پہلے روانہ ہو چکا ہے اپنے مکان میں دریافت کیجیے
میں بخیر ہوں مگر تنخواہ کا تقاضا ہے اب تک بھی جاری ہو نہایت
تکلیف ہے مسٹر منرو صاحب انگریز مصور متعلق بہ مصطفیٰ اوس نواح میں تھے
اب وہ کہاں ہیں اونکا پتا لکھیے گا

۱۲ اپریل ۱۸۹۱ء

یاد فرمائی داغ مہجور سلمہ اللہ الغفور میں حیدرآباد میں بہ امید کامیابی
پڑا ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ جلد کامیاب ہونے والا ہوں مجھلی شہر والی صاحب کا گلدستہ
مجھے نہیں بھیجتا حالانکہ معلوم ہو ہمیشہ کوئی غزل یا صرف الاخبار میں نہیں بھیجی جاتی
اونکو بھی شکایت رہتی ہے ہمیشہ کا کام ہے فرصت نہیں تیسرا دیوان جناب داغ
ناتمام ہے اوسکی چھپنے کی خبر غلط والسلام

۲۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۰ ہجری
از حیدرآباد دکن

میرے مہربان تمہارا خط سہ روزہ کا آج ۱۰ کو پہنچا میری
تنخواہ ابھی جاری نہیں ہوئی ہے سخت پریشان ہوں اگرچہ
مقرر ہو گئی ہے سیلاب نے اوس نواح کو بہت تباہ کیا
محکمہ بخت خدا ایسا تھا کہ بفضلہ تعالیٰ حالت اچھی رہی
آجکل بھی شدت سے مینہ برس رہا ہے اپنی خیریت ہمیشہ
لکھتے رہیے والسلام راقم داغ دہلوی

از حیدرآباد دکن محبوب گنج
مکان جناب مولوی ظہور علی صاحب وکیل

حرزِ جان

از جناب ظہیر رضوی ایم اے (علیگ)

تجربات انسانی کا وہ آخری سانحہ جسکو موت کہتے ہین کچھ ایسی نرالی شان رکھتا ہے کہ روے زمین کا کوئی واقعہ اسکی برابری نہین کرسکتا - موت جو جو تغیرات اک آنِ واحد مین پیدا کردیتی ہے وہ بذات خود بے انتہا نمایان اور قطعی لاعلاج ہوتے ہین - اور اُنکے نتائج ایک عجیب پُردرد اور رہیب شکل اختیار کرلیتے ہین - کبھی تو یہ رہزنِ حیات تیر کی طرح اچانک اپنے شکار پر ٹوٹ پڑتا ہے، اور کبھی باضابطہ محاصرہ کرکے آہستہ آہستہ ایک مدت مدید مین ایوانِ حیات کی بنیادین اندر ہی اندر ہلا ڈالتا ہے - موت اپنا کام کرچکتی ہے تو پسماندگان کی مغموم زندگی مین ایک حشر بپا ہوجاتا ہے - بہت سے تعلقاتِ باہمی کا شیرازہ منتشر نظر آنے لگتا ہے - مسندین اُجڑ جاتی ہین، محفلین سونی دکھائی دیتی ہین اور در و دیوار پر حسرت برسنے لگتی ہے - ادھر طائرِ روح نے قفسِ عنصری کو خیرباد کہا اور اُدھر بے حس و حرکت جسدِ خاکی ایک ایک کو بار معلوم ہونے لگا - بس جلد سے جلد زیر خاک چھپا دینے کی فکر سوار ہوجاتی ہے، شہرِ خموشان کے تمام حسرت انگیز نظارے اور عزاداری کی تکلفات جگرخراش رسمین اسی ایک ناگزیر انقلاب کے کرشمے ہین - ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک کوئی طبقہ ہو رسوم تعزیت کی پابندیون سے نہین بچ سکتا - مرنے والے نے اپنی حیات مین خواہ کوئی بھی کار نمایان نہ کیا ہو - وہ کسی اعزاز کا مستحق ہوا یا نہو، لیکن جہان تک ممکن ہوسکتا ہے اسکی یادگار زندہ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے - قبرستان مین کبھی ٹہلتے ہوے چلے جائیے - سنگ لحد پر کندہ کئے ہوے تاریخی قطعات اور کتبے آپکے شمار مین نہ آسکینگے - اور مرحوم سے محبت، دوستی، یا جوشِ عقیدت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسکے بعد طرح طرح کی رسمین ادا کرکے اپنے جذبات کا اظہار کیا جائے - غرض یہ ان تمام باتون اور اس پر حضرات شعراء کی مرثیہ نگاری اور نوحہ خوانی نے بنی نوع انسان کے دل پر موت جیسی چیز کا جتنا خوف طاری کردیا ہے اسکا اندازہ نہین لگایا جاسکتا - پھر ستم یہ کہ بعض ہادیانِ دین کی روایات اور حکمائے ژرف نگاہ کی موشگافیون نے اس جذبۂ خوف کو منطقی استدلال سے اور بھی تقویت پہونچادی - حالانکہ سچ پوچھئے تو کشاکش حیات سے ہمکو اتنی فرصت ہی کہان ملتی ہے کہ موت کی خوف سامانیون کا کوئی اثر دل پر قبول کرسکین -

موت کا جب کہین ذکر آتا ہے تو بہت دبے لفظون مین اسکے نام سے کانون پر ہاتھ رکھ لئے جاتے ہین - اور اسکے امکان کا خیال تک ناگوار ہونے لگتا ہے - لیکن حقیقتاً ہمارے حرکات و سکنات عموماً اس سے ذرا بھی اثر پزیر نہین معلوم ہوتے - کوہِ آتش فشان کے دامنون مین دن بسر کرنے والے بھی شام و سحر اپنے کامون مین اسی طرح سرگرم نظر آتے ہین جس طرح کسی سرسبز و شاداب زرخیز میدان کے باشندے - وہان آخر کس بات کی کمی ہے - محفل رقص و سرود کی سرگرمیان دیکھ لیجئے - حسن و عشق کے رنگین فسانے سن لیجئے - سیر و تفریح اور دعوتون کے ہنگامون سے آئے دن لطف اُٹھا لیجئے - اور کہنے کو وہان ایک لمحہ کا بھی اعتبار نہین - ہر قدم کے نیچے آتشِ ہلاکت شعلہ زن ہے اور پہاڑون کی خوفناک آوازین ہر وقت بلند ہوتی رہتی ہین - کیا معلوم کس وقت زمین پھٹکر دل کا بخار نکال ڈالیگی - آتش سیال کی ایک طغیانی بڑھ بڑھ کر آسمان سے باتین کرنے

لیگی، اور حضرتِ انسان اور انکا تمام عیش و عشرت خاک مین مل جائیگا۔ ابھی ۲۵ مئی کی اطلاع ہے کہ علاقہ ٹوکیو ورجاپان مین کوہ ٹوکاچی سے جو ایک خاموش جوالا مکھی تھا پانی نکلنے سے دو سو آدمی ڈوب گئے اور دو ہزار کسان بے پتہ ہین۔

ظاہر بین نوعمر، اور مردہ دل مُسن اس قسم کی زندگی کو انتہائی ناعاقبت اندیشی اور بے پروائی کا نمونہ تصور کرینگے۔ کسے یقین آئیگا کہ ایک سمجھدار انسان جو تعلقاتِ دنیوی سے آزاد نہین کسی آتش فشان کی آغوش مین بیٹھکر لذیذ کھانون کی خواہش محسوس کرسکتا ہے، درانحالیکہ عام طور پر وہ تمازت آفتاب کا بھی متحمل نہین اور اپنی حفاظت جسمانی کے لئے ایک چھتری کو مونس راہ بنائے رہتا ہے۔ سادہ سے سادہ زندگی پر بھی عیاشی کا فتوی لگایا جا سکتا ہے جب وہ ایسے خطرون مین بے خوف ہو کر بسر کیجائین۔ ایسے نازک موقعون پر تو ذرا سی دیر کے لئے بھی محو تن آسانی ہو جانا گویا خلاقِ عالم کی ناشکری اور اُسکے جبر و قہر سے بے ہراسی کی دلیل ہے۔ یہان تو بس ایک تارک الدنیا ہی عبادت اور ریاضت اور نفس کشی مین دن گزار سکتا ہے۔ یا پھر وہ اخوان الشیاطین جو دنیا و مافیہا کی تمام تفکرات کو ایک جام شراب مین غرق کرکے ہر وقت بدمستی کے عالم مین پڑے رہین۔

لیکن ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو کرۂ ارض کا ایک متنفس بھی اِس قسم کے خطرون سے مامون نہین۔ ہماری زمین خود ایک نامعلوم تاریک راستہ پر نہایت سُرعت کے ساتھ ایک خلا مین گردش کر رہی ہے جو اِسی قسم کے بے شمار کرون سے پُر ہے۔ اور لطف یہ کہ ہر سیارہ ایک جداگانہ سمت مین چکر لگا رہا ہے ان مین ذرا سا بھی تصادم ہو جائے تو قیامت ہی آجائے۔ یون سمجھئے کہ ایک پٹاخے کی طرح پھٹ کر رہ جائے۔ دور کیون جائیے خود انسان کے جسم کو لے لیجئے کس قدر زہریلے اور خطرناک اجزا کا مجموعہ ہے۔ اِس قالب خاکی کا ایک ایک ذرہ تیز سی تیز بارود کا حکم رکھتا ہے، جو سانس ہم لیتے ہین اور جو نوالہ سپرد معدہ کرتے ہین اِن ذرات کو قوت دے دے کر اور زیادہ مہلک بناتا چلا جاتا ہے اگر جان ہمکو اتنی ہی پیاری ہوتی یا موت سے ہم اسیقدر خائف ہوتے جتنا لوگ بیان کرتے ہین تو جینا دشوار ہو جاتا۔ کھانے کے وقت ہمین روح کو ہر روز ایک نئی جنگ کے لئے آمادہ کرنا پڑتا۔ دسترخوان کیا گویا ایک رزمگاہ بنجاتا۔ احساس خوشی جاتا رہتا، اور ہر شادی ایک طوفان خیز سمندر سے کہین زیادہ پر ہلاکت نظر آنے لگتی۔ غور تو کیجئے بڑھاپے مین کیا ہوتا ہے۔ شاہراہ حیات پر کچھ فاصلہ طے کر چکنے کے بعد ہر قدم پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین پاؤن کے نیچے سے نکلی جا رہی ہے اور ہم دھنستے چلے جاتے ہین۔ خود ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے بہت سے ہم عمر ہمین داغ مفارقت دیکر چل بسے ہین۔ اور ہم کف افسوس ملنے کے سوا کچھ نہین کر سکتے، حق تو یہ ہے کہ انسان ستر سال سے متجاوز ہو جائے تو اسکی زندگی کا ہر لمحہ ایک مستقل معجزے سے کم نہین۔ اور جب وہ اپنی سالخوردہ ہڈیون کو رات کے وقت بستر کے سپرد کرے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب وہ روز روشن کی صورت نہین دیکھ سکیگا۔ لیکن یہ بات ذرا کسی سفید ریش بزرگ کے سامنے تو کہہ دیجئے۔ کمر خمیدہ پیچ و تاب کھا کر ایک مرتبہ گز کی طرح سیدھی نہو جائے تو نام نہین۔ واقعہ یہ ہے کہ انہین عمر بھر مین بھی کبھی ایسا اطمینان نصیب نہین ہوا جیسا اب آخر عمر مین سہ پہر کے وقت دو چار بڈھے جب مل بیٹھتے ہین تو زندہ دلی مین بچون سے بھی بازی لیجاتے ہین۔ مسوڑھے نکال نکال کر قہقہون پر قہقہے لگاتے اور طرح طرح کی ظرافت آمیز حکایتین بیان کرنے مین ایسے محو ہو جاتے ہین کہ کسی بات کا ہوش نہین رہتا۔ ہر خبر رگ جو انکے کانون تک

پہونچے، اُنکے لئے پیام اجل یا تازیانۂ تنبیہ سے کم نہونی چاہئے۔ لیکن برخلاف اسکے وہ اس پر ایک معمولی سے اظہار تاسف کے ساتھ دل مین ایک قسم کی خوشی بھی ضرور محسوس کرتے ہین۔ یہ سوچ کر وہ ابھی تک موت کی زد سے بچے ہوئے ہین۔ انکا ہر لمحۂ حیات اندیشۂ مرگ سے پُر ہے، اور باد مخالف کا ایک ہلکا سا جھونکا بھی انکو چراغ سحری کی طرح بجھا کر رکھدیگا یا اُنکے پاے رعشہ دار کی ذرا سی ٹھوکر نازک سے نازک شیشے کے مانند چکنا چور کر ڈالیگی۔ مگر اُنکے آزمودہ کار دل بے ہراس و مطمئن ہین اور چین سے بسر کرتے ہین۔

یہ مسئلہ واقعی قابل غور ہے کہ عمر کے اس آخری حصہ مین جو عدم آباد کی پہلی منزل کہی جاسکتی ہے انسان کس طرح اس بے اعتنائی اور خندہ پیشانی کے ساتھ قدم اُٹھا سکتا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ زندگی کے پورے سفر مین چپہ چپہ پر ایک دام ہلاکت بچھا ہوا ہے۔ اور جو لوگ موت سے خوف زدہ ہین وہ بہت جلد اسکا شکار ہو جاتے ہین۔ پھر بھی ہم اس راہ کو طی کرتے ہوے ذرا نہین جھجکتے بلکہ اس سے اپنی وابستگی اور ذوق و شوق کا ہر وقت اظہار کرتے رہتے ہین۔

آپنے سنا ہوگا روم کے ایک فرعون صفت ظالم بادشاہ نے ایک خلیج پر کشتیون کا ایک متحرک پل بنوایا تھا۔ اُس نے بہت سے زندہ دل، آزاد منش لوگون کو ترغیب دلائی کہ وہان جا کر سیر و تفریح مین مشغول ہو جائین۔ عین اُس وقت جب وہ سب کے سب اپنی رنگ رلیون مین مست تھے سپاہیون کو حکم دیا کہ انھین اُچھال اُچھال کر سمندر مین پھینک دو۔ اور خود اس تفنن طبع پر کھڑا ہوا قہقہے لگا رہا۔ یہی حال بجنسہ گردش لیل و نہار کا ہے جو ہماری فنا انجام ہستیون سے اسی قسم کی ستم ظریفیان کیا کرتی ہے۔ ہم ایک غیبی قوت کے ہاتھ مین کٹ پتلیون کی طرح ناچتے رہتے ہین، اور ایک دن ایک خدائی فوجدار اچانک آکر ہمکو ایک ایسے بحر ذخار مین ڈھکیل دیتا ہے جسکو تیر کر عبور کر لینا کسی فانی ہستی کے امکان مین نہین۔

ایک یا سلائی کو بھی جل بجھنے کے لئے کچھ نہ کچھ وقفہ درکار ہے۔ ہماری زندگی اصل مین اتنی بھی نہین۔ ہم ایک نوالہ حلق سے نیچے بھی نہین اُتار پاتے اور مرگ ناگہانی چھاپہ مار کر گردن دبا بیٹھتی ہے۔ لیکن عجیب تماشا ہے کہ ایک لذیذ لقمہ کا خیال تو ہماری تمام قوت فکری پر غلبہ کر لیتا ہے اور ہم اس زلزلے کا کبھی خیال بھی نہین کرتے جو تعمیر حیات کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے پر تُلا ہوا ہے۔

تمناے زیست اور خوف مرگ دو مشہور فقرے ہین۔ لیکن اپر جتنا غور کیجئے اُنکے معنی اتنے ہی پیچیدہ اور دقیق ہوتے چلے جائینگے۔ کون نہین جانتا کہ ریل گاڑیون سے کٹ کر ہزارون جانین تلف ہو گئین اور آتشبازی پر سیکڑون ہستیان بھینٹ چڑھ چکین۔ لیکن خدا کے بندے پھر بھی ریل کی پٹریون پر چلنا نہین چھوڑتے اور آتشبازی چھوڑے بغیر نہین رہ سکتے۔ موت سے بے تعلقی اور بے ہراسی کی یہ مثال بھی کس قدر عجیب ہے کہ حیات و ممات کے متعلق ہم اپنی روزمرہ کی گفتگو مین اکثر فلسفیانہ مقولون کا بے محل استعمال تو ضرور کرتے ہین لیکن معنی خاک نہین سمجھتے۔ ہمین کچھ پتہ نہین کہ موت ہے کیا چیز؟ یہ دوسری بات ہے کہ محض تجربہ کی بنا پر ہم اسکے چند ظاہری اسباب اور نتائج سے ضرور واقف ہو گئے ہین۔ موت تو موت، خود زندگی جسکا کچھ نہ کچھ اندازہ جیتے جیتے ہر شخص کو ہو جانا چاہئے۔ ایک لفظ بے معنی سے زیادہ وقعت نہین رکھتی۔ دنیا مین شاید ایک متنفس بھی ایسا نہین ملیگا جو نفس حیات پر غور و خوض کرتے کرتے کسی خاص نتیجے پر پہونچ گیا ہو اور حقیقت زندگی کے سرسری ہی معنی یقین کے ساتھ بیان کر سکے۔ مغربی اور مشرقی شعرا اور فلسفیون کی بڑی بڑی مستند تصنیفات مسئلہ حیات کی بحث سے بھری پڑی ہین۔ سبنے یہی کوشش کی ہے کہ ہمارے نکتۂ نظر مین ایسی وسعت پیدا ہو جائے کہ ظاہرات زندگی کو چھوڑ کر اصل

زندگی کی جامع اور قانع تعریف ذہن نشین کر سکیں - اور ہمارے حکما اپنی دانست میں ہمیں خوش کر کے اطمینان کلی بخش دیتے ہیں جب وہ احساس کامرانی کے ساتھ نہایت سنجیدہ اور فخریہ لہجے میں بیان کرتے ہیں کہ ہستی "حباب جیسی ہے" یا "محض فریب نمایش کا نام ہے" یا "وہ ایک طلسم خواب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی" اور فلسفہ تو صدیوں سے اسی اُدھیڑ بُن میں سرگرداں ہے - دن رات دماغ کھپاتے کھپاتے ہزاروں سرتانیے جیسے نکل آئے لیکن نتیجہ وہی کوہ کندن و کاہ برآوردن - لفظ حیات کو روز روز نئے معنی پہنا کر دل ہی دل میں خوش ہو لیجئے فلسفہ کی تمام اصطلاحات اسکی تعریف میں جڑ دیجئے لیکن کیا آپ اِس حقیقت سے انکار کر سکتے ہیں کہ "حیات" جو ہمارے دن رات کے مباحث کی جان ہے - ہمیں ذرہ برابر بھی عزیز نہیں - زندگی کے چند پہلوؤں سے لطف اندوز ہونا اور چیز ہے اور اُسکی تہ کو پہونچنا چیزے دیگر دو روزہ عیش و عشرت علی العموم ہمارا مطمح نظر ہوتا ہے - حقیقی زندگی سے ہمیں کوئی سروکار ہی نہیں مانا کہ بے پروا سے بے پروا شخص بھی مستقبل کا کچھ نہ کچھ لحاظ ضرور رکھتا ہے - اسکی تمام ترقوتیں حال ہی پر ختم نہیں ہو جاتیں - مگر یہ لازم نہیں کہ جو لوگ اصول معاشرت کے پورے پورے پابند ہیں وہ اپنے ذاتی مفاد کے لئے بھی اتنی ہی جد و جہد کرتے ہوں - بلکہ مشاہدات زندگی سے بہت گہری دلبستگی اور تجربات انسانی سے ایک خاص لگاؤ اکثر اوقات انسان کو اپنے حق میں قطعاً بے نیاز بنا دیتا ہے - اور وہ معمولی معمولی ہوتوں پر دیکھتے بھالتے خطروں میں کود پڑنا اپنا فرض سمجھنے لگتا ہے - گو فطرتاً ایک منچلے مرد میدان کو بھی اپنی جان کسی حالت میں اس شخص سے کم پیاری نہیں ہونی چاہئے جو وقت مقررہ پر نپی تلی غذا کھاتا اور معینہ اوقات میں نپے تلے قدموں کے ساتھ چہل قدمی کو نکل جاتا ہے -

ہستی مستعار کے متعلق بیشمار مہمل اور بے معنی بحث مباحثوں کی کوئی کمی نہیں - کچھ لوگ اسے موت کا پیش خیمہ قرار دیکر اس قدر مختصر ثابت کرتے ہیں کہ یہ انتہا درجہ کی قابل نفرت و حقارت چیز بنجاتی ہے - اور بعض افسردہ دل ایسے بھی ہیں جو آہ سرد بھر بھر کے عجیب کچھ حسرت بھرے انداز میں دوسری دنیا کا انتظار کرتے کرتے تھک جاتے ہیں - گویا انکے نزدیک وہاں تک پہونچنے کے لئے ایک بڑے دور دراز سفر کی ضرورت ہے - لیکن اِن دونوں فرقوں کو سرِ خیالات ختم کر لینا چاہئے - جب وہ ہاتھ دھو دھو کر خوانِ نعمت پر آ بیٹھتے ہیں - اسمیں کوئی شک نہیں کہ اس قسم کے بہت سے مباحثوں کا تشفی بخش جواب صرف ایک تر لقمہ ہو سکتا ہے اور کچھ نہیں - انسان پر اشتہائے صادق کا غلبہ ہو تو فلسفے کے بہت سے خشک اور بیہودہ نظرئے طاق نسیان پر رکھدئے جاتے ہیں اور روح عالم تخیل کے ایک زرین افق پر اُڑنا شروع کر دیتا ہے -

موت کھڑی ہوئی دروازہ کھٹکھٹایا کرے - ہماری سرگرمیاں سلامت رہیں جو دم لینے کی بھی فرصت نہیں دیتیں - جدھر دیکھئے بانگ جرس دعوتِ سفر دے رہی ہے - قافلے گزرتے چلے جاتے ہیں - کوئی لمحہ نہیں آتا کہ ایک نہ ایک جانے والا اس عالمِ اسباب کو الوداع کر آخیرباد نہ کہدیتا ہو - ہم سب کو یہی مرحلہ درپیش ہے - لیکن زیست کے جھگڑوں سے پیچھا چھوٹے تو کہیں موت سے ڈرنے کی نوبت آئے - اور ہم پر الزام ہی کیا عائد ہو سکتا ہے اگر ہم زندگی کی گنی چنی گھڑیاں خوشدلی کے ساتھ گزار دیں - کہتے ہیں کہ عروسِ حیات ایک رات کی مہمان ہے تو ہم اپنے جذبات کی لطافتوں، اپنی تمناؤں کی پاکیزگیوں اور اپنی روحانی مسرتوں، اور اپنی وجدانی کیفیتوں سے اِس بے بدل رات میں کیوں نہ چار چاند لگا دیں -

زندگی کو ایک راہ تیز رفتار کہئے یا قلب دوام کی ایک شاندار تمہید -

اسے ایک بازیگاہ سمجھئے' جہان کچھ بیش بہا وقیع انعامات کی اُمید مین طرح طرح کے کرتب دکھانے پڑتے ہین' یا ایک عرصۂ جلال وقبال۔ منبرون پر وعظ و موعظت کے دفتر کھول دیجئے' یا میدان شاعری مین زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگئے۔ امن و امان کی تلاش ہیم مین مارے مارے پھر لے' یا صحت بخش سرچشمون مین جاجاکر غوطے لگائیے۔ صرف اِس خیال سے کہ مرگ ناگہانی کسی وقت آکر ہمین نیست و نابود نہ کر دے۔ کچھ بھی کیجئے' بہرحال ان سب باتون سے ایک اہم اور کارآمد سبق ضرور حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ موت کے متعلق جتنے وحشت انگیز اور مرعوب کن مقولے دُنیا مین رائج ہین ہمین سب کے مقابلے مین پنبہ بگوش ہوکر منزل مقصود کی دُھن مین قدم بڑھا کر چلا جانا چاہئیے۔ یہی ایک عمل ہمارے لئے "حرز جان" ثابت ہوسکتا ہے۔ ورنہ ہر قدم پر ٹھوکر کا اندیشہ ہے۔

انسان کی اعلیٰ تربیت کے لئے ذہانت اور جرأت دو بہت اہم صفات ہین۔ لیکن ذہانت کا اولین فرض یہ ہے کہ دنیاے بے ثبات کی ناقابل اعتبار حالت اچھی طرح ذہن نشین کرتے۔ اور جرأت کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اندیشۂ فنا کے مقابلہ مین سینہ سپر ہوکر رہے' اور ناامیدی کو پاس تک نہ پھٹکنے دے۔ کامیاب زندگی کا بہترین طریقہ ہی یہ ہے کہ آیندہ کے متعلق نہ تو بہت سی موہوم آرزوئین پیدا کی جائین اور نہ گذشتہ یا موجودہ رنج و مصائب پر شکوہ و شکایت کے طومار باندھ دئے جائین۔ یہ رویہ صرف ذاتی ہی کامیابی کے ساز و سامان مہیا نہین کر دیتا' بلکہ اسکی مدد سے ہر شخص اپنے دوستون عزیزون اور عام ابناے جنس کو بھی ہر طرح فائدہ پہونچا کر اپنے فرائض باحسن وجوہ انجام دینے کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے۔ جذبۂ خوف جو حد اعتدال سے بڑھ جائے بنی نوع انسان کا بدترین دشمن ہے۔ غور تو کیجئے ایک بزدل سے ہم کس ہمدردی اور ایثار کی اُمید رکھ سکتے ہین۔ اور برخلاف اسکے جس شخص کو خود اپنی جان کا بہت زیادہ خیال نہین ہوتا وہ دوسرون کی فلاح و بہبودی کے لئے بہت کافی وقت نکال لیتا ہے۔ انانیت کا سودا سر مین سمایا اور ایثار و ہمدردی کا وہین خاتمہ ہوگیا۔ خود غرضی پیدا ہوئی اور انسان تنگ ظرف اور تنگ نظر ہوکر رہ گیا۔ بے جا حزم و احتیاط اور پھر وہ بھی اپنی ذات کے متعلق اعلیٰ اور لطیف احساسات کو بیدا ہی نہین ہونے دیتی۔ خود غرض آدمی کو چند اصول کا پابند ہونا پڑتا ہے' اسکی ہر فعل و حرکت اور رفتار گفتار ایک ذاتی نکتۂ نظر کے حدود سے باہر نہین نکل سکتی۔ زمانے مین خون کے دریا بہہ جائین، طوفانون پر طوفان آئین اور شہر کے شہر غارت کر ڈالین، اسکی بلا سے۔ اسکو تو اپنی جان سلامت چاہئیے۔

بہت زیادہ تجربہ اور دانائی بھی انسان کو سنگدل بنا دیتی ہے' اور جو شخص اپنے غور و فکر کو اپنی ذات سے آگے نہین بڑھنے دیگا وہ میدان ترقی مین ایک قدم بھی نہین اُٹھا سکتا۔ برخلاف اسکے ایک صاف باطن ہر دلعزیز محب قوم کو لے لیجئے۔ وہ اپنی زندگی کی غایت ہی یہ سمجھتا ہے کہ نہایت دلیری اور خندہ پیشانی کے ساتھ اس سے خطرناک سے خطرناک موقعون پر کام مین لایا جائے! ایسا شخص کبھی کاہل الوجود نہین ہوسکتا۔ بلکہ ہر وقت چاق چوبند اور کمربستہ رہتا ہے کہ خدا جانے کس وقت اسکی ضرورت آپڑے۔ اسکی اُمنگون اور قوتون مین ہر قدم پر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ کامیابی اسکے لئے چراغِ راہ ہے۔ اور ناکامی' از سر نو جد و جہد پر آمادہ کرنے کا ایک موثر ذریعہ۔ کوشش اسکی غذاے روحانی ہے' یہان تک کہ اگر وہ صرف کسی خیالی اور بے اصل مدعا کا متلاشی نہین تو ایک دن ضرور فائز المرام ہوکر رہیگا۔ وہ اپنے جسم و جان کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے، نصرت کی کنجی اسکے ہاتھ مین ہے اور وہ ظاہری خطرون اور ہلاکتون مین

بے خوف وہراس گھسا چلا جاتا ہے تاکہ اپنے نصب العین پر پہونچکر دم لے موت سے وہ بھی غافل نہیں اور جسطرح وہ درد، دُکھ، رنج وخوشی مین ہر وقت ہمارا شریک ہے موت بھی ہر قدم پر اسکے ساتھ ساتھ ہے۔ وہ عجیب عجیب نامعلوم آفات ناگہانی مین گھرا ہوا ہے دوست احباب اور عزیز واقارب سرگوشیاں کرتے ہوئے اسکی زندگی کے امکانی اندیشون سے کانپ اُٹھتے ہین، اظہار تاسف کرتے ہین اور اسے سمجھاتے ہین کہ اِس ناعاقبت اندیشی سے باز آ لیکن اسکے ابرو پر بل تک نہین آتا۔ وہ زندگی کا سچا عاشق ہے اور اسے بدنام نہین کرسکتا، ہمت خداداد اسکی رفیق راہ ہے اور وہ لکیر کا فقیر بنستا نہین چاہتا۔

مجاہدین کا مقولہ ہے کہ "شہید ہوگئے تو جنت ہے ورنہ غازی تو ضرور ہی کہلائینگے" کامیاب زندگی کے کتنے زبردست راز پر روشنی ڈال رہا ہے۔ اور جو افراد توہمات یا خوف کو اِس لئے ترک نہین کرتے کہ کسی قیمتی صلے کے مستحق ہوسکین بلکہ محض لطف زندگی اور ایک شغل کے لئے۔ انکے لئے بیکاری وہ گناہ ہے جسکا کوئی کفارہ نہین۔ ہر صاحب قلم زندگی کے اختصار کا احساس رکھتا ہے لیکن پھر بھی تالیف وتصنیف کے وہ بڑے بڑے سلسلے شروع کردیتا ہے جنکو ختم کرنے کے لئے بادی النظر مین ایک پوری عمر کافی نہین ہوسکتی۔ اور اسکی تصنیف اکثر اوقات حسب دلخواہ تمام ہوجاتی ہے۔ بیجا خوف اور احتیاط سے کام لیا جائے تو شاید ایک صفحہ بھی لکھنے کی نوبت نہ آئے موت کا خوف رگ وپے مین ساری ہو تو کون زندہ رہ سکتا ہے۔ یورپ مین ایک مرتبہ طاعون نے گھر کے گھر صاف کردئیے تو لوگ اِس قدر ہراسان اور سراسیمہ ہوئے کہ بعض کو مرض کی ہوا تک نہین لگی اور وہم سے کے مارے مرگئے۔ کیا مجال کہ شہر مین کوئی مکان کا دروازہ کھلا ہوا ملجائے۔ کہتے ہین کہ کسی نے آکر ایک دروازہ پر دستک دی۔ کواڑ کھولتے وقت مالک مکان نے سوال کیا "کون ؟" جواب ملا "وہ طاعون" اور مالک مکان وہین گرکر ختم ہوگیا۔

ہماری حالت بھی اجتماع ضدین کا ایک عجیب نمونہ ہے۔ جو شخص بے انتہا محتاط ہے اور ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہے کہ کہین حضرت عزرائیل سے مڈبھیڑ نہ ہوجائے، حقیقتاً زندگی سے محروم ہے۔ بار بار بے موت مرنا اور پھر اپنی ناگفتہ بہ حالت خود اپنی آنکھون سے دیکھنے کے لئے سسکتے رہنا خدا جانے کس معنی مین زندگی کہی جاسکتی ہے۔ عمر کو مسرف کی طرح خرچ کردینا اِس سے کہین بہتر ہے کہ بخیلون کے مانند اسے سڑا کر ضایع ہونے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ مرنا ہے تو جتنا ہوسکے زندہ رہ کر ایک دفعہ مرجاؤ۔ روزمرہ شفاخانون مین جاکر مرنے سے کیا حاصل ہے۔ آپ کے ذہن مین کسی کتاب کی تصنیف کا خیال ہے تو بسم اللہ۔ بلاتکلف آج ہی شروع کردیجئے۔ آپکا مشیر طبی یا نجومی آپ کی باقی عمر ایک سال کیا ایک ماہ سے بھی کم بتائے تو کیا۔ اسکا تو ذکر ہی کبھی نہ آنے دیجئے، خدا کا نام لیکر شروع تو کیجئے پھر دیکھئے ایک ہی ہفتہ مین آپ کہان سے کہان پہونچ جاتے ہین۔ ہر کام کی خوبی کا معیار تکملہ ہی نہین ہوسکتا۔ ہماری محنت ومشقت ہر حال مین قابل داد ہے خواہ اسکے نتایج نامکمل ہی کیون نہون۔ انسان ایک بنیاد قائم کردے پھر وہ کیسی ہی بے وقت موت کا شکار ہوجائے اسکی روح کبھی نہین مرسکتی۔ جن لوگون نے کسی کار خیر کا آغاز کیا اور تندل سے اسکے لئے سعی پیہم سے کام لیا وہ اپنا فرض ادا کرچکے۔ خواہ وہ اسکی تکمیل سے پہلے ہی پہلے خود ختم ہوجائین جس دل کی جنبشون مین استقلال واستحکام بھرا ہوا ہے، جسکی شریانون سے ایک کیف سرور مترشح ہوتا رہتا ہے۔ وہ اپنے بعد ایک امید افزا اثر چھوڑ جاتا ہے اور دنیا کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے۔ انسان اپنے کام مین سرتاپا منہمک ہو۔ شاندار تجاویز بنانے مین مصروف ہو یا

سنگین بنیادین قائم کرنے مین، اسکا دل امید سے معمور ہو اور اسکی زبان پر کلماتِ حق جاری ہون۔ ایسی حالت مین پیک اجل اسے دم بخود کر دے، اسکے ہونٹون پر دائمی مہر سکوت لگا جائے تو کیا یہ انجام باعث افتخار اور قابلِ احترام نہین۔ کیا اسکی زندگی ایک نمایان شان نہین رکھتی اُس آبشار کی طرح جو ایک جوش کے ساتھ سر بفلک چٹان سے گر کر ایک بحر بے کنار سے ہم آغوش ہو جاتا ہے۔ مساوی اور گمنام زندگی تو بجنسہٖ اُس سُست رفتار دریا کے مانند ہے جو آہستہ آہستہ کہین ریت مین گم ہو کر رہ جاتا ہے اور کوئی نہین کہہ سکتا کہ اسکا انجام کیا ہوا۔ یونان کا مشہور مقولہ ہے کہ خدا جن سے محبت کرتا ہے اُنہین نو عمری مین اُٹھا لیتا ہے۔ یہ مقولہ بناتے وقت اہل یونان کے پیش نظر اسی قسم کی موت ہوگی۔ کیونکہ دوران انہماک مین کسی کام کو نامکمل چھوڑ کر جانا یقیناً جوان موت کہی جا سکتی ہے خواہ مرنیوالا کسی عمر مین مرے۔ موت کے امکان سے باہر ہے کہ اُسکی مختصر سی جد و جہد کے نتایج کو بھی تباہ و برباد کر دے۔ جس زندگی کی بہار مین جب سرمایۂ حیات کا بہترین حصہ تصرف مین لایا جا سکتا ہے وہ سرعتِ برق کے ساتھ عالمِ بالا مین پہونچ جاتا ہے۔ اور اس سے پہلے کہ اسکا اثر اسکے ہمجنسون کے دلون سے زائل ہو، اس سے پیشتر کہ اسکی صدائے شیرین کا مسلسل ترنم اسکے خندۂ شکرین کی دیرپا جھنکار ہمارے پردۂ گوش مین گونجنا ختم کرے۔ یہ روشن ضمیر قسمت کا دھنی ایک زندۂ نام نیک کی دائمی زرین شعاعین پیچھے چھوڑ کر بہشت بریں مین جا بستا ہے۔

(ماخوذ)　　ظہیر رضوی۔
ایم۔ اے۔ علیگ

نغمۂ حیات

(جناب سید احسان علی صاحب کوثر میرٹھی)

اک وہ کیا مجھ سے تو بچتے ہین زمانے والے
المدد اے مری بگڑی کے بنانے والے

اُف وہ نظرین کہ تڑپتی ہین جگر مین آکر
دیکھ کر تیر چلاتا تھا نشانے والے

مرتے مرتے بھی ترے لب پہ نہ آیا شکوہ
یہ کلیجہ ترا اے دل کے لگانے والے

ہجر مین موت کے بھی ناز اُٹھائے ہم نے
ہم سے دنیا مین نہین ناز اُٹھانے والے

کیا یہی راہِ محبت کی ہے پہلی منزل
کچھ تو کہہ اے عدم آباد کے جانے والے

مجھکو یہ ڈر ہے نہ دب جائے کہین حشر اُٹھ کر
ہین کہان ہائے مری لاش اُٹھانے والے

میری تخئیل کی دنیا ابھی قائم ہے یونہین
اک قدم اور بھی اے حشر اُٹھانے والے

گو زمانے سے نہین کچھ مجھے مطلب کوثر
پھر بھی کیا کیا نہین کہتے ہین زمانے والے

جانِ آرزو

از جناب فرخ بنارسی. کورٹ انسپکٹر پولیس اناؤ

کیا کیجیے شرحِ وسعتِ میدانِ آرزو
ہے ذرہ ذرہ ایک بیابانِ آرزو

لایا ہے رنگ جذبۂ پنہانِ آرزو
اُلٹا کسی نے پردۂ ایوانِ آرزو

صبحِ ازل تھی چاکِ گریبانِ آرزو
آغازِ آرزو ہی تھا پایانِ آرزو

تصویرِ اضطراب ہے ہر پیکرِ وجود
چھیڑا ہے کس نے سازِ رگِ جانِ آرزو

ہستی کا ذرّہ ذرّہ ہی سرشارِ بیخودی
چھلکا ہے جامِ بادۂ عرفانِ آرزو

اللہ رے حسنِ یار کی ضَو آفرینیان
ہے جلوہ زارِ طور شبستانِ آرزو

اب دیکھنا ہین جوشِ جنون کے مظاہرات
کرتا ہون چاک جیب و گریبانِ آرزو

اُنکے حریمِ ناز کا پایہ بلند ہے
ناکامیِ وصال ہے پایانِ آرزو

محشر مین بھی ہے ناز اُٹھانیکا اشتیاق
اللہ رے درازیِ دامانِ آرزو

سیلِ سرشکِ شوق کی طغیانیان نہ پوچھ
پنہان ہے قطرہ قطرہ مین طوفانِ آرزو

اُف کس غضب کی چھیڑ تھی اے نشترِ نگاہ
ابتک پھڑک رہی ہے رگِ جانِ آرزو

موسیٰ کا جذبِ شوق تھا پردے مین برق کے
رقصان تھا ایک شعلۂ عریانِ آرزو

فرخ فلک کے سر ہے مری حسرتون کا خون
رنگِ شفق ہے سرخیِ عنوانِ آرزو

مُعاشرتِ گمراہ

(از جناب پروفیسر اکبر حیدری صاحب)

"بچپن" حیاتِ انسانی کا وہ دَور ہے جسے معصومیت کی دُنیا کہا جاتا ہے۔ رشید اور سائرہ کی محبت کی جولانگاہ بن گیا احساسات سے ناآشنا محبت اپنی منزلیں طے کرتی رہی اور وہ وقت آہی گیا جب ایک دوسرے کی نگاہوں سے اوجھل ہوکر مراسم کی پابندیوں میں اسیر ہوگیا۔ رشید تکمیل تعلیم کے لیے کالج میں داخل ہوا۔ سائرہ مکان کی چار دیواری میں قید کردی گئی۔ مگر تصورات کی دنیا کے دلچسپ نظارے دونوں کی تنہائی پر قابض رہے۔ ایک دوسرے کے خیال میں کھویا ہوا تھا آخر وہ وقت آگیا کہ رشید نے پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کرلی۔ سائرہ نے مشن اسکول سے مڈل پاس کیا۔ دیرینہ تمنائیں تکمیل کی طالب ہوئیں۔ خاندانی قرب امداد کے لیے اُٹھا اور دونوں کی شادی ہوگئی

سائرہ کے والد ایک کامیاب بیرسٹر تھے۔ جن کے رگ وپے میں مغربی تمدن بہ غایت سرایت کرچکا تھا۔ سادہ دل سائرہ کی تعلیم وتربیت مغربی معاشرت کے بہترین اصولوں پر کی گئی تھی۔ مشن اسکول کی "میم نما" اُستانیوں کے خیالات اُس کی دُنیائے تخیل پر قابض ہوچکے تھے۔ بے پردگی کے زہریلے جراثیم اپنی نشوونما کے طالب تھے۔ لباس شرعی قیود سے آزاد ہوچکا تھا اور روشن خیال سائرہ "سائرہ بیگم" سے نفرت کا اظہار کرکے "مس سائرہ" بن چکی تھی۔ رشید کے والد ایک کامیاب اور دولتمند تاجر تھے "آنریری مجسٹریٹ" بھی تھے اور "میونسپل کمشنر" بھی۔ مگر تہذیب اور تمدن کا وہ معیار جو اسلام کی مقدس تعلیم نے اپنے جان نثاروں کے لئے مقرر کیا تھا اُن کے ہر قول اور فعل میں پنہاں تھا صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے فطرہ اور زکوٰۃ کے قائل۔ اُن کی نگاہوں میں جو وقعت تجارت کی تھی وہ وکالت۔ ڈاکٹری۔ انجنیری کے معیار سے بدرجہا بلند تھی رشید کی زندگی کا مستقبل جو اُنھوں نے اپنے خیال میں قائم کیا تھا وہ تجارت اور صرف تجارت سے متعلق تھا۔

(۲)

سائرہ اور رشید کی شادی کا پہلا سال محبت کی اُن پُر کیف منازل میں بسر ہوا جن کا اظہار۔ الفاظ سے مستغنی خیالات سے دور اور احساسات سے بلند ہے۔ دنیا اور مافیہا طاقِ نسیان میں تھے رات اور دن کا امتیاز نہ تھا۔ شام وسحر کی گردش بے سود تھی۔ مگر ایک سال کے بعد اس "عارضی جنت" کی دلفریبیاں اور رعنائیاں کشمکش حیات کا گہوارہ بن گئیں۔ رشید کی زندگی کا مستقبل فیصلہ کا طالب ہوا۔ سائرہ اپنے والد کی رائے کے مطابق رشید کو "حکومت" اور "عدالت" کی کرسی پر دیکھنا چاہتی تھی۔ رشید کے والد اپنے قائم کردہ اصولوں کے مطابق اُسے ایک کامیاب تاجر کی صورت میں دیکھنے کے تمنائی تھے۔ مگر رشید اس کشمکش کا صحیح مرکز دونوں کی خواہشات سے بے پروا سائرہ کی محبت میں جذب ہوکر اور کسی طرف متوجہ ہونا کفر سمجھتا تھا۔ نہ اُسے اپنے والد کی تمناؤں کا احترام تھا نہ اپنی والدہ کے احساسات کا لحاظ۔ اُس کی والدہ نے تجربہ اور مشاہدہ سے مجبور ہوکر جو خیالات اپنی ہونہار بہو کے متعلق قائم کیے تھے وہ ایسے ناقابل اظہار تھے کہ بڑی بیگم صاحبہ سکوت پر مجبور تھیں۔ اُن کی

لگا ہوں میں ہوگئی۔ جب غرارا پوشی کفر کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔
اُن کی راے کے مطابق سائرہ کا سب سے بڑا فرض رشید کی خدمت
اور اُس کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرنا تھا۔ مگر معاملہ اس کے برعکس تھا
سائرہ کو جو تعلیم بچپن سے ملی تھی اُس میں کھانا پکانا شامل نہ تھا
پرونا۔ بڑی بیگم صاحبہ جب یہ دیکھتیں کہ وہ رشید جسنے ہوش سنبھالنے
کے بعد کبھی اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ایک جنبش بھی نہ کی تھی۔
آج سائرہ کی ہر خواہش پر غلامانہ مستعدی کے ساتھ سر تسلیم خم کرتا ہے
تو اُن کے غم و غصہ کی کوئی حد نہ رہتی۔ اسپر سائرہ کے وہ الفاظ جو وہ
بے تکلف بڑی بیگم اور رشید کے سامنے بے باکی سے دہرا دیتی تیر و
نشتر سے کم نہ تھے اور آخر ایک دن جب سائرہ نے اپنے باپ
کے بنگلے کے مقابلہ میں رشید کے گھر کو جو چار منزلہ ہونے پر بھی بےحد
کشادہ اور ہوادار تھا اور جس کی قیمت ایسے ایسے آٹھ بنگلے خرید
سکتی تھی۔ ترجیح دی تو بڑی بیگم صاحبہ اپنی تمام کوششوں کے
باوجود ضبط نہ کرسکیں اور اُنھوں نے صاف الفاظ میں کہدیا کہ
"اگر تمھیں یہ گھر ناپسند ہے تو بڑی خوشی سے اپنے باپ کے بنگلے میں
جا رہو" باوجودیکہ یہ اعلان اُن واقعات پر مبنی تھا جو خود سائرہ
کے پیش کردہ تھے۔ مگر ناعاقبت اندیش رشید کو بھی بے حد ناگوار گزرا۔

(۳)

اس کشمکش کا لازمی نتیجہ یہی ہوا کہ رشید نے سائرہ کی خواہشات
کی پذیرائی کی اور اپنے مکان کے ساتھ ساتھ اپنے والدین سے بھی
کنارہ کشی کرلی سائرہ کے والد کا بنگلہ۔ وہ بنگلہ جو سائرہ
کی نگاہوں میں "خلد بریں" سے زیادہ دلکش تھا۔ انتخاب کیا
گیا اور بدنصیب رشید اس بنگلے کے ایک چھوٹے سے کمرے میں
رہنے پر مجبور ہوگیا۔ مگر یہ خود اختیار کردہ مجبوری سائرہ کی صحبت
میں اتنی لطیف تھی کہ ان چھ کمروں کی آسائش جو اپنے گھر سے اُسے
حاصل تھی قابل توجہ تھی۔ بیرسٹر صاحب نے جب یہ رنگ دیکھا کہ جس
لڑکی کے اخراجات کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے لئے
دو ہزار روپیہ کی گران قدر رقم قرض لیکر شادی کے اخراجات پر
صرف کی تھی۔ وہ بدستور۔ نہیں بلکہ اپنے شریک زندگی کے ساتھ
اُن کی آمدنی کا ایک معقول حصہ غصب کرنے کے لئے موجود ہے۔ تو
اُنھوں نے زمانہ سازی سے کام لیکر رشید کو اپنے پاؤں پر کھڑے
ہونے کی ترغیب دی۔ انسپکٹری۔ تھانہ داری تحصیلداری۔ اور
تمام وہ شعبے جن کے متعلق اسوقت سے پہلے بڑی پُرزور سفارش
کی گئی تھی۔ اب۔ ایسی حالت میں جب یہ ذمہ داریاں خود اُن کے
سر آپڑی تھیں ناقابل توجہ ٹھہریں۔ ادھر سے مایوس ہوکر جسم و جان
کو یکجا رکھنے کی ذمہ داریوں نے رشید کو مجبور کردیا کہ وہ ہر اُس آسامی
کے حصول کی کوشش کرے جس سے اسکی اور سائرہ کی شکم پری اور
تن پوشی ہوسکے۔ ایک ماہ کی تگ و دو کے بعد میونسپل کمیٹی میں تیس
روپیہ ماہوار کی کلرکی خالی ہوئی اور رشید نے اپنی ضرورتوں سے
مجبور ہوکر اسی کو قبول کرلیا۔ صبح نو بجے سے شام کے چھ بجے تک
دفتر کی حاضری کا وقت تھا "میونسپل کمیٹی" کا دفتر بیرسٹر صاحب کے
بنگلہ سے دو میل تھا۔ چار میل روزانہ کی مسافت نے رشید کو
بائیسکل خریدنے کی تعلیم دی۔ مگر روپیہ کے نہ ہونے نے اس ارمان کو
خاک میں ملا دیا سائرہ نے اپنا کوئی زیور بیچکر یا رہن رکھکر روپیہ
فراہم کرنے سے انکار کردیا۔ بیرسٹر صاحب نے اس طلب پر صاف
الفاظ میں کہدیا "میرے خیال میں زیادہ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے
والد کے گھر جا رہو۔ وہاں سے دفتر بھی نزدیک ہوگا اور تمھیں
آرام بھی ملیگا" مگر رشید کی خودداری نے اسے گوارا نہ کیا کہ وہ
اپنے قصور کا اعتراف کرے اور اپنے والدین سے معافی کا طالب
ہو۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میرے والد کے نقطۂ نظر سے یہ ملازمت

جو مین نے کی ہے اُن کی بڑی توہین ہے۔ اور وہ کبھی بھی مجھے اجازت نہ دین گے کہ مین میونسپل کمیٹی کے کلرک کی حیثیت سے زندگی بسر کرون۔ نیز سر دست کوئی کرایہ کا مکان لیکر رہنا بھی ناممکن ہے اس لئے کہ سائرہ ایک دو ماہ مین ایک بچے کی مان بننے والی ہے۔

(۴)

ان واقعات پر چھ ماہ گزر گئے سائرہ ایک لڑکے کی مان بنگئی بارہ روپیہ ماہوار پر کرایہ کا مکان لے لیا گیا۔ چھ روپیہ ماہوار اور کھانے پر خادمہ رکھی جاچکی۔ مگر آرام واطمینان نصیب نہین اور ان تمام احساسات کو بیدار کرنے والا وہ طرز عمل ہے جو سائرہ نے شوہر کی نااہلیت کے متعلق قائم کیا ہے رشید نااہل ورناقابل رشید اگر کسی قابل ہوتا تو "وکالت کا امتحان پاس کرتا" تحصیلداری یا ڈپٹی کلکٹری کے عہدے پر سرفراز ہوتا کہین منصف ہوتا یا مجسٹریٹ۔ سائرہ کی زندگی تباہ ہوگئی رشید نالائق فطرت نے سائرہ کو یہ دن دکھایا۔ یہ تھے سائرہ کے خیالات۔ مگر رشید کے نقطۂ نظر سے سائرہ اُس کی تمام تکالیف اور بربادیون کی ذمہ دار تھی اگر سائرہ کھانا پکانا جانتی تو خادمہ کی موجودگی مین بھی بد مزہ اور ناگوار خوراک شکم پُری کی ضامن نہ ہوتی۔ اگر سائرہ سلیقہ والی ہوتی تو گھر کا یہ حال نہ ہوتا۔ چاندنی پر حمید کے پاخانہ اور پیشاب کے دھبے ہر جگہ نظر نہ آتے۔ حمید کے کھلونے چارون طرف ٹھوکرون مین نہ پھرتے رشید کے کپڑے صندوق مین اس بے دردی سے نہ بھر دئے جاتے۔ قیمتی قیمتی سوٹ معمولی کپڑون کی طرح لپیٹ کر کونون مین نہ پھینکدیے جاتے۔ بستر پر خالی دری بے غلاف تکیون کی رونق کو دوبالا نہ کرتی غرض دونون کی طبیعتون مین ایک دوسرے کے خلاف ہزارہا جرائم کی فہرست مرتب ہوچکی تھی۔ عملی دنیا مین خیالی محبت بے سود ثابت ہوئی سائرہ نے رشید کے ایثار اور قربانیون کا کبھی احساس نہ کیا۔ جن اصولون پر اُسکی تعلیم و تربیت ہوئی تھی اُنکا لحاظ کرتے ہوئے اُس نے کبھی اپنی خود غرضیون اور نالائقیون کو کوئی اہمیت نہ دی اُس نے اپنی اور رشید کی تکالیف کا ذمہ دار خود کو کبھی نہ ٹھہرایا۔ اُس کی مذہب فراموشی نے اُس کے ضمیر کو اتنا مردہ کر دیا تھا کہ وہ یہ سمجھنے سے بھی قاصر رہی کہ رشید نے اُس کی محبت سے مغلوب ہوکر وہ کچھ کیا جسکی نہ اُس سے توقع کرنی چاہیے تھی۔ نہ اُس کا فرض تھا۔ والدین سے کشیدگی۔ مکان سے کنارہ کشی۔ ملازمت کی وہ ذمہ داریان۔ مصائب اور تکالیف مین ثابت قدم رہنا یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ سائرہ ناعاقبت اندیش سائرہ اس کی محبوب بیوی تھی۔ جس کی محبت سے مجبور ہو کر اُس نے تہذیب تمدن کے تمام اصولون کو نظر انداز کر دیا۔ اخلاق اور مذہب پرستی کو خیرباد کہکر اپنے والدین کی دل آزاری کی۔ اب وہی سائرہ اس کی تمام قربانیون کے باوجود اُسے اپنی تکالیف اور مصائب کا ذمہ دار بنا رہی ہے

(۵)

محبت۔ نفرت مین تبدیل ہونے کے بعد ناقابل برداشت ہوگئی۔ صبح اور شام کی رنجشین بڑھتی رہین۔ ایک دوسرے سے بیگانہ ہوگیا اور کچھ دن بعد دونون کا ایک گھر مین رہنا ناممکن قرار پایا سائرہ نے اپنی خود مختاری سے کام لیکر رشید کی غیر حاضری مین اُس کی اجازت کے بغیر مکان کو خیرباد کہدیا۔ رشید نے سائرہ کی اس بے باکی سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اپنی والدہ کے پاس جاکر اپنے قصورون کا اعتراف کیا۔ معافی چاہی۔ اور اس مکان اور ملازمت سے دست کش ہوکر اپنے والد کی دوکان پر مالکانہ انداز سے انتظام کرنے لگا۔ اب اُسکی آنکھین کھُلین اب اُسے معلوم ہوا کہ اُسی روپیہ

جو اُسے ایک ماہ کی تکلیف دہ اور ہمت آزما محنت کے بعد "مینو سپل کمیٹی" سے ملتے تھے۔ اس دوکان کی ایک گھنٹے کی آمدنی ہے۔ اب اُس کی نگاہون مین تجارت کا روشن اور کامیاب پہلو تھا تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر ملازمت اُس کی راے مین بدترین غلامی تھی۔ ان تمام احساسات کے ساتھ اُس کی نفرت جو سائرہ اور اُس کے والدین کی طرف سے پیدا ہوگئی تھی بڑھتی رہی حمید اُس کا بچہ تھا اور فطرتاً اُسکی محبت رشید کے دل مین تھی مگر جن غلط اصولون پر حمید کی پرورش ہورہی تھی وہ بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھے۔ مگر اس کی تمام کوششین بے سود ثابت ہوئین۔ اور بیرسٹر صاحب نے حمید کو تنہا دینے سے انکار کردیا رشید کے والد نے سو روپیہ ماہوار۔ بہو اور پوتے کے اخراجات کے لئے منظور کیا رشید محبت کے اِن متضاد پہلوؤن پر اکثر غور کرتا اور ہمیشہ اُس نتیجہ پر پہونچتا کہ محبت کا پیدا ہونا ایک فطری جذبہ ہے مگر اس جذبے کو قائم رکھنے کے لیے طرفین کو بڑے ایثار کی ضرورت ہے۔ کسی عورت کو خواہ وہ کتنی ہی حسین کیون نہ ہو۔ یہ حق حاصل نہین کہ وہ بیوی بننے کے بعد اُن فرائض سے پہلوتہی کرے۔ جو مذہب۔ تہذیب۔ تمدن اور اسلامی معاشرت نے اُس پر عائد کردیے ہین۔ اگر سائرہ اس حسن وجمال کے ساتھ ساتھ ایک فرمانبردار بیوی ہوتی اور بیوی کے تمام فرائض کا احساس اور تکمیل کرتی۔ تو یقیناً رشید کی محبت جو اُس اور صرف اُسکی ملکیت تھی یون برباد نہ ہوتی۔ اُسے یہ ناکامی نہ برداشت کرنی پڑتی اور سائرہ کی زندگی تباہ نہ ہوتی۔

(۶)

اپنی بدخواہیون کا انجام ان ناگفتہ بہ نتائج مین دیکھنے کے بعد بھی سائرہ کی آنکھین نہ کھلین۔ اُس کی سرکش فطرت نے اب بھی اُسے راہ راست پر آنے سے باز رکھا۔ خود پرستی اور خود غرضی نے اُس کی آنکھون کے سامنے جن نظارون کو تصویر مین پیش کیا وہ وہی تھے جن کی اُس جیسی عورت سے توقع کی جا سکتی تھی۔ رشید سے کنارہ کش ہونے کے بعد جو سلوک اُس نے حمید سے کیا وہ اس قابل نہین کہ الفاظ مین بیان ہوسکے۔ حمید کا دوسرا نام "سانپ کا بچہ" "روتی شکل" وغیرہ وغیرہ ضرورت کے مطابق استعمال کیا جاتا۔ کتنا صحیح ہے یہ کلیہ کہ "جو عورت اچھی بیوی بننے کی صلاحیت نہین رکھتی وہ اچھی مان بھی نہین بن سکتی۔ حمید سائرہ کی دست درازیون کا متحمل نہ ہوا۔ اُس کی صحت دن بدن کمزور ہوتی گئی۔ آخر نمونیہ کے ایک دورے نے اُس کا کام تمام کردیا رشید پر حمید کی بے وقت موت کا بے حد اثر ہوا۔ وہ گھنٹون اُسکی ننھی سی قبر پر بیٹھا رہتا۔ بے تابانہ روتا اور اپنی بدنصیبی پر تاسف کرتا۔ اُسکی اس حسرت زدہ حالت کا علم جب سائرہ کو ہوا تو بجاے اس کے کہ وہ اظہار ملال کرتی اُسنے اپنی بے پایان مسرت کا اظہار کیا۔ البتہ رشید کے والدین پر رشید کے رنج والم کا بے حد اثر ہوا اور اُنھون نے اس کا غم غلط کرنے کے لیے اُسکی دوسری شادی کردینے کا ارادہ کیا عزیز واقارب نے کوششین شروع کین۔ بڑے بڑے گھرون کی لڑکیون کا تذکرہ ہوا مگر رشید کے والد نے بیرسٹر صاحب کی نور نظر سائرہ کی تعلیم وتربیت کا معیار دیکھ لینے کے بعد اِن اعلیٰ خاندانون کی طرف سے نگاہین پھیر لین اور معمولی درجے کے خاندانون کو انتخاب کیا۔ آخر ایک معقول مدت کے بعد رشید کی دوسری شادی عزت النسا بیگم سے ہوگئی عزت تعلیم یافتہ تھی۔ خلیق اور بردبار مگر اُسکی تعلیم مذہب تک محدود تھی۔ اُس نے مشن اسکول سے مڈل کا امتحان

پاس نہین کیا تھا - مگر اُس نے اُس مدرسے سے جسے "میکہ" کہا جاتا ہے پورا استفادہ حاصل کیا تھا - کھانے پکانے مین یکتا اور اصول خانہ داری سے واقف تھی - سلائی کے تمام پہلوؤن پر عبور تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ خدمت گزار اور فرمانبردار بیوی تھی -

(۷)

رشید گزشتہ تجربات کی بنا پر بہت غیر مانوس سا رہا ابتدا مین مگر بہت جلد اُسے معلوم ہو گیا کہ جو غلطی اُس نے سائرہ کی ناز برداریون مین کی تھی عزت کے باب مین وہ غلطی نہین تھی بلکہ عزت اُس احترام اور محبت کی صحیح معنون مین مستحق تھی عزت کی خدمت گزاری اور ایثار نے رفتہ رفتہ اُس مغائرت کو دور کر دیا جو آب تک رشید کے طرز عمل کا جزو اعظم تھی - اب رشید کو اپنی غلطیون کا اعتراف کرنا پڑا - اور اب وہ عزت سے نہ صرف محبت کرنے لگا تھا - بلکہ صحیح معنون مین اُس کا پرستار تھا - جو گھر سائرہ کے نزدیک جہنم سے بدتر تھا وہ عزت کی نگاہون مین خلد برین کا بہترین گوشہ بن گیا تھا - نہ صرف رشید عزت کا پرستار تھا بلکہ اُس کے والدین بھی بہو کی تعریفون مین رطب اللسان تھے -

بیرسٹر صاحب کی تمام اُمیدین جو اُنھون نے حمید کی زندگی مین سائرہ کے متعلق قائم کی تھین - حرف غلط کی طرح مٹ گئین اور اب رشید کے دوسری شادی کر لینے کے بعد اُن کے لیے اُس کے سوا چارۂ کار نہ رہا کہ وہ سائرہ کی آزادی کے لیے جد و جہد کرین سائرہ کو آزادی مل گئی - مہر کی رقم ادا کر دی گئی -

وہ اب بھی اپنے والدین کے پاس رہتی ہے - مگر اب اُس کے خیالات مین ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گیا ہے عزت النسا بیگم اور رشید کی کامیاب زندگی اُس کے سامنے ہے - اب اُسے اپنی تعلیمی کوتاہیون کا احساس ہوا - اب اُسے معلوم ہوا کہ اُسکے والدین اُس کے سب سے بڑے دشمن تھے - جب اُنھون نے اسلامی تعلیم کو نظر انداز کر کے مغربی تعلیم اور تربیت کے اصول اُس کے لیے انتخاب کئے - اب نہ صرف سائرہ بلکہ اُس کے والدین انگریزی تعلیم اور تربیت کے سخت مخالف ہین اور اپنے دوست احباب کو لڑکیون کی تعلیم کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اسلامی تعلیم کی سفارش کرتے ہین -

اکبر - حیدری

عبودیت عبد

از جناب مولوی عبداللہ عبدالواسع صاحب عبد - نوآباد - کراچی -

نگاہِ نازِ جاناں سے بچانا سخت مشکل ہے
یہی اسکا اشارہ ہی کہ لاؤ بھی کہاں دل ہے

ترے کوچے ہی محفل مین دگرگون رنگ محفل ہے
جسے دیکھو وہ زخمی ہے جسے دیکھو وہ بسمل ہے

یہ نکلی حشر مین صورت مری تفریح خاطر کی
جو دیکھا خلد کو تو مین نے سمجھا تیری محفل ہے

قیدِ زنجیر مین میری مونس و غمخوار زندان مین
تمہاری یاد ہی یا ہر گھڑی تو سلاسل ہے

تمنائے شہادت کس طرح مقتل مین نکلیگی
اِدھر چپ چاپ بسمل ہے اُدھر خاموش قاتل ہے

جہان کوئی حسین دیکھا اُسی پر مر مٹا فوراً
ازل سے عشق مین ڈوبا ہوا کیسا مرا دل ہے

جسے تاکا اُسے مارا قیامت آنکھ ہے سو بر
نگاہِ ناز قاتل بھی کوئی شمشیر قاتل ہے

بسر ہوگی مزے سے خلد مین بھی حسن والون مین
سُنا ہے ہمنے واعظ سے وہان حورون کی محفل ہے

تعلق محفلِ زہاد سے کیا بزمِ رندان کو
وہ محفل اور محفل ہے یہ محفل اور محفل ہے

غم و آزار برائے عبد اس وجہ پریشانی
رموز عاشقی سے بے خبر کیا آپکا دل ہے

شیشہ سازی

(از جناب بابو جگت موہن لال صاحب رواںؔ ایم۔ اے۔ ایل ایل بی وکیل اناؤ)

شیشہ سازی کے متعلق اسقدر اختلاف بیان ہے کہ صحت کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کس قوم یا کس ملک کو سب سے پہلے اس نادر اور بیحد ضروری چیز کی ایجاد و اختراع کا فخر حاصل ہے۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ مصریوں نے سب سے پہلے شیشہ طیار کیا لیکن دلائل اس کے شاہد ہیں کہ سیریا میں سب سے پہلے شیشہ بنا۔ سیریا اور مصر دونوں ملکوں میں ہزارہا سال پیشتر کی شیشہ کی اشیا زمین میں دفن پائی گئی ہیں مغرب کے ملکوں تک پہونچنے سے پہلے۔ فارس، چین اور ہندوستان میں نہ صرف شیشہ کا استعمال رائج تھا بلکہ شیشے کی عمدہ سے عمدہ چیزیں بن چکی تھیں۔ اب بھی کبھی کبھی ان ملکوں کے پرانے کھنڈرات میں سے ایسے ایسے عمدہ شیشے کے برتن برآمد ہوتے ہیں کہ صناعان یورپ دنگ رہ جاتے ہیں۔ گلاس، پیالے طشت۔ اور عمدہ عمدہ روزانہ ضروریات کی چیزیں برابر پرانے کھنڈرات سے برآمد ہوتی رہتی ہیں۔ یونان کے لوگ شیشہ بنانے میں زیادہ مشاق نہ تھے لیکن روما کے لوگ بیحد ہوشیار شیشہ ساز تھے۔ یہانتک کہ روم میں کھڑکیوں کے کواڑوں میں بھی بہت زمانے سے شیشہ استعمال کیا جاتا تھا۔ اٹلی کو تو اس فن میں بہت مدت سے شہرت حاصل ہے۔

وینس اور قسطنطنیہ میں شیشہ میں نقش کاری اور رنگ بھرنے کا کام بہت اچھا ہوتا تھا۔ ایک بہت بڑے طبقہ کا خیال ہے کہ اگلے زمانے میں ہندوستان و دیگر مشرقی ممالک میں پہلا شیشہ بنایا جاتا تھا جو سخت زمین یا پتھر پر اونچے سے گر کر ٹوٹتا نہ تھا بلکہ صرف جھک جاتا تھا۔ مشرق ہی سے فن شیشہ سازی مغرب میں پہونچا اور رفتہ رفتہ ہر ملک میں شیشہ بننے لگا۔ لیکن اگلے زمانے میں شیشہ کی بنی ہوئی چیزوں کا استعمال خواص کے لیے مخصوص تھا اور فی الحقیقت چیزیں اسقدر بیش بہا ہوتی تھیں کہ عام لوگوں کے امکان سے اُن کا استعمال بالکل باہر تھا۔

اس حالت کو دیکھو اور آج کی کیفیت پر غور کرو کہ کوئی گھر ایسا نہیں جہاں مٹی کا تیل استعمال نہ ہوتا ہو اور مٹی کا تیل بغیر چمنی کے استعمال نہیں ہو سکتا۔ گلاس۔ پیالے۔ دوربین خوردبین۔ برقی روشنی۔ سب شیشے کے بنتے ہیں۔ اور ایسے سستے کہ چھوٹے بڑے سب کے امکان میں اُن کا استعمال ہے۔ یہانتک کہ شاید یہ کہنا بلا مبالغہ صحیح ہوگا کہ موجودہ زمانے میں ہماری زندگی کی ضروریات نصف سے زیادہ شیشہ سے وابستہ ہیں۔

بہت کم لوگوں نے یہ غور کیا ہوگا کہ شیشہ کیسے بنتا ہے۔ کیا تمہارے خیال میں یہ ایک تعجب خیز بات نہیں ہے کہ بالو۔ یا ریگ جو لا انتہا مقدار میں ہر جگہ مل سکتی ہے۔ اُس سے اسقدر نایاب اور بیش قیمت چیز بآسانی طیار ہو جاتی ہے جیسے شیشہ۔ اب یہ خیال کس قدر آسان ہے لیکن اُس دماغ اور ذہن کی رسائی کس قدر قابل آفرین ہے جس نے پہلے بالو سے شیشہ بنانے کی تدبیر کی ہوگی بالو کے علاوہ جس چیز سے شیشہ سازی میں خاص مدد ملتی ہے

وہ برادۂ سنگ ہے جسے اکثر پتھر پیکر بناتے ہیں۔

یہ بالو جو دریا کے کنارے۔ چھوٹے چھوٹے چشموں کے قریب بکثرت دیکھی جاتی ہے۔ یہ سب کی سب شیشہ بنانے میں کام نہیں آتی۔ اسمیں تمام اجزا شامل ہوتے ہیں جو اُسے شیشہ سازی کے ناقابل بنا دیتے ہیں۔ قبل اس کے کہ بالو شیشہ سازی کے قابل ہو اُس میں سے زیادہ اجزا خارج کرنا ہوتے ہیں۔ مثلاً بالو میں لوہے کا جز بہت کثرت سے رہتا ہے اور وہ شیشہ سازی کے لیے مضر ہوتا ہے۔ تمنے اکثر دیکھا ہوگا کہ شیشہ کا رنگ صاف نہیں ایک ہلکی سبزی اُس میں پائی جاتی ہے اور نظر کو بھی وہ اسقدر خوشگوار نہیں ہوتا جتنا ہونا چاہیئے اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ بالو سے لوہے کا جز یا اور دھاتوں کے اجزا بالکل خارج نہیں ہوتے کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ بجائے ریگ سے ان اجزا کو خارج کرنے کے کچھ ایسی چیزیں ملا دیتے ہیں جن سے وہ اجزا بالکل بیکار ہو جاتے ہیں۔ لیکن صرف بالو سے شیشہ نہیں بنتا سوڈا۔ چونا۔ جستہ۔ پوٹاش وغیرہ ایسی چیزوں کا استعمال ضروری ہے۔ یہ اس بات پر منحصر ہے کہ کیا چیز بنانا ہے اور کس مصرف کے لیے بنانا ہے۔ عموماً یہ تدبیر ہوتی ہے کہ بالو۔ سوڈا اور چونے کو بہت تیز آنچ والی بھٹی پر ایک برتن میں گلاتے ہیں۔ اُس میں چھوٹے چھوٹے شیشے کے ٹکڑے۔ پرانی چھپلیاں وغیرہ بھی ڈال دیتے ہیں۔ اب یہ رقیق چیز شیشہ ہو گئی۔ اسکو ٹھنڈا کر لیتے ہیں اور شیشہ کا تختہ طیار ہو جاتا ہے اس کو پھر گلاتے ہیں اور یہ سب چیزیں بالکل پانی کی طرح رقیق ہو کر ایک ہو جاتی ہیں۔ یہ رقیق چیز پانی کی طرح پتلی نہیں ہوتی بلکہ تارکول یا شیرہ کی طرح گاڑھی رہتی ہے۔ اس کو اگر رنگین کرنا ہوا تو رنگ دینے والے اجزا ایسی حالت میں ملا دیتے ہیں۔

اس پگھلی ہوئی گرم چیز کو صناع سخت محنت سے برتن کے ایک طرف جمع کر کے ایک لمبی پھکنی سے جو اسی لے خاص طور سے بنائی جاتی پھونکتا رہتا ہے یہانتک کہ وہ رقیق ترکیب ہے جس صورت پر اُسکو ڈھالنا ہو ایسے اوزار کی امداد سے مشاق صناع چیزیں بناتے جاتے ہیں اور وہ پھونکنے والا برابر پھونکتا رہتا ہے۔ مختلف حصے چیزوں کے بناکے رقیق مادہ کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے ہی جوڑ دیتے ہیں اور وہ اسطرح چپک جاتے ہیں کہ کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ مثلاً ایک پیمانہ بنانا ہے تو پہلے پیندا بنائیں گے پھر اوپر کا حصہ اور پیندے پر اُس حلقہ کو دکھا کر ثبت کر دیں گے یہ بہت آسان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ان کاریگروں کی چابکدستی اور مشاقی حیرت انگیز ہوتی ہے اکثر اوقات بجائے ہاتھ سے کام کرنے کے مشینوں کا استعمال کیا جاتا ہے جس سے چیزوں کے بنانے میں نسبتاً آسانی ہوتی ہے۔ جس طرح شکر کے شیرہ سے کھینچ تان کر پٹی بنائی جاتی ہے اور محض کھینچتے کھینچتے سرخ کی نرم منجمد شیرے کی لوئی بڑھکر چاندی کی طرح ہو جاتی ہے اور پھر کھٹا بن جاتی ہے قریب قریب یہی طریقہ شیشہ سازی کا بھی ہے۔ پھونکنے والا اُسے پھونکتے اسقدر لچیلی چیز بنا دیتا ہے کہ صورت دینے والا اُسکی صورت میں تبدیل کر سکتا ہے۔ جب چیزیں طیار ہوتی ہیں تو عموماً پہلے بھدی اور ناہموار ہوتی ہیں مشینوں سے اُنھیں خراد پر چڑھا کر صاف اور خوشنما بناتے ہیں۔ اکثر چیزیں سان پر رکھ کر صاف کی جاتی ہیں۔ جس طرح نان بائی نہایت پھرتی سے آٹے کو سے کر روٹی میں تبدیل کر دیتا ہے اسی طریقہ کو اعلیٰ اور زیادہ ہوشیاری سے عمل میں لانیوالوں کو خیال میں لاؤ تو کسیقدر اندازہ ہوگا کہ شیشہ کی چیزیں کس طرح طیار ہوتی ہیں۔ پھر اُسکو پالش کیا جاتا ہے اور چمکدار خوبصورت اور شاندار بنایا جاتا ہے۔

جگت موہن لال رواں

کلامِ فانی

از جناب سید شاہ شاہد علی صاحب فانی سبز پوش رئیس اعظم گورکھپور

پردا جو دوئی کا تھا اُٹھتا نظر آتا ہے
انجام جُدائی کا اچھا نظر آتا ہے

دل پر جو نظر ہوتی دلبر کی خبر ہوتی
صاف آئینہ باطن کا اندھا نظر آتا ہے

دشمن مجھے جو سمجھے۔ دل صاف ہے میرا تو
آئینہ میں اپنا ہی چہرا نظر آتا ہے

اغیار کی ہستی کے دھوکے میں نہ آجانا
دھوکا بھی ہمیں بالکل دھوکا نظر آتا ہے

کیا عقل کی آنکھیں بھی جاتی ہیں دل آتے ہی
ہر شخص محبت میں اندھا نظر آتا ہے

کیا عقل کی آنکھیں بھی دل آتے ہی جاتی ہیں
الفت میں جسے دیکھو اندھا نظر آتا ہے

معشوق نہ بنجائے عاشق تو وہ الفت کیا
مجنون غمِ لیلے میں لیلا نظر آتا ہے

دُنیا جسے کہتی ہے دُنیا سے بُرا فانی
تجھ سے تو ہمیں وہ بھی اچھا نظر آتا ہے
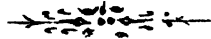
سنہ ۱۹۲۷ء

مرقع

عکس تحریر جناب سید محمد نوح صاحب شہیر رئیس اعظم و اسپشل مجسٹریٹ مچھلی شہر ضلع جونپور

(ارشد تلامذہ و یادگار حضرت منیر شکوہ آبادی)
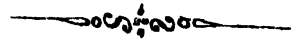
غزل مخصوص صفحۂ مرقع لکھنؤ - از حقیر سید محمد نوح شہیر مچھلی شہری غفر لہ القدیر

ہر ایک تری جانب - کھنچتا - نظر آتا ہے
ہر دل میں محبت کا جھنڈا - نظر آتا ہے

دل سوز محبت سے - شعلہ - نظر آتا ہے
جگر - آہوں میں - اوٹھتا نظر آتا ہے

ہے حسن کے منظر میں - لاکھوں ہی مناظر ہیں
ناظر - کو خدا جانے - کیا کیا نظر آتا ہے

پہلو - میں - دل اپنا ہے - ڈھونڈھتی نگاہیں ہیں
جب طاق پہ آیا - شیشا - نظر آتا ہے

ہے عشق ہمارا ہی - زینہ ہی حقیقت کا
مجاز سے - کعبے - کا رستا - نظر آتا ہے

دل ہے مرا مرقع ہی - تصویر حسیناں کا
نقش ایک سے ایک - اسمیں - زیبا نظر آتا ہے

کیوں کعبہ و بتخانہ میں جھانکتے پھرتے ہیں
بے قید مکاں جب - ہر جا نظر آتا ہے

میدان قیامت ہے - یا جلوہ گہ جاناں
چھائی ہوئی ہے - حیرت - ہر کیا - نظر آتا ہے

ہیں شانہ و آئینہ - ہیں زینت و آرائش
وہ شوخ - بہر صورت - رعنا نظر آتا ہے

ہے جذب تصور ہی - یا وہم کی خلاقی
ہر دم - کوئی پہلو - میں بیٹھا نظر آتا ہے

بینائی کی شہیر آنکھ ہے چشم تصور میں
حسن ایسی ہے گا - جلوا نظر آتا ہے

جان کیٹس

(از جناب مجنون گورکھپوری)

جان کیٹس ۲۹-اکتوبر ۱۷۹۵ء کو لندن مین پیدا ہوا (بعض سوانح نگار ۳۱-اکتوبر بتلاتے ہین) اس کا باپ مورفیلڈ کے ایک وردی فروش کی دکان پر ملازم تھا۔ کچھ دنون بعد اس نے اپنے مالک کی بیٹی سے شادی۔ ہمارا شاعر اپنے والدین کی کم عمری مین پیدا ہوا۔ اس کی عمر ابھی صرف ۹ سال کی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور پندرہ سال کی عمر مین ماں کی موت کا سامنا کرنا پڑا۔ مایوسیون کا سلسلہ یہین سے شروع ہو گیا جو آئندہ چل کر کیٹس کی شاعری کو ایک مخصوص پُراثر "قنوطیت" سے معمور کرنے والی تھین بہرحال کیٹس اور اس کے بھائی انفیلڈ کے ایک معتبر اسکول مین داخل کئے گئے جو مسٹر کلارک کے زیر اہتمام تھا۔ اُن کا لڑکا چارلس کاؤڈن کلارک جو خود بھی ادبی مذاق رکھتا تھا کیٹس کا نہایت خیرخواہ دوست تھا۔ اس کے نام کیٹس کے خطوط موجود ہین اور اُس نے کیٹس کے متعلق بہت کچھ لکھا بھی ہے۔ خصوصاً بچپن کے حالات۔

انگلستان کے کسی نقاد سے پوچھا گیا کہ اُن شاعرون مین سے جو نوجوان مر گئے ہین تم کس کو چاہو گے کہ پھر زندہ ہو جائے۔ اس نے کہا "کیٹس" لارڈ ٹینی سن جو ورڈسورتھ کے بعد انگلستان کا ملک الشعرا ہوا ہے اور جس نے ۱۸۹۲ء مین وفات پائی ایک جگہ کہہ گیا ہے کہ اگر کیٹس اس قدر کمسنی مین نہ مر جاتا تو بیشک ملٹن کے بعد سب سے بڑا شاعر ہوتا۔ اور اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ کیٹس۔ بحیثیت شاعر کے اس دنیا کی سیر کرتا ہے جہان تخیلات و صور جسم و روح ایک چیز ہین جہان فطرۃ اور کائنات ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے ایک ہی چیز تھین۔ یہ وہ دنیا ہے جس کا اگر ذکر کیا جائے تو ہم آپ مُنھ تاکنے لگین۔

کہا جاتا ہے کہ شاعری کا سب سے پہلا کام اُن بلند اور لطیف جذبات کو محسوس اور ظاہر کرنا ہے جو قدرتاً حُسن سے پیدا ہوتے ہین چنانچہ اڈگر ایلن پو کہتا ہے "شاعری دنیا حُسن کی حد سے آگے نہین بڑھتی۔ عقل یا ضمیر سے اس کو کوئی سروکار نہین"۔ اس معیار سے اگر دیکھا جائے (اور نہ دیکھنے کی کوئی وجہ نہین) تو کیٹس کی شاعری کامل العیار ثابت ہو گی اس لئے کہ اس کی نظمین لطیف جذبات اور پاکیزہ موسیقی کی بہترین مثالین ہین۔ یہ سچ ہے کہ وہ ورڈسورتھ کا دماغ نہین رکھتا مگر فطرۃ کا اداشناس وہ بھی۔ شیلی اور براؤننگ کی سیاسیات اور فلسفہ سے وہ بیگانہ ہے۔ گوئٹے اور شلر کی طرح مابعد الطبیعات کے مسائل مین وہ نہین اُلجھ سکتا۔ لیکن شاعری کے یہ اصلی موضوع نہین ہین۔ حقیقت حُسن کی وساطت سے جلوہ نما ہوتی ہے۔ شاعر کی نجات کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ حُسن کو پوجتا رہے اور اس کے بھجن گایا کرے۔ کیٹس نے اپنی زندگی کا نصب العین حُسن کی پرستش قرار دے رکھا تھا۔ وہ ہر چیز مین حُسن ہی کو بے نقاب دیکھتا تھا اور اس سے جو اثرات قبول کرتا اُس کو خلوص دل کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کرتا تھا سو وہ حُسن مین جذب ہو جاتا تھا یعنے فرض کیجئے کہ اس کو کسی پھول کا تذکرہ کرنا ہے تو وہ چاہے گا کہ

اس کی ساری ہستی سمٹ کر خود پھول بنجائے۔ اس کی نظم بلبل سے خطاب پڑھیئے۔ معلوم ہوگا کہ وہ خود گھل گھل کر بتدریج بلبل بنا جارہا ہے۔ نظم بہت طویل ہے کہین کہین سے اس کے کچھ ٹکڑے ملاحظہ ہون۔ شروع یون کرتا ہے :-

"میرا دل دکھ رہا ہے اور ایک خواب نما بے ہوشی مجھ مین درد کا ہلکا احساس پیدا کر رہی ہے جیسے مین نے بھنگ پی لی ہو یا ابھی ایک لمحہ پہلے کوئی نشہ آور دوا مع تلچھٹ کے پی کر بے خبری کی دنیا مین محو ہو گیا ہون۔ اے "درختون کی پری" مین تیری مسرت پر حسد نہین کرتا بلکہ تیری خوش باشی سے مین خود بہت مسرور ہون اس لئے کہ تو سرو و صنوبر کے پر ترنم باغ مین ...... پورے لحن کے ساتھ بہار کے ترانے گا رہی ہے"

شاعر مین یہ بھی خصوصیت لازمی ہے کہ وہ درد کی ٹیسون مین انبساط کی کیفیت محسوس کرے۔ اضطراب سے سکون پیدا کرے الٹی سانسین چلین تو سمجھے کہ فردوس سے فرحت افزا جھونکے آرہے ہین اس کے لئے کوئی منطق نہین پیش کی جاسکتی۔ ان کا تعلق ذوق سے ہے یعنی یہ ایک ایسی بات ہے جو صرف محسوس کی جاسکتی ہے۔

عقل اگر داند کہ دل در بند زلفت چون خوش است
عاقلان دیوانہ گردند از پئے زنجیر ما

یہی بات ہے جو میر کو دوسرے شعرا مین ممتاز کئے ہوئے ہے۔ کیٹس کو بھی اسی خصوصیت نے غیر فانی بنا دیا۔ "بلبل سے خطاب" پڑھئے تو آپ کو یہ خصوصیت نمایان طور سے نظر آئے گی۔

اسی نظم مین آگے چل کر کہتا ہے :-

"اے غیر فانی پرندے تو مرنے کیلئے نہین پیدا ہوا تھا بھوکی مرنے والی قومین تجھکو پامال نکر سکین گی۔ آواز جو اس بھیگی ہوئی رات مین مین سن رہا ہون۔ پرانے زمانے مین بادشاہون اور فقیرون نے بھی سنی تھی۔ شاید یہی ترانہ روت کے دردمند دل تک پہونچا تھا جبکہ وہ پردیس کے کسی کھیت مین کھڑی ہوئی اپنے گھر کو یاد کر کر کے رو رہی تھی ...."

بہر حال کیٹس ہر چیز مین ایک ایسا عنصر دیکھ لیتا تھا جسکو ہر کوئی نہین دیکھ سکتا وہ ایک زبردست "حسن شناس" تھا اسنے خود ایک جگہ لکھا ہے "شاعر کے لئے حسن دوسری چیزون پر حاوی ہے بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ اس کی نگاہ مین حسن کے سامنے دوسری چیزین مٹ جاتی ہین"

طالب علمی کے زمانہ مین اگرچہ کیٹس کے متعلق یہ پیشینگوئی کی جاسکتی تھی کہ آگے چل کر وہ کوئی ممتاز ہستی ہوگا لیکن یہ کہنا دشوار تھا کہ ادبی دنیا مین وہ اپنی شخصیت کو اس طرح ابھار کر یادگار بنا جائے گا۔ اڈورڈ ہومز کا بیان ہے کہ مدرسہ کے ابتدائی دور مین "اسکو کتابون سے دلبستگی نہین تھی۔ اس کا میلان کشتی لڑنے کی طرف تھا۔ صبح دوپہر۔ شام ہر وقت کسی نہ کسی سے زور آزمائی کیا کرتا" مگر وہ اپنے دوستون مین بہت ہردلعزیز تھا۔ اس کا ہم جماعت کاؤڈن کلارک لکھتا ہے کہ وہ صرف اس لئے ہردلعزیز نہ تھا کہ کشتی اچھی لڑتا تھا بلکہ لوگ اس کی اس وجہ سے قدر کرتے تھے کہ وہ طبعاً امن پسند اور کمینے خیالات سے یکقلم بیگانہ تھا۔ خلاصہ یہ کہ پہلے کیٹس کا رجحان مطالعہ کی طرف نہین تھا اور نہ پیشتر سے اس کی امید کی جاسکتی تھی۔ اس کی دماغی بیداری دفعتہً اس وقت شروع ہوئی جبکہ وہ اپنے چودھوین برس مین تھا پھر تو اس نے اپنی طبیعت کا سارا زور کتب بینی کے لئے وقف کر دیا۔ لہو و لعب کی طرف سے اس کا دل پھر گیا۔ رات دن کتابون مین غرق رہنے لگا۔ یہان تک کہ کھانے کے وقت بھی وہ محویت کے عالم مین پڑھتا رہتا جیساکہ کاؤڈن کلارک نے لکھا ہے تاریخ

سفرنامے۔ افسانے۔ دواوین۔ کسی قسم کی کتاب ہو۔ وہ سب
یکسان شوق سے پڑھتا تھا۔ لیکن "ادبیات قدیمہ" مین وہ
ایک خاص لذت پاتا تھا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے لمپریرے کی "کلاسکل
ڈکشنری" اس کو قریب قریب بر زبان تھی۔

کیٹس کے رچے ہوئے مذاق اور صحیح معیار حسن کی ایک قوی
دلیل یہ بھی ہے کہ ابتدا سے اس کو یونانی زبان کے ساتھ عشق تھا۔
اور انفیلڈ کے نصاب تعلیم مین یونانی داخل نہ تھی۔ لیکن کیٹس خوش
قسمتی سے گھر پر لاطینی مین کافی دستگاہ حاصل کر چکا تھا جس نے
یونانی زبان مین اس کو کافی مدد دی۔ وہ استقلال اور سرگرمی
کے ساتھ یونانی مین مہارت پیدا کرتا رہا یہان تک کہ اس پر حاوی
ہوگیا۔ اس کا ثبوت اس کی نظمون سے مل سکتا ہے جن مین وہ جگہ
جگہ یونانی اساطیر سے حوالہ دیا کرتا ہے۔

اسی زمانہ مین اس کی مصیبتون کا آغاز ہوا۔ اس کا باپ ۱۸۰۴ء
مین گھوڑے سے گر کر مر چکا تھا۔ اب اس کی ماں جس نے دوسری
شادی کر لی تھی ۱۸۱۰ء مین مر گئی۔ اس وقت کیٹس کی عمر ۱۵ سال
کی تھی۔ ماں کی موت کے کچھ ہی دنون بعد اس کو اسکول چھوڑ کر ایک
ڈاکٹر اور جراح کے وہان جس کا نام ہیمنڈ تھا بحیثیت امیدوار کے
کام کرنا پڑا۔

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

لیکن ۱۸۱۶ء مین چند وجوہ سے اس نے اس کام کو ترک
کر دیا اور خود عطاری اور جراحی کا امتحان پاس کر کے اپنا ذریعہ معاش
نکال لیا مگر وہ جانتا تھا کہ اس کے شاعرانہ خیالات جو اس کو پرستان
کی سیر کرایا کرتے تھے اس کے موجودہ پیشے کے لئے کس قدر خطرناک ہین
اور کچھ دنون کے بعد تو اس کو یقین ہوگیا کہ وہ اس طرح زندگی بسر
کرنے کے لئے نہین بنایا گیا ہے۔ اس نے بعد کو اپنے دوست
چارلس براؤن سے بیان کیا "میری آخری جراحی وہ تھی جبکہ مجھے
ایک مریض کی شریان کھولنی پڑی تھی۔ مین نے اپنا کام نہایت خوبی
سے انجام دیا لیکن میرے دماغ مین جو کچھ گزر رہا تھا اس کا اندازہ
کرتے ہوئے میری کامیابی معجزہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کے بعد مین نے
پھر کبھی نشتر ہاتھ مین نہین لیا۔" اسی وقت سے اس کی شاعرانہ
قابلیت مین ابھار پیدا ہونا شروع ہوا اور اس کو معلوم ہوا کہ وہ
صرف شاعر ہو سکتا ہے۔

اس سے قبل کیٹس کاؤڈن کلارک کی بدولت اسپنسر کی
تمثیلی نظمون ("پریون کی ملکہ" وغیرہ) سے آشنا ہو چکا تھا۔ ان مین
اس کو لطف و انبساط کا کافی سامان ملا تھا۔ اب اسی دوست کے
وسیلے سے اس کا تعارف ہومر سے ہوا جو قدیم یونان کی رزمیہ
شاعری کا خدا سمجھا جاتا ہے۔ اور جو اس زمانہ مین "معاشرت کا علم"
کہلاتا تھا۔ کیٹس کی "صنم پرست" طبیعت نے "ایلیڈ" اور
"اوڈیسی" (ہومر کے رزمیات) مین ایک روحانی لذت پائی۔

پھر یہی کلارک کیٹس کے لئے ایک اور طرح سے برکت ثابت
ہوا۔ اس نے کیٹس کو لے ہنٹ (Leigh Hunt)
سے ملایا جو اس وقت شاعری، نثاری، تنقید اور سیاسی صحافت مین
اپنا رنگ جمائے ہوئے تھا۔ کیٹس طالب علمی ہی کے زمانے سے ہنٹ
کا معترف ہو چکا تھا اور برابر اس کا اخبار "اگزیمنر" (Examiner)
کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ ہنٹ حال مین دو سال کی قید پوری کر چکا تھا۔
اس لئے کہ اس نے اپنے اخبار مین چند ایسے مضامین شائع کئے تھے
جو اس وقت ولیعہد پر سراسر حملہ اور بیباکانہ اتہام سمجھے گئے مگر آج جن کے
متعلق سب جانتے ہین کہ وہ کہاں تک حق بجانب تھے۔ قید سے
رہا ہونے کے بعد اس نے ہیمپسٹیڈ مین ایک مختصر مکان لے کر
بود و باش اختیار کر لی۔ کلارک کیٹس کی چند غیر مطبوعہ نظمین لیکر ہنٹ

اس کے پاس پہونچا۔ ہنٹ نے ان کو بہت پسند کیا اور کلارک سے
فرمایش کی کہ ایک بار وہ اس نئے شاعر کو ضرور اپنے ساتھ لے آئے۔ اسطرح
کیٹس اور ہنٹ کی پہلی ملاقات ۱۸۱۶ء کے موسم بہار مین ہوئی۔ دونون
ایک دوسرے سے جلد بے تکلف ہو گئے اور پھر رفتہ رفتہ یہ بےتکلفی خلوص
ومحبت مین تبدیل ہو گئی کیونکہ دونون کے مذاق یکسان تھے۔ دونون
"خرافات یونان" اسپنسر اور چاسر کے دلدادہ تھے۔ دونون کو فطرت
سے اُنس تھا طبعی مناسبت نے رشتۂ اتحاد کو مضبوط کر دیا ہنٹ خود
کہہ گیا ہے کہ "شیلی کے بعد اگر مین کسی کی محبت کرتا ہون تو اس نوجوان
شاعر (کیٹس) کی"۔ اور شیلی کے ساتھ اس کو بے انتہا محبت تھی۔
کیٹس کے خیالات پر ہنٹ کی صحبت کا بہت اثر پڑا۔ وہ فرصت کا
زیادہ حصہ اسی کے ساتھ گزارنے لگا۔ اس نے اپنی چند نظمون کو اپنے
اس نئے دور زندگی کی طرف اشارے بھی کئے ہین۔ مثلاً ذیل کی
مختصر نظم کو لے لیجئے۔ اس مین اس نے اُن خیالات کو قلمبند کئے ہین
جو ایک رات ہنٹ کے مکان سے لندن واپس ہوتے ہوئے اسکے
دماغ مین آرہے تھے:۔

"ہوا کے تیز اور تند جھونکے اِدھر اُدھر خشک اور بے برگ
جھاڑیون مین سرگوشیان کر رہے ہین۔ ستارے آسمان مین ٹھٹھرے
نظر آتے ہین اور مجھکو پیادہ پا ابھی کئی میلون کی مسافت طے کرنا ہے
مگر مجھکو سرد ہوا کا یا پژمردہ پتیون کی وحشت انگیز کھڑکھڑاہٹ کا یا
آسمان مین جلنے والی طلائی شمعون کا یا اپنے سکون بخش مکان سے
دور ہونے کا بہت کم خیال ہے اس لئے کہ مین اس خلوص سے
سرشار ہون جو مجھے ایک چھوٹی جھونپڑی مین نصیب ہوا ہے۔
........"

اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ دونون دوست مقابلہ کے لئے ایک
ساتھ نظمین لکھتے تھے لیکن یہ مقابلہ کی طبع آزمائی محض دوستانہ
ہوا کرتی تھی۔ چشمک کا اس مین کوئی شائبہ نہ ہوتا تھا۔ اس تذکرہ
کو اتنی طوالت اس لئے دی گئی کہ پڑھنے والے کیٹس کی شاعرانہ
صلاحیت کا صحیح اندازہ کر سکین۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ کیٹس مین ضبط اور تحمل کا مادہ بہت کم
تھا اور وہ موسمی تاثرات عصبی سے بہت جلد مغلوب ہو جایا کرتا تھا
ہیڈن (Haydon) کیٹس کے ایک عزیز دوست نے
جیسی اس کی تصویر کھینچی ہے اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ کیٹس ایک
ہیجانی آدمی تھا۔ اس کے ثبوت مین وہ خطوط پیش کئے جاتے ہین
جو اُس نے اپنی محبوبہ فینی براؤن Fanny Brawne
کو لکھے ہین۔ فینی براؤن کو وہ چاہتا تھا اور پروانہ وار چاہتا تھا۔ اسمین
شک نہین کہ ان خطون سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر ہیجانی
کیفیت طاری ہے اور وہ بے قابو ہوا جا رہا ہے۔ مثال کے طور
پر ایک خط ملاحظہ ہو جو اس نے بیمار پڑنے سے کچھ دنون پہلے
لکھے تھے۔

تم نے مجھکو جذب کر لیا ہے۔ مین اسوقت ایسا محسوس
کر رہا ہون جیسے تحلیل ہوا جاتا ہون۔ تمکو جلد دیکھنے کی اگر امید نہ ہو
تو میری حالت بدتر ہو جائے۔ مین تم سے جدا ہو کر دور رہتے ہوئے
ڈرتا ہون۔ میری اچھی فینی کیا تمھارا دل کبھی نہین بدلے گا؟ ۔
میری پیاری کیا کبھی اس کا بدلنا ممکن ہے؟ میری محبت کی اب
کوئی انتہا نہین رہی تمھاری تحریر ابھی آئی ہے۔ مین تم سے دور
خوش نہین رہ سکتا۔ مجھے ہنسی مین بھی نہ دھمکاؤ۔ مجھے حیرت ہوا کرتی
تھی کہ لوگ مذہب کے لئے شہید کیسے ہو جاتے ہین۔ اب مجھکو بالکل
حیرت نہین ہوتی۔ مین خود اپنے مذہب کے لئے شہید ہو سکتا ہون
محبت میرا مذہب ہے مین اسکے لئے مر سکتا ہون۔ مین تمھارے لئے
جان دے سکتا ہون۔ محبت میرا حرم ہے اور صرف تم اُس کی

نصب العین ہو۔ تم نے مجھکو ایک ایسی طاقت سے تاراج کردیا ہے جسکا مین مقابلہ نہین کرسکتا تھا جب تک تمکو نہین دیکھا تھا۔ (ہر چیز کا) مقابلہ کرسکتا تھا۔ اور تمکو دیکھنے کے بعد بھی مین نے بارہا اپنی "محبت کی منطق" کے خلاف استدلال کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب ایسا نہین کرسکتا۔ اس کی تکلیف ناقابل برداشت ہے۔ میری محبت خودغرض ہے۔ مین تمھارے بغیر سانس نہین لے سکتا۔"

قبل اس کے کہ کیٹس کی زندگی کے اُس رُخ پر بحث کیجائے مختصراً اُس کا افسانۂ محبت بیان کردینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ فینی بران پہلی بار اس نے ۱۸۱۸ء کے آخر مین دیکھا اور اُس کی ساری ہستی اس عورت مین گھل کر رہگئی۔ چند ماہ کے بعد دونون منسوب ہوگئے لیکن کیٹس کے افلاس اور سقم صحت کی وجہ سے فوراً شادی ناممکن تھی۔ اضطراب اور انتشار کا دور شروع ہوا اور روز بروز کیٹس کو اپنی دائمی محرومی کا احساس تیز ہوتا گیا۔ یون تو ابتدا ہی سے اس کی تندرستی اچھی نہین تھی لیکن اس تازہ دُکھ نے اس کو مٹاکر جلد سے جلد لحد سے ہم آغوش کردیا۔ فینی کے ساتھ اس کو جیسی تباہ کن شیفتگی تھی اس نے اس کے متعلق بہت کافی غلط فہمی پیدا کر رکھی ہے میتھو آرنلڈ کی راے ہے کہ کیٹس کی ان عشقیہ تحریرون کو شائع ہوکر عوام کے سامنے نہ آنا چاہیے تھا لیکن اگر بائرن کے روزنامچون کی اشاعت مین کوئی ہرج نہ تھا تو بیشک یہ خطوط بھی بلا کسی وقع اعتراض کے شایع ہوسکتے تھے۔ آرنلڈ کا خیال ہے کہ "جو شخص ایسے جوش مین محبت نامے لکھے اس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی محبت مین ناکام رہنے کے لئے بنا ہے" تعجب ہے کہ معترض نے سیدھی سی بات کیون نہین کہدی کہ "جو شخص محبت مین اس طرح ناکام رہے وہی ایسے محبت نامے لکھے گا" یہ سچ ہے کہ ان خطون سے پایا جاتا ہے کہ لکھنے والے مین احساس خودداری اور وقار کی کمی ہے لیکن ہم کو اپنی راے ظاہر کرنے سے پہلے چند باتون پر غور کرلینا چاہیے۔

کیٹس کو بچپن سے مصیبتون کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ والدین سے محروم ہوجانا ایک ایسا جانکاہ حادثہ تھا جس نے اس کے اعصاب و جوارح کو ہلاکر رکھ دیا۔ پھر اسکو برابر بےچینیون سے سابقہ رہا۔ حال مین اس کو اپنے پیارے بھائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ اسی صدمہ مین اس نے اپنی ہردلعزیز نظم "بلبل سے خطاب" لکھی جسکے کچھ ٹکڑون کو ترجمہ کرکے ہدیۂ ناظرین کیا جاچکا ہے۔ یہان ایک ٹکڑا اور درج کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ اسوقت کیٹس کس عالم مین تھا بلبل کو مخاطب کرکے کہتا ہے:۔

"بہت دور اڑجا اور اس چیز کو یکسر بھول جا جسکو تونے پتیون مین رہکر کبھی نہین جانا یعنی زندگی کی تکان اور تپ اور امید و بیم کو۔ اس دنیا مین جہان لوگ بیٹھ کر ایک دوسرے کو کراہتے سنتے ہین جہان فالج (آخری عمر کے) باقی ماندہ سفید بالون کو گرا دیتا ہے۔ جہان شباب پیلا اور بھوت کی طرح لاغر ہوکر مٹ جاتا ہے۔ جہان سوچنا گویا الم ناکیون اور سنگین[1] مایوسیون سے لبریز ہوتا ہے جہان حُسن اپنی چمکیلی آنکھون کو برقرار نہین رکھ سکتا۔ اور نہ محبت کل (ایک دن) سے آگے اس کے لئے بیچین رہ سکتی ہے"

ان خیالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کیٹس اپنے پہلو مین کیسا دُکھا ہوا دل رکھتا تھا۔ اس پر فینی کی محبت نے اس کے زخمون کو اور بھی گہرا اور مہلک بنا دیا۔ اس کو جو کیٹس کی انفرادی کمزوری کہے وہ گویا کائنات کے وجود سے انکار کرنا چاہتا ہے۔

عشق پر زور نہین ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

---

[1] اسکی جگہ انگریزی مین "سیسہ کی آنکھون والی" لکھا ہے۔

یہ تو "قوت حیات" ([illegible]) کا ایک دورہ جو اپنا مطالبہ پورا کرکے رہیگا۔ کیٹس کی صحت پہلے سے روبانحطاط تھی اس کے اندر سلی مادہ موجود تھا جس کا اکثر دورہ ہوجایا کرتا تھا - اب جو اس کو ایک تازہ طوفان سے مقابلہ کرنا پڑا تو وہ بے قابو ہوگیا۔ اس کی رگون مین تشنج ہوا تو وہ اپنے کو سنبھال نہ سکا۔ ورنہ جانے محبت جیسی پاک اور لطیف چیز کو وہ کیا کرکے دکھا دیتا۔ ہان اس بات کو رکھنا چاہیئے کہ اُس نے اسی بُرے وقت مین شاعری کے بہترین نمونے پیش کیے ہین.

بحث طویل ہوگئی مگر شاید بیکار نہ تھی سکہنے کا مطلب یہ تھا کہ کیٹس بہ حیثیت ایک انسان کے" اور کیٹس بہ حیثیت ایک شاعر کے" دو جداگانہ ہستیان ہین۔ بہ حیثیت انسان کے کیٹس مین جتنی کمزوریان تھین اُن سے کہین زیادہ بہ حیثیت شاعر کے اسمین قوتین موجود تھین جو بہت حد تک مخفی رہگئین۔ وہ ایک جگہ اپنی کم مائگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے "مین کچھ نہین جانتا۔ مین نے کچھ نہین پڑھا ہے اور سلیمان کی ہدایت پر عمل کرونگا "عقل سیکھو۔ علم سیکھو" میرے لئے صرف ایک راستہ ہے اور وہ مطالعہ اور غور و تامل کا راستہ ہے مین اسی پر چلونگا "

افسوس کہ کمسنی کی موت نے اس کو اپنا عزم پورا کرنے کا موقع نہین دیا۔ وہ شاعری کے جوہر سے معمور تھا جو کما حقہ ظاہر نہو سکا وہ اپنی زندگی مین بہترین شاعر ہونا چاہتا تھا لیکن خود اپنے معیار پر وہ پورا نہ اُتر سکا۔

اب ہم کو کیٹس کی شاعری کے نمونے کو دیکھنا ہے اور یہ غور کرنا ہے کہ وہ کہان تک "شاعری کی اعلی مثالین" کہے جانیکی مستحق ہین۔ احباب کے اصرار سے ۱۸۱۷ء مین اس نے اپنی نظمون کا ایک مجموعہ شائع کرایا جسکا انتساب لے ہنٹ کے نام تھا۔ اسکی اشاعت اس کے دائرہ احباب سے باہر بہت کم ہوئی۔ اس مین شک نہین کہ ان نظمون مین وہ شاعرانہ کمال نہین پایا جاتا جو بعد کو کیٹس کو غیر فانی بنانے والا تھا لیکن اُن سے کیٹس کے متعلق امیدین قائم کی جاسکتی تھین یعنے وہ ایک ہونہار شاعر معلوم ہوتا تھا۔ اس مجموعہ مین سب سے طویل نظم "خواب اور شاعری" ہے جو ایک خاص اہمیت رکھتی ہے اس لئے کہ اس سے کیٹس کے مذہب شاعری پر کافی روشنی پڑتی ہے جو ٹکڑے مین یہان پیش کر رہا ہون ان کو سمجھنے کے لئے اس بات کو ذہن مین رکھنا چاہیئے کہ انیسوین صدی کے آغاز مین انگریزی شاعری مین جو انقلاب پیدا ہوا جسکے سربرآوردہ نمائندے ورڈسورتھ اور کولرج تھے وہ اس مصنوعی شاعری کا سخت مخالف تھا جو اٹھارہوین صدی کے آخر مین پوپ اور اس کے متبعین کے ہاتھون جڑ پکڑ چکی تھی۔ اب عام طور پر عروض کی رسمی اور غیر ضروری پابندیون سے مخالفت پیدا ہو چکی تھی۔ ہر شخص کو اختیار ہوگیا تھا کہ جو جذبات اس کے دل مین پیدا ہون اُن کو بیساختگی کے ساتھ "ا" ہر کردے۔ کیٹس کی "خواب اور شاعری" مین اسکی کافی جھلک موجود ہے۔ زمانہ کی شکایت کرتے ہوئے کہتا ہے :-

"کیا انسانیت کی موجودہ طاقتون کے حدود اس قدر تنگ ہین کہ تخیل آزادی کے ساتھ پرواز نہین کرسکتا جس طرح اگلے زمانہ مین کیا کرتا تھا۔ (یعنی) اپنے سمند کو تیار کرے سورج کی روشنی پر دھاوا کرے اور بادلون مین انوکھے کرتب دکھائے؟ کیا اس نے یہ سب کبھی دکھائے نہین ہین ؟

اپریل یا مئی ۱۸۱۷ء مین کیٹس نے ایک طویل نظم "اندیمیان" شروع کی جو نومبر مین مکمل ہوگئی۔ یہ ایک تمثیلی نظم سمجھی جاتی ہے خود کیٹس کا خیال ہے کہ اس نظم مین بہت ناکامیاب رہا ہے اور اس مین بیشمار ایسی خامیان موجود ہین جو ذوق سلیم کو گران گزرتی ہین۔ لیکن

حقیقت یہ ہے کہ باوجود خامیون کے "اندیمیان" تاثرات کا گنجینہ معلوم ہوتی ہے - زمانہ کی قدر شناسی دیکھئیے کہ کیٹس کے ہم عصر تبصرہ نگارون نے نہایت جارحانہ تنقیدین لکھین اور کیٹس کو تمسخر و استہزا کا مرکز بنایا ایک گمنام مبصر نے تو یہان تک لکھدیا کہ "بھوکا عطار ہونا بھوکا شاعر ہونے سے بہتر - لہذا مسٹر کیٹس تم پھر اپنی دوکان مین لگ جاؤ پھر "ضماد و حبوب" کا کام سنبھالو ...."

اس نظم کو عرصہ کے بعد کما حقہ مقبولیت حاصل ہوئی - اس کا ماخذ "اساطیر یونان" کا ایک افسانہ ہے جس مین "اندیمیان" کی محبت چاند کی دیوی "سلینی" یا "دائنا" کے ساتھ دکھائی گئی ہے - اس تمثیل سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ہماری روح تخئیلی حسن کیلئے بیتاب رہتی ہے اور مشکل سے اس تک پہونچ سکتی ہے - نظم مین بے ربطیان کثرت سے ہین بعض مقامات پر تو سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے باایں ہمہ اسمین ایسے ایسے ٹکڑے ہین جو ادبیات کے اعلی نمونے تسلیم کئے جا چکے ہین - مثلاً -

"حسین چیز ایک ابدی مسرت ہوتی - اس کی دلکشی بڑھتی رہتی ہے - وہ کبھی فنا مین تحلیل نہین ہوتی - بلکہ ہمارے لئے ایک سکون کنج اور راحت فزا نیند ہمیشہ مہیا رکھتی ہے جو شیرین خواب تندرستی اور اطمینان کی سانسون سے معمور ہوتی ہے ...."

یہ ٹکڑا ضرب المثل ہوگیا ہے - شاید ہی کوئی ایسا ہو جو کیٹس کو جانتا ہو اور "اندیمیان" کی ان سطرون کو نہ جانتا ہو -

"اندیمیان" ختم کرنے کے بعد ہی اس نے ایک دوسرا منظوم افسانہ "اسابیلا" لکھنا شروع کیا - ابکی بار اسکو امید سے کہین زیادہ کامیابی ہوئی - وہی تبصرہ نگار جو "اندیمیان" کے ساتھ اسقدر ظلم کر چکے تھے "اسابیلا" کو شاہکار ماننے پر مجبور ہوئے اور اس سے انکار نہین کیا جاسکتا کہ کیٹس ابتک اپنے لطیف جذبات اور گہرے خیالات کو اس کامیابی کے ساتھ الفاظ کا جامہ نہ پہنا سکا تھا اسی سلسلہ مین اس نے چھوٹی بڑی اور بھی کئی نظمین لکھین مثلاً "تخیل" "لامیا" "سینٹ ایگینز کی شام" وغیرہ -

اب اس نے دوسری نظم شروع کی جسکا عنوان "ہائیپریان" ہے - اس کا ماخذ بھی "اساطیر یونان" ہے "ہائپیریان" غیر مکمل رہگئی کیٹس کی صحت مایوس کن تھی اور وہ اس نظم کو اسطرح ختم نہ کرسکا جسطرح اس نے شروع کیا تھا - تاہم بعض نقادون نے "ہائیپریان" کو الہام قرار دیا ہے -

کیٹس کی زندگی کے آخری دن قریب ہوتے جاتے تھے - لحد اپنی آغوش پھیلائے ہوئے اس کے لئے بیتاب معلوم ہوتی تھی اور وہ روز بروز اس سے نزدیک تر ہوجاتا تھا - یون تو اسکو نزلہ اور "ورم حنجرہ" کی شکایت مدتون سے تھی لیکن فروری ۱۸۲۰ء مین اس کی بیماری نے خطرناک صورت پکڑلی - اس کے پھیپھڑون سے جریان خون شروع ہوگیا - کیٹس اپنی موت کے آثار پہچان گیا - اس نے اپنے دوست براؤن سے کہا "مین خون کا رنگ پہچانتا ہون - یہ شریانی خون ہے - مجھے رنگ کا دھوکا نہین ہوسکتا - یہ خون میری موت کا پروانہ ہے - اب مجھے مرنا ہے" اس نے آب و ہوا تبدیل کی جس کا اثر یہ ہوا کہ وقتی طور پر اس کو کچھ آرام مل گیا - لیکن تھوڑے عرصہ بعد اس کی حالت بدستور ہوگئی اور وہ ہیمپ اسٹد واپس آیا جہان فینی براڈن اس کی تیمارداری کرنے لگی - اب ڈاکٹرون نے کہا کہ انگلینڈ مین دوسرا جاڑا گزارنا اس کے لئے مہلک ہوگا کیٹس جینے سے مایوس ہوچکا تھا - تاہم قسمت آزمائی کرنے کے لئے وہ ۱۸ ستمبر ۱۸۲۰ء کو اٹلی روانہ ہوا - جہاز پر اس نے وہ مختصر نظم لکھی جو اسکی "آخری نظم" کے نام سے مشہور ہے - اسمین ستارون کو مخاطب کرکے اس نے اپنی حسرتون کا اظہار کیا ہے کہ کاش جسطرح تمھاری زندگی

مستقل اور پائدار ہے اسی طرح میری زندگی بھی ہوتی اور مین یا تو ہمیشہ اپنے محبوب کی آغوش مین ہوتا یا بیخودی کے عالم مین مرجاتا۔

اکتوبر مین وہ اپنے ایک رفیق جوزف سورن کے ہمراہ نیپلز پہنچا۔ فینی کی یاد اس کے دل مین ٹیسین پیدا کر رہی تھی جو سکرات کی ٹیسون سے بھی زیادہ جانگسل تھین۔ اس نے براؤن کو جو خط لکھا تھا اس مین اکثر جملے ایسے نکل گئے ہین جن کو پڑھ کر ناظرین کی آنکھین نم ہو جائینگی غیر ارادی طور پر لکھتا ہے:۔

"مین موت برداشت کر سکتا ہون لیکن اس سے جدا ہونا نہین برداشت کر سکتا۔

...... یا اللہ! یا اللہ! یا اللہ! میرے صندوق کے اندر تمام وہ چیزین ہین جو مجھے اس کی یاد دلاتی ہین میرے دل سے بھالے کیطرح پار ہو جاتی ہین۔ میری سفری ٹوپی مین اس نے جو استر لگایا تھا وہ میرے سر کو جلا رہا ہے" فینی کی چلتی پھرتی تصویر ہر وقت کیٹس کی آنکھون کے سامنے رہتی تھی۔ چنانچہ اسی خط مین آگے چلکر لکھتا ہے۔

"مین اسکو دیکھ رہا ہون۔ اُس کی آواز سن رہا ہون...... براؤن میرے سینہ کے اندر انگارے ہین۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ انسان کا دل اس قدر دکھ کی بھی تاب لا سکتا ہے"

دوران سفر مین اسنے اپنے ساتھی سے اپنی اصلی حالت چھپانے کی پوری کوشش کی مگر روم پہونچکر حقیقت حال چھپ نہ سکی۔ جریان خون پھر شروع ہوا۔ ہر وقت تپ رہنے لگی جس نے اسکی حالت کو اور بھی قابل رحم بنا دیا۔ رفتہ رفتہ اس کے دماغ کی پراگندگی مین کمی ہو گئی وہ موت سے مانوس ہو چلا تھا۔ اور اب "سکون لحد" کا بیتابی کے ساتھ انتظار کر رہا تھا۔ ایک دن اس نے کہا "مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ مجھ پر پھول اُگ رہے ہین" اس سے پیشتر وہ اپنے ہم سفر سورن سے کہہ چکا تھا کہ "میری زندگی کی سب سے بڑی مسرت یہ ہے کہ پھولون کو پروان چڑھتا دیکھون۔ اس مین شعریت کے لئے بے انتہا طمانیت کا سامان موجود ہے"

۲۳ فروری ۱۸۲۱ء کو کیٹس اس دنیا سے رخصت ہو گیا اس وقت اس کی عمر ۲۶ سال کی تھی۔ اسی کے ساتھ اُن تمام امیدون کا بھی خاتمہ ہو گیا جو دنیائے شاعری کو اس سے ہو سکتی تھین اگر وہ اس قدر جلد نہ مرجاتا تو کون جانتا ہے کہ انگریزی شاعری مین کیسے کیسے بیش بہا موتیون کا اضافہ ہو جاتا۔

اس سے انکار نہین کہ کیٹس کی صحت ابتداء سے خراب تھی اور اسکی موت کا سبب دق یا سل ہوا لیکن اگر یہ نہ ہوتا تو بھی اس کو فینی کے ساتھ ایسی شیفتگی تھی کہ اس کی آغوش سے جدا رہ کر اپنی زندگی کا بوجھ ہرگز نہ برداشت کر سکتا۔ وہ اُن لوگون مین سے تھا جو اپنے جذبات ایک مرکز کو مخصوص کر لیتے ہین جس سے علٰحدہ ہو کر وہ دنیا کا کوئی کام نہین کر سکتے۔ اپنی محبت مین کامیاب ہونا کیٹس کو محال نظر آرہا تھا۔ اس لئے اس نے احساس ناکامی کو محو کرنے کے لئے موت کو غنیمت سمجھا۔

وصلے می باید و صبرے کہ آرد تاب دیدارش
فغانی گر دلے داری تو باش اینجا کہ من رفتم

مجنون گورکھپوری

شاعر

(از جناب ارشد تھانوی)

جس قدر انسان پر ہوتی ہین طاری حالتین
ہو نہین سکتی بیان ہرگز وہ ساری حالتین

واسطہ اُنکو نفی سے ہے نہ کچھ اثبات سے
ہے تعلق بعض نامعلوم ادراکات سے

لمس کرتا ہے فقط احساس نہانی انہین
اور دیتا ہے ترقی ذوقِ روحانی انہین

مستتر ہوتی ہے جو پاکیزگی جذبات مین
وسعتین کرتی ہے پیدا اور اپنی ذات مین

اِک فراوانی بے پایان مین کھو جاتا ہے دل
اپنی شخصیت سے بھی بیگانہ ہو جاتا ہے دل

بیخودی یا وجد یا جو کچھ بھی کیفیت ہی یہ
کچھ نہین ہے صرف محویت ہی محویت ہی یہ

اِن لطائف کی زبان سے ترجمانی ہو تو کیا؟
گفتگو مین ربطِ الفاظ و معانی ہو تو کیا؟

بے زبانی اسکو کہہ سکتے ہین خاموشی نہین
ہے تسکر ہی تسکر، خود فراموشی نہین

ناطقہ مجبور ہے تصریح و تفصیلات سے
کام چل سکتا نہین تشبیہ و تمثیلات سے

اندرونیات کا اظہار ممکن ہی نہین
منشرح ہو جائین یہ اسرار ممکن ہی نہین

ہان، فقط اک شخص جو اونچا ہی سطح عام سے
جسکو قدرت نے مدد دی قوتِ الہام سے

اِن حقائق کا اگر کوئی مبصر ہے تو وہ
اِن معارف کا اگر کوئی مفسر ہے تو وہ

ہے لبِ **شاعر** پہ جو، ہر قلب مین مستور ہو
"شاعری جزو یست از پیغمبری" مشہور ہو

فلسفی

(از جناب محمود بریلوی)

۱

"سلیم" فطرتاً دوربین، مستغنی صفت اور بلا کا مستقل مزاج واقع ہوا تھا، وہ تحیّر انگیز و تعجب خیز حد تک ضبط و تحمل کا حامل، غور و خوض اطمینان و امتنان و فلسفیانہ طریقۂ کار کا عامل تھا۔ دنیا کا کوئی عقدۂ لاینحل، دقیق ترین مسئلہ و عظیم ترین حادثہ اُس پر فکر و تشویش عارض نہ کر سکتا۔ وہ نفسیات کا عالم تھا اور رد و رز زندگی کے ہر شعبہ کا دقیق مطالعہ کر چکا تھا، چنانچہ ہر شے کے عمق مین غوطہ لگا کر اُسکی دشوار گہرائیون سے عہدہ برآ ہونا اُسکی دلچسپی کا ایک خاص مشغلہ ہوتا۔

ایک پُرفضا شام کو جبکہ مہر عالمتاب کی خونچکان و زرتار شعاعین ساحل بحر کے صاف و شفاف پانی نہا نہا کر نکھر رہی تھین۔ ملحقہ باغات سے صبا سے نکہت سبزہ و شمیم عطر آگین، ساحل چوپاٹی کو بھی مختلف خوشبوؤن مین ملفوف کئے ہوے تھی۔ آفتاب چادر مغرب مین روپوش ہو رہا اور اپنی آخری ضوپاشیون سے ساحل کی عطر بار فضا کو متلاطم کئے دے رہا تھا۔ اہل مذاق و فطرت پرست تماشائیون کی نگاہین سطح بحر کی مذبذب موجون پر پھسل پھسل کر سنبھل رہی تھین اور اُنکے دل، ساحل مرغزار پر سرگرم خرام حسین و نازنین پریزادون کی رنگین ساریون کی شکنون مین مستور رہنا چاہتے تھے۔ ایسے وقت کہ دن کی روشنی پر شب کی سوگوار تاریکی مستولی ہوتی جاتی تھی۔ جبکہ تصنع پرست و خودنما دوشیزگان حُسن فروش کے متنوع آرایش نے فضاے لطیف مین ایک تہلکہ بپا کر رکھا تھا اور اپنی مست خرامی سے سبزہ کے ہمراہ صدہا نوزائیدہ دلون کو پائمال ...... ایک موٹر نصد اسے مہیب کچھ فاصلہ پر آکر رُکی اور سلیم اپنے حبیب و دست رفعت کا ہاتھ پکڑے ہوئے اِس جلوہ گاہ حسن و ادا مین داخل ہوا۔ وہ متنوع دلچسپ مناظر و مشاہدات مین گم خرامان خرامان ٹہلتا ہوا نزدیک پڑی ہوئی ایک آہنی نشستگاہ (بنچ) پر اس حال مین آکر بیٹھ گیا کہ اُسکی آنکھون نے یہ بھی نہ دیکھا کہ اُسکا ہم نشین کوئی اور بھی ہے!

"فرزانہ" جو دیر سے اِس بنچ کے آخری حصہ پر بیٹھی ہوئی فطرت کی اعجاز آفرینیون مین محو تھی، ہر دو اجنبی اشخاص کی آمد پر ایک لمحہ کے لئے اپنی نگاہ اوپر اُٹھائی اور سرسری جائزہ نظر کے بعد پھر اپنی مسرتون مین ڈوب گئی۔

. . . . . .

"سلیم" بدستور اپنے دلچسپ تخیلات مین مستغرق رہا۔ حتّٰی کہ "رفعت" نے جو عادات و خصائل کے لحاظ سے سلیم کا متضاد واقع ہوا تھا اور اُسی قدر پُرگو و ظریف تھا، جسقدر سلیم کم گو اور متین، بے لطفی سے ایک جماہی لی اور اِس طویل سکون و جمود سے عاجز آکر سلسلۂ کلام یون جاری کیا۔

"پیارے سلیم! ہم بھی کس قدر بدذوق ہین، بمبئی مین رہتے ہین، ساحل چوپاٹی پر روزانہ تفریح کرتے ہین لیکن حسن و محبت کی فراوانی سے کوئی استفادہ حاصل نہین کرتے۔ تم "ناشغل" کو دیکھتے ہو! وہ ...... سامنے ...... باجہ گھر کے پاس، اب بھی "فیروزہ" ایک مشہور و حسین رقاصہ سے سرگرم اختلاط ہے۔ ظالم کا کوئی لمحہ حُسن پرستی و تجربات الفت کی تکمیل سے خالی نہین گذرتا۔

ہر متعفنہ آوارۂ محبت، حُسن کی ایک جوان تتلی کو اپنی الفت کے دام مین گرفتار کرلیتا ہے اور اپنی زندگی کے کسی وقفہ کو دلچسپ بنانے سے نہین چوکتا۔ اُسکا قول ہے کہ "ان تمام بدذوق اصحاب کے خلاف مین نے زندگی کا مقصد اعلیٰ تحصیل کرلیا ہے، چنانچہ دَورِ حاضرہ کی ارزان عشرت رانیون سے مستفید ہونے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہین کھوتا۔

"سلیم" نے "رفعت" کی گفتار پر کسلمندانہ انگڑائی لی اور اپنے منتشر خیالات کو مجتمع کرنے لگا اُس نے نہایت لاپرواہی سے ایک مرتبہ چہار سو نظر ڈالی اور جوابًا کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اُسکے باصرونے اُسی نشستگاہ پر ایک دوسرے وجود کا انکشاف کیا اور کچھ عرصہ کے لئے اُسکی حیرت و تعجب کی انتہا نہ رہی۔ سلیم و فرزانہ نے ایک دوسرے کو معنی خیز و عمیق نگاہون سے مطالعہ کیا اور یہ دلچسپ مظاہرہ چند لمحات پر مشتمل ہوکر ختم ہوگیا۔

کسی شاعر کے نقطۂ نظر سے دو عاشق مزاج نوجوان ہستیون کا باہمی تصادم نگہ طرفین کے دلون پر محبت کامل کے سنگین نقوش مرتسم کردینے کا حامل ہے اور وہ محبت حقیقی معنی مین محبت نہین جو بتدریج ترقی پذیر ہونے کی محتاج ہو،

مگر ہم اِس مسئلہ مین ذرا تنگ خیال واقع ہوئے ہین اور محبت کے نظریہ کو اس قدر سریع التاثیر نہین مانتے، یہ اقوال تو درحقیقت حضرات شعرا کے اختراع دماغ کا نتیجہ ہین اور بس!

فرزانہ نازک طبع خوددار و سنجیدہ ذکی الحس واقع ہوئی تھی واقعات جس قدر سنگین ہون مگر اظہار تمنا، باللسان ہو یا بذریعہ سکنات، اُسکی نظر مین اعتراف شکست کا مرادف تھا جسکو وہ کبھی آسانی سے قبول نہ کرسکتی تھی۔ ہم یہ ثابت کرنے کی کوشش تو نہین کرتے کہ فرزانہ بلحاظ خصوصیات سلیم کا پرتو تھی، تاہم یہ مسئلہ امر ہے کہ اُسنے سلیم کو بازدم کا موقع نہ دیا اور صنعت سے دیگر ملاحظات مین محو ہوگئی۔

سلیم کی سُرمگین آنکھون مین ہیجان کیف اور نگاہون مین تابش رقص پیدا ہوگئی تھی اُسنے فرزانہ کی طرف ایک مجذوبانہ نظر ڈالی اور محسوس کیا کہ فرزانہ ایک نوع کا ارتعاش مستور کرنے کی کشمکش کر رہی ہے، بہرکیف وہ پھر کسی اہم مگر پُرپیچ و مضطرب خیال کی گہرائیون مین کھوگیا۔

رفعت نے چند ساعت تک انتظار کیا اور پھر سلیم کے شانہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھنجھلاکر بولا۔

"بھئی۔۔۔ سلیم! توبہ۔ عجیب محویت ہے۔ کوئی کچھ بکا کرے مگر تمہاری سماعت ملتفت نہین ہوتی، آخر کس مخمصۂ خیال مین مبتلا ہو؟"

رفعت کی آواز سلیم کے لئے منافی لذاتِ تخیل ثابت ہوئی وہ یکایک چونک پڑا، متوحش نظرون سے اُس نے رفعت کیطرف دیکھا اور پھر اپنے جذبات خفی کو پنہان رکھنے کی کشمکش کرتے ہوئے اور اپنے افسردہ لبون پر مصنوعی ابتسام مرتعش کرتے ہوئے بولا رفعت۔ تم مجھے معاف کرنا، مین اِس وقت ایک نہایت اہم اور عمیق خیال مین گم تھا۔"

رفعت اُسکے چہرہ کے تغیرات کو بغور مشاہدہ کرتا ہوا بولا۔

"سلیم۔۔۔۔ تم اور کسی اہم خیال کی اُلجھن۔۔۔۔ یقین نہین آتا کہ "کوئی پریشانی ایسی بھی ہے جو تمہاری دلچسپیان غصب کرنے کی متحمل ہوسکتی ہے۔" "پریشانی اور اُلجھن" سلیم نے منغص ہوکر کہا۔

رفعت۔۔۔۔۔! پریشانی کیا چیز ہے اور اُلجھن کیا شے؟ کم از کم میرے نظریہ مین تو دنیا کا کوئی حادثہ تکلیف دہ نہین جبتک کہ اُسے محسوس نہ کیا جائے! مگر ہان۔۔۔ وہ تم نے پیشتر کیا کہا تھا۔ "محبت"۔۔۔۔۔ "عورت"۔۔۔۔۔ "حسن"! کچھ اسی قسم کے

الفاظ تھے نا ؟"

اُسنے اتنا کہا اور فرزانہ کی جانب کج نگاہی سے ایک مرتبہ اور نظر کی جو سلیم و رفعت کے دلچسپ مکالمہ کو سُننے کے لئے گوش بر آواز تھی۔

رفعت نے جواب دیا۔ "ہان ...... مین نے یہی کہا تھا کہ محبت فطرت کا ایک بیش بہا عطیہ ہے اور حُسن پرستی ذوق کامل کا لوازمہ، بڑا بدقسمت ہے وہ، جو ایسی لطیف فضا مین رہکر ان نعمتون سے بہرہ ور نہ ہو"

سلیم نے رفعت کی تقریر کو تحمل و اطمینان سے سُنا اور یون گویا ہوا۔

"رفعت! تم نے کیا کہا ؟ محبت محبت ' آخر محبت کا تمہاری نظر مین کیا معیار ہے ؟ کیا کوئی شخص اس دُنیا مین کسی شعلہ رو سے پُرخلوص و بے غرض محبت کر رہا ہے ؟ ناممکن۔ مین تو دلدادگانِ حُسن و مدعیانِ محبت کے پُرفریب و جعلی دعاوی کو سُنتے سُنتے عاجز ہوگیا ہون۔ مجھے نفرت ہوجاتی ہے اُس شخص سے جسکو مین سُنتا ہون کہ وہ کسی سے محبت کر رہا ہے" کیونکہ مین خوب واقف ہون کہ یہ بدمذاق اِس لطیف شے کو اپنے رکیک خیالات و مبتذل حرکات کا آئینہ بنائے ہوے ہین۔ چنانچہ فی زمانہ مین تو محبت کو بوالہوسی سے زیادہ وقیع نہین سمجھتا۔ بلکہ ایک ایسا سطحی لفظ جانتا ہون جسکے کوئی معنی نہین، مگر یہ کہ اُسکی آڑ مین آپ بہت سی لغویات و مہملات کے عامل و مرتکب ہو سکتے ہین اور بس! چنانچہ مجھے تو اسکے نام سے انتکراہ پیدا ہوتا ہے۔ ؎

ہر بوالہوس نے حُسن پرستی شعار کی   اب آبروے شیوۂ اہلِ نظر گئی

اور ہان ...... یہ تو بتاؤ کہ کیا، اِس پُرآشوب زمانہ مین کوئی ایسی عورت ہے جس پر ہم اعتماد کر سکین یا جسکو اپنی پُرخلوص محبت کا اہل سمجھین ؟ کیا عورت ...... بیوفائی کا مجسمہ، مکروفریب کا جال، افترا پردازی کا ہیولیٰ، مصنوعات کی شیدا اور فطرت کی ایک ناکارہ شے کسی سے پیمانِ محبت جوڑ کر اُسکو آخر تک بحسن تکمیل نبھا سکتی ہے ؟

سلیم بہت پُرجوش ہوگیا تھا اُسکے چہرہ سے نفرت و تحقیر کے آثار ہویدا تھے وہ اپنی سانس کو قائم کرنے کے لئے ساکن ہوگیا۔

فرزانہ نے اپنے نازک جسم کو ایک خفیف جنبش دی۔ اُس نے ایک سرد و طویل سانس لیا مگر رُکتا ہوا اور غیر محسوس! رفعت نے دیکھا کہ حسین ہمجلیس نے ریشمی ملبوس کے اندر، مضطربانہ انداز سے اپنی نازک اُنگلیان سینہ مین چبھولین اور صبر آزمائی کی ایک عظیم کشمکش مین مبتلا نظر آنے لگی۔

اِس امر کے آزادانہ اظہار مین کہ سلیم فطرت کی طرف سے جیسی عجیب و غریب فلسفیانہ سرشت و سیرت لیکر آیا تھا اُسی طرح وہ حُسن صوری و معنوی سے بھی مستغنی تھا ہمین تکلف ہوتا اگر یہ معلوم ہوتا کہ چند حسین و ذکی الحس ہستیان اسکے مطالعہ کے بعد رشک سے پُر ہو جائنگی۔ غالباً آپکی تہذیب یہ سُننا گوارا نہ کرے کہ جنس لطیف کا شاید کوئی فرد ایسا ہو جسکے سینہ مین ایک متحرک۔ جوان و حساس دل ہو، اور وہ سلیم کی مخمور و متکیف آنکھون، کمال شباب کی رنگینیون سے تابندہ رخسارون تبسم ریز لبون اور ایسے قد موزون کا نظارہ کرکے جسکو قدرت نے سانچہ مین ڈھالا ہوا تھا اپنا دل بے داغ و سلامت لیجائے ؟ چنانچہ اگر ہم یہ کہدین کہ فرزانہ سلیم کی فریفتہ و گرویدہ ہو چکی تھی تو غالباً بے محل و قبل از وقت نہوگا۔ تاہم اسکے دماغ مین سلیم کی سخت گفتگو کا ایک ایک حقارت آمیز و ہتک پرور فقرہ التہاب پیدا کر رہا تھا اور دل خواہش انتقام کے پُرغیظ خیالات! حقیقتاً کوئی ذی فہم عورت اپنی جنس کی ایسی صریحی توہین

کسی طرح برداشت نہین کرسکتی چنانچہ اُس نے نہایت آہستہ کہا بلکہ غیر مسموع کہ " اے خود فراموش و دل آزار شخص - تو واقف نہین کہ ایک عورت کا انتقام، انتقامِ قدرت کی طرح اٹل ہوتا ہے -

اگر آپ کا روے استفسار ہماری جانب ہو تو تجربہ نے یہ بتا دیا ہے کہ درحقیقت عورت محبت مین گرفتار ہو کر بھی اپنی جنس سے متعلق کوئی کربہیہ دلآزار فقرہ یا بات سُننے کی متحمل نہین ہوسکتی خواہ متکلم اُسکا دلبر ہی کیون نہو!

فرزانہ خاموشی سے رفعت کے جواب کا انتظار کرنے لگی اور رفعت ایک ہلکے قہقہے کے بعد جس سے مقصود سلیم کے پُر جوش دعوے کا مضحکہ اُڑانا تھا یون گویا ہوا -

" آخر آپ صنفِ نازک کے اِس قدر کیون مخالف ہین؟ کاش آپنے اسکا تجربہ کیا ہوتا کہ محبت کیا شے ہے؟ اور نیز یہ کہ عورت دنیا مین محبت کرنے اور کئے جانے کے لئے ہی آئی ہے، نہ کہ آپکے بیان کے موافق انسان کے لئے سامان مصائب بن کر!"

رفعت ساکن ہوا، اُس نے فرزانہ کی طرف ایک تجسسانہ نظر ڈالی اور پھر یون گویا ہوا -

" سلیم ——— تمہین ناگوار تو ہوگا مگر سچ پوچھو تو بعض اوقات تم نہایت کج خلق - خطرناک، اور تمہاری گفتگو بیحد دلآزار ہوجاتی ہے - عقلمند! کم از کم اتنا تو کیا کرو کہ جب تم کسی کو ہدفِ سہامِ ملامت بنایا کرو تو گردوپیش نظر کرلو، اِس غرض سے کہ آیا تمہاری غیر لطیف گفتار کے کربہ و دل شکن فقرات کسی دیگر متعلق شخص کی سماعت تک پہونچکر اُسکے لئے باعثِ تکلیف تو نہین ہوتے!"

رفعت خاموش ہوگیا مگر اپنی متلاشی نظرون سے فرزانہ کے احساسات کا جائزہ لینے لگا - سلیم نے قدرے محجوب ہو کر ایک مرتبہ فرزانہ کو بغور دیکھا اور کہنے لگا -

" مجھے معلوم نہ تھا کہ ایک عرض واقعی کسی کے لئے تکلیف دہ ہوسکتی ہے اگر ایسا ہے تو مین اپنے الفاظ واپس لینے کو تیار ہون!"

سلیم کا فقرہ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ فرزانہ بول اُٹھی،

ٹھہرئیے ——— حضرت ——— ایسا نہ کیجیے! آپکی دلچسپ گفتگو کے مزیدار فقرات ابتک میری سماعت مین گونج رہے ہین - آپ جنسِ عورت کی تنقیص مین جسقدر کہہ سکتے ہین کہئے، مگر یہ خوب سمجھ لیجئے کہ ایک عورت کہتی کچھ نہین مگر کر کے بہت کچھ دکھا دیتی ہے، آپ محبت کا ذکر کرتے ہین - کاش آپ عورت کے جذبات اور اُسکی طلسمی شخصیت کے ادراک سے بہرہ مند ہوتے' یہ صحیح ہے کہ عورت آپسے محبت نہین کرسکتی کہ آپ اُس سے محبت کرتے ہین، بلکہ عورت محبت سے محبت کرتی ہے!!"

[illegible] فرزانہ [illegible] چہ پائی کی متلاطم فضا پھر ساکن و خاموش سلیم نے یکایک اپنی نظر اوپر اُٹھائی اور " اُف بہت دیر ہوگئی " کہکر اُٹھ کھڑا ہوا - اُس نے خواہشِ عفو کے مروج و زمانہ ساز الفاظ کا اعادہ کرتے ہوئے فرزانہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا جسکا خاموشی کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا اور دوسرے دن [illegible] وقت [illegible] دوبارہ ملنے کا وعدہ لیکر طرفین اپنی اپنی سواریون کی طرف رجوع ہوئے!

سلیم بظاہر رفعت کے ہاتھ مین ہاتھ ڈالے ہوئے موٹر مین سوار ہو رہا تھا مگر حقیقتاً وہ ایک عجیب سرگرانی مین مبتلا تھا اور اُسکا دل فرزانہ کے اُن فقرات کا بار بار اعادہ کر رہا تھا کہ " مرد عورت سے محبت کرتا ہے، مگر عورت محبت سے محبت کرتی ہے!!"

(۲)

صبح کا کھانا کھا کر سلیم اپنے کمرۂ استراحت مین بغرضِ قیلولہ گو بستر پر دراز تھا مگر اپنے دل کے اندر وہ ایک قسم کا خلا محسوس کر رہا تھا اور اپنی طبیعت کو مضمحل و بے چین، گزشتہ شام کی - ساحلِ بحر پر

آزاد تفریح اور فرزانہ کی ملاقات کے اثرات اُس پر اپنا کافی اثر ڈال چکے تھے، کچھ عرصہ تک وہ یونہی پڑا رہا۔ آخرکار کروٹ بدلی اور شغل بے شغلی کے طور پر الماری میں سے ایک انگریزی ناول نکال کر مطالعہ کی غرض سے اُسکو وا کیا چاہتا تھا کہ یکایک قریب کی میز سے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور سلیم نے بستر پر لیٹے ہی لیٹے آلۂ سماعت اپنے کان سے لگالیا۔

کسی نے دریافت کیا "آپ کا نمبر ——— ؟"

سلیم نے نہایت لاپرواہی سے جواب دیا ۱۴۰۳

دوبارہ آواز آئی۔

"کیا میں آپکا اسم شریف دریافت کرنے کی جسارت کرسکتی ہوں؟"

سلیم صنف نازک کے تخاطب پر چونکتا ہوکر بولا۔

"میں ——— مجھے سلیم کہتے ہیں!"

چند لمحہ سکوت طاری رہنے کے بعد مستفسر نے پھر دریافت کیا۔

"کیا آپ اسوقت کمرہ میں تنہا ہی ہیں؟"

سلیم نے حیرانی سے جواب دیا

"جی ——— میں اس وقت بالکل تنہا ہوں ———

مگر ——— آپ ——— ؟"

جواباً ایک ہلکا قہقہہ موصول ہوا اور متکلم نے باہستگی "سلطانہ" کہا۔ سلیم چونک پڑا اور اس نام کی ماہیت پر غور کرنے لگا اور اُسکا حافظہ اِس امر کی تصدیق، کہ اِس آواز سے اُسکا سامعہ نا نوس ہے۔ اُس نے کہا "ارشاد ——— اس معاطفت و تکلیف فرمائی کا کیا سبب ہے؟"

سلطانہ نے سلسلۂ سخن کو طوالت پذیر کرتے ہوئے کہا۔

"آپ میرے بیباکانہ تخاطب سے ضرور متعجب ہونگے کہ آپ مجھ سے بے بہرہ ہیں، مگر میں آپ اور آپکے جذبات کو خوب پہچانتی ہوں یہی باعث ہے کہ آج میں آپکو زحمتِ گفتار دے رہی ہوں میں کالج کی ایک متعلم ہوں۔ یہ نہ پوچھیے کہ کس کالج کی؟ کیونکہ اس امر کو میں مصلحت خاص پردۂ راز میں رکھنا چاہتی ہوں۔ گو یہ خوب جانتی ہوں کہ آپ زحمتِ تفتیش میں ضرور مبتلا ہوجائینگے! آج کل میں علیل ہوں اور جیسا کہ آپ واقف ہیں ہر مریض کے یہ سب بے لطف ایام تعطیل نہایت بدمذاقی و کرب میں گزرتے ہیں۔ اگر میں غلطی نہیں کرتی تو تخفیف علالت بہت کچھ مبنی ہے۔ دلچسپ اشغال و پرلطف صحبت پر۔ چنانچہ اگر میں یہ سوچ کر آپکی مخل صحبت ہوں کہ آپ کا ایثار و خلق ایک مریض کی دلجوئی و دلنوازی میں کوتاہی و پہلوتہی نہ کریگا تو نامناسب نہیں!"

سلیم سراسیمہ سا ہوگیا تھا، اُس نے سب کچھ سُنا، مگر وہ یہ نہیں سمجھ سکا کہ آخر اسکے معنی کیا ہیں؟ تاہم وہ بہت کچھ سنبھلکر بولا "میں کس لائق ہوں ——— آپکی کرم گستری ہے ——— مگر آپکی تعریف ؟"

جواب میں پھر ایک پرزور قہقہہ موصول ہوا، اور متکلم نے کہا، "آخر آپ پڑ گئے نا تحقیق و افتقاش میں۔ مزید گفتگو کل پر اُٹھا رکھیے ——— تسلیم"

سلیم نے چاہا کہ سلطانہ سے کچھ اور دریافت کرے مگر وہ جا چکی تھی اور سلیم کو متنوع تخیلات کے بھنور میں غوطہ زن چھوڑ گئی تھی۔

(۳)

ساحلِ چوپاٹی جلوہ گاہِ حسن و ادا بنا ہوا ہے۔ شام کا سماں غروب ہوتے ہوئے سورج کی آخری زرد شعاعوں کے انعکاس سے تخلیق اللونی کررہا ہے۔ حسن خود نما کے مجسمے نازک رنگین تتلیوں کے مانند شمع رواں کے مماثل علم برداران محبت و خوش مذاقان فطرت پرست کے دلوں میں ایک گنجایش مرتحل پیدا کررہے ہیں اور ساحل کی لطیف و ساکن فضا کو متحرک و متلاطم!

اس دلچسپ ماحول میں ساحل کی خوش فکر دُنیا سے دور سلیم

ور رفعت و فرزانہ عالم سکوت مین اک بنچ پر بیٹھے ہین سلیم کے چہرہ سے حیرت و استعجاب، غور و فکر کے تاثرات ہویدا ہین برخلاف اسکے فرزانہ بشاش و مطمئن نظر آتی ہے مگر رفعت اپنی جبلی عادت سے مجبور آہستہ آہستہ گنگنا رہا ہے اور اس سوگواری کو مبدل بہ نشاط کیا چاہتا ہے - چنانچہ رفعت ہی نے فضاے متالم مین روح انبساط پھونکی - وہ گویا ہوا -

سلیم ——— مین دیکھتا ہون کہ تم کل سے بہت کچھ تبدیل ہو چکے ہو اور خصوصاً آج یہان تو گویا قفل بہ دہن ہو ! نہ تو تمہارے اندر وہ پچھلی سی شگفتگی باقی ہے نہ بشاشت مین جانتا ہون کہ تم فلسفی ہو اور ژرف گوئی سے بہت متنفر - مگر مین تمہاری اِس خاموشی و فسردگی کو کسی طرح طبعی نہین مان سکتا - یہ نتیجہ ہے کسی ایسے غم آگین حادثہ کا جو اِس قلیل مدت مین تم پر عارض ہوا ہو !

رفعت اِس قدر کہکر فرزانہ کے مبتہج چہرہ پر ایک سرسری نظر ڈالتا ہوا سلیم کے جواب کے انتظار مین خموش ہو گیا - رفعت کی تقریر کا سلیم نے کیا اثر لیا ؟ اِس سے ہمین بحث نہین مگر ہم صرف یہ جانتے ہین کہ اُس نے نہایت متجسس نظرون سے فرزانہ کی جانب چند لمحات تک متواتر دیکھا اور پھر ایسے انقباض سے جس سے سلیم کا بیحد منغض ہو جانا مترشح تھا، بولا -

رفعت ——— معاف کرنا، بعض اوقات تمہاری بدمذاقی کی انتہا نہین رہتی، تعجب ہے کہ تم کسی کے جذباتِ لطیف کا احساس تک نہین کر سکتے - تم میری خموشی کو افسردگی کی مرادف بتاتے ہو - مین کہتا ہون کہ اس مین میری صد ہزار مسرتین مضمر ہین - تم میرے چہرہ سے آثارِ فسردگی و تغیراتِ غم مطالعہ کرتے ہو، مین اپنے دل مین بحر ابتہاج کی امواج طوفان خیز موج زن پاتا ہون، اگر تمہارے ذوق نظر کی یہی کیفیت رہی تو مجھے نہایت افسوس کے ساتھ اپنے وہ خیالات جو نفسیات سے متعلق تمہارے بارہ مین قائم ہین اپس لینا پڑینگے !

رفعت بالکل خاموش بیٹھا تھا، مگر وہ خوب جانتا تھا کہ سلیم تصنع پرستی کر رہا ہے - پھر خموشی طاری ہو گئی - کچھ دیر تک کامل سکوت چھایا رہا - اور پھر ایسے وقت کہ غروب ہوتے ہوئے سورج کی آخری شعاعین سلیم کے متفکر چہرہ کو زیادہ سنجیدہ بنا رہی تھین، "نازک وا فرزانہ کی لطیف آواز فضاے ساکن مین یون رقص کرنے لگی - ہان ——— سچ تو ہے ——— سلیم صاحب ——— آپ درحقیقت ——— آج قدرے مشوش نظر آتے ہین - معاف کیجئے - مجھے آپکے روبرو اِس قسم کے الفاظ کا اعادہ کرنا مناسب نہین کیونکہ آپکی شخصیت اِس سے بلند تر ہے !" اُس نے اتنا کہا اور اپنی انتہاے مسرت کو جو لبون سے برآمد ہوا چاہتی تھی بکوشش مقید کرنے لگی -

سلیم کچھ نہ بولا مگر اُسکا دماغ پراگندہ ہو گیا اُسپر بیخودی سی طاری ہونے لگی اور اِس نیم مدہوشی مین اُسے دوپہر کا سانحہ یاد آگیا - گویا وہ اس وقت اپنے کمرہ مین تھا اور ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی - پھر یکایک کسی کی دھیمی مدہم نازک آواز جو فرزانہ کی آواز کے مماثل تھی سنائی دی - وہ چونک پڑا اور گھبرا کر بول اُٹھا "ہان ..... ہان ... محترم سلطانہ ——— مین یہان ہون ——— اپنے کمرہ مین ——— بالکل تنہا !!"

۴

سلیم کسی عمیق خیال مین گم اپنے کمرہ مین ایک کرسی پر بیٹھا ہے، اسکی نظرین ٹیلیفون پر جمی ہوئی ہین اور اُسکا ذہن کسی فراموش شدہ شے کو دوبارہ یاد کرنا چاہتا ہے - وہ متمنی ہے کہ پھر کوئی لطیف بیمار اپنی موسیقی نواز صداؤن سے اس کمرہ کو ترنم بار کر دے - اِس خیال آفرینیون مین متعدد ساعتین گزر گئین - پیش ازین ہم اس امر کا اعلان

کر چکے ہین کہ سلیم کی خلقت کسی نوع کی خلفشار کو اہمیت دینے کی روادار
نہ ہوتی تھی۔ مگر فطرت مصنوعات پر مستولی ہے۔ چنانچہ اس نظریہ
کے ماتحت اگر سلیم جو حقیقتاً فطرت کی طرف سے ایک نہ اق سلیم اور
ناقدانہ دل و دماغ لیکر آیا تھا تاثیرات محبت قبول کر رہا تھا تو بیجا نہین

بہرکیف ٹھیک دوپہر کے وقت جب وہ سلطانہ کی یاد مین بیچین
و مضمحل اپنے بستر پر دراز تھا ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور سلیم کے مردہ جسم مین
مسرت و بہجت کی لہر دوڑ گئی۔ اُسنے بسرعت تمام آلہ سماعت اُٹھا
لیا اور مضطربانہ انداز سے بولا " آپ ——— کون ——— ؟

محترم سلطانہ ——— مین عرصہ سے برسر راہ ہون " جواب
مین ایک ہلکے قہقہہ کی صدا آئی اور متکلمہ نے کہا   جی ہان
مین ہون ——— سلطانہ ——— مگر ——— آپ
میرے اِس شدت سے منتظر کیون تھے   ؟"

سلیم کچھ سراسیمہ سا ہوگیا اور اُسکو اپنے اضطرار و اضطراب پر
حاوی ہونے کے لئے چند لمحات صرف کرنا پڑے! انسان فطرتاً
شکی و راز جو واقع ہوا ہے خصوصاً جب اُسے دریافت ہو جائے
کہ کوئی شے اُس سے قصداً مخفی کی جارہی ہے تو اُسکے سعی و تلاش
و افتتاش کی انتہا نہین رہتی۔ بعینہ سلیم اِس مبہم عورت کے انکشاف
راز کا بیحد شائق تھا۔ اُس نے بکوشش اپنے ہیجان شوق تخنیر
کی اور بولا۔

" حالانکہ اس مین میری کوئی ذاتی غرض مضمر نہین کہ مین آپ سے
ملاقی ہونیکا منتظر رہون اور آپ کے ذاتی حالات کے ادراک کی
کوشش کرون۔ تاہم آپکی جستجو یا تو میری دلچسپی کا باعث ہوسکتی ہے
یا خالص فطرتی، کہ انسان از بس تجسس و عجلت پسند پیدا کیا گیا ہے،
معاف کیجئے۔ گزشتہ ملاقات سے آپ نے خود یہ امر مجھ پر منکشف کر دیا
ہے کہ آپ مجھ سے کسی نوع کی وابستگی کی خواہان ہین اور خدا جانے آپکے
طرز عمل مین کسقدر تصنع مستور ہے ؟ "

سلیم کہنے کو تو یہ سب کچھ کہہ گیا مگر آخر کار سخت پشیمان ہوا کہ مین نے
اپنی صاف گوئی سے سلطانہ کی دلآزاری کیون کی ؟ تاہم وہ خموش
رہا۔ سلطانہ نے رُک رُک کر جواب دیا ممکن ہے کہ آپ کا بیان درست
ہو۔ مین تردید و تنقیص نہ کرونگی، کیونکہ مین آپکے تجارب کو شرمندۂ ناکامی
نہین دیکھنا چاہتی۔ بہرحال مین آپ سے یہ دریافت کرنے کی متمنی
ہون کہ آیا آپ درحقیقت عورت کے اندر کچھ دلچسپی مستتر دیکھتے ہین ؟
حالانکہ آپ کا ایمان عورت اور محبت کی اشد مخالفت و تنقیص کا رہا ہے!

سلیم بجائے اسکے کہ الفاظ و فقرات کی اہمیت پر پرداخت
کرتا لہجہ و آواز پر غور کرنے لگا۔ جہان تک وہ اپنے حافظہ پر زور دیکر
سوچتا اُسے یہ لہجہ و آواز مانوس معلوم ہوتی اور بحث گفتگو بھی بعینہ
فرزانہ کا سا۔ مگر اُسکی سنجیدگی مین اضافہ ہوجاتا جب وہ خیال کرتا کہ بہر
نوع فرزانہ کو اس طرح بس پردہ گفتگو و مکالمہ کی کیا ضرورت ہوسکتی
ہے۔ آخر کار چند منٹ کے بعد وہ بولا۔ عورت اور محبت، یہی
صرف دو موضوع ہین جنکا مین نے نہایت عمیق و دقیق مطالعہ کیا ہے
بیشک مجھے ایک عورت سے دلچسپی ہوسکتی ہے اگر اُسکی طینت لغویات
بحث سے منزہ ہے مگر ہمارے خود بین و خود غرض اہل مذاق ایسی عورت
کو ایک بیکار مضغۂ گوشت سمجھتے ہین اور بس! مجھے افسوس ہے کہ میرے
الفاظ میرے جذبات کی صحیح ترجمانی کرنے سے قاصر ہین ورنہ مین آپکو
بتاتا کہ میرے نظر مین محبت کس شے کا نام ہے محبت جیسی لطیف شے کو
عورت کو قرب و وصل سے مین کثیف آلودہ نہین کرنا چاہتا۔ مین فطرت
پرست ہون۔ اور مطمح نظر نہایت وسیع، مین اِس سے نابلد نہین کہ
تمام حُسن صنف نازک پر ہے، مگر معاف کیجئے، محبت کسی عورت سے
ہم آغوش ہونیکا نام نہین، مجھے خوف ہے کہ میرے کریہہ فقرات آپکی
دلآزاری کا باعث ہون اِس لئے مین اس موضوع گفتگو کو تبدیل کیا چاہتا ہون

سلیم کی فطرت اس قدر غیر مطیع واقع ہوئی تھی اور وہ بعض اوقات تصنعات میں اس قدر غرق ہو جاتا کہ حیرت ہوتی۔ یہی کیفیت اُسوقت تھی۔ اُسکا دل دھڑک رہا تھا مگر اندازِ گفتگو وہی غالبانہ تھا۔ اس اثنا میں سلطانہ سلیم کی سخت گفتگو خاموشی استقلال و دلچسپی سے سنتی رہی۔ عورت کی ذات نہایت جوہر شناس واقع ہوئی ہے۔ اور نفسیات سے متعلق جسقدر جلد وہ نکتہ سنج ہوتی ہے مرد کے لئے محال ہے۔ چنانچہ وہ خوب واقف تھی کہ سلیم کی یہ خود دارانہ کیفیت ہیجانِ طبع چند ملاقاتوں تک محدود ہے۔ کچھ سکون کے بعد اُسنے اجازت چاہی اور ٹیلیفون بند کر دیا۔

(۵)

حسبِ دستور شام کے وقت سلیم ساحل چوپاٹی پر بغرض تفریح گیا مگر آج فرزانہ دستیاب نہ ہوئی۔ سلیم آج دوپہر کے واقعہ سے سخت پریشان و مضمحل تھا فرزانہ کی غیر موجودگی سے اور بھی شکستہ خاطر ہو گیا۔ وہ سوچتا رہا کہ آخر فرزانہ کی غیر موجودگی میرے لئے تکلیف دہ کیوں ہو رہی ہے؟ تاہم اُسکے بغیر ساحل کی متحرک و دلچسپ فضا سلیم کی نظروں میں تاریک و بے کیف تھی۔ چنانچہ نہایت قلیل عرصہ کے قیام و تفریح کے بعد وہ واپس چلا آیا مکان آکر بھی اُسکی کوفت رفع نہ ہو سکی۔ شب کو کئی تجز فرزانہ کے خیال نے اُسکی نیند اُچاٹ کر دی۔ پھر بھی وہ سخت متحیر تھا کہ آخر میرے اضمحلال کا باعث کسی کی یاد کیوں یاد ہو!

شب یونہی گزر گئی۔ دن کا اولین حصہ اسی کرب میں بسر ہو گیا اور آخر کار وہ وقت آیا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی کی صدا تمام کمرہ کو مترنم کر دے اور سلیم سراپا شوق بن کر کسی کی لوچ دار آواز شیریں لہجے اور رسیلے فقرات کو اپنی سماعت میں جذب کر لے۔ چنانچہ وقت مقررہ پر گھنٹی بجی اور سلسلۂ کلام یوں شروع ہوا۔

سلطانہ:۔ سلیم صاحب ——— تسلیم ——— میری مداخلت بیجا کو معاف کیجئے گا کل کی دلآزار گفتگو کے بعد کچھ اور عرض کرنے کی جسارت تو نہیں ہوتی تاہم میں جرأت کر رہی ہوں۔ میں آپ سے استفسار کرنے کی متمنی ہوں کہ آپ عورت کو محبت سے جدا کر کے کس تخیل میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں کہ "عورت مجسمۂ محبت ہے"۔

سلیم:۔ میں واقف ہوں کہ شعراء کے دیوان انشا پردازوں کے فسانے اُس کی توصیف سے پُر ہیں مگر کیسے عرض کروں کہ میں اُسے بالکل ایک غیر معتبر شے سمجھتا ہوں۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ مجھے کسی عورت سے محبت پیدا نہیں ہوئی حقیقتاً اُسکی خود نمائیوں اور ظاہر پرستیوں نے مجھے سخت بیزار کر دیا ہے۔ وہ یہ کہہ رہا تھا مگر اُسکے دل میں ایک خلا پیدا ہو چلا تھا، اُسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ کس قدر مبالغہ و تصنع سے کام لے رہا ہے؟

سلطانہ نے سلیم کے منکسرانہ اندازِ گفتگو کو تاڑ لیا چنانچہ وہ موقع کو غنیمت سمجھکر بولی۔

سلیم صاحب ——— کیا حقیقتاً آپکو آج تک کسی سے محبت نہیں ہوئی؟ معاف کیجئے گا، میری ہمت آپکی جرأت نوازیوں سے بیش از بیش ہوتی جاتی ہے۔

سلیم نے ایک سرد و طویل سانس لیا۔ نہایت آہستہ و خموش اور احساسِ محبت کی سرخی اُسکے چہرہ کو رنگین کر گئی۔ وہ بدقت بولا "معاف کیجئے ——— ابھی تک میں اس قباحت سے محفوظ و مصئون ہوں!"

سلطانہ:۔ تو کیا کم از کم آپکو اسکا کبھی احساس بھی نہ ہوا؟ اور جو کوئی بدنصیب آپکی محبت میں گرفتار ہو جائے!

اُسنے یہ کہا اور ایک طویل قہقہہ کے بعد ٹیلیفون بند کر دیا۔

سلیم کی کیفیت اسوقت عجیب تھی۔ اُسکا دماغ چکرا رہا تھا۔ اُسکی آنکھیں اشک آلود تھیں۔ وہ رونا چاہتا تھا مگر رو نہ سکتا تھا۔ اُسنے کئی مرتبہ اپنی حالت پر غور کیا مگر کچھ نہ سمجھ سکا۔ اُسکی آنکھوں میں اُس وقت فرزانہ کا خوبصورت و دلکش چہرہ پھرنے لگا۔ ساتھ اُسکی زبان پر نعرہ

جاری ہو گیا کہ "عورت دنیا میں محبت کرنے اور کئے جانے کے لئے ہی آئی ہے" اور وہ بیخود و مبہوت ایک صندوقچہ پر گر پڑا۔"

(۲)

سلیم کچھ عرصہ سے رنجور ہے۔ وقت مقررہ پر ٹیلیفون کی گھنٹی بجنا متروک ہو گئی تھی۔ سلطانہ نے حسب سابق مکالمہ تخیص مسدود کر دی ہے۔

صبح کا وقت ہے رفعت اپنے مریض دوست سے ملنے آیا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ سلیم ساکن و خموش بستر پر دراز ہے۔ اُسکی نیم باز آنکھیں جن سے نقاہت ہویدا ہے ٹیلیفون پر ٹکٹکی لگائے ہوئے ہیں۔ اُسکا ہمشکل زعفران چہرہ تاثرات متالم میں غرق ہے گویا وہ ایک ایسے مجروح پرند کے مماثل ہے جسکی آنکھیں احساس تکلیف کے باعث ماہو کر منجمد ہو گئی ہوں۔ اطبا تشخیص مرض سے معذور ہیں اور اقربا اِس مشاہدہ سے سخت متفکر و غمگین کہ صرف چندروزہ کی علالت نے اسے صاحب فراش کر دیا ہے۔

رفعت سلیم کی فسردہ محویت اور ٹیلیفون کے عمیق تبصرے سے متحیر و متاثر ہوا۔ اُس نے کوشش کی کہ سلیم اُس سے اپنا درد دل کہہ ڈالے کہ "اظہارِ غم اکثر باعثِ تخفیف سوزِ نہانی ہوا ہے"۔ مگر رفعت بہت متحیر و پریشان ہوا، جب سلیم نے اُسکو یہ خشک جواب دے دیا کہ "رفعت ...... میرا ضمیر ایک عظیم شکست کے اثرات قبول کر چکا ہے مگر میں ہنوز اُسکے خلاف جدوجہد میں مصروف ہوں۔ نہ معلوم کہ میں فطرت کے خلاف کس حد تک کامیاب ہو سکوں گا۔ تم دیکھتے ہو کہ اِس معاشی و ذہنی کشمکش نے میری تندرستی پر کس قدر اثر ڈالا ہے اور کسے معلوم کہ آیندہ کیا ہو؟ بہرکیف میں اپنی موجودہ حالت پر قانع و شاکر ہوں اور کسی کی خفیف ہمدردی و غمگساری مجھے اور زیادہ مضمحل کر دینے کی مترادف ہے۔ چنانچہ اگر مجھے اسکی ہمدردی سے بے نیاز رکھا جائے تو عین نوازش !!

رفعت اُداس ہو کر اُٹھ گیا۔ اور سلیم نے سخت ممانعت کر دی کہ کوئی اُسکے پاس بغرض ملاقات نہ آئے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یکسوئی و تنہائی ایسے مریض کے لئے بہتر ہو سکتی ہے تاہم اُسے اطمینان قلب میسر اور اِس سوگوار خلوت میں اپنے جذبات و محسوسات کی کاوش کاہش کے توازن کا بخوبی موقع مل گیا۔ سلیم اِس طرح غرق تخیل و تصور اپنے بستر پر پڑا تھا، کہ یکایک ٹیلیفون کی گھنٹی زور سے بجنے لگی اور کمرہ اس مترنم صدا سے گونج اُٹھا۔ سلیم ایک مجنونانہ انداز سے "تا دیر اُسکی طرف ٹکٹکی لگائے رہا، حتیٰ کہ ٹیلیفون کی ترنم ریز صدا موقوف ہو گئی اور کمرہ کو ساکن و جامد چھوڑ گئی۔ مریض و نقیہ سلیم برق خاطف کی تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ آلہ سماعت اُٹھا لیا اور ہیجان شوق میں سرشار ہو کر بولا۔

"آہ ــــــ تم ــــــ کون ــــــ سلطانہ ؟"

چند لمحہ سکوت طاری رہا۔ بالآخر ایک مہین و نازک آواز اِس طرح نطق بار ہوئی۔

"جی ہاں ــــ میں حاضر ہوں۔ معاف کیجئے۔ آج پھر آپکی سمع خراشی و تضیع وقت کی باعث ہو رہی ہوں۔ مگر میری تصدیعہ دہی کا باعث بیشتر آپکی ناخوشگوار علالت کا ادراک ہے، گو امید تو نہ تھی کہ میں پھر آپکو اپنی بے لطف گفتار سے زحمت سماعت دونگی مگر یہ امر بعید از اخلاق ہوتا اگر میں آپکے بدمزہ و فرسودہ ایام میں آپکی مزاج پرسی نہ کرتی۔ حالانکہ پیش ازیں آپکی صحبت سے میں خود بہت کچھ مستفیض ہو چکی ہوں۔ حقیقتاً "عورت فطرتاً وضع دار و خلیق پیدا ہوئی ہے"۔

سلیم ٹیلیفون کا آلہ سماعت اپنے کان سے لگائے سراپا آرزو بنا بیٹھا تھا۔ اُسکے مجروح جذبات و احساسات میں ایک حشر بپا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ آج بلا تکلف سلطانہ سے اظہار مدعا کر دے۔ جسے

وہ اپنے سینہ مین ابتدائے ملاقات سے مستور کئے ہوئے ہے' انسان کی فطرت سادہ لوح واقع ہوئی ہے اور بہت عجلت پسند خاصکر کسی سے محبت کرتے وقت اُسکا ارتجال مشاہدہ کیجئے کہ کس طرح چشم زدن مین اپنی تمام سنجیدگی و متانت' ہوشمندی و فرزانگی کھو دیتا ہے۔ وہ ہر اُس راز کے افشا مین جو اُسکی حد سعی سے بلند تر ہو اپنی تمام مسرتین صرف کر دیتا ہے اور نہین سمجھتا کہ اسکا مآل اکثر تلخ کامی ہوا ہے!

چنانچہ سلیم نے کہا "محترمہ.... مین آپکی عیادت کا از حد مشکور ہون اور آپکی مسیحائی کا قائل۔ کیسے عرض کرون کہ آپکی موجودگی۔ گو پس پردہ سہی' میرے لئے کس قدر مسرتون کی سرمایہ دار رہے؟ کاش یہ چند لمحہ صحبت ہمیشہ اسیطرح قائم رہتی اور آپکی مترنم آواز اسیطرح سامعہ نواز" سلیم کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر اُسکو اپنے جذبات کی ترجمانی کے لئے موزون الفاظ نہ ملے اور وہ خاموش ہوگیا اُسکے دل مین متنوع خیالات سے ایک طلاطم بپا تھا اُسکا دماغ گھوم رہا تھا اور دل سے شعلہ ہائے ملتہب بلند تھے محبت کے جراثیم اُسکے سینہ مین پرورش پا چکے تھے۔ وہ مجبور تھا کہ اظہار تمنا کر دے مگر اُسکی فلسفیانہ خصلت' جو فطرت ثانی کہلاتی ہے' اور خودداری دامنگیر تھی کہ جس امر کے خلاف وہ اتنے عرصہ تک بولتا رہا ہے اُسکی موافقت مین اپنی انکساری و ماندگی کا اظہار کرے۔ بہر نوع اُسنے نہایت ضبط و تحمل سے کام لیکر کہا

محترمہ سلطانہ —— عرصہ سے مین آپکی شخصیت کے ادراک کا بیحد آرزومند ہون۔ آخر آپ اسکو پردۂ راز مین رکھکر مجھکو بیچین و مضطر کیون بنائے ہوئے ہین۔ مین آج اسکے انکشاف و انفصال کے بغیر آپکو اجازت مراجعت نہ دونگا"

سلطانہ عرصہ تک خاموش رہی۔ اتنے عرصہ تک کہ سلیم پریشان ہوگیا بالآخر وہ یون گویا ہوئی "مسٹر سلیم" مین آپکی عنایت و قدر افزائی کی بیحد مشکور ہون۔ یہ آپکا حسن ظن ہے کہ آپ مجھے اس طرح مخاطب کرتے ہین۔ ورنہ مین ہون تو وہی افترا پردازی کا ہیولیٰ فطرت کی ایک ناکارہ شے یعنی عورت۔ معاف کیجئے! مین آپکی حسن روایت' جولانی طبع و تصنع سے ڈرتی ہون۔ مبادا مین آپکی نفرت و استکراہ کا باعث ہوجاؤن اور اجازت رخصت طلب کرتی ہون" اُس نے اپنا آخری فقرہ ختم نہ کیا تھا کہ سلیم جسکا دل جذبات محبت و حسیات متالمہ سے ماؤف ہوچکا تھا بیساختہ رو پڑا۔ اور بھرائی ہوئی آواز مین گویا ہوا۔ سلطانہ —— ظالم سلطانہ —— مین کافی ستایا جا چکا ہون۔ مین تجھ سے شکست اُٹھا چکا —— تیری محبت کا تیر میرے دل مین پیوست ہوگیا ہے

مین اپنی خطاؤن کا معترف ہون۔ آہ—— مین فلسفۂ محبت سے خوب واقف ہوگیا ہون

کمرہ مین سکوت طاری تھا۔ البتہ گاہے ماہے سلیم کی سسکیان اور سرد آہین اس سوگوار خاموشی کو متلاطم کر دیتی تھین۔ کچھ عرصہ کے بعد سلطانہ نے جواب دیا۔

میرے سادہ لوح فلسفی! عورت ایک مجسم طلسم ہے۔ تم اُسکے لطیف جذبات و رفیع محسوسات کے عمیق و بسیط خلا کو پر نہین کرسکتے مگر میرے خلوص و محبت سے۔ عورت مجسمۂ محبت ہے' میری شخصیت کا اظہار گو جانتی ہون کہ آپکے لئے چندان خوشگوار نہوگا مگر ایک لفظ مین کہے دیتی ہون کہ مین وہی —— آپکی دیرینہ بیزار کیش فرزانہ ہون۔

اس نام کے سماعت کرتے ہی سلیم نے بیساختہ ایک چیخ ماری اور بیہوش ہوگیا۔ اتنی دیر تک کہ اُسکے متعلقین و اعزا پروانہ وار اسکے گرد جمع ہوکر اُسکے ہوش مین لانے کی تجاویز عمل مین لانے لگے۔ وہ بیخود و مبہوت پڑا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ ہوش مین آیا۔ چند مرتبہ اردگرد نظر ڈالی حتی کہ اُسکی نظر ٹیلیفون پر جا پڑی۔ اُسکی آنکھون مین ایک خاص کیف و بدن مین ارتعاش نمایان ہوگیا اُسنے چند مرتبہ لفظ "فرزانہ" دُہرایا اور تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ایک مرتبہ کمرہ کی فضا مین دو چار طویل سانسین لین اور اس فقرہ کو بڑبڑاتے ہوئے جیب و گریبان چاک کرتا ہوا دیوانون کے مانند گھر سے باہر نکل گیا کہ "عورت کا انتقام انتقام قدرت کی طرح مہلک اور اٹل ہوتا ہے"!

سلیم آج تک لاپتہ ہے اور اُسکی مفقود الخبری دیوانگی حیرت فروش!!!

رنجیت سنگھ شیر پنجاب

(از جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی۔ اے۔)

کپتان آسبرن ملیٹری سکریٹری نواب گورنر جنرل بہادر کشور ہند لارڈ آکلینڈ ۱۸۳۶ء لغایت ۱۸۴۲ء جنھوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا دربار بمقام آدینا نگر ۱۸۳۸ء میں دیکھا تھا اپنی کتاب میں جو اُنھوں نے رنجیت سنگھ کے حالات میں قلمبند کی ہے تحریر کرتے ہیں کہ "افسوس لوگ ہندوستان کی تاریخ اور سیاسیات سے اتنے ناواقف ہیں اور اتنا کم علم و واقفیت اُس کی نسبت رکھتے ہیں کہ شاید بہت ہی کم آدمیوں کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے صحیح صحیح حالات کا علم ہوگا اور اُس کے اصل اور خاندان اور اُس کی زندگی کے حالات اور نیز اُس قوم حالات جس پر وہ حکومت کرتا ہے بہت کم ان کو معلوم ہوں گے"۔ یہ عبارت کرنیل صاحب مذکور کی ہے اور اب بھی باوجود اس کے کہ زمانہ ایک صدی آگے بڑھ گیا ہے اور تاریخی تجسس و تلاش روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے۔ مگر ہمارے ہیرو "شیر پنجاب" رنجیت سنگھ کے مفصل اور صحیح حالات سے ہنوز لوگوں کو کما حقہ علم نہیں۔ یہ مختصر مضمون جو کاغذات سرکاری مقبوضۂ گورنمنٹ ہند سے ماخوذ اور مرتب کیا گیا ہے۔ مہاراجہ مذکور کے واقعات زندگی اور اُس زمانے کے ملک پنجاب کے سیاسیات پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔

پنجاب کی حالت مہاراجہ رنجیت سنگھ سے پیشتر

جو سلاطین اور فرمان روا بعد زوال سلطنت مغلیہ ہندوستان میں برسر اقتدار ہوئے اُن سب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ بانی سلطنت لاہور کی ذات خاص طور پر نمایاں اور ممتاز نظر آتی ہے۔

گزشتہ صدی کے شروع میں ملک پنجاب ایک عجب قسم کی ہڑبونگ اور طوائف الملوکی کا میدان بنا ہوا تھا سکھ سردار آپس میں قوت و اقتدار کے واسطے ایک دوسرے سے برسر پیکار تھے۔ باہمی خانہ جنگیاں ہر طرف جاری تھیں مضبوط اور بہادر قوم سکھ کا شیرازہ اسی باہمی نفاق اور خانہ جنگیوں کی بدولت بالکل ابتر اور بکھرا ہوا تھا۔ اسی نازک وقت میں مشہور شمشیر زن اور بانی سلطنت مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ظہور ہوا جس نے اپنی ہمت و مردانگی۔ فہم و تدبر اور دور اندیشی سے کام لیکر سکھ ایسی سرکش اور غیر منتظم جماعت کو نہ صرف شیر و شکر کر دیا بلکہ ان میں صحیح قومیت و اتحاد کی روح پھونکی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ سکھ من حیث القوم ایک ایسی زبردست اور جنگی جماعت بن گئے جن کی نسبت ڈاکٹر ہنٹر سا متعصب اور متشدد مورخ لکھتا ہے کہ "اس قوم کا جواب ہمت و شجاعت اور مذہبی جوش میں آلیور کرامول کی مشہور جماعت آئرن سائڈ کے بعد سے اس وقت تک ہمیں نظر نہیں آتا"۔

رنجیت سنگھ اور بوناپارٹ کا مقابلہ

مشہور فرانسیسی سیاح وکٹر جیکو مون جس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا دربار اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا

مہاراجہ کی نسبت لکھتا ہے کہ "یہ ایک بالکل غیر معمولی آدمی ہے چھوٹے پیمانے پر بونا پارٹ اسکو کہنا بالکل درست ہوگا۔ اُس کی گفتگو سے ہیبت طاری ہوتی ہے۔ مین نے ہندوستان میں کسی شخص کو اتنا ڈھیا اور واقعات کا جویا نہیں پایا۔ جسقدر کہ عام لوگوں میں یہاں بے پروائی اور بھوساپن پایا جاتا ہے۔ اُسی کے مقابلے میں یہ شخص ہر چیز کو غور اور تعمق کی نظر سے دیکھتا ہے اور کُرید کُرید کے اُس کو دریافت کرتا ہے۔ اس نے مجھ سے لاکھوں سوالات ہندوستان، انگلستان، یورپ، بونا پارٹ، دنیائے عقبیٰ، جنت، بہشت، خدا، شیطان، سبھی کی نسبت پوچھ ڈالے"

جیکومون نے رنجیت سنگھ اور بونا پارٹ کا جو مقابلہ مذکورہ بالا جملہ میں کیا ہے وہ محض کوئی فرضی اور خیالی تشبیہ نہیں بلکہ اُن کاغذات کے مطالعہ سے جو گورنمنٹ ہند کے دفاترِ سرکاری میں محفوظ ہیں ہمکو بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں مشہور فرمانرواؤں اور حملہ آوروں میں بیشک ایک نمایاں مماثلت اور مشابہت تھی۔ مثلاً جس طرح نیپولین نے اپنے مشہور جرنیلوں لینس اور ڈاوو کو بعد جنگ مانٹی بلو (۱۸۰۰ء) اور آسٹاڈ (۱۸۰۶ء) کے خطابات اور انعامات سے سرفراز و ممتاز کیا تھا اُسی طرح رنجیت سنگھ نے اپنے مشہور جرنیل مصر دیوان چند کو "خیر خواہ باصفا ظفر جنگ بہادر" کا معزز خطاب اور ایک بیش بہا خلعت قیمتی ایک لاکھ روپیہ کا بعد جنگ ملتان ۱۸۱۸ء کے اور سردار بودہ سنگھ کو ایک خلعت عین میدان جنگ کے موقع پر جبکہ سردار مذکور نے سید احمد کا مقابلہ بمقام اٹک ۱۸۲۰ء میں نہایت کامیابی سے کیا تھا عنایت کیا۔

جس طرح نیپولین نے ۱۷۹۹ء میں شام اور مصر کے ریگستانوں پر فوج کشی کی تھی اُسی طرح شیر پنجاب نے بھی ۱۸۲۲ء میں قصبہ منکیرہ پر چڑھائی کی جو ایک ریگستانی دور بے آب مقام دریائے اندس اور ستلج کے درمیان واقع ہے۔ جس طرح نیپولین مشہور لڑائیوں کے موقع پر نہایت جوش و خروش کے ساتھ فصیح تقریروں کے ذریعے سے فوج کا دل عین جنگ کے موقع بڑھایا کرتا تھا اُسی طرح رنجیت سنگھ نے بھی نوشہرہ کی لڑائی مین جو ۱۸۲۳ء میں ہوئی تھی جوش میں آکے علم جنگ خود اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنے بہادر سورماؤں کو مخاطب کر کے ایسے مختصر فقرے کہے جس سے متاثر ہوکر اُنھوں نے انتہا درجے کی بہادری دکھلائی اور لڑائی اُنکے ہاتھ رہی۔

جس طرح نیپولین نے مشہور بہادر قوم کاسک پر فوج کشی کی تھی اور ۱۸۰۹ء میں دریائے نیمن کو عبور کیا تھا اُسی طرح رنجیت سنگھ نے دربند (بلوچستان) کے سرکش افغانوں پر حملہ کیا اور ۱۸۲۵ء میں دریائے اندس کو درمیان غازی اور تربیلا کے عبور کیا[1]۔ پھر جس طرح نیپولین بعد مہم روس سر کرنے کے عظیم الشان برف زار دشوار گزار گھاٹیوں اور میدانوں کو طے کرتا ہوا ۱۸۱۲ء میں ماسکو سے پیرس تک نہایت سرعت کے ساتھ پہونچ گیا اُسی طرح رنجیت سنگھ اکیلا تنِ تنہا اپنی بچی کھچی فوج کے ساتھ جنوبی افغانستان کے پہاڑوں اور لق و دق میدانوں کو پار کرتا ہوا پچاس ساٹھ میل یومیہ سفر کر کے دربند سے لاہور پہونچا۔ چنانچہ اسی بنا پر مشہور مؤرخ اور گورنمنٹ افسر سر لیپل گریفن لکھتے ہیں کہ "سکھوں کی سلطنت جس کا قیام مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ذات سے ہوا نیپولین کی سی سلطنت معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ بھی اُسی طرح دُنیا میں دفعتاً نمودار ہوئی اور اُسی طرح ایک قلیل عرصے تک کامیابی کے ساتھ قائم رہ کے رخصت بھی ہو گئی"

رنجیت سنگھ کی متجسس طبیعت کی نسبت جس کا ذکر فرانسیسی سیاح جیکومون نے کیا ہے، اور بھی بہت سی معتبر اور باوثوق

---

[1] اس مہم میں پانچسو سپاہی رنجیت سنگھ کی فوج کے دریائے اٹک میں ڈوب گئے تھے۔

شہادتیں موجود ہیں مثلاً کپتان ویڈ پولیٹیکل ایجنٹ لودھیانہ کے وہ خطوط جو انھوں نے سکریٹری بورڈ کو بتاریخ ۲۲ و ۳۱ مئی ۱۸۳۱ء اور ۳۱ دسمبر ۱۸۳۲ء کو تحریر کیے تھے۔

اسی طرح کپتان آسبرن مذکور جنھوں نے رنجیت سنگھ سے ۱۸۳۸ء میں ملاقات کی تھی اپنے جنرل میں لکھتے ہیں کہ "میں بیان نہیں کرسکتا کہ یہ شخص کس تیزی اور روانی کے ساتھ انواع و اقسام کے مضامین پر گفتگو کرتا تھا اور سوال پر سوال پوچھتا جاتا تھا"

رنجیت سنگھ کا حسب و نسب

رنجیت سنگھ کا کسی مشہور اور معزز خاندان سے تعلق نہ تھا۔ اُن معتبر ذرائع سے جو بصورت کاغذاتِ سرکاری ہمارے پاس موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا مورثِ اعلیٰ ایک شخص مسمیٰ دیسو تھا جو قوم جاٹ کا ایک چھوٹا سا زمیندار تھا اور ایک گاؤں میں جس کا نام سُکیر چک تھا اور ضلع مانجھا میں واقع تھا سکونت رکھتا تھا۔ اس شخص نے اپنے مرنے کے بعد اپنا ایک لڑکا چھوڑا جس کا نام نودھ تھا اور جس کو اپنے باپ سے صرف تین ہل اور ایک کنواں بطور ورثہ کے ملا۔ یہ کہنا بھی یہاں نامناسب نہ ہوگا کہ ملک پنجاب میں کنوئیں بسبب پانی کی کمی کے بہت قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور بہت ضروری چیز سمجھے جاتے ہیں چنانچہ جب رنجیت سنگھ ۱۸۲۲ء میں منکیرا گیا تو اس نے وہاں کے قلعے میں متعدد کنوئیں کھدوانے کا حکم دیا تھا۔ غریب اور گمنام دیسو کو کیا خبر تھی کہ اُس کے خاندان میں ایک ہونہار لڑکا ایسا پیدا ہوگا جو ایک سلطنت کا بانی ہوگا۔ جو ملک اٹلی سے رقبہ میں بڑی ہوگی۔ جو ایک بیش بہا اور عدیم المثال ہیرے (کوہ نور) کا مالک ہوگا جس کی دوستی پر نہ صرف ہندوستانی والیان ملک اور راجاؤں کو بلکہ متعدد گورنر جنرلوں کو فخر دنازہوگا جو ایک اتنی زبردست اور قواعد داں فوج تیار کریگا جس سے انگریزی فوج کے بھی دانت کھٹے ہوجائیں گے جس پر ۱۸۴۵ء لغایت ۱۸۴۹ء کی سکھوں کی لڑائیاں شاہد عادل ہیں۔ اور جو اپنے مرتے وقت ایک زبردست سلطنت چھوڑجائیگا جو خود اُسی کے زمانہ میں ترقی کے معراج تک پہونچ چکی تھی۔ لاہور کشمیر، ملتان، اور دیناننگر میں اس کی باشان و شوکت محلوں کی یہ حالت تھی کہ اس نے خود کپتان ویڈ سے ایک مرتبہ کہا کہ "اللہ نے جو فضل و کرم میرے حال پر کیا ہے وہ میری ناچیز سمجھ سے باہر ہے اور میں اس کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں" اللہ اکبر! کجا دیسو صرف ایک کنوئیں اور تین ہلوں کا مالک اور کجا رنجیت پانچ بڑے بڑے دریاؤں کے پورے ملک کا زبردست اور با اختیار بادشاہ!

اب ہمکو ایسٹ انڈیا کمپنی کے حالات پر ایک سرسری نظر ڈالنا چاہیئے۔ وہ سال جس میں مہا سنگھ رنجیت سنگھ کا باپ پیدا ہوا تھا۔ ایک ایسا سال تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا یعنی ۱۷۵۷ء[2] اُسی سال سمجھنا چاہیئے کہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت کی نشو و نما کا تخم میدان پلاسی میں لارڈ کلایو کے ہاتھ سے بویا گیا۔ مہا سنگھ ایک جری سپاہی تھا اور غارتگری کا پیشہ کرتا تھا اس کا انتقال ۱۷۹۰ء میں بعمر ۳۰ سال ہوا۔ کاغذات سرکاری کے بموجب رنجیت سنگھ کی عمر بوقت اپنے باپ کی وفات کے سات برس[3] کی تھی۔ اس زمانہ میں عورتیں بھی معاملات حکومت میں ایک نمایاں حصہ لیتی تھیں چنانچہ اسی دستور کے موافق مہا سنگھ کے بعد

---

[1] دیکھو "دی سکھس" مصنفہ جنرل سرجے۔ ایچ گاڈن صفحہ ۱۰۸ [2] سید عبد اللطیف اپنی تاریخ پنجاب میں اس کا سال ولادت ۱۷۶۰ء لکھتے ہیں اور سنہ وفات ۱۷۹۲ء
[3] گریوارڈن کی تاریخ سکھ میں بارہ سال لکھی ہے

اُس کی بیوی اُس کی جانشین اور ریاست کی مالک ہوئی جو ریاست
کے کاموں میں اپنے شوہر کے دیوان سمی لیکھو (یا لکھو پت) سے
مدد لیتی تھی اُس کو حکومت کا اسقدر شوق تھا کہ اپنے لڑکے کی
ضروری تعلیم سے بھی غافل تھی مگر غیر معمولی طبیعتیں معمولی طریقۂ
تعلیم کی محتاج نہیں ہوتیں چنانچہ رنجیت سنگھ کو کھیل کود کا مطلق
شوق نہ تھا وہ اپنا سارا وقت جسمانی ریاضت اور جنگی قواعد
اور کرتبوں کے سیکھنے میں صرف کرتا تھا۔ اُس کا خود بیان ہے
کہ جب میرا باپ مرا تو میرے پاس بیس ہزار کارتوس تھے
جو میں نے سب نشانہ بازی میں صرف کردئے۔ ظاہر ہے کہ ایک
ایسا ہونہار لڑکا اپنی عدم توجہی تعلیم سے کیا نقصان اٹھا سکتا
تھا۔ تیرہ برس کی عمر میں یعنی تقریباً ۱۷۹۳ء[3] میں رنجیت سنگھ
نے اپنے باپ کے ماموں دل سنگھ کی مدد سے عنانِ حکومت اپنے
ہاتھ میں لی اس موقع پر یہ بتا دینا بھی بے جا نہ ہوگا کہ رنجیت سنگھ
پر بعض مورخوں نے مادر کشی کا اتہام لگایا ہے[4] مگر ہم کو موجودہ
کاغذات سرکاری میں کوئی ایسی معتبر شہادت نہیں ملتی جس کی
بنا پر یہ الزام صحیح قرار دیا جائے صرف اس قدر مذکور ہے کہ
کہا جاتا ہے کہ رنجیت سنگھ نے حصول تخت نشینی کے واسطے ایسے
مجرمانہ افعال کا ارتکاب کیا کہ جو اگر واقعی صحیح ثابت ہوں تو اُسکے
چال چلن پر ایک نہایت بدنما داغ معلوم ہوگا۔

رنجیت سنگھ کے جنگی کارنامے

رنجیت سنگھ کے جنگی کارنامے جن کی
مدت اُس کی تخت نشینی (۱۷۹۳ء)
سے لیکر اُس کے حملۂ پشاور (۱۸۲۳ء)
تک تقریباً ۴۰ سال سمجھی جاسکتی ہے۔ اتنے کثرت سے اور
اس قدر مشہور ہیں کہ بقول سر لیپل گریفن "رنجیت سنگھ کا شمار
جولیس سیزر سے لیکے نپولین بونا پارٹ تک جسقدر مشہور اور
کامیاب فاتح گزرے ہیں اُن میں بخوبی کیا جاسکتا ہے"۔ ان
تمام جنگی کارناموں کا بالتفصیل بیان کرنا اُن کو نام بنام گنوانا
ہمارے اس مضمون کا اصلی مقصد نہیں ہے مگر اس کے دو مشہور
حملوں کا ہم مختصراً ذکر کریں گے جو خالی از دلچسپی نہ ہوگا

(۱) حملۂ لاہور ——— اس جنگ میں جو ۱۷۹۹ء[5] میں ہوئی
رنجیت سنگھ کو اپنی ساس مائی سدا کنور سے جنگی معاملات کے
مشورے میں بہت کچھ مدد ملی۔ یہی وہ جنگ ہے جس سے اسکی
شہرت کی بنیاد پڑی۔ اسی مقام پر یعنی لاہور میں ۱۸۰۱ء میں
اُس نے خطاب مہاراجہ باضابطہ طور سے اختیار کیا اور اسی
سنہ میں اپنے نام کا سکہ جاری کیا جس پر ایک طرف تلوار
کا نقشہ بطور علامت فتح و ظفر بنا ہے اور دوسری طرف سنہ
اور مقام کا نام درج ہے۔

(۲) افغانوں کے ساتھ جنگ ——— رنجیت سنگھ کی
وہ لڑائی جو حملہ آور بادشاہ افغانستان عظیم خاں کے ساتھ ۱۸۲۳ء
میں ہوئی۔ دنیا کی مشہور لڑائیوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ اس
لڑائی میں عظیم خاں کی فوج پچیس ہزار اور رنجیت سنگھ کی تقریباً
پینتیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ اس میں رنجیت سنگھ کو قطعاً
شکست ہوتی۔ اگر تقدیر اُس کی یاوری نہ کرتی۔ دونوں فوجیں
نوشیرہ کے میدان میں مقابل ہوئیں۔ افغان سپاہی اتنے
جوش اور بہادری سے لڑتے تھے کہ قریب تھا کہ سکھوں کے
پاؤں اکھڑ جائیں۔ کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑائی
میں افغانوں کے جوش کی انتہا نہ تھی انھوں نے اپنے ہاتھ اور
اور پاؤں مہندی سے رنگ لیے تھے اور سکھوں پر نہایت ہی

[3] مثلاً پنجاب صلح اور جنگ میں، مصنفہ [illegible] صفحہ ۱۲۔ [4] دیکھو [illegible] جلد [illegible] صفحہ [illegible]۔ [5] قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مورخ سید محمد لطیف اور سر لیپل گریفن [illegible] مہاراجہ رنجیت سنگھ کے سنہ وفات کی بابت صحیح ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رنجیت سنگھ کی عمر تخت نشینی کے وقت بارہ برس کی تھی نہ کہ سات برس کی جیسا کہ کاغذات سرکاری سے معلوم ہوتا ہے۔

انتہا درجہ کی دلیری اور بہادری سے حملہ کرتے تھے۔" یہ بھی لکھا ہے کہ "جب فتح کا پلہ افغانوں کی جانب جھکنے والا تھا تو عظیم خاں کو یہ غلط خبر کسی نے دی کہ سکھ لوگ آپ کی فوج کے عقب پر حملہ کرنا چاہتے ہیں اور حرم کو لوٹنا چاہتے ہیں اس خبر کے سنتے ہی وہ ایسا پریشان اور حواس باختہ ہوگیا کہ میدان جنگ چھوڑ کر دوسری جانب متوجہ ہوا جس سے اُس کی فوج کا دل چھوٹا ہوگیا اور میدان بالآخر سکھوں کے ہاتھ میں رہا۔"

رنجیت سنگھ کا کیرکٹر

گو کہ اتنی بڑی عظیم الشان سلطنت کو برقرار رکھنے اور اپنا جبروت وسطوت قائم رکھنے کے لیے شیر پنجاب کو ضرور اسکی ضرورت پڑی ہوگی کہ بہت سے خود سر سردار پنجاب اور دیگر ممالک سرحد کے حاکموں کو زیر و زبر کرے اور اُنپر ہر طریقے سے اپنا اثر اور اقتدار قائم کرے اور نیز اس لیے کہ خزانۂ ریاست کو پُر کرنے کے لیے اُن سے رقوم نذرانہ اور خراج ہر ممکن طریقے سے وصول کرے[1]۔ مگر پھر بھی حق یہ ہے کہ اُس کے ہاتھ سفاکانہ قتل و غارت کی آلائشوں سے بالکل پاک و صاف معلوم ہوتے ہیں۔ کاغذات سرکاری کے معائنہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ نہایت حلیم الطبع اور منصف مزاج واقع ہوا تھا اور مثل شجاعت کے سخاوت میں بھی وہ بے نظیر تھا۔ اُس کے انعام و اکرام بلا لحاظ قوم و مذہب سب پر یکساں تھے بعض دفعہ تو ایسا ہوا کہ اُس نے لوٹ کا مال جو اُس کے سپاہیوں نے حاصل کیا تھا اُس کے اصل مالکوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر واپس کر دیا۔ ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں اور گورنمنٹ آف انڈیا کی مطبوعہ جلد متفرقات صیغۂ فارن و پولیٹیکل میں جابجا درج ہیں۔ تین مشہور یورپین اُس زمانے کے جنھوں نے رنجیت سنگھ کو اپنی آنکھ سے دیکھا تھا اُس کی نیک مزاجی اور رحمدلی کی بے حد مدح سرائی کرتے ہیں۔ مثلاً (۱) بیرن وان ہیوگل جو ایک جرمن سیاح تھا اور جس سے رنجیت سنگھ سے ۱۸۳۵ء میں ملاقات ہوئی تھی (۲) مسٹر ایچ اے فین جو کمانڈر انچیف سر ہنری فین کے بھتیجے اور ایڈی کانگ بھی تھے اور ۱۸۳۷ء میں رنجیت سنگھ سے ملے تھے اور (۳) کپتان آسبرن جو گورنر جنرل لارڈ آکلینڈ کے حکم سے ۱۸۳۸ء میں رنجیت سنگھ کے دربار میں حاضر ہوئے تھے آخر الذکر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ "مہاراجہ لوہے کے ڈنڈے سے حکومت کرتے ہیں یہ بیشک سچ ہے مگر انصاف سے اس کو نہ چھپانا چاہیئے کہ سوائے لڑائی کے موقعوں کے اُنھوں نے کسی کی جان بیکار نہیں لی گو کہ کئی مرتبہ خود اُن کی جان لینے کی پوری کوشش کیگئی تھی۔ اُن کا زمانۂ حکومت ظلم اور بیرحمی کی نمایاں مثالوں سے بہ نسبت اُن سے کہیں زیادہ شائستہ اور متمدن فرمانرواؤں کے پاک و صاف نظر آتا ہے۔"

رنجیت سنگھ کے قابل الزام افعال

باوجود سطور مذکورۂ بالا کے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ رنجیت سنگھ بالکل معائب سے پاک تھا۔ افعالِ ذیل اُس کے دامن اخلاق پر بدنما دھبے معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) ۱۸۱۰ء میں رنجیت سنگھ نے بلا وجہ مبلغ دس ہزار روپیہ ایک مسلمان بزرگ کی درگاہ اُچگل امام کے مجاوروں سے زبردستی اینٹھ لیے۔

---

[1] کپتان آسبرن کا تخمینہ ہے کہ رنجیت سنگھ کے خزانۂ امرتسر میں ۱۸۳۹ء میں بارہ ملین یعنی ایک کروڑ بیس لاکھ اشرفیاں موجود تھیں (دیکھو آسبرن کی کتاب دربار و لشکر رنجیت سنگھ مطبوعہ ۱۸۴۰ء صفحہ ۲۱۰)

(۲) ۱۸۱۳ء میں مشہور کوہ نور ہیرا شاہ شجاع سابق بادشاہ کابل سے جو اُسوقت اُس کی حفاظت اور حمایت میں رہتا تھا بجبر حاصل کیا

(۳) ۱۸۱۷ء میں راجہ سنسار سنگھ والی ریاست کٹوچ کے اغوا سے اُس کے حریف راجہ نورپور کو جس کے ساتھ سنسار سنگھ کو سخت عداوت اور ذاتی خصومت تھی اُس کی ریاست سے نکال باہر کیا۔

(۴) ۱۸۲۱ء میں بلا کسی عذر معقول کے اپنی محسن اور مددگار سدا کنور اپنی ساس کو قید کر لیا اور اُس کی ریاست ضبط کر لی جیکا علاقہ ویدونی جو دریائے ستلج کے پورب جانب واقع ہے بتحریک کپتان مرے فوراً واگزار کر لیا گیا ۔

(۵) ۱۸۲۲ء میں بعض جاگیرداروں پر بلا سبب سخت جرمانے کیے گئے ۔ چنانچہ سردار ڈل سنگھ جس پر ایک لاکھ کی رقم لگائی گئی اسی رنج و افسوس میں زہر کھا کے مر گیا۔

(۶) ۱۸۲۶ء میں رنجیت سنگھ میں ایک عجیب تغیر پیدا ہوا یعنی ایک طرف تو وہ بہت سیرچشمی سے روپیہ لٹاتا تھا اور دوسری طرف بیحد لالچی ہو گیا تھا ۔ ایک طرف اپنے بعض چہیتے امرا کو جاگیر اور انعامات سے مالامال کرتا تھا اور دوسری طرف دیگر ارکان ریاست سے روپیہ اینٹھتا تھا چنانچہ مصر دیوان چند کو جس نے ملتان اور کشمیر اور دوربند کی مشہور لڑائیاں فتح کی تھیں اور سکھوں کا نہایت بہادر سردار سمجھا جاتا تھا یہ امر نہایت ناگوار ہوا اُس نے مہاراجہ کو مخلصانہ اور دوستانہ طور سے نصیحت اور فہمایش کی مگر رنجیت سنگھ کو اُس کی فہمایش اسقدر بُری معلوم ہوئی کہ سرِ دربار اپنے خیر خواہ اور بہادر سردار کو ڈانٹ دیا جس سے اُس کو اس قدر رنج پہونچا کہ زہر کھا کر جان دیدی۔

(۷) ۱۸۲۸ء میں اُس نے راجہ انرودھ چند والی ریاست کٹوچ کو مجبور کیا کہ اُس کے محبوب وزیر راجہ دھیان سنگھ کے ساتھ اپنی بہن کی شادی کردے ۔ انرودھ چند کو یہ تعلق نہایت ناگوار تھا اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ دھیان سنگھ کسی شریف اور بڑے خاندان کا آدمی نہیں ہے جب رنجیت سنگھ نے راجہ انرودھ پر شادی کے بارے میں زیادہ زور دیا تو اُس نے ایک مہینے کی رخصت مانگی اور اس عرصے میں اپنی بہن کو ہردوار میں لیجا کر گنگا اشنان کرادے جو سکھوں میں قبل شادی ایک ضروری رسم سمجھی جاتی ہے اور اس حیلے سے راجہ مع اپنی بہن اور دیگر اہل خاندان کے رنجیت سنگھ کے علاقے سے نکل آیا اور نالہ گڑھ میں جو ستلج کے پورب واقع ہے پناہ لی ۔ رنجیت سنگھ کو اس حالت پر اس قدر غصہ آیا کہ راجہ کی ساری جائداد ضبط کر لی۔

سرکار انگریزی کے ساتھ تعلقات

رنجیت سنگھ کے تعلقات سرکار انگریزی کے ساتھ ۱۸۰۵ء سے شروع ہوتے معلوم ہوتے ہیں جبکہ وہ ملتان کی لڑائی سے جو ۱۸۰۳ء ہوئی تھی لاہور واپس آیا تھا ۔ سنہ مذکور یعنی ۱۸۰۵ء میں اُس نے اُس صلح نامے میں جو درمیان جسونت راؤ ہلکر اور لارڈ لیک کے ہوا تھا ۔ ایک نمایاں حصہ لیا اس وجہ سے کہ ہلکر دریائے بیاس کو پار کر کے رنجیت سنگھ کے علاقے میں امرتسر تک گھسا چلا آیا تھا اور اُس کے تعاقب میں انگریزی فوج بھی بسرکردگی لارڈ لیک پہونچی تھی ۔ مگر برٹش گورنمنٹ سے اُس کے اصلی تعلقات کی بنیاد ۱۸۰۸ء میں پڑی اور اُس کی صورت یہ ہوئی کہ جب رنجیت سنگھ کے مشہور سردار دیوان محکم چند نے ۱۸۰۸ء دریائے ستلج کے اُس پار کے علاقے فتح کر لیے تو رنجیت سنگھ کا اس نمایاں فتح سے اتنا دل بڑھا کہ دریائے ستلج عبور کر کے دریائے جمنا کی سرحد تک پہونچ گیا جو اُسوقت انگریزی عملداری کی شمالی حد سمجھی جاتی تھی ۔ لارڈ منٹو گورنر جنرل کشور ہند

کو اس خبر سے بہت وحشت ہوئی اُنھوں نے اس غرض سے کہ رنجیت سنگھ کا قدم آگے نہ بڑھنے پائے اور نیز یہ کہ نیپولین کے حملۂ ہندوستان کے جسکا اُسوقت بہت خوف تھا رنجیت سنگھ سے اتحاد کی صورت پیدا کی جا سکے - ایک زبردست سفارت بصدارت چارلس مشکاف نائب رزیڈنٹ دہلی ۱۸۰۸ء میں رنجیت کے پاس روانہ کی - مشکاف کے ہمراہیوں میں بہت سے مسلمان بھی تھے اتفاق سے اُسوقت محرم کا زمانہ تھا مسلمان لوگ محرم کی عزاداری میں مصروف ہوئے - اکالی سکھوں کو مسلمانوں کے تعزیے نکالنا اور باجے بجانا اس قدر ناگوار ہوا کہ اُنھوں نے مشکاف کے مسلمان سپاہیوں پر حملہ کرنا چاہا - اگر یہ مختصر جماعت انگریزی فوج کے مسلمان سپاہیوں کی اُسوقت موجود نہ ہوتی تو سکھوں کا زبردست حملہ ہو جاتا مگر وہ اس قواعدداں فوج کو دیکھکر خوف کھاکے منتشر ہو گئے - اتفاق سے اسی نازک وقت میں رنجیت سنگھ موقع پر پہونچ گیا لارڈلیک سے ملاقات کرکے اپنے سپاہیوں کی بے اعتدالی کی معافی مانگی اس کے ساتھ ہی انگریزی فوج کی قواعددانی اور باقاعدگی کی بہت تعریف کی اور انگریزی مطالبات کو منظور کر لیا - اس واقعہ کے بعد پچیس ۲۵ اپریل ۱۸۰۹ء کو انگریزوں سے معاہدہ ہو گیا جس کے تمام شرائط بالتفصیل کاغذات سرکاری میں موجود ہیں جنمیں سے ایک ضروری شرط یہ تھی کہ "مہاراجہ کو دریائے ستلج کے مشرق جانب توسیع ریاست کا اختیار نہ ہوگا" - اسی محرم کے واقعہ کا ایک خاص نتیجہ یہ ہوا کہ رنجیت سنگھ کے دل پر انگریزی فوج کی خوبی اور قواعددانی کا سکہ بیٹھ گیا اور اُس نے اپنی فوج کو بھی اسی طرز کی تعلیم دینا شروع کر دی - چنانچہ ہم کو کاغذات سرکاری سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۲۳ء کی نوشہرہ کی مشہور لڑائی میں جب کہ رنجیت سنگھ کی سلطنت معرض خطر میں پڑ گئی تھی رنجیت سنگھ کو اس بات کی ضرورت اچھی طرح محسوس ہوئی کہ سکھوں کو بالکل انگریزی فوج کی طرح باقاعدہ تعلیم دی جائے -

یورپین لوگ رنجیت سنگھ کی فوج میں

سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد ہندوستان کی کچھ عجیب حالت تھی آپس کی خانہ جنگیاں، لوٹ مار، قتل و غارتگری غرضکہ انتہا درجہ کی بدامنی پھیلی ہوئی تھی - آخری فرمانروایان دہلی کی ملکی معاملات سے بیخبری اور عیش پرستیوں نے غیر ملک کے لوگوں کو جو اپنے خواب میں ہندوستان کو ایک دولت کا اُبلتا ہوا چشمہ اور ایک سونے کی کان تصور کرتے تھے - اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ بھی اس زرخیز اور جواہر ریز ملک میں آکر اپنی اپنی تقدیر آزمائیں - چنانچہ اسی خیال سے اکثر من چلے یورپین ہندوستان میں بکثرت آئے اور یہاں کے والیان ملک اور رؤسا کے درباروں اور فوج میں ملازمت کے متلاشی ہوئے - چونکہ اکثر ان میں کے اپنے ملک کے فنون سپہگری اور فوجی قواعد سے آگاہ تھے - اُن کو ہندوستان میں نہ صرف فوجی خدمتیں آسانی سے مل جاتیں بلکہ یہاں کے راجہ اور نواب جو اُس زمانے میں برسر اقتدار تھے اُن کے جنگی کرتبوں اور قواعد کو دیکھکر اُن کے گرویدہ ہو جاتے اور اُن کو اپنی فوج میں انگریزی طرز کی قواعد سکھلانے کے واسطے بہت خوشی سے نوکر رکھ لیتے - اسی زمرے میں دو فرانسیسی افسر بھی تھے جنکا نام آلاوُڈ اور ونتورا تھا اور جو مشہور معرکہ واٹرلیو میں شریک ہوئے تھے - یہ دونوں ۱۸۲۲ء میں ہندوستان آئے اور رنجیت سنگھ کی فوج میں ملازم ہو گئے - سرکاری ریکارڈوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واٹرلو میں نیپولین اعظم کی شکست کے بعد یہ لوگ اپنے وطن اصلی سے نکل کر قسطنطنیہ اور ایشیائے کوچک کی سیر کرتے ہوئے ایران پہونچے جہاں اُنھوں نے کوئی فوجی ملازمت کر لی - مگر

جب اُن کا جی یہاں نہ لگا اور کوئی ترقی کی صورت نہ دیکھی وہاں سے بھی چل کھڑے ہوئے اور براہ قندھار کابل و پشاور ۱۸۲۲ء میں بمقام شاہدرہ قریب لاہور پہونچے اور رنجیت سنگھ سے ملے۔ رنجیت سنگھ نے اُن کی بہت خاطر و مدارات کی اور اپنی فوج میں ایک ممتاز جگہ اُن کو دی تاکہ وہ اس کی فوج کو یورپی قواعد سکھلائیں اور جدید فنون جنگ سے آگاہ کریں۔ اس کی جدت سے دربار کے پُرانے سرداروں اور فوجی افسروں میں ایک خاص قسم کی بےچینی اور ان غیر ملکی آوارہ گردوں کے ساتھ سخت رشک و حسد کی کیفیت پیدا ہوئی۔ رنجیت سنگھ اس رنگ کو تاڑ گیا اس کی زبردست قوت کے سامنے کسی سردار اور افسر کی نہیں چل سکتی تھی۔ ان نئے لوگوں کی ملازمت سے فوج میں ایک نئی ترتیب اور انتظام قائم ہوگیا اور جدید یورپی فوجی تعلیم اسی زمانہ سے شروع ہوگئی۔ ایک مرتبہ جبکہ ایک فوجی دستہ ان دونوں کو تعلیم کے واسطے سپرد کیا گیا تو اُنھوں نے مذاق کے طور پر کہا کہ دوشال جب ایک دفعہ بُن جاتی ہے تو پھر وہ کھولی نہیں جاسکتی یعنی بڈھے ہندوستانی سپاہیوں کو نئی قواعد سکھلانا مشکل کام ہے مہاراجہ کو ان دونوں افسروں کا اتنا خیال تھا کہ ۱۸۲۶ء میں جب اُنھوں نے مہاراجہ سے شکایت کی کہ سکھ سردار ہماری عدول حکمی کرتے ہیں اور ہماری ماتحتی میں کام کرنا نہیں چاہتے تو مہاراجہ کو سخت غصّہ آیا تھوڑی سی فوج اور توپیں لیکر شہر کے باہر بمقام انارکلی نکل گیا اور خیمے نصب کرائے۔ اکثر نافرمان افسروں کو گرفتار کر کے اُن کے عہدے توڑ دیے اور بغاوت کے سرغنہ لوگوں کو سخت سزائیں دیں۔ اس فوری تدبیر سے فوج میں پھر امن و امان اور انتظام قائم ہوگیا۔ ان دونوں فرانسیسیوں کے علاوہ اور یوروپین بھی وقتاً فوقتاً رنجیت سنگھ کی فوج میں داخل ہوتے رہے اور کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے گورکھوں کو بھی اپنی فوج میں رکھنا چاہا تھا اور مسلمان سپاہی تو بکثرت تھے۔

رنجیت سنگھ کی علالت

رنجیت سنگھ کے جرنیل مصر دیوان چند کی خودکشی کے بعد جس کا ذکر اوپر ہوا اور جس سے پنجاب کو ناقابل تلافی صدمہ پہونچا؟

پنجاب میں ایسے بعض مصیبت ناک واقعات پیہم پیش آگئے جن سے لوگوں کو سخت نقصان پہونچا۔ سب سے پہلے (۱۸۲۶ء میں) مہاراجہ کو سخت بخار آگیا جس کا سبب بکثرت بارش بتلایا جاتا ہے علاج کی غرض سے ڈاکٹر مرے لودھیانہ سے فوراً طلب کیے گئے جو مہاراجہ کے پاس بغرض علاج سات ماہ تک برابر ٹھہرے رہے اُن کے علاج سے مہاراجہ بالکل صحیح ہوگئے اور کاغذات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا اثر مہاراجہ پر بہت پڑا تھا۔ گو سید عبداللطیف مصنف تاریخ پنجاب اس میں شک کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "اُنکا قیام اتنے عرصہ تک محض اس وجہ سے ہوا کہ مہاراجہ ان کو ایک عجیب چیز سمجھتے تھے اور کسی غرض سے نہیں" اسی سال کے آخر میں بعض سرداروں نے سرکشی کی جس کی قرار واقعی سزا اُنکو دیگئی۔

۱۸۲۷ء میں وبائے ہیضہ ہندوستان سے پنجاب پہونچی اور بڑے بڑے شہر مثل لاہور اور امرتسر کے تباہ ہوگئے۔ اسی وبا میں جرنیل بودھ سنگھ مہاراجہ کے مشہور جرنیل کا انتقال ہوا جنھوں نے مولوی سید احمد کو بمقام اٹک شکست دی تھی۔ کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر بھی اس وبا سے محفوظ نہیں رہا۔ دس ہزار آدمی وہاں ہلاک ہوئے۔ اس مصیبت کے وقت ایک شدید زلزلہ بھی آیا جس سے بہت جان و مال کا نقصان ہوا۔

گھوڑوں کا شوق

رنجیت سنگھ کو گھوڑوں کا بیحد شوق بلکہ عشق تھا۔ ہندوستان کے اطراف و جوانب سے بلکہ عرب اور ایران تک سے بہترین اور نہایت خوبصورت

اور نسلی گھوڑے بھی منگوائے تھے۔ جب کبھی کوئی دشمن مغلوب ہوتا اور اُس سے عہد نامہ کیا جاتا تو چند راس اسپ کی نذر بھی عہد نامہ میں شامل ہوتی۔ کاغذات کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک خوبصورت گھوڑی "لیلی" کے حاصل کرنے میں اُس نے آٹھ برس تک مسلسل کوشش کی اور بالآخر اُس کے مالک یار محمد خاں حاکم پشاور سے اُن کے ایک دوست شیخ فیض کی سفارش سے ایک رقم کثیر خرچ کر کے حاصل کر ہی لی۔ ایک دوسرا گھوڑا جسکا نام "زرد کہار" بتایا جاتا ہے۔ پشاور کے پٹھانوں سے ایک بڑی قیمت کے معاوضے میں حاصل کیا گیا۔ مہاراجہ کی یہ عادت اُس کے عہد کے گورنر جنرل لارڈ ولیم بینٹنگ کو بخوبی معلوم تھی چنانچہ انھوں نے اکثر موقعوں پر عمدہ گھوڑے بطور تحفے کے مہاراجہ کی خدمت میں پیش کیے تھے۔

لباس۔ خود رنجیت سنگھ کا لباس نہایت سادہ تھا مگر اہل دربار سلطنت مغلیہ کے درباریوں کی تقلید میں نہایت پر تکلف لباس بیش بہا قیمتی اور رنگین کپڑوں کا پہنتے اور جواہرات سے آراستہ ہوتے موسم سرما اور بہار میں مہاراجہ عموماً زعفرانی رنگ کی کشمیری شال زیب بدن کرتے اور گرمی میں بنگالے کی باریک ململ کا اتنا شوق تھا کہ ۱۸۳۳ء میں سلطنت انگریزی کی طرف سے دس بیش قیمت تھان ڈھاکہ کی ململ کے بطور تحفہ اُن کے پاس بھیجے گئے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ بنارسی کمخواب اور زربفت اور سلمے کے اور پر تکلف کپڑے بھی اُن کو نامرغوب نہ تھے۔ ۱۸۳۸ء میں جب کپتان آسبرن سے اُن سے بمقام آدینانگر ملاقات ہوئی ہے تو کپتان موصوف اُن کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں "ایک زرنگار کرسی پر چوزانو بیٹھے ہوئے۔ کپڑے بالکل سادے کسی قسم کا زیور نہیں سوائے ایک موتیوں کے مالے کے جو ہاتھ میں لیے ہوئے تھے اور بازو پر مشہور کوہ نور بندھا تھا جسکی شعاعیں چاروں طرف پڑ رہی تھیں مگر اُن کی کانی آنکھ سے جو شعاعیں اس حلقے کی صورت میں نکلتی تھیں وہ بھی اپنی چمک میں کسی طرح اُس ہیرے سے کم نہ تھی"۔

مذہب۔ جہاں تک کاغذات سے پتہ چلتا ہے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا مذہب وہی تھا جس کی ابتدا سکھوں کے ریفارمر گرو گوبند نے ڈالی تھی مگر اُس کے ساتھ ہندوؤں کے پرانے اعتقادات اور رسوم کو بھی دل سے مانتے تھے جیسے کہ افعال ذیل سے ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً اپنے بیٹے کھڑک سنگھ کی پیدائش کے موقع پر تارن ترن کے تالاب میں اُنکا اشنان کرنا جو امرتسر کے قریب واقع ہے اور سکھ لوگ اُس کو بہت مانتے ہیں۔ ۱۸۰۳ء میں ہندوؤں کے مشہور معبد ہردوار میں اُن کا جاترا کرنا (ہردوار اُسوقت مرہٹوں کے قبضے میں تھا) ۱۸۱۵ء کانگڑہ کی جوالا مکھی مندر میں ایک سنہری قبہ چڑھانا اور ایک بعد کے موقع پر اسی مقام پر مبلغ ایک سو پچیس روپے بطور نذر کے بھیجنا۔ ۱۸۲۳ء میں جب نوشیرہ کی لڑائی جیتے تو امرتسر کے طلائی مندر میں اس فتح کی خوشی میں خود گئے اور ایک لاکھ روپیہ وہاں کے پجاریوں کو نذر کیا۔ کپتان ویڈ کا بیان ہے کہ ہر روز ایک بجے دن کو گرنتھ کا کچھ حصہ ضرور پڑھوا کر سنتے تھے جب لارڈ آکلینڈ اُن سے ملنے گئے تو مہاراجہ اُن کے ساتھ طلائی مندر گئے اور وہاں کی مذہبی عبادت میں شریک ہوئے جب جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ کوہ نور ہیرا پوری جگنناتھ کے مندر میں میری طرف سے چڑھایا جائے تاگو یہ وصیت اُن کی پوری نہیں ہوئی۔

ان واقعات سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ مہاراجہ کا اصل مذہب خواہ کچھ ہی ہو مگر اُسپر ہندوؤں کے اعتقادات

اور رسوم کا بڑا اثر تھا گو کہ وہ ایک متعصب ہندو ہرگز نہیں تھے کیونکہ اُن کو مسلمان فقیروں اور درویشوں سے بھی بڑا اعتقاد تھا۔ بعض وقت وہ گنڈے تعویذ اور فال شگون وغیرہ کو بھی دل سے مانتے تھے۔

انگریزوں کے ساتھ دوستی

۱۸۰۹ء کے عہد نامہ کے بعد سے اپنے مرتے دم تک وہ انگریزوں کے سچے دوست اور خیر خواہ رہے۔ عہد نامے کے شرائط پر استقلال مزاجی سے جمے رہے کہ ۱؎ بین ۱۸۲۳ء اور ۱۸۲۶ء کے متعدد ریاستوں اور والیان ملک کے پاس سے اُن کے پاس خفیہ پیغام اور جاسوس تک آئے جنھوں نے اونکا دل انگریزی گورنمنٹ سے برا کرنا چاہا یہاں تک کہ جنرل گارڈن اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ بھرت پور کے جاٹوں نے جب یہ دیکھا کہ وہ کسی طرح انگریزوں سے لڑنے پر راضی نہیں ہوتے تو اُنھوں نے تمسخر اور طنز کے طور پر اُن کے پاس ایک لہنگا پھریا بھیجی جس سے یہ مطلب تھا کہ تم بالکل نامرد ہو جبھی انگریزوں سے نہیں ۲؎ لڑتے

صدہا رکارڈ سرکاری دفاتر میں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ انگریزی حکام سے نہایت محبت اور خلوص سے ملتے تھے۔ انگریزی گورنمنٹ کو انگلستان اور ہندوستان دونوں مقام پر اُنھوں نے متعدد تحائف اور خطوط اور سفارتیں اسی غرض سے بھیجیں تاکہ یہ رابطۂ اتحاد و محبت برابر قائم رہے۔

مرض الموت

۱۸۳۴ء میں مہاراجہ کو پہلی مرتبہ فالج کا دورہ ہوا جس سے وہ بے انتہا کمزور ہو گئے قبل اس کے اُن کی صحت بہت اچھی تھی اور اُن کی جسمانی اور دماغی قوت بدرجۂ اتم تھی۔ ۱۸۳۷ء کے شروع میں دوسرا دورہ فالج کا ہوا جس سے اُن کا شق راست بالکل بیکار ہو گیا مگر بات چیت کی قوت اچھی طرح باقی تھی۔ دوسرے ہی سال یہ مصیبت پیش آئی کہ مہاراجہ کی محبوب بیوی کھڑک سنگھ کی ماں کا انتقال ہو گیا جنکو وہ پیار سے نکاہن کہا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ نکئی سرداروں کے خاندان سے تھی۔ اس واقعہ کے ایک ہی ہفتہ کے اندر ایک مست ہاتھی نے اُن پر حملہ کیا جس سے بال بال بچ گئے بالآخر دسمبر ۱۸۳۸ء میں تیسرا دورہ پڑا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے کہا جاتا ہے کہ لارڈ آکلینڈ اس سال بمقام فیروزپور اُن سے ملنے گئے تھے۔ لہذا اُن کی خاطر مدارات اور انتظامات کے انہماک سے وہ اتنے کمزور ہو گئے کہ یہی موت کا باعث ہوا۔ چنانچہ ۱۸۳۹ء ۲۷ جون کو بوقت شام بمقام لاہور اُن کی روح نے مفارقت کی۔ مرنے کی خبر بمصلحت رعایا اور فوج سے چھپائی گئی۔ کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری کے اثناء میں اکثر ہندو معبدوں اور مندروں میں اُن کی صحت کے لیے دعائیں مانگی گئیں تھیں اور نقد و جواہر قیمتی پچاس لاکھ روپیہ کا دان پُن کیا گیا اپنے مشہور ہیرے کوہ نور کو جسکا اوپر لکھا گیا وہ جگنا تھ کے مندر میں چڑھانا چاہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ "دولت دُنیا کوئی شخص اپنے ساتھ نہیں لیجاتا دان پُن سے آدمی کا نام باقی رہتا ہے"۔ مگر مرنے کے بعد ریاست کے خزانچی بیلی رام نے ہیرا دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ مہاراجہ کی ذاتی ملک نہیں بلکہ ریاست اس کی مالک ہے۔

۱؎ سنا تھا نیپال سے کچھ لوگ فقیروں کے بھیس بدل کر آئے تھے ۱۲ ۲؎ ۱۸۲۵ء در میں سال راجہ بھرت پور نے لکھا تھا کہ ہم تمکو پچاس ہزار روپے یومیہ علاوہ ایک اور بڑی رقم کے دیں گے اگر تم ہمارے ستلج کے اس پار آکر انگریزوں پر حملہ کرو اور ہمارا ساتھ دو"

مہاراجہ کی موت پر سلطنت انگریزی کا افسوس

جب نواب گورنر جنرل بہادر لارڈ آکلینڈ کو مہاراجہ کی خبر پہونچی تو اُنھوں نے حسب ذیل حکم عام شائع کیا۔ جنرل آرڈر مورخہ ۱۳ جولائی سنہ ۱۸۳۹ء رائٹ آنریبل نواب گورنر جنرل بہادر کشور ہند کو اپنے پولیٹیکل ایجنٹ متعینہ لودھیانہ سے سرکاری طور پر اطلاع ملی ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ حاکم پنجاب نے بتاریخ ۲۔ جون گذشتہ کو اس جہان فانی سے انتقال کیا پس بربنا اُس رابطۂ اخلاص و محبت کے جو مابین مہاراجہ موصوف اور سرکار انگریزی کے تھا نواب گورنر جنرل بہادر حکم دیتے ہیں کہ ساٹھ ضرب توپ سلامی بتعداد مہاراجہ مرحوم کے سال عمر کے قلعجات دہلی و آگرہ و الہ آباد و نیز ممالک مغربی و شمالی کے اُن تمام شہروں سے جہاں جہاں توپخانے معین ہیں منٹ منٹ کے فرق سے سر کیجائیں اسی طرح لودھیانہ اور فیروز پور کے توپخانوں سے بھی اُسی قدر تعداد سلامی سر کیجائے۔"

اس کے علاوہ ایک سفارت بصدارت پولیٹکل ایجنٹ لودھیانہ اور اُن کے اسٹاف کے بغرض اظہار تعزیت سردار کھڑک سنگھ خلف مہاراجہ موصوف کے پاس بمقام لاہور بھیجی گئی۔

شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کی زندگی اور موت کے یہ مختصر حالات ہیں جو اوپر درج ہوئے۔ مورخ مارشمین رقمطراز ہے کہ "یہ اسی شخص کی انتہا درجے کی قابلیت اور حسن تدبیر کا نتیجہ تھا جس نے سکھوں کی ریاست کو ایک عظیم الشان طاقت اور سلطنت کے درجے تک پہونچا دیا اگر وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی زبردست سلطنت سے چاروں طرف گھری نہ ہوتی تو ہندوستان بھر میں اُس سے کوئی بڑی اور شاندار سلطنت نظر نہ آتی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی انتہائی کوشش اور فکر و تدبیر سے اسی ہزار فوج اور تین سو توپیں جمع کی تھیں اور اُن کا فوجی نظام اور جنگی ساز و سامان ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا کہ کسی دوسرے ہندوستانی والیان ملک کے یہاں اُسکی نظیر مشکل سے ملتی تھی۔" اسی طرح گارڈن صاحب لکھتے ہیں کہ "سکھوں کی طاقت مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات پر انتہائی عروج تک پہونچ چکی تھی اُن کے بعد اُس کا زوال اور خاتمہ اس طرح شروع ہوا جیسے کوئی آتشبازی چھوٹکر اور اپنی آتش فشانی کی بہار دکھلاکے فوراً ختم ہوجاتی ہے۔"

غزل

(جناب حافظ محمد ظفر الحسن صاحب غریق صدیقی۔ جونپوری۔)

پڑھا سو انظر پڑتے ہی کیا پھولوں کے دامن پر　　نہایت بار ہے اپنا گریبان اپنے ہی تن پر

جنوں سے ہوش میں آکر کف افسوس ملتا ہوں　　نظر حسرت بھری پڑتی ہے ہر چاک دامن پر

حکایت اپنی بربادی کی کیا بتلاؤں اے ہمدم　　خطا اپنی ہے بھروسہ کیوں کیا الفت کا دشمن پر

جو دل میں صاف آئینہ کدورت سے نہیں رکھتے　　کبھی ہم نے نہ دیکھا گرد کو دریا کے دامن پر

الٰہی یاد کوئی آگئی ہے کیا وفا میری　　وہ پڑھکر فاتحہ کیوں دیتے ہیں میرے مدفن پر

زلیخا کو محبت تھی مگر ناواقف انجام　　لگایا تھا نہ یوں دھبہ کسی یوسف کے دامن پر

چلو جانے دو جو کیا ہو اسکو ہوئے اگر یوں　　بہت ہونا نہیں اچھا ہے یاں مرگ دشمن پر

کسی کی جو ادا ہے ساری دنیا سے نرالی ہے　　فدا کیونکر نہ کر دوں جان اس بیساختہ پن پر

نہایت بیکلی ہے دل کو ارمان شہادت میں　　ترے قربان قاتل رکھ بھی دے شمشیر گردن پر

ارادہ ہے کہ ویرانہ میں جا کے بسیئے اے غریق　　نظر صیاد کی ہے ہر طرح میرے نشیمن پر

مرقع کی نسبت

ہندوستان کے چند مشہور اخبار و جرائد کے نقد و تبصرہ کا اقتباس

اخبار جمہور بنارس — جلد ۲ نمبر ا

"مرقع لکھنو" ہمارے دوست وصل بلگرامی نے "مرقع" جو لکھنؤ سے جاری کیا ہے یہ پرچہ صورت شکل مضمون ترتیب اور دیگر خوبیوں کے لحاظ سے قابل دید ہے لائبریری خانہ پور میں کھلوا بنا ہوا ہے کبھی منبر پر نہیں بیٹھا اسکی ظاہری خوبی کے ساتھ معنوی خوبیاں بھی ہیں۔ اور اسکے مضامین اہل دماغ کے دماغ کو عطر کا کام دیتے ہیں۔ نگاہیں مسرور ہوتی ہیں۔ ...... اگست کے پرچہ میں کلام حضور پر نور نظام عالی مقام و ریاض و آثر لکھنوی قابل دید ہے ۔ آرزو کا کیا کہنا۔

اخبار ممتاز کانپور — جلد ۲ نمبر ۳

"مرقع" :۔ اس نام کا ایک ماہوار رسالہ دارالادب لکھنؤ سے تقریباً دو ماہ ہوئے سید مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی کی ادارت سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اسکا دوسرا نمبر ہمارے سامنے ہے۔ رسالہ کی ظاہری اور معنوی خوبیوں کو دیکھ کر بے ساختہ زبان سے جاری ہوتا ہے ؎

تری اُٹھان ترقی کرے قیامت کی
ترا شباب بڑھے عمر جاودان کی طرح

مضامین کی ترتیب میں جو کد و کاوش جامع کو پیش آئی ہوگی اور جو محنت اسکے مواد جمع کرنے میں لاحق ہوئی ہوگی اسکا بدل بلکہ نعم البدل اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ پبلک دل کھول کر اس رسالہ کی حوصلہ افزائی کرے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم میں ادبی رسالوں کی جانب سے جو بے نیازی روا رکھی جاتی ہے وہ ایسے بے بہا رسالوں کو جینے نہیں دیتی۔ اگر رسالہ کی طرف سے ہمیں کھٹکا ہے تو صرف یہی کہ دیکھئے پبلک اسکے ساتھ بھی وہی لاپرواہی روا رکھتی ہے جو اس سے پہلے "العصر" "ادیب" وغیرہ کے ساتھ اُس نے برتی تھی۔ یا اب اپنی تغافل شعاریوں کو خیرباد کہکر اُردو کی خدمت اپنا فرض سمجھتی ہے۔ اور "مرقع" کی سرپرستی اور صاحب مرقع کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

بنظر تنقید میں کسی مضمون میں پسند آئے اور اگر فرصت ہوتی تو ہم ان پر تفصیلی نظر ڈالتے لیکن ضیق اوقات کے ساتھ ساتھ اس مختصر کالم میں اسکی گنجایش کہاں کہ ہم "مرقع" ایسے دلپسند دیدہ زیب نظر فریب جامع اور مانع رسالہ پر تفصیلی تنقید کریں بہرحال بحیثیت مجموعی رسالہ بہت ہی اچھا ہے۔ نمونہ کا پرچہ ۸ر میں اور سال بھر کے لئے صہ میں جاری ہوتا ہے جو بہت مناسب قیمت ہے۔

اخبار نیر اعظم مراد آباد — جلد ۱۵ نمبر ۱ و ۲

"مرقع" ہمارے کرم سید مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی نے نہایت اہتمام سے جنوری سے ماہوار یہ رسالہ شایع کیا ہے نظم و نثر مضامین عالی سے اعلیٰ اس میں درج ہیں۔ فہرست مضامین اول میں ایک صفحہ پر دو رنگی چھپی ہے تقریباً ۲ بہترین اہل قلم کے مضامین ہیں۔ لکھائی چھپائی کاغذ سپید دبیز ہے ۲۰ × ۴۰ ۱/۸ سائز کے ۴۴ صفحہ پر علاوہ اشتہارات، ٹائٹل پیج اور فہرست مضامین کے، اسکی ضخامت ہے یہ ادبی رسالہ ملک کی قدر کے قابل ہے، صہ سالانہ اسکی قیمت کچھ زیادہ نہیں ......

اخبار الحکام مشرقی گورکھپور — جلد ۱ نمبر ۲

"مرقع" ماہانہ اُردو رسالہ مرتبہ سید مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی قیمت پانچ روپیہ سالانہ سائز ۲۰ × ۳۰ ۱/۸ ضخامت ۴۴ صفحہ طباعت و کتابت دیدہ زیب دارالادب لکھنؤ سے طلب کیجئے۔ پریس ایکٹ کے نسخ کے بعد ہندوستان میں جرائد و رسائل کا استیلا ہے جنکی طبیعت تھوڑی بہت بھی ادبی مشاغل سے لطف اندوز ہوئی اس نے ایک رسالہ نکال دیا مضامین نویس اگر دلیں تو کوئی مضائقہ نہیں سرمایہ اگر دو ایک اشاعت سے زیادہ کا بار نہیں اُٹھا سکے تو کوئی نقصان نہیں اسکا نتیجہ ایک طرف تو یہ ہے کہ قومی سرمایہ خراب مصرف میں صرف ہوتا ہے، دوسری طرف ادب بدنام ہوتی ہے۔ "مرقع" کے صاحب مرقع ان نقائص سے پاک ہے اور ان شاء اللہ رہیگا۔ حضرت وصل سے جو لوگ واقف ہیں ان سے یہ راز پوشیدہ نہیں کہ موصوف ایک نہایت علم دوست اور طباع شاعر ہیں، صحیفہ نگاری میں بھی خاص درک ہے "اتنا، کثیر الاحباب" شخص تو کم کسی کی نظروں سے گزرا ہوگا، پہلا نمبر جنوری ۱۹۲۶ء مضامین کے لحاظ سے بہت اچھا ہے حصہ نثر میں مولوی عبدالحلیم شرر لکھنوی مشہور فسانہ نویس کا مضمون فارسی زبان اور اسکا علم ادب خاص کر قابل توجہ ہے بلحاظ تنقید و تحقیق اس نمبر کے زیادہ اڈیٹر کا نوٹ قابل غور ہے۔ علامہ اقبال کی نظم "افکار فلک" بہا بے بنیاد تحسین ہے ...... نے عالم خیال میں ایک ہیجان پیدا کر دیا، اس سے کچھ ذہنی لطف اندوز ہو سکتا ہے جس نے انسان کو قدرت نے نعمت بخشی ہے اور جنکا دل انسان کی اندرونی صلاحیت اور اُسکے اظہار و عدم اظہار کے راز سے واقف ہے۔ ہم حضرت وصل کو مبارکباد دیتے ہیں۔

رسالہ "صلائے عام دہلی" — جلد ۱۳ نمبر ۲

رسالہ "مرقع" :۔ مرقع کے دو پرچے جنوری و فروری کے میں نے دیکھے، بہت اچھے نکلے، چھپائی، لکھائی، کاغذ کی تعریف تو دکھا داری میں داخل ہے۔ ان کی خوبیاں بھی کسی رسالہ سے کم نہیں۔ سب سے زیادہ تعریف مضامین کی ہے۔ مرقع کو بہت ہی اچھے اچھے مضمون نگار ہاتھ لگے۔ فروری کے مرقع میں جناب مولوی عبدالباری صاحب آسی نے بہت پاکیزہ مضمون لکھا۔ جسکی سرخی "مشاہدہ فطرت و شاعری" ہو۔ اسمیں مولوی صاحب نے غنی کے کلام سے شراب کے مضمون کو بنچر (فطرت) اور تخیل سے بڑی قابلیت کے ساتھ ملایا اور مقابلہ کیا ہے۔ اسی طرح جناب حکیم برہم نے "اردو زبان کی قدامت" کا مضمون نہایت محققانہ لکھا حکیم صاحب کی معلومات علمی اور پاکیزہ بیانی کا میں شروع سے قائل ہوں۔ ایسے مضامین ہماری زبان کے لٹریچر کے لئے مایۂ ناز ہیں مضامین کی خوبیوں سے یہ رسالہ واقعی مرقع ہے۔ مرقع کے معنی فارسی میں کتاب تصویر ہیں جسے انگریزی میں البم کہتے ہیں۔ از روئے مضامین یہ رسالہ بہت اچھا مرقع ہے۔ اسے اور چند تصویر والے رسالوں کی طرح چھاپے کی فوٹو تصویروں کی ضرورت نہیں۔

مجھے بھی مرقع کی مضمون نگاری کی آرزو ہے مگر میں نے صلائے عام کا روگ اس سے پہلے لگا رکھا ہے۔ یہ روگ میری جان کو نہ ہوتا تو میں سب سے پہلے مرقع کے لئے اپنی باقی زندگی وقف کر دیتا۔ کہ مسئلہ وقف علی الاولاد کے مطابق طبعزاد کا جواد لاد کے برابر میں وقف ہونا ممکن تھا لیکن افسوس ہے کہ اب زندگی تھوڑی رہ گئی۔ بقول جناب سائل دہلوی ؎

مرقع تو دیکھا تری انجمن کا
نہ دیکھی اپنی ہی کمبخت صورت

رسالہ "زمانہ" کانپور — جلد ۴۶ نمبر ۴

مرقع۔ لکھنؤ کی آب و ہوا عموماً اُردو رسائل کے لئے راس نہیں آتی ہے۔ اور پرانے پرچوں میں رسالہ "الناظر" کے سوا اور کوئی رسالہ اسوقت قائم نہیں ہے۔ جنوری سنہ حال سے البتہ "مرقع" نام کا ایک بلند پایہ ادبی و علمی رسالہ نصیر آباد لکھنؤ سے بڑی تقطیع پر باہتمام شایع ہو رہا ہے اسکے تین نمبروں کے مطالعہ سے جناب وصل بلگرامی اڈیٹر مرقع کی اُن کوششوں کا اندازہ ہوتا ہے جو آپ نے اس رسالہ کو دلچسپ بنانے کے لئے کی ہیں۔ ان نمبروں میں ملک کے بہترین انشاپرداز و مشاہیر شعرا کے مضامین و کلام شایع ہوئے ہیں۔ مارچ کے نمبر میں غالب مرحوم کے دو عکسی خطوط شایع ہوئے ہیں۔ اور سہ رنگ چھپے تو یہ تصویریں مرقع کی جان ہیں۔ امید کہ قدردانان اُردو مرقع کی عزت افزائی فرمائینگے۔ کاغذ عمدہ۔ کتابت نفیس ......

رسالہ "دل" آگرہ — جلد ۱ نمبر ۹

مرقع لکھنؤ :۔ سال نو سے اس نام کا ایک علمی و ادبی رسالہ سید مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی نے لکھنؤ سے نہایت اہتمام کے ساتھ نکالا، ملک کے اچھے لکھنے والوں نے اسکی قلمی امداد فرمائی ہے اور پہلے نمبر کی ترتیب تہذیب آیندہ ترقیوں کا پتہ دے رہی ہے ؎

حسن ترتیب ہی سے ظاہر ہے
مہتمم کی ذکاوتِ احساس

اس نمبر میں دو مضمون بہت پاکیزہ اور دلچسپ ہیں۔ ایک فارسی زبان اور اسکا علم ادب۔ جو علامہ مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر کے سحر نگار قلم سے نکلا ہے۔ اور دوسرا "مثنوی معنوی کا ایک جدید نسخہ" جسے مولوی عبدالماجد بی اے نے ملک سے روشناس کرایا ہے یہ نسخہ ہر علم دوست کو ضرور دیکھنا چاہیے۔ جو بمبئی کے مشہور انگریزی کتب فروش

मुख बिलास
مکھ بلاس
مکھ بلاس - پان مین کھانے کا خوشبودار مصالحہ ہے -
مکھ بلاس - تھوڑا پان مین ڈالدینے سے گلوری کو نہایت خوشبودار - خوش ذائقہ اور لذیذ بنا دیتا ہی
مکھ بلاس - کی خوشبو سے دہن معطر رہتا اور دل ودماغ کو فرحت پہونچتی ہے -
مکھ بلاس - کوکین اور تمباکو کا نعم البدل ہے -
مکھ بلاس - مین طبی مفید اجزا شامل ہین جو تمباکو اور چونہ کے مضر اثرات سے دانتون کو محفوظ رکھتے ہین -
مکھ بلاس - مین کوئی شے کسی مذہب کے خلاف نہین ہے اس لئے ہر مذہب کے لوگ اسکو استعمال کرتے ہین
مکھ بلاس - کھانسی اور نزلہ اور دیگر منھ کے جملہ امراض کو مفید ہے -
فی ڈبیہ کلان فی ڈبیہ خورد ڈبیہ کلان فی درجن ڈبیہ خورد فی درجن
مکھ بلاس - کی قیمت
نوٹ
(۱) دو ڈبیون سے کم کا وی پی نہ روانہ ہوگا (۲) جملہ اخراجات محصول پارسل ذمۂ خریدار -
(۳) خرچ روانگی کے لئے دو آنہ کا ٹکٹ بھیجنے سے نمونہ مفت روانہ ہوگا -
(۴) مکھ بلاس شاخ کارخانہ امین آباد سے بھی دستیاب ہوسکتا ہے -
المشتہر - مقتدا خان اقتدا خان تاجر تمباکو وعطر وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

مرقع
مرتبہ
وصل بلگرامی

مرقع کے قواعد وضوابط

۱۔ "مرقع" حتی الامکان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ تک شایع ہوا کریگا

۲۔ "مرقع" کی قیمت عام خریدارون کیلیے پانچ روپیہ سالانہ مع محصولڈاک مقرر ہے۔ جو پیشگی وصول ہونا چاہیئے۔

۳۔ "مرقع" کا نمونہ بغیر ۸ر نقد وصول ہوئے روانہ نہین ہوسکتا۔

۴۔ "مرقع" کی قیمت روسا اور دیگر معزز اصحاب و رائس کے مربیون سے اُن کی ہمت افزائی پر منحصر ہے۔

۵۔ جواب طلب امور کیلیئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا آنا لازمی ہے۔

۶۔ خط وکتابت کے سلسلے مین خریداری کا نمبر لکھنا ضروری ہے۔

۷۔ رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۲۵ تاریخ تک آجانا چاہیئے۔

۸۔ کوئی مضمون ایسا شایع نہ ہوگا جو مخرب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کرے

۹۔ تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظم ونثر درج ہونگے جو اپنی خوبیون کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ سے نہایت خوشگوار ہونگے۔

۱۰۔ "مرقع" کو موجودہ پالٹکس یا مذہبی مباحث سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

۱۱۔ تنقیدی مضامین بھی اسمین شایع ہونگے۔ مگر وہی جن مین خلوص ہوگا۔ باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی رنج کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا۔

۱۲۔ ایسے مضامین جنمین کسی شخص پر چوٹ کیگئی ہو یا اُسمین ایسے الفاظ ہون جن سے دوسرے کو رنج کا شائبہ بھی پیدا ہو ہرگز شایع نہونگے

۱۳۔ جس نظم ونثر کے مضمون مین زبان، لغت یا فن کی غلطیان ہونگی اُسوقت تک شایع نہ ہوگا جب تک اسکی مناسب ترمیم اطلاع پانے پر خود صاحب مضمون نہ کردین۔

۱۴۔ "مرقع" کا مسلک صلح کل ہے وہ انشاءاللہ کبھی دل آزار یا متعصب ثابت نہ ہوگا۔

۱۵۔ "مرقع" کو ذاتیات سے کبھی تعلق نہ ہوگا۔ وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جرائد ہون یا اہل اخبار، اتفاق واتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریگا اور انشاءاللہ وہ ہمیشہ اسمین ثابت قدم رہیگا۔

مدیر "مرقع" لکھنؤ

مرقع مین اشتہارات بھیجتے وقت

(ذیل کا نرخنامہ ملاحظہ فرمایئے)

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
ایک سال کے لئے	سے	صسے	عسے
چھ ماہ کے لئے	صسے	عسے	ءعسے
تین ماہ کے لئے	عسے/	ءعسے	سے/
ایک ماہ کے لئے	سے/	صر/	سے/

ضروری نوٹ

ٹائٹل پیج کے صفحہ ۲ و ۳ و ۴ کی اجرت کا نرخ اسکے علاوہ ہے جو خط وکتابت سے طے ہوسکتا ہے۔ اجرت کا پیشگی آنا ضروری ہے۔

مینیجر "مرقع" لکھنؤ

"مرقع" کی نسبت

اخبار "خادم الحرمین" لکھنؤ کی رائے

۲۱ر فروری سنہ ۱۹۲۷ء

ہمارے دوست مولوی مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی کی ادارت میں "مرقع" نامی ایک لفریب دیدہ زیب رسالہ ایک سال سے لکھنؤ سے شایع ہوتا ہے، دوسرے سال کا پہلا پرچہ ہمکو "برائے تنقید" موصول ہوا ہے یہ پرچہ اچھے کاغذ اور اچھی چھپائی کے ساتھ ۹۶ صفحہ کا ہے اور چونکہ یہ سال کا پہلا پرچہ ہے۔ اِس لئے ہمارے دوست نے اسکو ظاہری و معنوی حیثیت سے کامیاب بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ "مرقع" کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اسکے ایڈیٹر کی مذہبیت و ثقتی کی وجہ سے اسمین تصویر نہین ہوتی بلکہ اسکا نعم البدل "اساتذہ کا عکس تحریر" ہوتا ہے، چنانچہ اس نمبر مین حضرت قلق اور امیر مینائی مرحوم کے گرامی ناموں کا عکس موجود ہے۔ اس پرچہ مین نثر و نظم کے مختلف المذاق مضامین ہین جنمین بعض مضامین خصوصیت سے قابل قدر و قیمتی ہین مثلاً مرزا محمد عسکری صاحب بی اے کا مضمون رنجیت سنگھ پر، جناب وان کا مضمون شیشہ سازی پر، اور جناب مجنون گورکھپوری کا مضمون "جان کیٹس" کے حالات زندگی کے متعلق۔ اور "حرز جان" جناب ظہیر رضوی علیگ کا۔ اس نمبر مین تین فسانے ہین جنمین بہترین فسانہ جناب نیاز فتحپوری کا ہے "تجاہل عالم اور ملکہ جہان نگار" کے عنوان سے اسکا پلاٹ اور تخیل اور نیا ہے اور اپنی تاثیر اور دلچسپی کے اعتبار سے قابل قدر ہے اور چند ادبی اجتہادات مثلاً شام مین سکر کی کیفیت جیسے نمایش اور لوازم کو ضروری "ہدایتین" کی جگہ پر کرکے چلا گیا کو مستثنیٰ کرکے ادبی حیثیت سے بھی خوب بلکہ خوب تر ہے۔ سب سے زیادہ پُر مغز و مفید مضمون خداگو یا جہان آبادی کا ہے جو ایک ملحدانہ و غیر محققانہ مضمون کی رد مین لکھا گیا ہے جو "نگار" مین حضرت مسیح کی ولادت فطری کے متعلق شایع ہوا تھا صاحب مضمون نے قرآن و انجیل اور دیگر تاریخی شہادتوں سے جناب مسیح کا بے باپ کے پیدا ہونا ثابت کیا ہے اور سچ یہ ہے کہ کامیاب ہوئے ہین۔ "حیات الشعراء" و "بنات الشعراء" جیسا کہ ہمارا اندازہ ہے اگر ترجمہ نہین ہے تو دلچسپ ہے لیکن اگر ہمارا قیاس ترجمہ کے متعلق صحیح ہے تو کتاب کا حوالہ دینا آج کی دنیا مین بڑا جرم ہے۔ "اصلاح" ترکی سے عربی و فارسی الفاظ کا اخراج" بھی ہے۔ "معاشرت گمراہ" کے عنوان سے ایک دلچسپ و نصیحت خیز افسانہ قابل داد ہے۔ "سیرت صحابہ کا ایک ورق" بھی دلچسپ اور پُر معلومات ہے۔ خود جناب مدیر کے نوٹ خصوصاً نگار کے سابق الذکر مضمون کی سمّیت کو مٹانے کے لئے جو مضمون لکھا ہے اس سے موصوف کی قابلیت اور مضمون نویسی کے اچھے سلیقہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ "فلسفی" کے عنوان سے ایک اور افسانہ بھی ہے جو اپنے مآل اور تاثیر کے اعتبار سے اگر پسند کیا جائے لیکن ہم تو اسکو "مرقع" کے رخ رنگین کا مہاسہ کہینگے۔ اِس مضمون کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ چند الفاظ مین جو دو تین سطروں کے بعد الٹ پھیر کرکے کسی طرح عبارت مین داخل کر دیے گئے ہین مثلاً "ارتعاش تم، نرم عمیق، ارتعاش، انتقاص اور ادراک" وغیرہ نظمین بھی ماشاء اللہ ایک درجن سے زیادہ ہین جنمین سے اعلیحضرت خسرو نظام خلد اللہ ملکہٗ، حضرت ریاض، جناب بسمل مہانی، جناب شفیق صدیقی، جناب شاکر کاکوروی کی ادنیٰ دنیا ظلم عظیم ہے حضرت ریاض تو میرا اور میخانہ کے بادشاہ ہی ہین، بسمل صاحب بھی خوب کہتے ہین اعلیحضرت خسرو نظام کا نعتیہ کلام اپنے اندر خاص تاثیر و وجد اور ذائقہ محبت رکھتا ہے چنانچہ مرقع کی نعتیہ غزل بھی بہترین ہے، اور سب شعر اچھے ہین، مقطع کا مضمون بالکل حقیقت کے مطابق ہے اور بتاتا ہے کہ ناظم کو کتنا روحانی لگاؤ سرور کونین آقائے دو عالم (روحی فداہ) سے ہے۔

بنامِ آن شہِ لولاک صد جان و دلم قربان — کہ عثمان از طفیلش بر مسلمانان امیر آمد

غرض ہر حیثیت سے یہ پرچہ دلچسپ و مفید اور قابل قدر ہے۔ صہ سالانہ اچھے کاغذ کو دیکھتے ہوئے کم ہے۔ مینیجر "مرقع" نظیر آباد لکھنؤ سے طلب فرمائیے۔

جلد ۲ فروری سنہ ۱۹۲۷ع نمبر ۲

رشحاتِ بسمل

از عالیجناب مولوی سیّد امین الحسن صاحب رضوی بسمل موہانی
ناظم ریاست عالیجناب معلی القاب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ

اُمنگ پر ہیں حسین کمسنی حجاب میں ہے
خدائی انکی چھپی پردۂ شباب میں ہے

نگہ نواز بھی ہے شوق آفرین بھی ہے
غضب کی جلوہ نمائی ترے نقاب میں ہے

سرور ملتا ہی جو چشم مست ساقی سے
اُسی کا پرتوِ سحر آفرین شراب میں ہے

ادائیں خود ہیں خدا پیارے سونے والے پر
جگا کے عشق و محبت کو حسن خواب میں ہے

یہ دل اگرچہ مرا ہے مری نہیں سُنتا
جناب شیخ کی تلقین کس حساب میں ہے

مجھے یقین نہیں یا اب ہم ایسے بندوں سے
بروز حشر تجھے لطف احتساب میں ہے

کہاں کا طور کہ اب تو نگاہِ بسمل کی
پھنسی ہوئی ترے جلووں کے آب و تاب میں ہے

لکھنؤ ہم پر فدا ہے ہم فدائے لکھنؤ

(از استاذی حضرت آحمد مدظلہ)

کے تحت مین جو ایک مختصر مضمون مرقع کی جلد (۱) نمبر ۱۲ ماہ دسمبر ۱۹۲۶ء مین شائع ہوا اُس مین وزن عروضی کے لحاظ سے فدائے مین بحالت اشباع دو "یے" قایم کر کے آئے ۔ جائے کی طرح حروف مابعد الروی کا وجود ہم فدایے بر وزن فاعلاتن تقطیع کر کے سمجھا گیا ہے اور تمثیلاً خاقانی کا شعر ؎

کرد لوا نصب در ایوان ہو　　تحت لوا آدم و من دونہٗ

لکھکر برائے ۔ سوائے ۔ فدائے ۔ وغیرہ کو بحالت اشباع آئے ۔ جائے وغیرہ کے ساتھ ہم قافیہ کرنا مقلدانہ نہین بلکہ محققانہ اور ہر طرح صحیح و درست فرمایا گیا ہے ۔ یہ ارشاد میرے اس مضمون کے متعلق ہے جو مرقع کی جلد (۱) نمبر ۹ ماہ ستمبر ۱۹۲۶ء مین بعنوان "اثیم ۔ شادات ۔ آہ اور حمد" شائع ہو چکا ہے ۔ اُس مین مین نے بہ تخصیص ہی لکھا ہے کہ (مین ایسے قافیون کو معیوب بلکہ غلط سمجھتا ہون) اور اُس کی وجہ بھی مفصل بیان کر دی ۔ بہ تعمیم اپنی رائے کی پابندی کا حکم نہین لگایا ۔ البتہ ایسے قوافی کے استعمال کو مقلدانہ کہا ہے اور اب بھی کہتا ہون میری اور مضمون نگار صاحب کی رائے مین فرق اتنا ہے کہ جسکو مین تقلید کہ رہا ہون اُس سے وہ تحقیق مراد لے رہے ہین ۔ خیر یونہین سہی مجھے نزاع لفظی منظور نہین مگر تحقیق پر نظر ضرور ہے ۔ مین نے وزن عروضی و قواعد تقطیع سب باتون کو پیش نظر رکھکے اپنے مضمون گزشتہ مین بحث کی ہے ۔ اب جو یہ فدائے برائے وغیرہ مین وزن عروضی و قواعد تقطیع کے لحاظ سے بحالت اشباع دو "یے" تعدد کر کے خاقانی کا شعر مثال مین لکھا گیا ہے اِس سے ضرورت اس امر کی محسوس ہوئی کہ پہلے اشباع کی تشریح کی جائے تاکہ جو مقصد میرا ہے وہ صاف طور سے واضح ہو جائے اور بخوبی سمجھ مین آجائے کہ فدائے ۔ برائے وغیرہ کا قافیہ آئے ۔ جائے وغیرہ کے ساتھ مین نے کیون معیوب لکھا ہے ۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ خاقانی کا شعر یا اور جن اساتذہ کے اشعار مثل خاقانی کے ہون کوئی فدائے برائے وغیرہ کا قافیہ آئے ۔ جائے وغیرہ کے ساتھ صحیح و درست ہونے کی مثال نہین ہو سکتے ۔

واضح ہو کہ تقطیع کی طرح اشباع کی بھی دو قسمین ہین ایک حقیقی ۔ دوسری غیر حقیقی ۔

اشباع حقیقی وہ ہے جو نظم ۔ نثر اور بول چال ۔ روزمرہ ہر حالت مین قائم رہے جیسے عربی مین لہٗ ۔ انہٗ ۔ الٰہ ۔ رحمٰن بہ اور بعینہٖ وغیرہ ۔ اور فارسی مین ہائے مختفی پر ہمزہ کا اشباع جیسے پردۂ ۔ نامۂ بجائے یائے مجہول اور کردۂ ۔ گشتۂ بجائے یائے معروف وغیرہ ۔ اس اشباع سے جو حروف بطنی پیدا ہو کر ملفوظ ہوتے ہین اُن کا اعتبار بمقابلہٗ حروف اصلی کیا جاتا ہے

جیساکہ خاقانی کے شعر مسطور الصدر مین ہوا ورد و نہ ایسی نظیرین اور بھی اساتذہ کے کلام مین موجود ہین۔ فارسی کی مثال اُستاد بحر مرحوم فرماتے ہین ؎

اپنے مہمان کی کرتے ہو مدارات نئی ۔ بات پوچھو نہ گھر آنے کی یہ ہے بات نئی

اسی غزل کا مقطع ہے ؎

بحر کیفیت رندانہ زبانت دارد ۔ مادرم نیست تو از اہل خرابات نۂ

اشباع غیر حقیقی وہ ہے جو نثر اور بول چال روزمرہ مین نہ ہو بلکہ عارضی طور سے بضرورت خاص کر لیا جائے محققین نے اسکو عربی کے واسطے مخصوص لکھا ہے۔ فارسی مین کسرہ وہمزہ ویای اضافت وغیرہ کا اشباع غیر حقیقی ہے جو نظم ہی مین کیا جاتا ہے اور سوا اس ضرورت خاص کے نہین ہوتا۔ اس سے پیدا ہونیوالا حرف بطنی محض وزن برابر کرنے کے لئے سوا تقطیع مین لکھدیے جانے کے کچھ اصل وحقیقت نہین رکھتا۔ اور اشباع حقیقی سے پیدا ہونیوالے حروف بطنی کے مثل اسکا اعتبار بمقابلہ حروف اصلی فارسی واُردو مین نہین کیا جاتا۔ نہ اساتذہ معتبر کے کلام مین ایسا پایا جاتا ہے۔

پس وزن اور تقطیع کے لحاظ سے اگر اشباع غیر حقیقی سے پیدا ہونے والے حروف بطنی کا اعتبار بمقابلہ حروف اصلی فارسی واُردو مین کیا جائے تو قافیے عجیب الہیأت ہو جائین بلکہ قافیے ہی نہ رہین اس امر کے ثبوت کے لئے چند شعر ایسے قافیون کے مخصوص کہکر لکھے جاتے ہین تاکہ ان کی مہملیت بخوبی ظاہر ہو جائے۔ اشباع کسرۂ اضافت کی مثال ؎

آئی گلشن مین نواسنجی دکھانے عندلیب ۔ گوش بر آواز ہے ہین گل جہان عندلیب

گل بیلنے بروزن فاعلاتن۔ ایضاً ؎

تیرے در کی شکل کیونکر طرح بھولے آئنہ ۔ میرے دل مین کھب گیا ہے عرض وطول آئنہ

عرض طولے بروزن فاعلاتن۔ اشباع ہمزۂ اضافت کی مثال ؎

سب قبر کو نہین ساتھ لیگئے حرص ۔ جتنے تھے جہان مین بندۂ حرص

دیے حرص بروزن مفاعیل۔ اشباع یای اضافت وغیرہ کی مثال خود قوافی زیر بحث اور مصرع عنوان مضمون ہذا ہے۔ اِن جملہ قوافی مین حسب تحقیق مضمون نگار صاحب ہم فدا سے بروزن فاعلاتن کی طرح حروف مابعد الردی کا وجود ضرور پایا جاتا ہے۔ لاریب فیہ۔ مگر ساتھ ہی عرض ہے کہ اساتذۂ معتبر نے اس کو جائز نہین رکھا ورنہ اشباع حقیقی والے قافیون کی طرح ایسے قافیون کی بھی مثالین موجود ہوتین۔

اب اگر کہا جائے کہ پھر فدائے۔ برائے وغیرہ کا قافیہ آئے۔ جائے وغیرہ کے ساتھ جو اسی قبیل سے ہے اساتذہ کے کلام مین کیون موجود ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ فدائے۔ برائے وغیرہ کی "یے" بحالت اشباع آئے۔ جائے وغیرہ کی دو تحتانیون کی طرح ملفوظ تو ہوتی ہی ہے۔ رہی کتابت اُس مین بھی ایک اور دو تحتانیون کی صورت قریب قریب یکسان ہے بلکہ متقدمین اکثر دو تحتانیون کی جگہ ایک ہی لکھا کرتے تھے۔ اس امر کی تصدیق خود مرقع ماہ دسمبر ۱۹۲۶ء دو جسمین کہ مضمون مذکور شایع ہوا ہے" کے صفحہ ۲۴ اور ۲۵ کے درمیان آسیر مرحوم کی تحریر کے عکس سے ہو سکتی ہے کہ انھون نے اپنی غزل کے جزو ردیف "آئی" مین صرف مطلع اور ایک شعر کے علاوہ برابر ایک ہی "یے" لکھی ہے۔ پس جب دو اور ایک "یے"

ایک ہی صورت سے لکھی گئین توکتابت مین بظاہر کوئی فرق نہ رہا تلفظ اور کتابت ہر طرح سے فداے - براے اور آئے جائے وغیرہ یکسان ہوگئے - اسی وجہ سے اسکی حقیقت پر پردہ پڑگیا اور قباحت صاف واضح نہ ہوکہ بعض متقدمین ایسے قافیے باندھ گئے - مین نے سوا "یے" کے دوسرے حروف مین کسرہ و ہمزۂ اشباعی کے ساتھ قافیے موزون کرکے اسی لئے دکھائے ہین تاکہ فدائے - برائے وغیرہ کی حقیقت کھل کر جو عیب ان قافیون مین ہے صاف ظاہر ہو جائے - اس سے میری یہ مراد نہین کہ اہل فن میری راے کے پابند ہو جائین اور فداے براے وغیرہ کا قافیہ آئے - جائے وغیرہ کے ساتھ ترک کر دین اپنی اپنی طبیعت ہے جسکا جی چاہے تقلید پر قائم رہے جسکا جی چاہے تحقیق کی طرف مائل ہو - چونکہ اس کی بابت استفسار شائع ہوا لہذا مین نے اپنی راے مع دلائل عرض کردی البتہ خود اپنی راے پر اس وقت تک قائم ہون اس لئے کہ مضمون مندرجہ مرقع ماہ دسمبر ۱۹۲۶ء سے بالکل میرا اطمینان نہین ہوا -

ہیچمیرز حمد

نغمۂ شیراز

(از نتیجۂ فکر جناب مولوی عبدالسمیع خان صاحب نکہت بی - اے آنرز ان شیرین شاہجہانپوری)

ساقیِ دلنوازِ من دمیدۂ انتظار کو
جان و دلم فداے تو جام و جم بہار کو

عیش و سرور این ہمہ حاصل ہر دو عالم است
مطرب خوشنوا کجا ساقیِ گلعذار کو

دست زند بخون دل غنچۂ ناشگفتنی
اے گل خوش سرشت من روز دگر بہار کو

برق و شرار این جہان پاک بسوز داین ہمہ
خرمن عقل ما کجا حاصلِ روزگار کو

جلوۂ طور را گہے برق و شرر نمی رسد
سوز درونِ ما کجا لالۂ داغدار کو

برلب بینواے من ہست ہزار نکتہ ہا
باکہ بگویم این سخن قدرت اختیار کو

در چمنِ وصال او شاد زیم چو بوے گل
مرحمتش فزون شود نکہت زلف یار کو

مرزا رفیع سودا کی اصلاح

قیام الدین قائم چاندپوری

کی مثنوی

"درویش و عروس پر"

(از جناب مولوی محمد یوسف صاحب نفیس بنگلوری)

نواب عماد الملک مرحوم کی افادات سے اب علمی دنیا یک لخت محروم ہو چکی ہے دفعۃً ان کے اٹھ جانے سے جو شدید نقصان علم و ادب کو پہنچا ہے اسکی تلافی نہیں ہو سکتی۔ مرحوم نے جہاں بہت سی اپنی علمی یادگاریں چھوڑی ہیں "مختار اشعار" انکے ذوق ادب کی رہین منت ہے۔ میر سودا قائم جراتؔ وغیرہم کے دواوین کا بہترین انتخاب، جتنے اشعار انتخاب میں لئے گئے ہیں وہی دیوان کا نچوڑ اور "عطر فتنہ" ہیں۔ اس کو ال بکر اینڈ لٹریچر سوسائٹی نے ۱۸۹۶ء میں ان کو شہر کیا تھا مرور زمانہ سے یہ سلسلے کمیاب بلکہ نایاب ہو گئے ہیں۔ پیش نظر نسخہ "مختار اشعار" قیام الدین قائم چاندپوری کے دیوان کا انتخاب ہے جو رائل سائز کے ۹۳ صفحوں پر ختم ہوا ہے اور مفید عام پریس آگرہ کا مطبوعہ ہے اس میں سے ناظرین "مرقع" کی ضیافت طبع کے لئے قائم چاندپوری کی مثنوی کا وہ حصہ پیش کرتا ہوں جس پر ملک الشعراء مرزا سودا نے جا بجا اصلاح دی ہے اور نواب صاحب مرحوم نے جو نوٹ تحریر فرمائے ہیں مضمون زیر تحریر میں ان کو قوسین میں جگہ دی گئی ہے یا انورٹڈ کاماز سے ممتاز کیا گیا ہے "تعجب ہے کہ یہ اصلاح مصنف نشاط سخن کی نظروں میں نگاہوں سے کسی طرح محفوظ رہی! نشاط سخن میں صرف دور سوم کے بعد کے شعرا اور شعرائے حال مصروف مشاطگی نظر آتے ہیں اور مرزا سودا دور دوم کے باکمال و ممتاز شعرا میں ہیں اور نشاط سخن اس دور کے اساتذہ کی اصلاحات سے خالی ہے"

یہ مثنوی قائم کے دیوان میں بھی موجود ہے اور دیوان سودا میں بھی جا بجا تغیر کے ساتھ چھپ گئی ہے لیکن قرائن سے ظاہر ہے کہ قائم کی تصنیف ہے اصلاح کے لئے استاد کو نقل دی گئی ہے انھوں نے اصلاح بھی کی ہے واپس کرنے کی نوبت نہیں آئی کہ شاید استاد و شاگرد میں بگاڑ ہو گیا اسی سبب سے قائم کے دیوان میں بے اصلاح رہ گئی اور سودا کے دیوان میں یہی مثنوی اصلاح شدہ چھپ گئی"

ہر حال مثنوی درویش و عروس کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے:- (محمد یوسف نفیس عفی عنہ بنگلوری)

الٰہی شعلہ زن کر آتش دل — تپ دل دے بقدر خواہش دل

ہے تا پر شور چشم گریہ آلود — لب زخم جگر کو رکھ نمک سود

مرزا سودا نے شعر دوم کے مصرع اول کو یوں بدل دیا۔ "ہو شور انگیز چشم گریہ آلود"

کرامت کر دہ عشق آتش انگیز — بنے ہر استخوان میرے سے گل ریز

سودا نے مصرع دوم کو یوں بنایا۔ "کہ تا ہر استخوان میرا ہو گل ریز"

زخون دیدگان ترکر گلو کو — نیابت دے سنان کی مو بمو کو

مرزا سودا نے اس شعر پر یوں اصلاح دی:-

زموج اشک دے خنجر گلو کو — نیابت جوں سنان کی مو بمو کو

ہے دم ماہی کا جس صورت سے پانی — اسی سے ہے ہر اک کی زندگانی

سودا نے مصرع اول یوں بنایا "دم ماہی ہے جس صورت سے پانی" اب تعقید لفظی دور ہو گئی"

فضولی ہے اب آگے حرف گفتار — کہ یک مشت نمون بس ہے ز خروار

قائم نے مصرع ثانی یوں کہا تھا:- "نمون ایک مشت ہے از چند خروار"

نہ ہوتا وہ اگر زینت دہ خاک — تصدق خاک کے ہوتے نہ افلاک

عکس تحریر جناب حافظ فضل حق صاحب آزاد عظیم آبادی

دریا نظر آتا ہے صحرا نظر آتا ہے
گھر بیٹھے ہی وحشت میں کیا کیا نظر آتا ہے

کیوں حوصلوں سے لالے پڑ جاتے ہیں نظر میں
ہر جوش ہے ان روزوں سودا نظر آتا ہے

اللہ رے طغیانی اس دیدۂ گریاں کی
تا حد نظر مجھکو دریا نظر آتا ہے

اک عالم ہو کہیے اس عالم فانی کو
آنکھیں جدھر اٹھتی ہیں صحرا نظر آتا ہے

آنکھوں ہی سے عالم ہے روپوش ہیں ساماں کیا کیا
آنکھوں ہی سے پھر دیکھو کیا کیا نظر آتا ہے

کیا نالۂ سوزاں کی کہیے شرر افشانی
اڈتا ہوا شعلوں کا دریا نظر آتا ہے

کیا سر سے جدا ہو کر پائی ہے سبکدوشی
کچھ آج مرا شانہ ہلکا نظر آتا ہے

الٹے ہیں مگر سیدھے ہیں حرف نگیں کیسے
کج فہم کو سیدھا بھی الٹا نظر آتا ہے

آنکھوں میں گھٹا میں ہیں قطروں سے سماں ہی ہے
بینائی کا آنکھوں پر پردہ نظر آتا ہے

کیا کہیے آنکھوں کو بینائی کو کیا کہیے
جیسا نظر آتا ہے ویسا نظر آتا ہے

کیا پھوٹ کے روتا ہے ہر زخم جگر میرا
جب غنچۂ گل کوئی ہنستا نظر آتا ہے

ہر تازہ کلی مجکو مینا نظر آئی ہے
ہر غنچہ مجھے جام صہبا نظر آتا ہے

آزاد کی آنکھوں نے دیکھا نہ سنا کچھ بھی
اک جام میں یاروں کو کیا کیا نظر آتا ہے

بقلم خاص فقیر آزاد عظیم آبادی

حضرت جوش ملیح آبادی کے دست و قلم کی لکھی ہوئی

غزل

نظر سماعت، نگارِ فطرت کے لحن کی راز داں نہیں ہے
وگرنہ ذرّہ ہے کون ایسا کہ جس کے منہ میں زباں نہیں ہے

نظر کو حیراں کیے ہوئے ہیں حروف ڈوبے ہوئے لہو میں
ہر اک شگوفے پہ ہے یہ بہر کیا؟ اگر مری داستاں نہیں ہے؟

ضمیرِ فطرت میں کانپتا ہے چمن کی ترتیبِ نو کا شعلہ
"خزاں" جسے تو سمجھ رہا ہے وہ درحقیقت خزاں نہیں ہے

ہر ایک کانٹے پہ سرخ کرنیں، ہر اک کلی میں چراغ روشن
"خیال" میں مسکرانے والے! ترا تبسم کہاں نہیں ہے!!

حریمِ انوارِ سرمدی ہے، ہر ایک ذرّہ ہے ربِّ کعبہ
یہ میرا عینی مشاہدہ ہے فریب وہم و گماں نہیں ہے

شبیر حسن جوش
۲۹ نومبر سنہ ۱۹۲۶ء

فلاسفہ و حکمائے اسلام[1]

(۱)

سنان بن ثابت حرّانی

(از جناب مولانا محوی صدیقی لکھنوی)

یہ امر کسی ثبوت کا محتاج نہیں ہے کہ عہدِ خلافت عباسیہ میں علوم حکمت و فلسفہ اور طب کو ترقی ہی نہیں بلکہ حیات دائمی حاصل ہوئی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اُس دور میں اگر حکمائے ملت اور علمائے اسلام اس طرف متوجہ نہ ہوتے اور خلفائے وقت، صرف نظر نہ کرتے تو آج یونانی طب و حکمت وغیرہ خدا جانے کس قعرِ گمنامی اور گوشۂ فنا میں ہوتے۔

خلفائے عباسیہ نے بغداد کو علوم و فنون کا گہوارہ بنا دیا تھا، سرکاری "دار الترجمہ" کے فاضل ارکان کے علاوہ اور بہت سے حکما و علما بہت انہماک و شغف کے ساتھ یونانی علوم کو عربی میں منتقل کرتے، عربی کو ایک زبردست علمی زبان بناتے، ان علوم کو حیات جاوید بخشنے میں بڑی سرگرمی سے مصروف تھے، مگر افسوس کہ اُن کے زیادہ تر علمی کارنامے، اخلاف کی بے پروائی اور خانہ جنگیوں کی بدولت بہت کچھ ضائع ہو چکے ہیں۔ اور جو کچھ باقی ہیں۔ وہ آج بھی شکوہ سنج بے اعتنائی ہیں، کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ مستشرقین مغرب اِن گراں بہا جواہر پاروں کو جو خاک گمنامی و بربادی کے نذر ہو چکے تھے، نکال نکال کر برسوں کی محنتِ شاقہ اور صرف زر کثیر کے بعد شائع کر رہے ہیں۔ اور بہت کچھ کر چکے ہیں۔ لیکن واسے برحال ما کہ ہم ان سے اب بھی بے خبر ہیں، بلکہ انگریزی تعلیم کی برکت سے، اپنے اسلاف کے زریں کارناموں سے، کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ نہ وہ زبانیں سیکھنے اور حاصل کرنے کا مذاق، جن میں ہمارے بزرگوں کے یہ قابل قدر علمی کارنامے پڑے ہوئے، اور ان پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں، وہ زبانیں (عربی۔ فارسی) حاصل کرنا تو کجا ہم اُن فلاسفہ و حکما کے ناموں تک سے اکثر و بیشتر بے خبر ہیں جنھوں نے دور اوّلین میں علم و حکمت و طب وغیرہ کی زبردست خدمتیں انجام دی ہیں اور یونانی و سُریانی زبانوں سے اُن کو اپنی مذہبی، یا ملکی، یا حکومتی زبان میں منتقل کرکے اُسے معراج ترقی پر پہونچایا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ خود نہایت زبردست قابلیتیں اُن علوم و فنون میں پیدا کرکے خود صاحب تصانیف و صاحب اختراع ہوئے ہیں۔

ارادہ ہے کہ ان ارباب علم و حکمت کے حالات جو اپنے دور میں اور بعد کو غیر معمولی شہرتوں کے سرمایہ دار اور قابلِ قدر کارناموں کے مالک تھے۔ مرقع کے ذریعے سے پیش کرتا رہوں۔ خدا فرصت و اطمینان بخشے

[1] حکمائے اسلام سے وہ تمام حکما و علما مراد ہیں جنھوں نے اسلامی عہد میں اور اسلامی حکومت کی سرپرستی و علم پروری کے سایے میں خدمت علم کی ہے، خواہ وہ کسی مذہب کے ہوں، مسلمان ہوں کہ عیسائی، یہودی ہوں کہ مجوسی، اس سلسلے میں اُن سب کا بیان بالتفصیل آتا رہے گا۔

اور اس ارادے کی تکمیل اور قوت سے فعل میں لانے کی توفیق دے۔ ابھی صحبت میں عہد مقتدر باللہ کے ایک نامور طبیب با صنعت کے کچھ حالات و نتائج علمی کسی قدر تفصیل سے پیش کرتا ہوں۔

یہ نامور فلسفی و طبیب سنان بن ثابت حرانی ہے جو دربار خلافت کا افسر الاطبا تھا۔

نام و کنیت پورا نام سنان بن ثابت بن قرہ حرانی ہے۔ اور کنیت ابو سعید - یہ فاضل حکیم اپنے باپ ہی کی طرح زبردست طبیب اور خلیفہ مقتدر باللہ عباسی کا خاص طبیب تھا۔ پھر قاہر باللہ کی کی خدمت میں باریاب ہو کر اُس کا خاص طبیب ہو گیا تھا۔

قاہر کے مزاج میں اس نے بتدریج اسقدر رسوخ اور اعتماد حاصل کر لیا کہ خلیفہ ہر معاملے میں اسکی طرف رجوع کرتا اور مشورہ لیتا تھا۔ اُسی کے کہنے پر بھروسا کرتا تھا۔ خلیفہ کو اس کے صلاح و مشورہ سے سکون و اطمینان ہوتا تھا۔ غرض اُسکی عنایت و شفقت اور اپنی قابلیت سے سنان اُس کا خاص آدمی ہو گیا تھا۔

سنان، مذہبًا عیسائی تھا مگر قاہر باللہ نے اپنی شدت فریفتگی اور غایت محبت سے اُس کو چاہا کہ وہ اسلام قبول کرے تاکہ اور رشد و اعتماد استوار ہو جائے۔ لیکن سنان نے اسلام لانے سے صاف انکار کر دیا۔ اور عرصہ تک اپنے انکار پر مصر رہا۔ آخر مجبور ہو کر قاہر باللہ نے تشدد سے کام لینا شروع کیا۔ اب خلیفہ کی سطوت و جبروت کے آگے سر جھکا دینا پڑا۔ اور خوف زدہ ہو کر مشرف باسلام ہو گیا۔ لیکن یہ اسلام لا انظاہری اور نمایشی نہ تھا۔ بلکہ وہ اپنے مذہب جدید کا پکا پیرو ثابت ہوا اور اک مدت تک دار الخلافتہ (بغداد) میں سرکاری طبیب کی حیثیت سے مقیم رہا۔ لیکن خدا جانے کس وجہ کی بنا پر اس کے دل میں خلیفہ کی جانب سے خوف اور شبہہ ایسا جاگزیں ہو گیا کہ مطمئن نہ رہ سکا وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ خلیفہ اب جو حکم دیتا ہے۔ اُس میں تحکم اور دھمکی کی شان ہوا کرتی ہے۔ اُس کا دل اس انداز اور برتاؤ سے برداشتہ ہو گیا اور وہ خلیفہ سے مخفی طور پر بھاگ کر خراسان چلا گیا۔ خراسان میں اسے کوئی سیاسی خطرہ نہ تھا۔ نہ خلیفہ کی جانب سے کوئی جواب طلب ہوا مگر یہاں سنان کا کیا جی لگ سکتا تھا۔ خراسان میں اسے گہوارۂ علوم و فنون، اُس سرچشمۂ حکمت و معارف بغداد کی زندگی اور سوسائٹی کہاں نصیب ہو سکتی تھی۔ آخر بیزار ہو کر بغداد میں واپس چلا آیا، اور قیام کر کے ۳۳۱ھ ہجری میں وفات پائی۔

سنان کو شہرت و ناموری کا تمغا، اور عزت و اقتدار غیر معمولی عروج مقتدر ہی کے عہد خلافت میں حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ وہ حکومت کا "رئیس الاطبا" ہو گیا۔

۳۱۹ھ کا واقعہ ہے کہ خلیفہ مقتدر باللہ کو یہ اطلاع ملی کہ ایک حکیم صاحب نے کسی مریض کے علاج میں سخت غلطی اور بیمار کی جان ضائع گئی۔ اس سے خلیفہ بہت اثر پذیر ہوا اور اُس نے اپنے محتسب (کوتوال شہر) "بطیحہ" کو حکم دیا کہ تمام حکیموں کو علاج سے روک دیا جائے۔ باستثناء اُن اطبا کے جن کا امتحان لیکر سنان حرانی نے سند قابلیت عطا کی ہو اس کے بعد ایک فرمان اُسکو لکھ بھیجا۔ جس میں اس فن خاص کے متعلق اُسے اختیار مطلق دیا گیا تھا۔ اور سنان کو اطبائے وقت کے امتحان کا حکم دیا گیا۔ اور یہ کہ سند میں یہ بھی بتایا جائے کہ فن طب کے کس درجے تک قابلیت و صلاحیت ہے۔ اسی قسم کے اطبا کی تعداد جانبین بغداد میں آٹھ سو ساٹھ سے تجاوز ہو چکی تھی۔ اور اس تعداد سے وہ طبیب الگ تھے جن کی مہارت فن طب میں پہلے سے مسلّم، اور جنھیں شہرت

حاصل تھی، اور جو امتحانِ سند سے مستثنیٰ مان لیے گئے تھے۔ نیز وہ اطبا بھی اس تعداد سے مستثنیٰ تھے جو اس زمرے میں سرکاری خدمات پر مامور تھے،

امتحان اطبا کے سلسلے میں عجیب دلچسپ و مضحکہ انگیز واقعات پیش آئے، ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

سنان کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے جو نہایت ذی وجاہت، صاحبِ وقار، لباس فاخرہ سے آراستہ، ذی عزت و پرہیبت تھے، ان کی ظاہری شان و شوکت کا یہ عالم تھا کہ سنان بھی متاثر ہو گیا، ان کی بہت تعظیم کی، اور اچھی جگہ بٹھایا، اور اطبا کے امتحان کے دوران میں کوئی خاص معاملہ پیش آتا تو سنان ان بزرگ کی طرف بھی متوجہ ہوتا، اور ان سے مشورہ کرتا جاتا تھا۔ مگر یہ اس کی تائید کے سوا اور کچھ نہ کہتے تھے، جب ان کا کام پورا ہو چکا تو سنان خاص طور پر اُن کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ۔

"کہ میری آرزو ہے کہ جناب کی زبان فیض ترجمان سے بھی کچھ سنوں تاکہ استفادہ کر کے یاد رکھوں، اور حضرت کی ایک یادگار رہ جائے"

شیخ نے اپنی آستین سے ایک کاغذ نکالا، جس میں کچھ اشرفیاں تھیں اور اُس کو سنان کے سامنے رکھ دیا

سنان نے پوچھا یہ کیا ہے بزرگ نے جواب دیا،

جناب والا! "میں نہ اچھی طرح پڑھ سکتا ہوں نہ لکھ سکتا ہوں نہ میں نے کچھ پڑھا لکھا ہے، مختصر یہ کہ میں ایک غریب عیال دار آدمی ہوں اور سب کی پرورش کا دارومدار میری وجہ معاش پر ہے، میں اُمید و استدعا کرتا ہوں کہ آپ اُسے مجھ سے نہ چھینیں گے"

یہ دلچسپ جواب سن کر سنان کو بہت ہنسی آئی۔ اُس نے کہا۔

"اچھا اس شرط سے کہ کسی مریض کو اپنی دوا آپ نہ دیں جس سے آپ واقف نہیں ہیں، نہ فصد کا مشورہ کسی کو دیں، نہ مسہل، اور صرف معمولی امراض اور مریضوں تک علاج محدود رہے"

ان ذی وجاہت بزرگ نے فرمایا!

"یہ تو میرا ہمیشہ ہی سے مسلک ہے جب سے میں نے یہ پیشہ اختیار کیا ہے"

ان بزرگ کے بعد ایک نوجوان لایا گیا۔ یہ بھی لباس فاخرہ پہنے ہوئے اور وجیہ و ذکی النظر معلوم ہوتا تھا۔ سنان نے اُس کی طرف متوجہ ہو کر کہا:۔

"آپ نے یہ فن کس سے حاصل کیا ہے؟"

نوجوان:۔ "اپنے والد بزرگوار سے"

سنان۔ "آپ کے والد کون اور کہاں ہیں؟"

نوجوان۔ "وہی بزرگ جو آپ کے نزدیک تشریف رکھتے تھے"

سنان۔ "ہاں ہاں وہ بوڑھے سے۔ کیا آپ کی تعلیم بھی انھیں کی ہے اور آپ بھی اُنھیں کے مسلک پر قائم ہیں؟"

نوجوان۔ "جی ہاں!"

سنان۔ "اچھا دیکھیے اُن کی حد سے بڑھنا نہیں، اور نہ اُن کے مسلک علاج سے ہٹنا!"

سنان نے یہ گفتگو ختم کر کے رخصت کیا۔ اور ان کی حالت پر دیر تک ہنستا اور حیرت کرتا رہا۔

سنان کے حالات زندگی

جس وقت خلیفہ راضی باللہ کا انتقال ہوا، بجکم نے جو واسط عراق کا گورنر تھا۔ سنان کو بلایا۔ اور اس سے کہا کہ میرے پاس قیام کرو۔ راضی باللہ

کی وفات سے پہلے یہ امر ناممکن تھا - کیونکہ سنان ہر وقت راضی کی خدمت میں رہا کرتا تھا - سنان الحکم کی طلب پر حاضر اور اُسی کی خدمت میں رہنے لگا - الحکم نے اُس کی بہت تعظیم و تکریم کی - اور اُسے اپنی قربت میں رکھ لیا - اور کہا - مجھے تمھاری عقل اور علم و فضل، شرافت، مروت اور دین و مذہب پر پورا بھروسہ ہے - اور یہ واقعہ ہے کہ مجھ پر غیض و غضب غالب ہے - اس سے مجھے اکثر صدمہ پہونچتا ہے - میں سزائے ضرب یا قتل دے بیٹھتا ہوں - جس پر مجھے بعد کو اکثر نادم ہونا پڑتا ہے - جبکہ وہ فرو ہو جاتا ہے - میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے عیوب کی اصلاح اور نگرانی کرو - اور مجھے سیدھے سچے راستے پر لگاؤ - اور یہ صلاح دو کہ کسی صورت سے میرا یہ غصہ جاتا رہے -

سنان نے کہا - میں امیر کے حکم کی تعمیل کرونگا - مگر آپ کی حالت یہ ہے کہ مخلوقات عالم میں کوئی ہستی آپ پر بالادست نہیں آپ مالک ہیں، جو چاہیں کر سکتے ہیں - اور جب جو چاہیں کرنے پر قادر ہیں کسی کو یہ مجال نہیں کہ آپ کو اپنے کسی ارادے سے روک سکے غیض و غضب کا یہ عالم ہے کہ وہ انسان پر ایک قسم کا نشہ طاری کر دیتے ہیں یہ نشہ شراب و نبیذ کے نشہ سے بڑھا ہوا - اور یہ قاعدہ ہے کہ آدمی نشے میں ایک کام کر گزرتا ہے - جو ہوشیار ہونے پر نہ اُسے یاد آتا ہے وہ کہہ اور کر سکتا ہے اور اُس سے ظہور و صدور ہو جاتا ہے تو حیا و شرم کی وجہ سے اس پر نادم اور شرمندہ ہوتا ہے - یہی حال غصے کا ہے - آدمی سے غیض و غضب کے نشے میں، نشہ شراب و نبیذ سے زیادہ ناگوار افعال سرزد ہو جاتے ہیں - پس میری ناچیز رائے یہ ہے کہ جب آپ کا غصہ شروع ہو - اور آپ اُسے محسوس کریں تو اپنے دل میں یہ طے کر لیجیے کہ اُس حالت میں جبکہ غصہ شدت و قوت، آپ بیتاب اور اپنے آپے سے باہر ہو جائیں گے

اور کوئی سزا تجویز کر دیں گے، مگر وہ سزا دوسرے دن پر موقوف کھی جائے اس عہد پر مضبوط رہیئے - کہ جو کچھ آج کر سکتے ہیں وہ کل بھی کر سکتے ہیں - کسی کام کو کل پر اُٹھا رکھنے سے وہ ہاتھ سے نہیں جاتا رہے گا - بزرگوں کا مقولہ ہے کہ "قوت وقت کا جسے اندیشہ نہیں وہی برابر د بار ہے" آپ جو کریں گے تو نشۂ غضب کی کیفیت دُور ہونے پر عقل صحیح اور رائے صائب اُس کی جگہ متمکن ہو گی - یہ بھی بزرگوں کا مقولہ ہے کہ انسان کی صائب ترین رائے وہ ہے، جسے اُس نے رات کو سوچا ہو اور دن میں اُسکا استقبال اور اُس پر عمل کیا ہو - جب آپ اپنے نشۂ غضب سے ہوشیار ہوں تو یہ سوچیے کہ وہ کیا بات تھی جس نے آپ کو غصہ دلایا اور غصہ جو رائے دے اُسکے مرتکب ہو کر غصے کو فرو نہ کیجیے - یہ بھی مقولہ ہے "غصہ جس پر آمادہ کرے اُس کے کرنے سے غصہ فرو نہیں ہوتا" اور یہ بھی یاد رکھیے کہ خدا کو آپ پر جو قدرت و اختیار حاصل ہے - اُسے یاد کیجیے - نیز یہ کہ آپ اُس کی درگزر اور رحمت کے محتاج ہیں - خاصکر مصائب کے زمانے میں اور ہمیشہ خدائے تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد رکھیے -

ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون　　چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر سے کام لیں
ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور　　کیا تم نہیں پسند کرتے کہ خدا تمھاری بخشش کرے
الرحیم ۰　　اللہ تو بڑا بخشنے اور رحم کرنے والا ہے
وان تعفوا اقرب للتقویٰ　　اور چاہیے کہ اگر عفو سے کام لو تو یہ بات تقویٰ سے بہت قریب تر ہے -

اور اگر آپ عفو کو ضروری سمجھیں تو اس میں تاخیر نہ کیجیے - بلکہ فوراً معاف کر دیجیے - اور اگر سزا کی ضرورت سمجھیں تو ہر وقت آپ کو اختیار ہے مگر سزا کسی مقدار اور حیثیت جرم سے زیادہ نہو - ورنہ آپ کا ذکر اور نام لوگوں میں برائی کے ساتھ کیا اور لیا جائے گا -

---

"اس طریقے سے آپ اپنے نفس کو ایک بار، یا دو بار، تین بار روک لیں گے تو پھر اس کی عادت ہو جائے گی "

سنان اتنا کہکر خاموش ہوا۔ بجکم کو اس کی یہ بات بہت پسند آئی اُسکے دل میں یہ نصیحت جاگزیں ہو کر اپنا پورا اثر پیدا کر چکی تھی، جس کا نتیجہ ہوا کہ بتدریج آہستہ آہستہ اُس کے اخلاق کی اصلاح ہوتی چلی گئی۔ یہانتک کہ مزاج میں پوری صلاحیت پیدا ہو گئی اور بالکل اعتدال پر آگیا۔ پسندیدہ اخلاق طبیعت میں مستحکم ہو گئے، لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنا ظلم و ستم کو دور کرنا، اب بجکم کا ایک بہترین مشغلہ تھا بجکم پر یہ راز اب جا کر کُھلا کہ بادشاہ کے لیے عدل و انصاف کسقدر مفید اور ضروری ہے اُس نے زمانۂ قحط میں " واسط " میں ایک مہمان خانہ بنوایا اور بغداد میں "مارستان" (بیمارستان۔ اسپتال) وہ سنان کی نہایت عزت و تکریم کرتا تھا۔

سفری شفاخانوں کا قیام

سنان کی امراء و وزراء کے نزدیک بڑی قدر و منزلت تھی چنانچہ اسکا شاید ایک یہ واقعہ ہے کہ وزیر علی بن عیسٰی بن جراح نے سنان کو ایک فرمان بھیجا۔ اس سال جبکہ وبائیں امراض اور دیگر سخت بیماریاں پھیل گئی تھیں، فرمان کا مضمون یہ تھا،

"خدا تمھاری عمر دراز کرے جو لوگ ملک کے جیل خانوں میں قیدیں ان کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔ اُن کی سکونت گاہیں بہت تکلیف دہ ہیں۔ اگر وہ امراض میں مبتلا ہوں تو بچ نہیں سکتے۔ وہ اپنے مفاد اور حصول منافع کی کوشش سے مجبور، بہت دور اور مشکلات میں گرفتار ہیں، انھیں ایسے لوگ (طبیب) کہاں میسر ہیں جن سے وہ اپنے امراض کے باب میں مشورہ کر سکیں، خدا تمھیں برکت دے تم کو یہ چاہیے کہ اُن کے لیے چند طبیب مخصوص مقرر کر دو، جو ہر روز اُن کے پاس جاتے رہیں، اُن کا علاج کریں اور اپنے ساتھ کھانے پینے کی دوائیں لیجایا کریں، جن جن ادویہ کی ضرورت بھی ہو۔ آپ اُن کو حکم دیکر لازم کر دیجیے کہ وہ سارے جیل خانوں میں جاتے رہیں۔ قیدیوں کی جو کچھ شکایات اور بیماریاں ہوں، اُنکا علاج اُن کے بیان، خواہش اور امراض کے لحاظ سے کرتے رہیں، انشاء اللہ یہ مفید صورت ہوگی"

سنان نے اس حکم کی پوری پوری تعمیل کی۔

وزیر نے پھر سنان کو ایک اور توقیع مراسلہ لکھا۔

میں اُن لوگوں کے باب میں غور کر رہا ہوں جن کے بال بچے اطراف شہر، دیہات اور قصبات میں رہتے ہیں۔ یقیناً اُن میں بھی مریض اور بیمار ہوں گے۔ مگر اُن تک کوئی طبیب نہیں پہونچتا کیونکہ دیہات و قصبات، اطباء سے خالی ہیں (تمام طبیب صرف بڑے بڑے شہروں میں رہتے ہیں) خدا آپ کی عمر میں برکت دے۔ آپ پیشقدمی کیجیے۔ اور اطبا کو بھجوائیے، جن کے ساتھ کھانے پینے اور استعمال کرنے کی دواؤں کا کافی ذخیرہ ہو، جو اطراف شہر (اضلاع، دیہات و قصبات) میں گھومتے رہیں، یہ اطبا اپنے سفری دواخانوں سمیت مختلف مقامات پر قیام کرتے رہیں، جب تک مقامی ضروریات، قیام کی داعی ہوں مریضوں کا علاج کر کے آگے بڑھیں، غرض ایسے سفری دواخانوں کا قصبات و دیہات میں انتظام کر دیجیے"

سنان نے فوراً اس پر عمل کیا۔ اور رئیس الاطبا سنان کے بھیجے ہوئے دواخانے اُن دور دراز مقامات تک گئے جہاں کے باشندے زیادہ تر یہودی تھے اور مسلمان بہت کم۔

سنان نے جن اطبا کو روانہ کیا تھا۔ اُن کی رپورٹیں اور خطوط اطلاعی

برابر پہونچتے رہتے تھے، چند خطوط سنان نے اطلاعاً وزیر مملکت کی خدمت میں بھیجے۔ اور ان میں وہ خطوط بھی تھے، جن میں تحریر تھا کہ لوگ بسورا اور نہر ملک تک پہونچ گئے ہیں۔ یہاں کے اکثر باشندے یہودی ہیں۔ ہم یہاں قیام اور انکا علاج کریں کہ واپس ہو کر کہیں اور جائیں۔

سنان نے لکھا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں وزیر باتدبیر کے حکم کا منتظر ہوں میں نہیں جانتا کہ ذمیوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے،

دوسرے مکتوب میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ پایۂ تخت کے بیمارستان کا تو یہ اصول ہے کہ عام مسلمانوں اور ذمیوں کا، سب کا علاج وہاں مساوی حیثیت سے ہوتا ہے۔ اور وہ سب کے لیے یکساں وقف ہے۔

وزیر نے پھر اسکا جواب دیا، جس کا مضمون یہ ہے کہ:۔

آپ نے جو کچھ لکھا ہے میں سمجھ گیا۔ مالک الملک (خدا) آپ کو اور زیادہ عزت و احترام بخشے۔ آپ کا اور ہمارا اس باب میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے، ذمیوں کیا، بلکہ جانوروں (چوپایوں) تک کا علاج کرنا ثواب ہے، لیکن جو بات مقدم رکھنا ضروری ہے، اور جس پر عمل لازم ہے وہ یہ ہے کہ پہلے آدمیوں کا علاج ہے، اور آدمیوں میں ذمیوں سے پہلے مسلمانوں کا۔ مسلمانوں کی ضروریات اور احتیاج سے جو کچھ زائد اور فاضل ہو، وہ آپ شوق سے اُن لوگوں پر صرف کیجیے جو اُن کے بعد طبقے میں ہیں، خدا آپ کی عزت و توقیر بڑھائے، ایسا ہی کیجئے اور اپنے اصحاب کو بھی لکھ دیجئے۔ اور اُن کو خاص طور پر ہدایت کیجیے کہ جن مواضع میں وبائی امراض زیادہ ہیں اور متعدی (پھیلنے والی) بیماریاں، وہاں ضرور جائیں اور اگر اُن کو بدرقہ و امداد نہ پہونچ سکے یا راستے نہ معلوم ہو سکیں تو کسی مقام پر ٹھہر جایا کریں جب راستے ٹھیک اور صحیح طور پر معلوم ہو جائیں اور رسد پہونچ جائے تب آگے بڑھیں وہ ایسا کریں گے تو بہت مناسب کام کر سکیں گے، اور میرے خیال میں بہت مفید ثابت ہوں گے انشاء اللہ۔"

وزیر کی اس تحریر پر پورا عملدرآمد ہوتا رہا۔

۳۰۶ء میں سنان نے خلیفہ المقتدر کو یہ مشورہ دیا کہ ایک ایسا بیمارستان بنایا جائے جو خلیفہ کے نام سے منسوب ہو، چنانچہ خلیفہ نے اُسکے بنانے کا حکم دیدیا۔ اور یہ نہایت عظیم الشان اسپتال باب الشام میں تیار ہوا۔ اس کا نام "بیمارستان المقتدر" رکھا۔ اسپر خود خلیفہ خود اپنی ذاتی جاگیر سے دو سو اشرفیاں ماہانہ خرچ کیا کرتا تھا۔

سنہ ۳۰۶ ہجری کی اول محرم کو سنان بن ثابت نے "بیمارستان سیدہ" کا افتتاح کیا۔ جسے سیدہ کے نام سے خود سنان نے سوق یحییٰ (یحییٰ بازار) میں تیار کرایا تھا، خود سنان اس میں بیٹھا اور بہت سے نامور اطبا کو خاص ترتیب و قاعدے سے اس میں بٹھایا اس اسپتال کا ماہانہ خرچ چھ سو اشرفی تھا، جو یوسف بن یحییٰ المنجم کے ہاتھ ہوتا تھا، اس لیے کہ خود سنان اسپتال کے آمد و خرچ سے ہاتھ نہیں لگاتا تھا،

تصانیف سنان

سنان کی تصانیف نہایت بلند پایہ و اعلیٰ ہیں، وہ طب کے علاوہ علم ہیئت کا بڑا ماہر و کامل تھا۔ علم ہیئت میں اسکے کارنامے نہایت روشن و تابناک ہیں، جنکا ذکر تفصیلی بیان کا محتاج نہیں، بلکہ اس سے مستغنی ہے اس کی تصانیف میں، جو محسن بن ابراہیم بن ہلال صابی کے ایک خط میں مذکور ہیں، حسب ذیل نوادر کتب ہیں۔

(۱) رسالہ ملوک یونان (۲) رسالۂ بیان استوار

(۳) رسالہ بجکم (۴) رسالہ الی ابن الرائق

(۵) رسالہ الی ابن عیسیٰ الوزیر

رسائل سلطانیات، اخوانیات، رسالۂ علم نجوم ـ رسالہ صائبین کے بیان میں۔ رسالۂ کواکب سبعہ (سبعۃ سیارہ) کے لحاظ سے ہفتہ کے سات دنوں کی تقسیم ـ یہ رسالہ ابواسحاق، ابراہیم بن ہلال جلالی کی خدمت میں لکھکر روانہ کیا تھا۔ اور ایک شخص کے نام اور رسالۂ مترسل اور شاعر میں کیا فرق ہے۔ رسالہ ۔ اپنے آباء و اجداد کے حالات میں ـ

یونانی سے عربی میں جو کتابیں سنان نے بذریعۂ ترجمہ نقل کی ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے

(۱) نوامیس ہرمسن ۔ (۲)۔ وہ درود وظائف، اور سورتیں جو صائبین پڑھتے ہیں (۳) افلاطون کی کتاب اصول ہندسہ کی اصلاح اس کتاب میں خود سنان نے بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ (۴) ایک مقالہ خطوط مستقیمہ کی اشکال میں اور یہ کہ وہ دائرہ میں کیونکر واقع ہوتے ہیں عضدالدولہ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اس میں سنان نے مسائل ہندسہ استخراج کیا ہے۔

ان تراجم و تالیفات کے علاوہ دیگر فاضل مصنفین کی کتب کی جو اصلاح کی ہے وہ الگ ہیں۔ مثلاً ابوسہل کوہی کی کتابوں کی اصلاح ابوسہل نے خود سنان سے اس کی استدعا کی تھی ـ

(۲)۔ (یوسف قس پادری کی کتاب کی اصلاح اور ترتیب و تہذیب جو اُس نے سُریانی سے عربی میں ترجمہ کی تھی یہ کتاب "مثلثات ارشمیدس" سے ماخوذ تھی"

محوی صدیقی عفی عنہٗ

قند پارسی

(از جناب عمدۃ الحکماء حکیم ڈاکٹر اے۔ اچ یقین قزلباش لکھنوی)

می نماید صورت حال دل افگار ما
ہست معیار طلب بے ربطی گفتار ما

مطلع صبح ازل بود مقصدِ اظہار ما
مقتبس گشتند از لوح قدم آثار ما

خم چو شد از بہر تعظیمش سر سرشار ما
ساقیا در گردنِ پیمانہ شد زنار ما

سر فروشانیم مانند حباب سر فروش
یک نفس بر آکہ بینی گرمی بازار ما

ما باندازِ خموشی استعارہ می کنم
حسن اقرار ست در بادہ کشی انکار ما

شعلہ بر خیزد ز چیزے چوں بسوزد تا بدیر
راز دل افشا کند سرگرمی گفتار ما

در حجاب بیخودی ما پردہ داری کردہ ایم
رسم از خود رفتگی ستریست از اسرار ما

اُصولِ وضعِ اصطلاحاتِ علمیّہ

(۲)

(سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو مرقع بابت جون سنہ ۱۹۲۶ء)

(از جناب مولوی سید محمد ابو البقاء صاحب بی - اے جونپوری)

ڈاکٹر گینا ناناتھ چکرورتی کا نام بہ سبیل تذکرہ محض اس توضیح کیلئے آگیا کہ اب ہمارے برادرانِ وطن کا زاویۂ نظر کچھ اور ہی - یعنی اُردو کی جانب سے وہ سرد مہری برت رہے ہین بلکہ اسمین قلبِ ماہیت پیدا کر رہے ہین - واقفانِ حال جانتے ہین کہ کائستھ کشمیری - برہمن اور کھتری یہ تینون ذاتین کہ انکے لب لہجہ اور اندازِ تکلم تک مین بہت کچھ مسلمانونکی کیفیت پائی جاتی رہی ہی - طالب علمونکا مشاہدہ مجھے جو کچھ ہوا ہی وہ عجب و غریب ہی اس امر مین بعض مقامات پر اُنھین مین کے طالب العلم تھے جو محرر زیادہ تھے اور اُردو سے بیزاری ظاہر کرتے تھے - ہندوستان مین محض اُردو ایک وہ چیز ہی جو ہندو مسلم اتحاد کا ایک زبردست ذریعہ ہو سکتی ہی مگر بدنصیبی ہی کہ اس زبان کے مسئلہ نے بجائے آپس مین شیر و شکر کرنیکے نہایت ناگوار سیاسی صورت اختیار کی ہی - ہمارے برادرانِ وطن الا ماشاء اللہ سوائے معدودے چند مستثنیات کے کلیتاً ہندی کے حامی ہوگئے ہین اور جیسا کہ مین ظاہر کر چکا ہون باکثریت زبان مین قلبِ ماہیت پیدا کرنے کیلئے آمادہ ہین - بلکہ اب تو چند یا ریہ آوازین کان تک پہنچی ہین کہ اگر مسلمانونکو بھارت ورش مین رہنا ہی تو عربی فارسی لفظونکو خیر باد کہنا پڑیگی - اور میرا خیال ہی کہ یہ امر ناگزیر ہی - ہوکر رہیگا مگر یہ برادرانِ وطن کی سعی کا نتیجہ ہوگا - بلکہ خود مسلمانون کے ہاتھون ہوگا - اور یہ خود مسلمانون ہی کا تیر ہوگا جو اس بھولے پھلے درخت کو قلم کرتے کرتے بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیگا -

زبان تمدن کا ایک جزو ہی - اسلیے تمدن کے تمام اجزا جہان ضعیف ہونگے زبان بھی متاثر ہوگی اور رفتہ رفتہ تغیر پذیر ہوتے ہوتے ایک مدت کے بعد اُسکی صورت مسخ ہوکر کوئی دوسری ہی چیز ظہور پذیر ہوگی اسوقت تک جو کچھ میرے خیالات حوالۂ قلم ہوئے ہین بظاہر خارج از بحث ہین - اور یہ فی الحقیقت میرے مضمون "ہندی تمدن عرب کا جنازہ" کے شعبۂ لسانی کا ایک حصہ ہین - یہ مضمون ہمالنظر لکھنؤ مین مارچ سنہ ۱۹۲۶ء سے برابر نکلتا رہا ہی - مگر وضعِ اصطلاحاتِ علمیہ سے یہ بحث جدا نہین - وضاحت آتی ہی -

نوبت یہ آن پہونچی ہی کہ اُردو کو بالکل مسلمانونکی دستگیری کا ایک سہارا رہ گیا ہی - اگر انھون نے بھی منھ موڑا تو اسکا خدا حافظ ہی تمدن کے فنا کا پہلا درجہ ہی جب اہلِ تمدن اپنی شخصیت، اپنی انفرادی ہستی اپنی اہمیت کو سبک سمجھنے لگتے ہین اور انکی ایک ایک ادا مین تدریجاً تغیر ہونے لگتا ہی - لباس - غذا - رفتار گفتار طرزِ بود و باش - سامانِ آسائش - آرائش و زیبائش طریقہ دید بازدید مین فرق بلکہ بین فرق آجاتا ہی - حتی کہ زبان اسدرجہ بدل جاتی ہی کہ اسکا بسملہ - حوقلہ - سبحلہ - ہیللہ اور حسبلہ بھی کچھ کا کچھ ہو جاتا ہی اردو بولنے والونمین یہ تدریجی مراتب سرعت اور سرعت بھی برق وش سرعت سے ظہور پذیر ہو رہے ہین - یہ موقع انکی توضیح کا نہین ہی - البتہ یہ کلمۃ الحق نکالنے مین مجھے تامل نہین کہ وہ جنکی جانب آنکھین لگی ہوئی ہین کہ اسکی پرورش و پرداخت کرلین گے وہی اسکی فنا کی صورت پیدا کر رہے ہین -

دکن مین اردو نے ابتدا سے عروج حاصل کیا اور یہ شہریار دکن خلد اللہ ملکہ کے لطف گوشۂ چشم کا تصدق ہی کہ اردو بام عروج پر چڑھتی نظر آ رہی ہی مگر ساتھ ہی اُسکے فنا کے سامان بھی دوش بدوش بڑھ رہے ہین۔ ایکطرف ہمارے برادران وطن ہر ممکن طریقہ سے اُردو کو ہندی کے قالب مین ڈھالنے کی کوشش کر رہے ہین۔ حتی کہ ز۔ ذ۔ ض۔ ظ۔ ف۔ ق۔ غ وغیرہ کی آوازین جو ہندی مین معدوم ہین اُنکے تلفظ کو جیم پھ ک گ وغیرہ سے بدلکر (مولوی وحید الدین صاحب کے طرز ادا مین) فنا کرنا چاہتے ہین۔ اور اردو لفظین اسطرح ہندی کر رہے ہین۔ دوسری طرف مولوی عبد الحق اور اُنکے رفقاء اردو کی تسہیل و تسلیس اور ترتیب کے خیال مین فی الحقیقت ہندی کی حمایت پر آمادہ ہین۔

آج یہ خیال ہی کہ زبان اور وہ بھی علمی زبان کو صاف کرنے مین تا امکان ہندی کی لفظین زیادہ لانا چاہیئے۔ کل ترقی کرکے عربی لفظین نا قابل استعمال قرار دیجائینگی اسلیئے کہ ہندی کوئی علمی زبان نہین ہی اور اپنے بنیہ و قماش مین بہت کچھ کیا قریب قریب بالکل سنسکرت کی محتاج ہی

ہندی لفظون اور ہندی اصطلاحات کی بہتات جب ہو گی تو لا محالہ بیمائگی کیوجہ سے نادانستگی مین عسیر الفہم سنسکرت لفظین استعمال کیجانے لگین گی اور اسطرح رفتہ رفتہ عربی لفظین ناپید ہو جائنگی۔ پہلے حصہ مین اسی غرض سے نہایت وضاحت کیساتھ ان اثرات کو جو اردو کے قلب یا ہیت مین کار فرما ہین ظاہر کر دیا گیا ہی۔

ان اثرات کے علاوہ ایک نہایت اہم درجہ ایک سخت درجہ یہ ہے کہ علمی اصطلاحین جو وضع کیجائین اسمین بھی خواہ مخواہ ہندی لفظین داخل کی جائین آخر ان عربی لفظون نے کیا قصور کیا ہی جو ان سے بیزاری ہے۔

مولوی وحید الدین صاحب سلیم اپنی وضع اصطلاحات مین تحریر فرماتے ہین۔

”نہایت خوشی کی بات ہی کہ جامعۂ عثمانیہ کی اس کمیٹی نے جس مین دونون گروہ کے اصحاب الرائے موجود تھے کافی غور و مباحثہ کے بعد کثرت رائے سے دوسرے گروہ کے اس نظریہ کو پاس کر دیا کہ اردو مین جو اصطلاحین وضع کیجائین اُنکے الفاظ عربی فارسی ہندی سے بے تکلف لیے جائین مگر الفاظ کی ترکیب مین صرف اردو گرامر کا لحاظ رکھا جائے۔ اور کسی گرامر کا نہین۔ ارباب کمیٹی نے ایسے فیصلہ مین اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہی کہ علمی الفاظ کسی خاص زبان مثلاً عربی یا فارسی یا ہندی زبان سے اسی زبان کی گرامر کے مطابق بنائے جائینگے تو وہ اردو زبان کے الفاظ نہونگے بلکہ عربی فارسی یا ہندی زبان کے الفاظ ہونگے

کسی زبان کے الفاظ بھی اردو زبان کے الفاظ کہلانیکے مستحق ہین جب تک کہ اُنپر اردو گرامر کا سکہ لگانیکی قابلیت نہو۔ یا اُنپر اردو گرامر کا سکہ نہ لگا یا گیا ہو۔ دوسرے لفظون مین اس فیصلہ کا مطلب یہ ہی کہ جدید الفاظ اردو زبان مین خود اُس زبان کے قدرتی ساخت کے مطابق بنائے نہ کہ کسی اجنبی زبان کی بناوٹ اور قواعد کے مطابق“ انتہی

آگے چلکر مولوی صاحب جیسا کہ حقیقت حال ہی اردو کو آریائی زبانون کی شاخ بتلاتے ہین۔ دو طریقون سے۔ اولاً وہ سنسکرت کی ایک شاخ ہی ثانیاً وہ فارسی کی ایک شاخ ہی۔ عربی سامی السنہ کی شاخ اور ترکی تورانی کی ہی۔ اُردو مین انکی لفظین کثرت سے ہین۔ اسلیے اردو تینون گھرانون کی بیٹی ہی اور آگے فرماتے ہین ”اب دیکھنا یہ ہی کہ آریائی زبانون مین گرامر کے مشترک اصول کون ہین۔ اُسکے ساتھ ہی یہ بھی تحقیق کرنا ہے کہ وہ مشترک اصول عربی زبان مین پائے جاتے ہین یا نہین۔ مگر یہ بحث اسقدر طویل ہی کہ اگر ہم اسکو پوری تفصیل کیساتھ لکھین تو ایک ضخیم کتاب صرف اسی بحث پر تیار ہو سکتی ہی۔“ انتہی

اسکے بعد مولوی صاحب نے آریائی السنہ کے چار مشترک اصول بتائے ہین جو لفظ سازی کیلئے مفید ہین - یعنی ترکیب امتزاجی - ترکیب اتباعی ترکیب سبقلاحی (یعنی سابقات و لاحقات کے ذریعہ سے وضع اصطلاح) - ترکیب وضع فعلی یعنی الفاظ سے فعل بنا لینا -

الفاظ کے متعلق یہ بحث پیدا کرنا کہ فلان لفظ عربی ہی یا اردو، فارسی ہے یا اردو، ہندی ہی یا اردو، درانحالیکہ عربی فارسی اور ہندی کو اردو زبان کی ساخت و بافت مین عنصری درجہ پا جائے کچھ عجیب منطق ہی - کسی زبان کی صرف و نحو کی پابندی اُسکے عبارت کیلئے لازمی ہی - لفظین اس قید سے بہت کچھ آزاد ہین - مولوی صاحب نے اپنی اس کتاب مین اس بحث کی جانب بالکل توجہ نہین کی ہی ترکیب الفاظ کے لحاظ سے یہ امر ہمارے پیش نگاہ رہتا ہی کہ اصطلاحین زیادہ سے زیادہ دو لفظون سے خواہ تین لفظون سے بنتی ہین اور ہم صحت کا خیال مقدم کر کے انکو اپنے قواعد کے تحت مین لاتے ہین - ہمارے زبان کی قدرتی ساخت کیا ہی ؟ - اسکا فیصلہ عربی - فارسی خواہ ہندی کے حق مین یا اُنکے مخالف کلیتاً نہین ہو سکتا - جسطرح آریائی زبانونکے مشترک اصول بنے ہین اُسی طرح اردو کے بھی ہین مولوی صاحب اس بحث مین نہین پڑے ہین اسلیے اس موقع پر اس سے قطع نظر کیا جاتا ہی -

آگے چلکر مولوی وحید الدین صاحب اردو مین آریائی اور سامی زبانونکا تناسب ظاہر فرماتے ہین اور فرہنگ آصفیہ سے جدول مندرجہ ذیل نقل فرماتے ہین -

مجموعی تعداد ۵۴۰۰۹

ہندی جسمین پنجابی و پوربی زبان کی لفظین شامل ہین ۲۱۶۴۴
اُردو یعنی وہ الفاظ جو غیر زبانون سے ہندی کیساتھ ملکر بنے ہین ۱۷۵۰۵
عربی ۷۵۸۴ - فارسی ۶۰۴۱ - سنسکرت - ۵۵۴
انگریزی وغیرہ ۶۸۱ -

میرا موضوع بحث وضع اصطلاحات نہین ہی - بلکہ وضع اصطلاحات علمیہ ہی - اسلیے منقولہ بالا عبارت کے متعلق بافسوس نگارش ہی کہ مجھے قبل ازین اس بحث کے متعلق تفتیش کا خیال نہ پیدا ہوا اور اسلیے مجھے معلوم نہین کہ اس کمیٹی مین کس قابلیت کس استعداد اور کس مبلغ علم کے لوگ تھے فلہذا مجھے اُسکے فیصلہ کے سامنے سر نیاز خم کرنے مین تامل ہی - اگر اس مین اکثر حضرات مثل میرے کسی انگریزی جامعہ (یونیورسٹی) کے سند یافتہ ہین اور انکی خانگی تعلیم عربی یا فارسی کی نہین ہی اور زبان کے مجموعی حالت پر ایسی قدرت حاصل نہین ہی تو مجھے انکا فیصلہ قبول کرنے مین تامل ہی -

یہ عبارت " اگر علمی الفاظ کسی خاص زبان مثلاً عربی یا فارسی یا ہندی زبان سے اسی زبان کے گرامر کے مطابق بنائے جائینگے - تو وہ اردو زبان کے الفاظ نہونگے بلکہ عربی یا فارسی یا ہندی زبان کے ہونگے " قابل لحاظ ہی -

پہلا سوال یہ ہی کہ ہندی فارسی اور عربی کے الفاظ اردو کیلئے بمنزلہ عناصر ہین یا نہین ، اگر ہین تو اسمین کا ہر جزو لاینفک اپنے صحیح حالت مین داخل ہونیکے قابل ہی یا مسخ شدہ صورت مین - آیا ہمارے اسلاف نے اسکے متعلق کچھ اصول قائم کئے ہین یا نہین - دوسرے وہ کیا معیار ہی جس سے یہ فیصلہ کیا جائے کہ کوئی لفظ اردو زبان کا لفظ ہی یا عربی کا خواہ فارسی و ہندی کا - درانحالیکہ موخر الذکر تین السنہ عنصری درجہ رکھتی ہین - سوا اسکے کہ کسی لفظ کا استعمال زبان مین عام ہو جائے - عبارت بیشک ہندی نما - فارسی نما - عربی نما ہو سکتی ہی لیکن انکی ہر لفظ اردو مین داخل ہو سکتی ہی - مثلاً نحو بالمقابلہ بالکل عربی ترکیب ہی مگر اردو مین داخل ہی -

اور بقدر ضرورت موقع موقع سے اسکی صرفی و نحوی حالت اصلی خواہ

اُردو کی گرامر کے مطابق ہوسکتی ہی۔
آریائی السنہ کے مشترک اصول اور اُنکی اردو سے وابستگی مولوی حبیب صاحب نے دکھائی مگر افسوس کہ وہ سامی السنہ کے اصول بالکل قلم انداز کرگئے اور یہی وہ امر ہی جس سے تقابل تعلقات ہوسکتا ہی۔ کیونکہ بلا اسکے یہ نہین طی پاسکتا کہ سامی یا ترکی السنہ کی وہ کیا خصوصیتین ہین جو اُردو کی قدرتی ساخت کے مطابق نہین ہین - اور وہ کیا ہین جنھین اردو نے خود جذب کرلیا ہی۔
ہندی عربی اور فارسی کے عنصری مناسبت مین کثرت و قلت کا جہان خیال کیا گیا ہی وہان لازمی ہی یہ دیکھنا کہ نوعیت الفاظ کیا ہی مثلاً کتنے الفاظ ہین کہ ضروریات زندگی کے ادائے مطلب کو پورا کرتے ہین کتنے ہین جو مختلف پیشون مشاغل لہو ولعب تفریح و تفرج پر حاوی ہین کتنے ہین جو مخصوص مفاہیم علمیہ کا آلہ ہین۔ مثلاً بیلو کھرج جوگیا بھیرَوی شام کلیان اور ایسے ہی موسیقی کی صدہا لفظین ایک طالب علم ارضیات کے کام آسکتی ہین یا نہین۔
اور اسطرح مختلف چیزونکو خیال کیا جاسکتا ہی۔ درانحالیکہ عربی اور ہندی کی لفظین دو جداگانہ خاندانون سے آئی ہین - قدرتی طریقہ سے خیال ہوگا کہ کسکو کیا درجہ حاصل ہی اسکے علاوہ اس ترکیب و آمیزش مین یہ بھی دیکھنا ہی کہ ہندی یا عربی اور فارسی لفظین جیسے ترکیب پاکر اُردو زبان بنی ہی جداگانہ کس کس درجہ کے لوگونکے استعمال مین زیادہ ہین۔ یہ ایک نہایت ہی اہم امر ہی کیونکہ اسی تنقیح کے اختتام پر اسکا فیصلہ ہوجائیگا کہ وہ کونسی لفظین ہین جو علمی اصطلاح سازی مین زیادہ داخل ہونیکا حق رکھتی ہین۔ عامۃ الناس کی زبان پر خصوصاً ان میں جاہل دیہاتیونکی زبان پر ہندی لفظین چڑھی ہوئی تھین اور شاہی محلون امرا اور اُنکے مقربین کی زبان پر فارسی اور عربی لفظین یہ امتیاز ایک اہم حقیقت ہی کیونکہ یہا نسے زبان کی فصاحت کا مسئلہ طی ہوجاتا ہی۔ مولانا علی محمد شاد نے "نوائے وطن" نامی ایک کتاب صوبہ بہار کی اُردو کے بابت لکھی تھی اسمین لکھتے ہین۔
"مادری زبان کی فصاحت کو زیادہ تر دو قسم کے لوگونمین ڈھونڈھو شاہزادونمین یا عالی خاندان امرا مین" یہ قول اپنی جگہ پر صحیح ہے - وجہ سب سے بڑی یہ ہی کہ شاہزادے اور عالی خاندان امرا بوجہ اپنی وسعت ضروریات، آداب، طرز معاشرت، ذکاوت احساس، اور نزاکت موقع کے ذرا ذرا سا امتیاز قائم رکھنے کیلئے مختلف لفظین بولتے ہین جو غربا کے خواب و خیال مین بھی نہین ہوسکتی ہین ان فرق مفاہیم کو قائم رکھنا اور بالکل موقع موقع سے صحیح بولنا ہی فصاحت سے تعبیر ہی۔ اسے غالباً تیس چالیس سال قبل پنڈت گوری شنکر مصر یا پنڈت لکشمی شنکر مصر پروفیسر کوئنس کالج بنارس نے انگریزی اردو اور ہندی کی ثلاثی اللغات قاموس مدون کی۔ اُسکے دیباچہ مین اُنھون نے گردش روزگار کی دبی زبان سے شکایت کی ہی کہ ہندی لفظونکو ماؤن بیشتر متون اور اصیلونکا درجہ ملا - اور عربی فارسی لفظین ممتاز رہین یہ مقتضیات فطرت سے تھا اسلیے کہ عوام الناس جو زبان بولتے تھے اسمین اس مرتبہ کے حاصل کرنیکی قدرت نہ تھی جبتک عوام الناس خود ترقی کرکے اس درجۂ امتیاز پر نہ پہونچین ہندی الاصل لفظین جو انکی زبان پر جاری ہین اپنی حالت پر رہین گی - یا عمائد انکو اختیار کرکے انمین نزاکتین پیدا کرین۔ اس سے کوئی مفر نہین ہی۔
بہت ہی بلند آہنگی سے مولوی وحید الدین صاحب وضع اصطلاحات مین فرماتے ہین تحت اصول چہاردہم "ہمارے نزدیک یہ خیال (یعنی علمی اصطلاحات مین ہندی الفاظ کی آمیزش ناپسندیدہ سمجھنا (ابو البقا) سخت غلطی پر مبنی ہی - ہندی ہماری محبوب زبان اردو کیلئے جسکو ہم راتدن گھر و نمین - کارخانون مین بازارون مین مدرسونمین محفلون مین مجلسون مین ہر حالت مین بولتے ہین اور اسیکو ہمیشہ لکھتے ہین اور

پڑھتے ہین بمنزلۂ زمین کے ہے اسی زمین پر عربی اور فارسی کے پودے
لگائے گئے۔ اسی تختہ پر غیر زبانون نے آکر گلکاری کی۔ اگر یہ زبان
نکال دین تو پھر اُردو زبان کا نام و نشان بھی باقی نرہیگا۔
ہندی کو ہم اپنی زبان کیلئے ام اللسان اور ہیولیٰ اول کہسکتے ہین۔
اسکے بغیر ہماری زبان کی کوئی ہستی نہین ہے۔ اسکی مدد کے بغیر ہم
ایک جملہ بھی نہین بول سکتے۔ جو لوگ ہندی زبان سے محبت نہین
رکھتے وہ اُردو زبان کے حامی نہین ہین۔ فارسی عربی یا کسی اور زبان
کے حامی ہون تو ہون۔ کیا وہ ہندی اسماء و افعال جنکو ہم رات دن
چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے اور سوتے جاگتے استعمال کرتے
ہین مبتذل اور بازاری ہو سکتے ہین۔ کیا ہمارے علماء و خواص و
اشراف ان اسماء و افعال کو بے تکلف اپنی زبان پر نہین لاتے
پھر یہ کیا ہے کہ جو الفاظ ادنیٰ و اعلیٰ، عام و خاص، عالم و جاہل،
سب کی زبانون پر ہین وہ ہر قسم کی گفتگو اور خط و کتابت کے وقت تو
مبتذل و بازاری نہین ہوتے مگر علمی اصطلاحات مین انکو مبتذل اور
بازاری کہا جاتا ہے۔ . . . .

. . . کیا پھر ہر موقع پر ان الفاظ اور ان حروف کو استعمال کرنا اور ہر فصیح
سی فصیح تقریر اور تحریر مین انکو دخل دینا۔ اور ایک خاص موقع پر
یعنی وضع اصطلاحات کے موقع پر انکو اُنکے شاندار درجہ سے گرا دینا اور
مبتذل اور بازاری کی پھبتی اُن پر چسپان کرنا سراسر مہمل اور بے معنی
نہین ہے۔ ہندی الفاظ کو سخیف اور مبتذل سمجھنے کی وجہ کیا ہے؟۔
اسکی وجہ صاف ظاہر ہے جو قوم اپنے درجے سے گر جاتی ہے اور حریت کا
تاج سر سے اُتار کر غلامی کا طوق پہن لیتی ہے وہ اپنی ہر چیز کو پست و
ذلیل سمجھنے لگتی ہے۔ اپنا مذہب دوسرونکے مقابلہ مین انھین ادنیٰ و
کمزور نظر آتا ہے۔ . . . .

اسی طرح اپنی زبان اُنھین غیرونکے مقابلہ مین ناشائستہ و کم مایہ
معلوم ہوتی ہے۔ غیر زبانون کے الفاظ انکی نظر مین نہایت شاندار اور ارفع
ہوجاتے ہین اور اپنی زبان کے الفاظ حقیر اور مبتذل معلوم ہوتے ہین۔
یہ میلان گری ہوئی قوم کے تمام معاملات و حالات پر یکسان طور سے
حاوی ہوجاتا ہے۔" انتہیٰ

یہ ساری عبارت بظاہر جتنی ہی پر زور اور گران وزن ہے اسقدر لاطائل
ہی کمزور اور بے پا در ہوا ہے۔ زبان فی الحقیقۃ ایک قوم کا آئینہ ہوتی ہے جسمین
اسکی تمدنی ہما ہمی۔ تاریخی کارنامے۔ اور اسکی مخصوصیات اپنی اکسیر کی
اور آمیزش کیساتھ جلوہ فگن ہوتے ہین۔ اور اُسکے تمام خد و خال روشن
نظر آتے ہین۔ لیکن خود ایک آئینہ قابل قدر کیون ہے؟ کیا صرف اس
زجاجی شیشے کی وجہ سے جسنے ملکر یہ سب ٹکڑا بنا ہے۔ نہین بلکہ اس مسالحہ
کیوجہ سے جس نے اسمین تابداری، عکس گیری اور عکس اندازی
کی قوت پیدا کی۔

ایک گلزار کو لیجئے، اسکی دلفریبی و دلآویزی، بہار کیا اس تختہ زمین کی وجہ
سے ہے جسپر بیل بوٹے پودے لگے ہوئے ہین یا ان رنگا رنگ بوقلمون
ازہار اور اوراق اشجار کی وجہ سے جن سے گلکاری و چمن طرازی ہوئی ہے
ماہرین عطر سازی جانتے ہین کہ بہتر سے بہتر عطر صندل کی زمین پر تیار
ہوتا ہے۔ صندل بجائے خود کسقدر خوش رائحہ چیز ہے مگر عطر بہت چیزون
سے ترکیب پاکر تیار ہوتا ہے۔ حنا۔ موتیا۔ جوہی چنبیلی۔ زعفران
کیسی کا عطر مجموعہ ہو اُسکے نام سے جب ہی منسوب ہوتا ہے جب اسکی
بو غالب آتی ہے۔ اسی طرح اردو کی انجمن آرائی چمن پیرائی صرف ہندی
کی زمین سے نہین ہے بلکہ اُن پردیسیونکی وجہ سے ہے جنھون نے
یہان بس بسا کر اس چمن کو مہکا دیا ہے۔ اس سے کسے انکار ہے
کہ ہندی اُردو کیلئے ایک ہیولیٰ۔ ایک مادہ اول اور ام اللسان ہے

اور اسکے بغیر ہماری زبان کی کوئی ہستی نہین ہو۔ معہذا یہ حقیقت نفس الامری ہو کہ ہندی الفاظ کو یک قلم نکال پھینکنا ہمارے امکان سے خارج ہو کیونکہ اس صورت مین زبان کچھ اور ہو جائیگی۔ مگر کسی خاص علم کی اصطلاح وضع کرنے مین ہندی لفظونکو نہ لینے کے معنی یہ ہرگز نہین ہین کہ ہم ہندی کی لفظین بالکل زبان سے خارج کر رہے ہین۔ نقاشی مین چاہے کوئی رنگ کتنا ہی ابھر آئے۔ زمین بہرحال قائم رہیگی۔ تدوین علوم مین علی قدر مراتب فارسی عربی اور ہندی کی لفظین موقع موقع سے آراستہ ہونگی جیسا کہ موسیقی اور ریاضیات کی مثال دیکر واضح کیا جا چکا ہو۔ کند ہمجنس با ہمجنس پرواز۔ متجانس الاجزا کی آمیزش سے ہر چیز کی خوبی ظاہر ہوتی ہو صحبت ناجنس عذاب الیم۔ نہایت ہی سچا مقولہ ہو۔

کچھ برہنہ سر، برہنہ پا، عریان بدن، لنگوٹی بند، توندیل سنہری کرتی جسم پر ڈالے جاہل بنیون ساہوکارون کو ایسے مجمع مین لاکر بٹھلا دیجئے جہان غریب الدیار فاقہ کش ذیعلم ایرانی اور عرب ہون جن کے سر پر عمامہ یا کلاہ پاؤن مین جراب اسپر بوٹ جسم کے بالائی حصہ مین قمیص سروالی اور عبا اور حصہ زیرین مین پائجامہ یا شلوار ہو تو کیسا معلوم ہوگا۔ دونون ایک دوسرے کی بولی کچھ سمجھ بھی سکتے ہون۔ لیکن صحبت کیا دیر تک قائم رہ سکتی ہو۔ ہرگز نہین۔ اسیطرح ہر موقع پر نہین غیر امتزاج پذیر اجزا خود بخود منفک ہو جاتے ہین۔ یہی حالت اس سعی لاحاصل کی ہوگی جو ہندی لفظون کو علمی زبان مین داخل کرنیکے لیے کیجاتی ہو وضع اصطلاحات کے موقع پر ہندی لفظونکو انکے شاندار درجے سے گرا دینا اور مبتذل اور بازاری کی پھبتی انپر چسپان کرنا بالکل بے معنی اور مہمل نہین ہو بلکہ مقتضیات فطرت سے بھی ہو اسکی وجہ وہ نہین ہو جو مولوی وحیدالدین صاحب سمجھ رہے ہین بلکہ کچھ اور ہو۔ پوری توضیح موقع سے آئیگی اس مقام پر صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہون کہ ہمکو عوام کو

عالم کے طرز ادا مین ہمیشہ یہ امتیاز محسوس ہوتا ہو کہ مسبوق الذکر کی بہ نسبت عالم کے بیان مین تعیین تدقیق تحدید اور رفع ابہام نمایان اور بین طریقہ سے زیادہ ہوتا ہو۔

(عوام کی زبان کے خصائص)

(اور انکی لفظونکو علمی زبان مین داخل کرنیکے اسباب)

بہ سبب علمی کم مائگی کے عوام قدرتاً اپنے اظہار خیال اور ادائے مطلب مین قاصر رہتے ہین۔ ترتیب سلجھاؤ درجہ بندی وضاحت ان کے بیان مین یہ چیزین نہین پائی جاتی ہین لامحالہ جو زبان انکی ہوگی، جو لفظین انمین رائج اور متداول ہونگی وہ جامع مانع اور واضح المفہوم نہین سمجھی جاتین خصوصاً ایسی حالت مین کہ جنھین ہم اہل زبان سمجھین وہ انکی تحصیل پر مائل نہون۔ اسطرح ان لفظونکو سبک بے مایہ حقیر سخیف اور مبتذل سمجھنا انکا استعمال علمی زبان مین مستحسن نہ قرار دینا خواہ اپنی بد تہذیبی کے سبب ہو خواہ ان لفظونکی کم مائگی کے سبب ہو بہرحال مقتضیات فطرت سے ہو۔ دو امور قابل لحاظ ہین۔ اولاً ہمکو جاہل کے کلام ہی نہین بلکہ کلمات کی جانب بھی اعتنا نہین ہوتی۔ اسلیے وہ ہمکو بیشتر بےمعنی معلوم ہوتے ہین ہمکو ہندی کی لفظین جتنی اور جو کچھ بھی ملی ہین وہ عام خلقت اور جاہلون سے ملی ہین۔ انکو سبک سمجھنا بالکل تقاضائے فطرت ہو۔ دوسرے جن چیزون سے مفاہیم و مطالب یا حامل المعنی الفاظ کی کنہ وغیرہ پر ہمکو عبور اور کافی دستگاہ نہین ہوتی ہو قدرتاً ہم سے انکے استعمال مین غلطی ہو جاتی ہے اور اسلیے ہمکو اس وادی مین قدم رکھنے سے گریز کرنا چاہئیے۔ جاہل کے کلام کے نمونہ مین دو شعر پیش کرتا ہون جنسے ناظرین کی تفریح طبع بھی ہو جائیگی

تو تو کہتا تھا کہ ہو عرش پہ اللہ تعالیٰ — آن کر دیکھ اگر ہی تو ہماجیم شریف

علی و فاطمہ رو کر کہتا تھا تون جنت سے — تمہارا لال کیا مارا گیا یا سید الشہداء

ترکیب کلام ہی نہین بلکہ کلمات کی صوری و معنوی دونون حیثیتون پر نظر ڈالیے اور ان شعرونکی بے ساختہ مضحکہ انگیزی ملاحظہ فرمائیے۔

ایسی مثالین جب ہماری نگاہ سے کثرت سے گزرتی ہین تو وہ زبان ہماری نظر سے گر جاتی ہی خصوصاً ایسی حالت مین کہ ہم ان الفاظ کے مطالب سمجھنے مین پورے طور سے قادر نہون۔

ایک بین دلیل ہماری اردو شاعری کی مثال ہی۔ جو نہین جانتے کہ قرارداد سخن کیا ہی اور نہین سمجھتے کہ ہماری دنیاے شاعری مین

مقصد ہو ناز و غمزہ ولے گفتگو مین کام — بنتا نہین ہو دشنہ و خنجر کہے بغیر
ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو — بنتا نہین ہی شیشہ و ساغر کہے بغیر

وہ بجا طور پر اُردو شاعری کو مہمل او رسراپا لغو سمجھنے مین بے قصور ہین جسمین گل و بلبل، شیشہ و دل۔ بوس و کنار۔ ہجر و انتظار کے سوا رکھا ہی کیا ہی۔

اسی طرح ہندی کی سبکی و بیمائگی ہماری نگاہو نمین جم گئی ہی جس فن سے ہم کو واقفیت نہین ہوتی۔ یا جس زبان پر عبور نہین ہوتا اُسکے حامل المعنی لفظین ہماری نظر مین شان امتیاز نہین رکھتین۔

مثلاً سما۔ عرش۔ کرسی۔ فلک ہم آئے دن بولتے ہین۔ اور فلک کج رفتار کو ایک بے سلیقہ ستمگار ہی جانتے ہین۔ عرش کے پایہ کو ہلانا ہی سب سے بڑی چیز سمجھتے ہین۔ نہین جانتے کہ کرسی فلک فی الحقیقت کیا چیز ہی۔ اپنے سیل گریہ مین گردون کو کف سیلاب قرار دیتے ہین قرآن شریف مین کثرت سے یہ لفظین آئی ہین لیکن جو ہندوستانی ادب عربی کے مایہ دار سمجھے جاتے ہین اُن سے اِن لفظون کے مطالب پوچھیے تو چونکہ فلسفہ قدیم کے ماننے والے ہین انکے مطالب بیان کرنے مین عجیب و غریب تاویلین پیش کرتے ہین۔ مگر ہیئت جدیدہ کے مطالب سے انکا انطباق کیجیے اور رسالتمآب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمۂ ہدیٰ کی حدیثین یا دعائین مطالعہ کیجیے تو صاف کھلجاتا ہی کہ

الفلک مدار النجوم یعنی فلک تارون کے دور کے راستہ کو کہتے ہین (ابن اثیر در نہایہ لغت حدیث) اور کل (ای نجوم) فی فلک یسبحون (یعنی سب تارے اپنے فلکون مین تیرتے ہین۔ یعنی مدارون پر چلتے ہین۔ آیہ وافی ہدایہ قرآن شریف) اس سے مفہوم فلک یعنی مدار نجوم ثابت ہوگیا۔

محض فضائے بلند اور فضائے خالی ہی۔ جو ہماری زمین سے اوپر ایتھر سے بھری ہوئی ہی۔ کبھی کرات بلند اور ارضی سیارہ کو بھی سما کہا ہی اسلیے کہ ہماری زمین سے بلند ہین۔ ہر جرم سماوی بجاے خود ایک ارض اور اُسکے اوپر کی بلندی اُسکے لیے سما ہی۔ سبع ارضین اور سبع سماوات کا مفہوم یہی ہی۔

نظام شمسی کو جو بلندی محیط ہی مع اُس تمام سحابی اور ایتھری مادہ کے کرسی کہلاتی ہی

علماے ہیئت نے ابتک بائیس شموس دریافت کئے ہین اور اُن کے نظام دریافت کئے ہین۔ اور حدیث معصوم مین آیا ہے چالیس آفتاب ہین اس شمس کے سوا۔ اس سے ظاہر ہی کہ ان تمام شموس کے لئے ایک ایک کرسی ہوگی۔

تمام کرسیونکی مجموعی حالت کا ایک سما ہوگا اور وہی سما جو تمام نظامہاے شموسی کو مجموعاً محیط ہی عرش کہلاتا ہی۔ اور رب العرش العظیم سے مراد یہی ہی

قاف ہم بولتے ہین اور محض ایک پہاڑ یا کوہ کا نام سمجھتے ہین لیکن جب کوئی ہم سے پوچھتا ہی کہ حضرت از قاف تا قاف سے کیا مراد ہی تو خود محو حیرت بنجاتے ہین۔ لیکن جب ہم یہ معلوم کرتے ہین کہ کوہ قاف فی الحقیقت ظل مخروطی زمین کا نام ہی تو از قاف تا قاف کا مطلب واضح ہوجاتا ہی اور ہم بے اختیار محمد و آل محمد پر درود پڑھتے ہین۔ روحی وارواح العالمین لہ ولہم الفداء۔

وضاحتاً اعادۂ کلام کیا جاتا ہی کہ یہ مثالین ان امور کی توضیح مین لکھی گئی ہین۔ کہ بست ادنی، فرومایہ، ناواقف اور جاہل کی زبان

کی طرف توجہ نکرنا مقتضیات فطرت سے ہی۔ اسلیے کہ غلط اور صحیح کے التباس کا اندیشہ ہر وقت موجود رہتا ہی۔ ہندی لفظین جہلا کے ذریعہ سے پہنچین اور ابتک اسی درجہ پر رہین عالم و جاہل کے خیال مین زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہی۔ اسلیے انکی لفظین یعنی جاہل کی زبان علمی مطالب کے اظہار کا ذریعہ نہین ہوسکتی ہین۔ اسلیے کہ اصل ماخذ کہین اور ہی سنسکرت کی طرف اسوقت متوجہ ہونا کوہ کندن او رکاہ برآوردن سے زیادہ سخت ہی۔ فلک سما۔ عرش۔ کرسی وغیرہ کی مثال اسلئے پیش کیگئی ہی کہ باوجود زبان جاننے کے صحیح مطلب بوجہ ناواقفیت علم کے سمجھ مین نہین آتا پھر جس زبان سے واقفیت نہین اُس سے مدد لینے کا نتیجہ کیا ہوگا بہتر ہی کہ علمی زبان مین ہم ہندی لفظونکو وضع اصطلاحات مین از سرنو نہ لائین ہان اگر یہ مقصود ہی کہ مفہوم کی غلطی و صحت کوئی چیز نہین ہی ادائگی مطلب اصل ہی تو بسم اللہ۔ مداری کے پٹاری سے سب کچھ نکل سکتا ہی۔ آگے چل کر مین یہ دکھاؤنگا کہ ہندی الفاظ یعنی وہ جو موجودہ رائج الوقت اردو مین متداول ہین اردو کی علمی زبان مین داخل ہونے کی اہلیت نہین رکھتے۔ مگر اسکے قبل مین مولوی صاحب کی توجیہ کی داد دئے بغیر نہین رہ سکتا۔ جو جسقدر خلاف واقع او غیر معقول ہی اس سے کہین زیادہ مضحکہ انگیز ہی اور ساتھ ہی رقت خیز بھی۔

فرماتے ہین "آخر ہندی الفاظ کو سخیف...... وجہ کیا ہی......

جو قوم ...... غلامی کا طوق پہن لیتی ہی اپنی ہر چیز ذلیل سمجھتی ہی۔

...... ملاحظہ ہو عبارت منقولہ بالا۔

مولوی صاحب اسکو تسلیم فرماتے ہین کہ عربی فارسی اور ہندی اُردو کیلئے بمنزلہ مادر ہین حقیقی خواہ رضاعی خواہ ربوبی۔ اور اسی بنا پر انکا عنصری تناسب ظاہر کیا گیا ہی اور عبارت منقولہ بالا مین ایک جگہ فرماتے ہین "جو لوگ ہندی سے محبت نہین رکھتے وہ اردو زبان کے حامی نہین ہین۔ فارسی۔ عربی یا کسی دوسری زبان کے حامی ہون تو ہون۔

عربی لفظین بالکل غیر زبانونکی لفظین ہوئین اور انکو پسند کرنا غلامی کا طوق پہن لینا۔ غیر مذہب غیر قوم والون کے مقابلہ مین اپنے مذہب اخلاق رسم و رواج آداب رسوم سب کو مذموم سمجھنے کے ہم معنی ٹھہرا! یا للعجب!! کہان کی بات کہان پہونچائی۔!!! مرحبا باین توجیہ۔ یہ امر اسوقت قابل قبول ہوتا اگر انگریزی لفظونکے لیے کوئی برہان پیش کیا جاتا تو ہم جواب دیتے کہ محض حاکم وقت کی زبان ہونیکی حیثیت سے انگریزی لفظین قاہرانہ غلبہ حاصل کررہی ہین۔ ورنہ اسکی اہل نہین ہین۔ اردو کی دُنیا مین ہندی فارسی عربی لفظونکا چولی دامن کا ساتھ ہی ایکدوسرے سے جدا نہین ہوسکتین۔ البتہ کسی موقع پر ایک کو ترجیح ہوگی تو کسی موقع پر دوسرے کو۔

راقم سطور خود مسلمانونکی گری اور برق وش سرعت سے روبہ تنزل قومی کیفیت، تمدنی ہلاکت وفنا لباس غذا امراہم آداب معاشرت اور زبان کے تغیرات کا نوحہ خوان ہی۔ اور جسطرح زبان مٹی مین ملائی جارہی ہی اسکو دکھلاتا ہی ملاحظہ ہو رسالہ نظر بابت ماہ مارچ۔ مئی۔ جون۔ جولائی وغیرہ) مضمون زیر عنوان "ہندی تمدن عرب کا جنازہ"

اسمین مسلمانونکا اضطرار اپنی خوبیونکو چھوڑے جانے کو دکھلایا ہی۔ یہ خبر نہ تھی کہ عربی لفظون سے محبت رکھنے کا صلہ ایک مسلمان منصف مزاج کی پیشگاہ سے طوق غلامی پہننے کا انعام ملیگا۔

یہ حضرات ایک اسلامی ریاست ایک دارالامن، ایک بسم اللہ کے گنبد مین ہین۔ آفات ارضی و سماوی سے محفوظ، دنیا کے حالات سے قدرے ناواقف مگر تکالیف کی لذت سے ناآشنا۔ اپنے جنبش قلم سے اردو کی دنیا مین ایک تلاطم پیدا کردینے پر نازان۔ مگر ساتھ ہی کس قعر ہلاکت مین ڈال رہے ہین اس سے بالکل بے خبر جو جی مین آئے لکھ مارین اور بزعم خود اصول مقرر کرین۔ دیکھنا ہی کہ شومی وقت یا شومی اعمال ہمین کشان کشان کہان سے کہان پہونچاتی ہی معلوم ہوتا ہی کہ خیال عام ہوگیا ہی

اور یہی وجہ ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو
نے انگریزی اور اردو کے مترادفات کا جو مجموعہ تیار کیا ہے اُس مین
بھی مولوی سلیم صاحب کے قول کا اتباع پایا جاتا ہے۔

مولوی صاحب کی دو عبارتین تغیرِ خیال کی مثال کیلئے حاضر ہین۔
مولوی عبدالحق صاحب دیباچہ ،، مبادی سائنس ،، مطبوعہ ۱۹۱۰ء
مین تحریر فرماتے ہین ،، اب مجھے ترجمہ اور مترجم کی نسبت کچھ کہنا ضرور
ہے۔ یہ کتاب علمی ہے اور علمی اصطلاحات سے بھری پڑی ہے۔ فاضل
مترجم نے بڑی تحقیق اور جانکاہی سے تمام اصطلاحات کا عربی
مین ترجمہ کیا ہے۔ اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ حتی الامکان قدیم
اور مروجہ عربی اصطلاحات لکھی جائین۔ جہان کہین کوئی عربی اصطلاح
نہین ملی وہان موزون اور مناسب اصطلاح عربی زبان مین بنالی گئی
عربی زبان مین جدید الفاظ بنانیکی بہت گنجائش ہے۔ اور سوا اسکے
کوئی چارہ نہین ہے کہ اِس وسیع اور بینظیر زبان سے فائدہ اُٹھایا جائے
انتہی بقدر ضرورت۔

لیکن مولوی عبدالحق صاحب ہی فرہنگ اصطلاحات علمیہ ،، مطبوعہ
۱۹۲۵ء مین تحریر فرماتے ہین ،، عام قاعدہ یہ ہے کہ پہلے زبان ہوتی ہے
اُسکے بعد لغت اور علوم کی تدوین ہوتی ہے اور اُسکے بعد اصطلاحات
ترتیب۔ لیکن ہمین اپنی بدنصیبی سے اسکا برعکس اور غیر فطری طریقہ
اختیار کرنا پڑا۔ یعنی پہلے اصطلاحات کی لغت ترتیب دینی پڑی تاکہ
مؤلفین و مترجمین کو سہولت ہو اور اُن کے کام مین یکسانی پائی جائے
عربی زبان مین جدید الفاظ بنانیکی بہت گنجائش ہے۔ اور سوا
اِسکے کوئی چارہ نہین کہ اس بینظیر زبان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ،،
۱۹۱۰ء کا خیال تھا۔ پندرہ سال گزرتے گزرتے زمانہ کا اثر
پڑا کہ مولوی صاحب بہت کچھ بدل گئے۔

چنانچہ یہ مجموعۂ مترادفات جو تیار ہوا ہے وہ مبادی سائنس کے مقابلہ
مین دوسری نئی چیز ہے۔ مولوی صاحب نے صحیح یا غلط طریقہ سے عربی الفاظ کو
اردو سے اپنے ذہن مین نکالدیا اور پھر شاکی ہوئے کہ پہلے زبان ہوتی ہے
اور تب لغت۔

علوم جب تک نہین ہین اور ترجمہ یا اصل تصنیف و تالیف کیلئے مطالب
کی کمی ہے تو بیشک زبان نہین ہے لیکن ہر زبان کیلئے یہ دقت پیش ہوتی ہے
پھر بھی جہانتک اصطلاحات کا تعلق ہے اُردو اسمین بے مایہ نہین ہے۔
عربی اسکی عنصری زبان ہے۔ اور اس خزینہ سے ہمین سب کچھ مل سکتا ہے
محض ماخذ سے ہمین واقفیت حاصل کرنیکی ضرورت ہے۔ اس مجموعۂ
مترادفات کے متعلق بالاختصار میرا یہ خیال ہے کہ اُردو کی دنیا مولوی
عبدالحق صاحب کی گران بہا اور عالی قدر خدمات کی شکرگزاری سے
عہدہ برآ نہین ہوسکتی۔ مگر یہ تالیف اُنکے عظیم الشان خدمات کے
زرنگار دامن پر نہایت بدنما داغ ہے اور اِس سے مترجمین و مولفین کے
کام مین یکسانی نہین ہوسکتی ہے۔ تاوقتیکہ وہ غلط لکھنے پر آمادہ نہو جائین

وضع اصطلاحات کے سات اصول جو قریب قریب وہی ہین جنھین
مولوی عبدالماجد صاحب نے فلسفۂ جذبات مین لکھا ہے تحریر فرماکر مولوی
عبدالحق صاحب تحریر فرماتے ہین ،،

اصطلاحات کے متعلق قدیم زمانے سے یہ ایک خیال آرہا ہے کہ وہ مشکل
اور خاص وضع کی ہونی چاہئین۔ اور جہانتک عام بول چال سے
بعید ہون اُسی قدر زیادہ موزون اور مناسب ہونگی۔ تاکہ عام الفاظ
مین اور ان مین امتیاز رہے۔ اور التباس نہونے پائے۔ علمی شان
اکثر دقیق ثقیل اور مرعوب کن الفاظ مین سمجھی جاتی ہے۔ اکثر اوقات
صرف مشکل اصطلاحات کا جان لینا ہی علم و فضل کا قائم مقام
خیال کیا جاتا ہے۔ ہمین اکثر ایسے لوگ ملین گے جو محض اصطلاحات
کی بدولت عالم فاضل صوفی سمجھے جاتے ہین ؛؛

اسکے بعد برہمنون عیسائی پادریون کی مثال دیکر واضح کیا ہے کہ

اُن لوگون نے اپنی بے بضاعتی کو چھپانے کیلئے مغلق الفاظ کو استعمال کرنا اور علوم کو عام خلقت سے جدا رکھنا شعار کیا تھا۔ اور آگے چلکر اظہار خیال یون ہی۔

"...... حالانکہ علم ہی ایک ایسی چیز ہی جو نہ کسی کی وراثت ہو سکتی ہی نہ کسی فرقہ کا حق ہو سکتا ہی۔ اور افسوس ہی بعض فرقونکے قبضہ مین آکر روحانی اور دماغی حکومت کا موجب ہو گئی ہی۔ اب ظاہر ہی کہ وہ زمانہ نہین ہی تو پھر کوئی وجہ نہین ہی کہ قدیم روایت کو جو دنیا مین بہت سے آلات ظلم و ستم اور اخلاقی ظلم کا ہتھیار رہتی۔ قائم رکھا جائے۔ اسلیے ہم نے حتی الامکان اس بات کی کوشش کی ہے کہ اصطلاحین آسان اور عام فہم بنائی جائین۔ اور ایسے مادون سے وضع کی جائین جو زبان مین عام طور سے رائج ہین۔ جگہ جگہ ہم نے ہندی ترکیبون کو استعمال کیا ہی تاکہ پڑھنے والے آسانی سے سمجھ جائین.................................. ان اصول پر بحث کرنے کا یہ موقع نہین ہی۔ البتہ چند لفظ بطور مثال کے لکھے دیتے ہین۔

سوراج	Autonomy
دیس نکالا	Ostracism
تدھارا	Triquetrous
نراج	Anarchy
چھرے دار	Tabescent
کیمیائے ملاپ	Chemical combinat
اکرگا	Unicostate
سنیلا	Stupiseus
بھروپ	Pupa
پھلروپ	Larva
مل پتیا	Gamosepalous
اجاتی	Asexual

لیکن باوجود اسکے بعض علوم ہین کہ ہم اُنمین اسقدر آسانی نہین پیدا کر سکتے اسلیے کہ اُنکی بہت سی اصطلاحین ہین کہ پہلے سے مروج ہین اور انکا بدلنا ممکن نہین۔ مثلاً علم ہئیت کی کثرت سے ایسی اصطلاحین ہین جو عربی ہین اور وہ بجنسہ (کسی قدر تلفظ کے فرق کے ساتھ) یورپ کی تمام زبانون مین رائج ہین اِس لئے ہمین اُن کے مقابل وہی عربی لفظ لکھنے پڑے اور انھین عربی ہونا بھی چاہئیے تھا۔ اس زمانے مین جبکہ الٰہی حکومتین تک عوام کی ہو گئیں ہین تو کیون علوم و فنون خاص فرقون کے ہاتھ مین رہین اور عام نہ جائین (اتنی بقدر ضرورت)

اسمین شک نہین کہ علم کو ایک خاص فرقہ تک محدود کر دینا اور باقی دنیا کو اس سے محروم کر دینا گناہ عظیم ہی۔ ساتھ ہی مجھے اسکے کہنے مین بالکل تامل نہین ہی۔ کہ مولوی عبدالحق صاحب کے ان فقرون نے مجھے انتہائی تکلیف دی اور یہ خیال بار بار ہوا کہ آیا مولوی صاحب کو علمی مصطلحات کی اہمیت کا اندازہ ہی یا نہین۔ یہ تو کیونکر کہون کہ انھون نے علم کی صحیح اور اصلی معنویت سمجھی کہ نہین۔ علم کو عامیانہ سلیس اور سہل زبان مین ظاہر کرنیکی سعی اور اُسے سہل سمجھنا بناے غلط بر غلط ہی۔ جو چیز نہایت قوی ہو اور وحشی ہو اُسے آپ سوت کی پتلی ڈور مین مقید نہین کر سکتے۔ ایک بلند بالا عظیم الجثہ شخص کو ایک بالشتی کا لباس نہین پہنا سکتے۔ مغلق دقیق عسیر الفہم علمی مضامین کو آپ محض اسلیے کہ سریع الفہم اور یسیر التلفظ ہون غیر معین مبہم ناقص، فائض (فضول)، حامل العوارض مجہول المعنی حدود مین نہین ظاہر کر سکتے۔ جو چیز من حیث الوجود سخت ہو اُسکو آپ کہانتک نرم کر سکتے ہین۔ ناری الاصل صخرہ کا ایک ٹکڑا لیجئے اور اسپر عمل کیمیائی کیجئے وہ کہان تک نرم ہو گی یا کچھ تغیر ہوا تو اسکی ہیئت بلکہ ماہیت منقلب ہو جائیگی

یہی کیفیت علم کی ہی سکی مقتضیات اور ضروریات اسکی مدعی ہین کہ عام زبان مین نہ ادا کی جائین ورنہ انکا نشر غلط طریقہ پر ہوگا۔ دو شعر مرا بمدرسہ کہ برد' کا مفہوم یہی ہی کہ طالب علم مباحث کو نہ فہمی اُس سے لطف اندوز نہو نگے نہ یہ کہ ہدف اعتراض ہونیکا خوف قائل کو دامنگیر تھا۔ غالباً یہ ارسطو کا قول ہی کہ عام زبان مین علمی مطالب نہ بیان کئے جائین۔ یہ عامۃ الناس سے حسد یا بغض کی بنا پر نہ تھا بلکہ محض اسلیے کہ وہ مضامین خود بآسانی سمجھ مین نہین آسکتے انکو عام زبان مین شائع کرنے مین غلطی پھیلجانیکا اندیشہ ہی۔ انجیل کے ترجمہ پھیلانے سے جو کیفیت ہوئی ہی اس سے مولوی عبدالحق صاحب اگر کچھ واقف ہین تو جانتے ہونگے ورنہ کچھ ان لوگون کے دل سے پوچھیے جنھون نے مختلف تراجم کا مقابلہ کیا ہی۔ یہی وجہ ہی کہ قرآن شریف کا حامل المتن ترجمہ شائع کرنیکی تاکید ہی۔ تحریف صحف سماوی کا مسئلہ نہایت ادق ہی۔ اور عام زبان مین شائع کرنیکا ثبوت اس سے بہتر بمشکل ہو سکتا ہی۔ علمی اصطلاحات کا مغلق یا سہل ہونا ایک چیز ہی۔ اسکا غلط بے موقع اور ادائے مفاد کیلئے استعمال کرنا دوسری بات ہی۔

غلط برداری سے نفس شے کی خرابی نہین لازم آتی۔ علمی مصطلحات عام لفظون سے اسلیے نہین مختلف ہوتے کہ "علمی شان اکثر دقیق۔ ثقیل اور مرعوب کن الفاظ مین سمجھی جاتی ہی" بلکہ اسلیے کہ عام لفظین ہلکی پھلکی زبانون پر بآسانی روان ہو جانیوالی۔ کانونکو بھلی معلوم ہونے والی۔ دلون مین چبھ جانے والی۔ ایک سنسنی پیدا کرنے والی لفظین بوجہ ان صفات کے علمی معانی کو حمل کرنیکی کثرت کیساتھ اہلیت نہین رکھتین اور نہ انمین علمی مطالب کو ادا کرنیکی استعداد و صلاحیت ہوتی ہی۔ وجہ ظاہر ہی کہ انکے استعمال کرنیوالے خیالات کی ترتیب آراستگی وغیرہ پر قادر نہین ہوتے اسلیے انکے لفظونکے معنی بھی گنجلک رہین گے۔ مولوی وحیدالدین صاحب اسطرح مولوی عبدالحق صاحب کی ہمنوائی فرماتے ہین (تحت اصول ششم ضمن دوم) "یہ کہ جو حضرات اس یکسانیت پر زور دیتے ہین وہ مفرد اصطلاحات ہی پر بس نہین کرتے بلکہ مرکب اصطلاحین بھی عربی زبان ہی کے طریقہ کی تیار کرتے ہین۔ ان اصطلاحون مین دو دقتین اکثر پیش آتی ہین پہلی یہ کہ یہ اصطلاحین بآسانی زبان پر روان نہین ہوتین اور صاف معلوم ہوتا ہی کہ واضع نے ان اصطلاحونکو خاص اُن قومون کے لیے بنایا ہی جنکی مادری زبان عربی ہی۔ یا جنکا ذریعہ تعلیم اُردو زبان نہین۔ بلکہ عربی زبان ہی۔ حالانکہ ہم جو اصطلاحین تیار کرنا چاہتے ہین اُنکا مقصد اُن باشندونکو تعلیم دینا ہی جنکی زبان اردو ہی۔ دوسری دقت یہ پیش آتی ہی کہ وہ مرکب اصطلاحین جو عربی طریقہ ترکیب کے مطابق تیار کیجاتی ہین اس جگہ جامد ہو کر رہجاتی ہین اور اُن سے آیندہ اور الفاظ نہین بن سکتے۔ برخلاف اسکے اگر مفرد الفاظ عربی سے لئے جائین اور آریائی طریقہ ترکیب کے مطابق ان سے مرکب اصطلاح تیار کی جائے تو دونون دشواریان پیش نہ آئین بہرحال ہماری رائے یہ ہی کہ ہمین یکسانیت کے خبط پر اپنی زبان کی خوشنمائی اور سادگی کو قربان نہین کرنا چاہئے۔ عربی زبان سے ہمین اسی قدر کام لینا چاہئے جہانتک کہ ہماری زبان کی آریائی فطرت تباہ نہو اور مرکب اصطلاحین تیار کرنیکی جو آسانیان ہمین فطرت کے سبب سے میسر ہین وہ برباد نہونے پائین۔ اور آیندہ ایسی مرکب اصطلاحین تیار نہون جنکا بولنا اُردو زبان والون کیلئے مشکل ہو اور اُن سے نئے مشتقات نہ بن سکین۔ مادری زبان تعلیم کا ایک قدرتی ذریعہ ہی اور کسی نئی زبان مین علم حاصل کرنا ایک مصنوعی ذریعہ ہی۔ یہ یکسانیت کا اصول ہمارے لئے اسوقت موزون تھا جبکہ ہماری تعلیم کا قدرتی اور مصنوعی ذریعہ ایک تھا۔ جبکہ ہمارے آبا و اجداد عربی بولتے اور عربی ہی مین تعلیم پاتے تھے۔ یا کم سے کم اسوقت کیلئے موزون تھا جبکہ تعلیم کا ذریعہ تو بدل گیا تھا یعنی ہماری مادری زبان فارسی یا اردو ہوگئی تھی مگر مصنوعی ذریعہ باقی تھا۔ یعنی ہم عربی زبان مین تعلیم حاصل کرتے تھے جبکہ ہمارا قدرتی ذریعہ تعلیم اور مصنوعی طریقہ تعلیم دونون بدل گئے ہین۔

تو یکسانیت کے اس طریقہ پر زور دینا خبط کے سوا اور کچھ نہین اسکے معنی یہ
ہین کہ جن مشکلات سے آزاد ہونیکے لئے ہم اردو زبان کو ذریعہ تعلیم قرار
دے رہے ہین انھین مشکلات مین ہر پھر کر اپنے تئین پھر پھنسانا چاہتے ہین"
انتہی بقدر ضرورت۔
بحالت مجموعی یہ عبارت تبصرہ سے بے نیاز ہی۔

وضع اصطلاحات یعنی اصطلاحات لسانی مین امور ذیل شامل ہین
اصطلاحات کے مفہوم کی توضیح۔ اصطلاحات کے اقسام مثلاً اشارۂ
صوت نقوش وغیرہ کے ذریعہ سے۔ زبان بحیثیت مجموعی خود ایک مجموعۂ
اصطلاحات ہی اسمین یہ امور قابل لحاظ ہین۔ معمولی لفظ اور اصطلاحی
لفظ کا فرق۔ معمولی اصطلاح اور علمی اصطلاح کا فرق۔ اردو زبان
مین اس وضاحت کی ضرورت تھی کہ ہندی اور عربی وفارسی کو جو عنصر
قرار دیا گیا ہی تو ہر ایک کا درجہ کیا ہی اور انکے وہ کیا خاص اصول ہین
جو باہم متشابہ یا متبائن ہین اور یہ کہ اردو مین کن امور کو جذب کرنیکا مادہ
ہی۔ اور کن کن کا نہین ہی۔

ایک گرمجوشی سے محض آریائی زبانون کے تین چار اصول کو لکھکر،
سراہنا اور بقیہ سے بے لطفی و سردمہری برتنا قرین انصاف نہین ہی ایسا
کرنیوالے کو اسکا حق نہین ہی کہ ترجیح بلا مرجح پیش نظر رکھکر ایک کو مطلوب اور
دوسرے کو مردود اور مطرود قرار دے۔ تقابل ومقابلہ نہایت ضروری ہی
اور ان مسئلون سے یہ کتاب بے نیاز ہی۔

قدرتی ذریعہ تعلیم اور مصنوعی طریقہ تعلیم کا مسئلہ نازک ہی جو لوگ سررشتہ
تعلیمات ممالک متحدہ مین ہین وہ خوب واقف ہین کہ باوجودیکہ ممالک
متحدہ مین دیسی زبانین قرار دیگئی ہین پھر بھی انگریزی مصطلحات قائم
ہین یہ کچھ اسلیے ہی کہ آگے چلکر سمجھنے مین آسانی ہو اور کچھ اسلیے ہی کہ طالبعلم
بجائے صحیح طریقہ کے غلط طریقہ سے الفاظ کو ذہن مین نہ رکھے۔ اسلیے کہ
دیسی زبانون مین مصطلحات مرتب اور مدون ہوکر مکمل نہین ہوچکی ہین

کسی علمی اصطلاح مین محض معنی کی ایک جھلک نہین ہونا چاہیئے۔
جیسا کہ مولوی وحید صاحب نے اپنے چیستر اصول مین ظاہر کیا ہی۔ بلکہ وہ
تمام نازک فرق مفاہیم اور دلالتہائے التزامی ہونا چاہیئے جو اسی
اصطلاح کے مترادفات مین دوسرے زبانون مین پائے جائین چاہیے
وہ لغوی معنی کی حیثیت سے صحیح ہون یا مجازاً۔ ہندی لفظونکی آمیزش مین یہ
بہت مشکل ہی اسلیے اصطلاحات علمیہ ہندی مین نہ ہونا چاہیئے۔
اسی خیال کو پہلے بھی مولوی صاحب ظاہر کر چکے ہین "........
..... ہم جسطرح عربی اور فارسی سے اصطلاحات لیتے ہین اسی طرح
بے تکلف ہندی مین بھی وضع اصطلاحات مین کام لینا چاہیئے۔ اور
ہندی الفاظ کو جو ہماری زبان کے محبوب و مانوس الفاظ ہین بازاری
و مبتذل کہکر دنیا کی نظر مین اپنے غیر مہذب اور تنزل یافتہ ثابت نہین
کرنا چاہیئے جبکہ ہندی کے تیار کردہ مفرد الفاظ سے مرکب اصطلاحین
تیار کرنے مین کوئی دشواری پیش آئے"۔ انتہی

ہندی الفاظ کی حمایت مین جو استدلال مولوی صاحب نے جابجا پیش
کئے ہین اُن سے مین اس نتیجہ پر پہونچا ہون کہ انکو صرف توسیع زبان اور
وضع اصطلاحات سے مطلب ہی۔ اصطلاحات اور اصطلاحات علمیہ مین
امتیاز کیا ہونا چاہیئے اس سے بحث نہین مصطلحات علمیہ ایک باقاعدگی
چاہتے ہین انکو ضرورت ہی ایک ترتیب کی۔ انکا نشوونما و ارتقا ایک
منتظم اصول کے تحت مین ہوگا اسلیے انکی ادائگی مطلب مین ان اصول
کو پیش نظر رکھنا لامحالہ ضروری ہوگا علمی اصطلاحات وضع کرنیوالے کے
نزدیک صحت اور سقم معانی سب سے مقدم ہی۔ باقاعدگی اصول اہم ہی۔
جسکو مولوی وحید الدین صاحب "یکسانیت کے خبط"، سے تعبیر کرتے
ہین۔ اسمین چاہے زبان کی سبکی، روانی، شگفتگی خوشنمائی اور
خوش آیندگی رہے یا نہ رہے۔ مقدم صحت اور علوم کے تعلقات کو قائم
رکھنا ہے۔ جو چیز جیسی ہی کہی جائیگی۔ سخیف فرومایہ، ذلیل مبتذل،

اگر کوئی چیز ہی تو اُسے محض کچھ لوگون کے کہنے سے عالی نسبی و الاحسبی کہان سے نصیب ہو جائیگی۔ کیا اِس سے انکار کیا جا سکتا ہی کہ پراکرتین عوام کالانعام کی زبانین رہی ہین۔ کیا یہ حقیقت حال نہین ہی کہ علاً بے مایہ عوام اپنے اپنے خیال کے اظہار مین اُنکے وسعت و بلندی ہین ترتیب مین قادر الکلام نہین ہوتے کیا انکی غلطیون کا طومار بے انداز مہملات کا دفتر بے ترتیبی ابتری انکی زبان کی فرومائگی کی دلیل نہین کیا برہمنون نے ہمیشہ سنسکرت کو عوام سے اور انکی زبان سے ملوث ہونے سے بچانے کی کوشش نہین کی۔ کیا یہ صداقت و واقعیت۔ نفس الامری نہین ہی کہ علوم مجموعی طریقہ سے ہمیشہ سنسکرت ہی مین ہے پھر لفظون کی تحقیق مین ہمین کدھر رجوع کرنا پڑیگا۔ یہ ہین وہ مورخو قدرتی طریقہ سے ہمین ہندی لفظون کی جانب میل کرنے سے باز رکھتے ہین۔ اب اسمین چاہے مولوی وحید صاحب کے مزعومات کے بموجب دنیا ہمین تنزل یافتہ کہے اور غیر مہذب سمجھے یا سمجھے۔

(اُردو کی عام ہندی لفظون مین مصطلحات علمیہ من و اخل ہونے کی اہلیت نہین)

مین اسکا ثبوت تاریخ سے دیسکتا ہون کہ ہندی کی لفظون مین جیسی کچھ وہ ہم تک پہونچی ہین کسقدر خامیان اور کمزوریان ہین۔ اپنی عبارت مجھے لکھنے مین اندیشہ ہی کہ طول بہت ہو جائے اور خیال کی وسعت کہین سے کہین پہونچا دے۔ اِس موقع پر آبحیات آزاد کی عبارت لکھتا ہون جو اس امر یعنی ہندی کی ماہیت و تحقیق کے بارے مین پایۂ تحقیق کو پہونچ چکی ہی۔

آریا لوگون کے زمانہ سے لسانی تغیرات بالایجاز یون ظاہر کرتے ہین "...... جب نسلونکی حفاظت کا پورا بندوبست کر چکے تو خیال ہوا کہ شودرون کے ساتھ آٹھ پہر بات چیت رہنے سہنے اور لین دین کرنے سے بزرگونکی زبان وو غلی ہو جائیگی۔ اسواسطے کہ ہماری زبان الہی ہی اور الہی عہد سے اِسی طرح چلی آتی ہی۔ چنانچہ اِسکے اصول اور قواعد باندھے اور ایسے جانچ کر باندھے جنمین نقطہ کا فرق نہین آسکتا۔ اُس کی پاکیزگی سنے غیر لفظ کو اپنے دامن پر ناپاک دھبہ سمجھا اور سوا برہمن کے دوسرے کی زبان بلکہ کان تک پہونچنا ناجائز سمجھا۔ اس سخت قانون کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ زبان ہمیشہ اپنی اصلیت اور بزرگونکی یادگار کا خاص نمونہ ظاہر کرتی رہی۔

اِسی بنیاد پر فتحیابون کی بلند نظری نے اسکا نام سنسکرت رکھا (سن مکمل اور کیرت بنایا ہوا) جسکے معنی صنعتی۔ منزہ۔ مصفا۔ مقدس۔ جو چاہو سمجھ لو۔ اِسکے قواعد زبان بھی ایسے مقدس ہوئے کہ بزرگان دین ہی اسے پڑھائین تو پڑھائیں بلکہ اسطرح پکار کر پڑھنا بھی گناہ ہوا کہ شودر کے کان مین آواز پڑے۔ اسی زبان کا نام دیو بانی ہوا۔ یعنی زبان الہی۔ زبان شاہی۔ ویدکی سنہ ترتیب جس سے اس عہد کی زبان کا پتہ لگے چودہ سو برس قبل سنہ عیسوی خیال کرتے ہین۔ اسوقت ان فتحیابونکی باتین اس ملک اور ملک والونکے ساتھ ایسی سمجھ لو جیسے ہندوستان مین پہلے پہلے مسلمانونکی حالتین۔ سنسکرت زبان کے مخرج اور تلفظ یہان آکر کچھ اور ہو گئے ہونگے۔ اسلیے گھرونمین بازارونمین باتین کرنے کو قطعہ قطعہ مین پراکرت زبانین خود بخود پیدا ہو گئی ہونگی (پراکرت کے معنی ہین جو طبیعت سے نکلے بس پراکرت وہ زبانین ہین جو طبیعت نے اپنی اپنی زمین مین پیدا کر دی ہین۔ جیسے اسلام کے بعد اردو) چنانچہ ماگدھی۔ سورسینی۔ مہاراشٹری وغیرہ قدیم پراکرتین اب بھی قدامت کا پتہ دیتی ہین۔ انکی سیاہی مین سیکڑون لفظ سنسکرت کے چمکتے نظر آتے ہین۔ دیکھا پراکرت کے معنی ہین طبیعت اور جو طبیعت سے نکلے۔ چنانچہ لغات سنسکرت کا جامع ہیم چند بھی یہی کہتا ہی۔ اسکے علاوہ سنسکرت مہذب مقدس اور پراکرت غیر مہذب لوگونکو کہتے ہین پس ایسی ایسی باتون سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ فہمیدہ لوگ تھے ہر بات کو خوب

سمجھتے تھے ۔ اور جو کچھ اُنھون نے کیا سمجھکر کیا ۔ راجہ بھوج کے عہد کی ناٹک پستکین کہتی ہین کہ اُن عہدون مین علمی ۔ کتابی اور درباری زبان تو سنسکرت تھی مگر چونکہ معاملہ خاص و عام سے پڑتا ہے اسلیے گفتگو مین پنڈتون کو بھی پراکرت ہی بولنی پڑتی تھی پراکرت صاف بیٹی سنسکرت کی معلوم ہوتی تھی کیونکہ اسمین ہزارون لفظ سنسکرت کے ہین اور ویسے ہی قاعدے صرف و نحو کے ۔

سنسکرت کی اتنی حفاظت ہوئی پھر بھی منو سمرتی ویدون کی ترتیب سے کئی سو برس بعد لکھی گئی تھی لیکن چونکہ سلطنت اور معتبر تصنیف پر مذہب کا چوکیدار بیٹھا تھا اسلیے نقصان کا بہت خطرہ تھا ۔ کہ دفعتہً ۵۴۳ برس قبل عیسوی مین بُدھ مذہب کے بانی شاکی منی پیدا ہوئے وہ مگدہ دیس سے اُٹھے تھے اور اسلیے وہین کی پراکرت مین وعظ شروع کیا ۔ کیونکہ زیادہ تر کام عوام سے تھا عورت سے لیکر بچے اور بوڑھے سب کی یہی اس دیس کی زبان تھی ۔ انکی آتش زبانی سے مذہب کو ایسا پھیلنا شروع ہوا کہ جیسے بن مین آگ لگے ۔ دیکھتے دیکھتے دھرم حکومت رسم رواج دین آئین سب کو جلا کر خاک کر دیا ۔ اور مگدہ دیس کی پراکرت کل دربار اور کل دفترون کی زبان ہو گئی ۔ اقبال کی یاوری نے علوم و فنون مین بھی ایسی ترقی دی کہ تھوڑے دنون مین عجیب غریب کتابین تصنیف ہو کر اُس سے علوم کے کتبخانے جاری ہوئے کہین کہین کونے گوشہ مین جہان کے راجہ وید کو مانتے تھے وہان وید کا اثر باقی رہا ۔ باقی راج کے دربار اور علمی سرکار سب ماگدھی ہی ماگدھی ہو گئی ۔ انکے حوصلہ وسیع ہو کر دعوے کر بیٹھے اور آواز بلند کہدیا کہ ابتداے عالم سے تمام زبانون کی اصل ماگدھی ہی تھی ۔ برہمن اور کل انسان بات کرنیکے لائق بھی نہ تھے اصل مین انکی اور قادر مطلق بودھ کی زبان بھی یہی تھی ۔ اسکے صرف و نحو کی کتابین بھی تصنیف ہوئین ۔ زمانے نے اپنی عادت کے بموجب تخمیناً پندرہ سو برس بعد بودھ مذہب کو بھی رخصت کیا ۔ اور اُسکے ساتھ ہی اُسکی زبان بھی رخصت ہوئی شنکر اچارج کی برکت سے برہمنون کا ستارہ دوبارہ چمکا اور سنسکرت کی آب و تاب بھی شروع ہوئی ۔ راجہ بکرماجیت کے عہد مین جو روشنی اُسکی فصاحت نے پائی آجتک لوگونکی آنکھونکا اجالا ہے ۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ دربار سلطنت اور اعلی درجہ کے لوگونکو سنسکرت بولنا افتخار و اعتبار کی سند تھا ۔ اور پراکرت عوام کی زبان تھی کیونکہ اُس عہد مین جو کالیداس ملک الشعرا نے شکنتلا کا ناٹک لکھا ہے سبھا مین دیکھو بادشاہ امیر اور پنڈت سنسکرت بول رہے ہین کوئی عام آدمی کچھ بتاتا ہے تو پراکرت مین کہتا ہے۔

گیارھوین صدی عیسوی سے پہلے راجہ بھرت کے عہد مین برج کے قطعہ کی زبان بھی جسے ہم آج کی برج بھاشا کی اصل کہ سکتے ہین۔ اسوقت ہر قطعہ مین اپنی اپنی بولی عام لوگون کی حاجت روائی، کرتی تھی، اور سنسکرت خواص کی زبانون کیلئے باعث برکت تھی" انتہی بقدر ضرورت۔

عبارت بالا مین خط کشیدہ جملون سے ہمارے بحث پر روشنی پڑتی ہے جس سے یہ حقیقتین واضح ہوتی ہین ۔

(۱) پراکرتین عام خلقت کی بولیان تھین سنسکرت سے علحدہ اور قطعہ قطعہ کی جدا جدا۔

(۲) اُن مین علوم نہین تصنیف ہوئے ۔ اُسکو علوم کی محتاجی نہی بادشاہ ۔ امرا ۔ خواص سنسکرت بولتے تھے۔

(۳) بودھ مذہب کے عروج کیساتھ ماگدھی پراکرت کو ترقی ہوئی اور اُسمین کتابین بھی تصنیف ہوئین ۔ سنسکرت چونکہ ماخذ علوم تھا اسلیے قیاس کہتا ہے کہ بلا سنسکرت، سے علوم اور علمی اصطلاحات لیے چارۂ کار نہ تھا۔

(۴) شنکر اچارج کے زمانہ سے سنسکرت نے پھر عروج پکڑا۔

اور بعد ازان سب کی علمی اور ممتاز زبان سنسکرت ہوگئی۔ اور علمی
تصانیف پھر سنسکرت مین ہوئے جس سے امور ذیل مستنبط ہوگئے ہین
(الف) ہندی برج بھاشا کی ایک شاخ ہی جو عام خلقت کی زبان
تھی۔ اسمین علمی تصانیف نہ تھین۔ اسلیے علمی اصطلاحونکے
لیے خالص سنسکرت کے لفظونکی محتاجی رہی۔

(ب) پراکرتین چپہ چپہ قطعہ قطعہ کی جدا جدا تھین۔ اسلیے ان مین
انتشار مفاہیم بہت ہوگا ویسا ہی بے اصول و بے ترتیب الفاظ ہونگے
انکے انتخاب مین باوجود بے انتہا احتیاط کے صحت کا اطمینان تاکم
ہوگا گویا کہ نہوگا۔

(ج) ہندی اردو کیلئے ام اللسان ہی۔ مگر جتنی اور جو کچھ لفظین
بھی داخل ہوئین جاہلون سے ہوئین صحت وسقم کا لحاظ نہ رہا۔ شاعری کو
علمی مضامین سے تعلق نہین ہوتا۔ سب سے بڑی تصنیف ہندی کی
جو ہمارے پاس ہی غالباً رامائن ہی۔ کچھ پوچھنے سے اور رامائن جاننے
والے بتلائینگے کہ ہیئت۔ ریاضیات۔ نفسیات۔ طبعیات۔ الٰہیات
حیاتیات۔ کیمیاے نامیات اور کیمیاے غیر نامیات اور علی الخصوص
انکی ایک ایک شاخ مثلاً ریاضیات کی مسطحات مثلثات مخروطات
وغیرہ کے نازک فرق مفاہیم ادا کرنیکے لیے کتنی لفظین ہین جو بلا سنسکرت
کی مدد کے ملین گے۔

(د) جب مسلمان آئے ہین علم کی روشنی ہندوستان مین بالکل مدھم
پڑگئی تھی عامۃ الناس جاہل تھے۔ علم کا سارا ذخیرہ سنسکرت مین
اور صرف سنسکرت مین تھا جو ملک برہمنون کی تھی۔ جاہل کے خیالات
جیسے کچھ خیالات ہوتے ہین توضیح کی ضرورت نہین۔ ویسی ہی غیر مرتب
پراگندہ، پریشان محدود۔ غیر جامع و مانع۔
یعنی افہام و تفہیم کی غرض سے مشابہت اور مباینت اور اصطفاف
وغیرہ نہ کرنیکے قابل اور علوم عالیہ واضح طریقہ سے ثبوت دینے کے لائق۔

یہ لفظین رہی ہونگی جوان کی زبان پر جاری تھین جوان سے ترقی یافتہ
تھے وہ بالکل سنسکرت کے محتاج تھے۔ اور انکی لفظین اردو مین نہ
داخل ہوئین تو پھر ایسے لفظون سے علمی زبان مین کیا مدد مل سکتی ہے
اور مناسب حال کوئی لفظ لیجیے تو وہ سنسکرت کا جامہ پہن لیگی۔

(علمی زبان کی مقتضیات)

عبارت کو مختصر کرنیکے خیال سے بلا اختیار بعض علمی مصطلحات قلم
سے نکل جاتے ہین۔ مگر چونکہ ہم اپنے کو کھو بیٹھے ہین اسلیے اندیشہ ہی کہ سواے
معدودے چند مستثنیات کے زیادہ لوگ نہ سمجھین گے۔
اسلیے جو بات ایک لفظ مین ادا کیجائے مجبوراً ایک سطر مین لکھتا ہون۔
حیرت اور تعجب باب علم ہی۔ جب انسان کسی حیوانی نباتی یا جمادی چیز
کو دیکھتا ہی تو اُسکے ایک ایک حصہ پر غور کرتا ہی۔ توجہ کرتا ہی اور جب
کوئی دوسری چیز ویسی دیکھتا ہی تو وہ پہلی چیز یاد آجاتی ہی اسطرح وہ
تصور مین دونون کی وہ باتین جو ملتی جلتی ہین یا الگ الگ ہین ذہن مین
رکھتا ہی۔ اس توافق اور تفارق سے رفتہ رفتہ اسکو پتہ چلتا ہو کہ سب
ایک ایک چیز کو اگر ملا کر دیکھا جائے تو کسی بڑے گروہ کا حصہ ہونگی۔ یہ علاحدہ
چیزین اور وہ گروہ نوع کے نام سے تعبیر کیے جائینگے۔ اسیطرح یہ انواع
مع اپنے اختلافی اور مشابہ امور کے ایک اور بڑے گروہ مین شامل ہین
جنکو جنس کہا گیا یہ بڑا گروہ بجاے خود کسی اور گروہ کا حصہ ہی۔ اسی طرح
موالید ثلاثہ کے تین عالم ہوئے۔ حیوانی نباتی جمادی۔ انکے گروہ در گروہ
مین تقسیم ہو جانے سے عالم تحت العالم عیال تحت العیال طبقہ
تحت الطبقہ صفوف تحت الصفوف اجناس افراد پیدا ہون گے
انکا مشاہدہ تفاوت و تفارق اصطفاف استغراق یہ تمام جب حد تسمیہ
مین داخل ہوتے ہین تو خفیف خفیف فرق کے امتیاز کیلئے نام رکھنے مین
خیال کرنا پڑتا ہی کہ غلطی نہونے پائے۔ اس عالم کون و فساد پر جب نظر
پڑتی ہی تو کچھ چیزین ٹھوس یعنی جامد اور کچھ چیزین بہنے والی یعنی مائی

اور کچھ ہوا کی صورت مین ہین انکو جامد سیالات اور مائیات اور گازات کہا گیا ہی۔ انکے علاوہ اجرام سماوی ہین اور اُنسے جدا خود انسان مین قوائے ذہنی ہین انکے نام الگ الگ رکھے گئے ان چیزونمین معیت (ایک ہی وقت یا حالت مین موجود ہونا۔) توالی (ایکے بعد دیگرے آنا) عینیت (اتحاد ذات یا ایک ہونا) تسبیب (ایک کے ہونیکے لیے دوسریکا سبب ہونا) مساوات اور نسبت وغیرہ کے باہمی تعلقات پائے جاتے ہین۔ چونکہ مظاہر قدرت مین سب کچھ یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہی۔ موالید ثلاثہ یعنی اجسام حیوانی نباتی جمادی اور قوائے ارضی وسماوی کے تسمیہ مین بہت کچھ سہولت اور آسانی ہوجاتی ہی کہ ملتی جلتی چیزونکا نام بھی ویسا ہی رکھا گیا۔ یعنی۔ مثلاً انسانی جسم کے ساق اور عصبہ کے مثل نباتات مین پائی جاتی ہی یا درونہ وغیرہ کے جمادات مین تو ایک چیز ہی نام دونون مین کام آجائیگا۔ اسطرح علم انسانی کا ایک بے پایان سلسلہ پیدا ہوجاتا ہی اور اُسکے ساتھہی تسمیہ بھی پایا جاتا ہی انسان نے دنیا کے ہر حصہ مین مطالعہ فطرت کیا ہی اور چیزون کی بابت ایک ہی نتیجہ پر پہونچا ہی۔ مگر ارتقائے علوم انسانی مین یہ ایک خاص کیفیت پائی جاتی ہی کہ بعض قطعات مین جو ترقی ہوئی وہ ایک کے بعد دوسرے حصہ مین منتقل ہوتی رہی۔ مثلاً اشوریا کے عقائد وغلام اور اُنکے جانشین بابل نینوا میدیا ایران کی ترقیان ایک ہی رشتہ مین منسلک تھین۔ اسطرح فنیقیا یونان روما کی علمی وراثت عربونکو پہونچی جنھون نے کچھ حصہ مصری ایرانی اور ہندی علوم سے بھی لیا اور عربون سے روشنی یورپ مین پھیلی جسنے یونانی اور لاطینی کی بوسیدہ استخوان سے وہ روشنی پیدا کی کہ ساری دنیا اُس سے جگمگا رہی ہی یا بعض قطعات ایسے ہین کہ ایک نے دوسرے سے جداگانہ ترقی کی مثلاً ہندوستان چین مصر وغیرہ۔

یہان سے یہ ظاہر ہوتا ہی کہ علوم عرب وہ سنگم ہی جہان یونان ایران اور ہند کی ندیان آکر مل گئی ہین

عباسئین کے زمانے مین نجوم طب۔ فلسفہ اور وہ تمام علوم جو یونان مین تھے عربی مین منتقل ہوئے۔ اسی طرح ہندوستان کے خاص خاص علوم اور ایران کی تاریخ وسیاست کی کیفیت ہوئی۔ مقصود یہ ہی کہ عربون نے اپنے ماسلف قومونکی تمام علمی دولت حتی الامکان جمع کر لی تھی۔ اور ان سب کے علمی اصطلاحات عربی مین جمع ہین جن سے ہم بہرہ اندوز ہوسکتے ہین ان علوم مین بعض کے تراجم اردو مین ہوگئے ہین۔ طب اور اُسکے لوازمات ریاضی اور اسکی شاخین فلسفہ وہیئت اکثر علوم کے مصطلحات بعینہ بلا کسی تغیر کے زبان مین رائج ہین۔ اور اسطرح نباتیات حیاتیات حیوانیات ارضیات طبیعیات اور ان سب کی شاخون کے متعلق مفرد مصطلحات کا ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہی جسے ہم عربی سے منتقل کرسکتے ہین اِس سے انکار نہین ہوسکتا کہ عربون کے بعد سے علوم نے بہت ترقی کی ہی اور ہزارہا بلکہ لاکھ سے اوپر نئی اور مرکب لفظین وضع ہوئی ہین جنکے مفاہیم کو ہمین اپنی زبان مین ادا کرنا ہی۔ لیکن جب ہیولی موجود ہی تو اُسے نئی نئی شکلون مین ظاہر کرنا کیا مشکل ہی۔ یہی وجہ ہے کہ جب کہا جاتا ہی کہ آریائی زبانون مین ترکیب امتزاجی ترکیب اضافی ترکیب اصطلاحی اور وضع فعلی وغیرہ کے اصول ایسے ہین کہ زبان خود بخود ترقی کرجاتی ہی اور عربی زبان مین یہ اصول نہین ہین اسلیے زبان جامد ہوکر رہگئی۔ یہ اعتراض ایک غلط فہمی پر مبنی ہی یہ تمام تراکیب یعنی انکے مفاہیم کو ادا کرنیوالے اصول عربی مین موجود ہین اور ترکیبات جو زیادہ ہی وہ کیہ خفیف سے اندرونی تغیر سے لاتعد ولاتحصی مجموعہ مفرد الفاظ کا موجود ہی۔ دراںحالیکہ ہندی فارسی بعد عربی تینون زبانونکو اردو کا عنصر بتایا جاتا ہی تو کوئی وجہ نہین ہی کہ آریائی زبانونکے اصول کو تو جائز سمجھا جائے اور عربی کے اصول سے اعراض کیا جائے آخر کیون محض سامی الاصل قرار دیکر کیا سامی الاصل الفاظ کو نکو ہو انکا اصول عربی مین موجود نہین ہو اگر یہ تو اب انکو نہ لیکر کیون مفہوم ادا کیا جائے

بلاکسی اصول کی پابندی کے محض کہین کی اینٹ اور کہین کا روڑا بھان متی نے ناتا جوڑا ـ کا تماشا دکھانا اور بے میل لفظونکو یکجا کرکے وضع سازی قرار دینا یہ زبان کو مٹی مین ملانا نہین تو کیا ہی ـ مثالین ملاحظہ ہون ـ

بےسرودھارا	Acranial Amphioxus
کاذب رگ	Pseudo Costate
خشک آبی (جل تھلیا)	Ampibian
بھبھوتا ـ خاک تن	Pulverens
بازوثمر	Ptero carpus
پنج برگچوی	Quinquefoliolate

اسطرح کی بےشمار مثالین جسمین کسی اصول کی پابندی نظر نہین آتی پیش کیجا سکتی ہین ـ

(علمی وغیر علمی مصطلحات)

اب دکھانا مقصود یہ ہی کہ علمی مصطلحات کے خصائص کیا کیا ہین ـ کلام الامام، امام الکلام ہی ـ تکلموا الناس علی قدر عقولہم ـ ہم اپنے معمولی روزمرہ مین اسکا لحاظ رکھتے ہین کہ جسے سمجھاوین تا امکان اُسکے مبلغ علم کا لحاظ رکھین کہ وہ بات سمجھ سکے ـ مبتدی کیلئے جن لفظونمین جن اشارون مین گفتگو کیجاتی ہی وہ ایک ترقی یافتہ شخص کے لیے بیکار ہوجاتا ہی کیونکہ تحصیل حاصل ہی ـ علم کی ترقی کیساتھ ادائے مطلب مین دقتین اور نزاکتین پیدا ہوجاتی ہین اور انکی دلالتہائے التزامی وفرق مفاہیم کو قائم رکھنے کیلئے ہمین آئے دن نئی لفظین بنانا پڑتی ہین اسلیے ابتدا مین اسکا خیال رکھنا پڑیگا کہ جو اصطلاحین قائم یا وضع کیجائین وہ تا امکان مستعمل و رائج اصطلاحون سے لیجائین ـ ثانیاً انکا معنا صحیح ہونا مسلم ہو کہ آیندہ غلطی پڑنے کا خوف نرہے ـ ثالثاً اگر علوم کی اصطلاحین معناً یکسان ہون تو ایک اصطلاح کسی علم مین موجود ہو تو امکان اسی کو دوسرے علم مین استعمال کرنا چاہئے ـ مگر قبل اسکے کہ وضع اصطلاحات کی توضیح کرون دو امور ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہون ـ اولاً ارتقائے علوم انسانی ـ ثانیاً وضع اصطلاحات علمیہ ـ

ارتقائے علوم انسانی

(ارتقائے علوم انسانی کی خصوصیت) علوم انسانی کا سب سے نمایان اور روشن رخ یہ ہی کہ کسی علم نے فرداً منفرداً ترقی نہین کی ہی بلکہ سب دست بدست اور پہلو بہ پہلو بڑھتے رہے ہین ـ

اسکے علاوہ اکثر امور مین ایک دوسرے کے محتاج ہین مثلاً ہیئت اور نجوم کو کوئی شخص سمجھ ہی نہین سکتا جب تک ریاضی مین ماہر نہو ـ ارضیات ایک علم جدید ہی مگر یہ کلیتاً اگر نہین تو قریب قریب کلیتاً طبیعیات کیمیا اور ریاضی پر منحصر ہی اسیطرح حیاتیات نباتیات اور حیوانیات نے بظاہر اب ترقی کی ہی مگر کوئی وجہ نہین کہ اگر وہی مصطلحات علم طب کی مختلف شاخون یعنی تشریح الاعضا اور دوا سازی وغیرہ مین موجود ہین تو انکو نہ لیا جائے ـ یا اُنکی مدد سے مصطلحات نہ وضع کیجائین بلکہ ادہون کیلئے نئے نئے اسالیب اختیار کیے جائین ـ علم جغرافیہ بظاہر علم جدیدہ کی ایک شاخ ہی ـ جسے فی الحقیقت از سر نو ترتیب دیا گیا ہی لیکن بیک لمحہ تامل کرنے سے یہ بات روشن ہوجاتی ہی کہ یہ بہت سے علوم کا ایک مجموعہ ہی مثلاً ہیئت و نجوم طبیعیات حیوانیات ارضیات جویات حیاتیات کیمیائے نامیات وکیمیائے غیر نامیات ـ بشریات نسلیات معاشیات مدنیات عمرانیات سیاسیات وغیرہ ہین ـ یہی کیفیت تمام علوم کی ہی تو کیا اس علم کی تدوین مین ہم از سر نو وضع اصطلاحات کے مالیخولیا مین گرفتار ہوکر بے صحت وسقم کی دقتون اور لفظ سازی کی الجھنون کی مصیبت مول لین گے یا ہمارے آباء و اجداد و اسلاف نے جو اندوختہ جو دولت جو سرمایہ ہمارے لیے امانت چھوڑا ہی اُسے ہم

آراستہ و پیراستہ کرکے اپنی آیندہ نسلوں کے لیے مشعل ہدایت بنا ئینگے۔

(ب) وضع اصطلاحات علمیہ کی اہمیت

اس بحث کے تین اجزا ہین وضع اصطلاحات علمیہ۔
یہ کام ہر کس و ناکس کا ہی کسی چیز کی وضع کیلیے اُسکے لیے قدرتی مناسبت ہونا لازمی ہی۔ اسکے علاوہ فطرتاً مذاق سلیم ہونا چاہیے کہ دوسرون کے نزدیک پسندیدہ ہو یہ خوش سلیقگی اکتسابی نہین ہوتی بلکہ اسیلیے ایک عام نظر السنۂ عالم پر ہونا چاہیے اور اسکے بعد اُس مخصوص زبان کے ارتقا پر نظر ہونا چاہیے۔ یہین تک آکر معاملہ ختم نہین ہو جاتا ہی بلکہ اس زبان کے ادب و ادبیات کی مختلف شاخون پر نظر ہونا چاہیے جسکے ساتھ یہ لازمی ہی کہ وہ زبانین جنھین اِس زبان کی ، ام اللسان کہ سکتے ہین خواہ کسی نہج سے ہو کب کب اور کسطرح سے اور کن کن منازل پر اس زبان کی تکوین مین شریک ہین اور علوم کی کن کن شاخون مین انکا حصہ زیادہ ہی۔
علم پر جب ہم نگاہ ڈالتے ہین تو ہمین سب سے مقدم یہ نظر آتا ہی کہ علم کے منازل مین ایک تو وہ درجہ ہی جسمین علمی امور سے واقفیت ہوتی ہی اور یہ وہ حالت ہی کہ اسکے حاصل کرنیکا دعویدار ہر شخص ہو سکتا ہی۔ اور اسکے لیے مصطلحات جیسی تیسی بن سکتی ہین۔ لیکن اسکے علاوہ علم کے اور مدارج ہین جو انسان کو اپنے مین جذب کر لیتے مین وارفتہ کر لیتے ہین ، والہ و شیدا بنا لیتے ہین اُسکے لیے صرف مشاہدہ تفاوق تفارق اصطفاف استغراق کافی نہین ہی بلکہ اسمین تحدیق تدقیق تحقیق اور تدقیق کی ضرورت ہوتی ہی۔ خفیف خفیف سے امور کیلیے موشگافی کرنے مین عمرین گذر جاتی ہین اور دُر مقصود حاصل نہین ہوتا۔
علم کی یہ وہ منزل ہی جسکو سہل بنانے کا خیال داخل جنون ہی۔ علم یہ علم محنت طلب ہی نہ ہو گداز ہی ، خون آشام ہی ، جان طلب ہی روح فرسا ہی اسکا حصول سے علم دماغ سوزی ہی دماغ کاوی ہی۔ دیدہ ریزی جانفشانی ہے ۔ اسکو سہل کرنا کسی کے بس کے چیز نہین۔ اور نہ یہ عام ہو سکتا ہی ایسی حالتمین کیا وہ شخص جو علم کی جرعہ کشی سے کبھی سیر نہ ہوا اور ہل من مزید کے نعرے لگاتا ہے وہ تھوڑے سے مصطلحات بھی ہین مین محفوظ کر سکیگا۔
مولوی عبدالحق صاحب اور اُنکے ہم نفس حضرات جسقدر چاہین علم کو آسان کرنے عام کرنے کے ابتدائی مراحل طے کرنیکے لیے غلط یا صحیح قعر ذلت مین ڈالنے والے مصطلحات بنالین اور اپنی تسکین کر لین مگر خدا اس ساعت اُس گھڑی سے دنیا بے ادب کو محفوظ رکھے جب اُنکی یہ مزعومات بار آور ہون کہ علم کو عام اور سہل کرنیکے خیال مین علی العموم بیسیر التلفظ مگر بے اصول غیر ممتزج نزیر اور غیر جامع و مانع مائل التغلیط مصطلحات کو بھی اُردو کی خدمتگذاری قبول کر لین۔
یہ غلط قدم علمی نقطہ نگاہ سے زبان کی فنا و ہلاکت کے پہلے زینہ پر پڑیگا اور جیسا کہ مولوی وحیدالدین صاحب سلیم نے ہندی کی حمایت مین لکھا ہے فی الحقیقت عربی سے علیحدگی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ثریا کا خواب و خیال تو کجا۔ خشت اول کی کجی کے سبب مرکز ثقل سے جو دیوار علیحدہ ہوگی تو وہ کچھ ہی اونچی ہو کر گر جائیگی۔
مولوی عبدالحق صاحب سے علم کی جلالت قدر اور عربی زبان کے حقوق سے کم التفاتی بے توجہی۔ سرد مہری بلکہ بیدردی جو ظاہر ہوئی وہ انکی اس نگاہ غلط انداز سے معلوم ہوتی ہی جسکے جلوے انکی سطور مین نظر آتے ہین۔
لیکن باوجود اسکے بعض علوم ہین کہ امین ہم اسقدر آسانی نہین پیدا کر سکے اسلیے کہ اسکی بہت سی اصطلاحین پہلے سے مروج ہین اور ان کا بدلنا ممکن نہین۔ مثلاً ہیئت کی کثرت سے ایسی اصطلاحین ہین جو عربی ہین او بعینہٖ (کسی قدر فرق سے) یورپ کی تمام زبانون مین رائج ہین اسلیے اُنکے مقابل ہمکو بھی عربی لفظ رکھنے پڑے ہین اور یہی ہوتا

بھی چاہیئے تھا، تاہم ہماری کوشش یہ رہی ہے جہان تک ممکن ہو
اِس مشکل کو آسان کر دین۔" انتہی بقدر ضرورت
علم جب تک کہ علم کے درجہ پر پایا جائیگا آسان کرنے اور عام کرنیکی
چیز نہین۔ ممکن ہے کہ عامیانہ زبان مین اُسکے مطالب بیان کئے جائین
اور ایسی غلط فہمی پھیلائی جائے مگر وہ علمی مدارج نہونگے۔

جہانتک دسترس ہوسکا عربون نے اُسوقت کے تمام علوم کو عربی مین
منتقل کرلیا تھا۔ "بعض علوم" کی لفظ ایک غلط فہمی پر دلالت کرتی
ہے۔ کون علم ہے جسکو عربون نے یونانی یا دوسری زبانون سے منتقل نہین
کیا۔ ہان فرق اسقدر ہے کہ کسی مین کم اور کسی مین زیادہ

جیسا کہ ظاہر کیا جا چکا ہے۔ اسمین شک نہین کہ اردو اپنی ساخت و بناوت
اور قماش کے لحاظ سے ایک آریائی زبان ہے اور تا امکان اسکی آریائی
فطرت کو قائم رکھنا چاہیئے۔ مگر ساتھ ہی علمی زبان کی وراثت اُس کو
عربی سے ملی ہے نہ کہ ہندی فارسی سے یا سنسکرت سے عربی لفظین
جو نہایت ہی احتیاط سے وضع کیگئی ہین وہ علوم قدیمہ مین یونانی کے
مفہوم کو پورے طریقہ پر ادا کرتی ہین اور اِس اردو مین ہم علمی حالت قائم
رکھ سکتے ہین۔ علوم جدیدہ کے لحاظ سے عربی جدید مولد خواہ دخیل علمی
الفاظ کا ذخیرہ موجود ہے جسے ہم لے سکتے ہین۔ اسطرح مہمل لغو اور
بدترکیب الفاظ کے وضع کرنے کی محنت سے ہم بچ سکتے ہین۔

اسمین شک نہین کہ ہم مشتقات کے لحاظ سے عربی زبان مین وہ
لوچ لچک اور مرونت نہین پاتے جو آریائی زبانون مین ہے۔ مگر اسکی
کمی ہم فارسی سے پوری کرسکتے ہین۔ عربی زبان سے تا امکان ہم
ان مصطلحات کو لینگے جو اسوقت موجود ہین۔ اور وہ فارسی جو اُردو
مین رائج ہے اپنی جگہ پر قائم رہیگی۔ اُنکی جگہ پر عربی لانے کی ضرورت
نہین۔ اسی طرح انشاءاللہ ہندی کی اکا دکا مصطلحات علمی
زبان مین جگہ پائینگی۔ انکے ماسوا اقلیما ...

جو نئے مصطلحات وضع ہونگے وہ عربی اور فارسی کی آمیزش سے ہونگے
نہ اس لیے کہ محض یکسانیت کا ضبط کا مقتضی ہے بلکہ اس لیے
کہ ایک شاخ کا علم دوسری شاخ علم سے ہم آغوش ہے۔ عربی کی لفظین تمام علوم
مین موجود ہین۔ کوئی وجہ نہین ہے کہ انکو تغیر دیا جائے اور اُنکی جگہ نا مانوس لفظون
سے پر کیجائے۔

ہندی لفظین جیسا کچھ رائج اور مستعمل ہین معانی کے لحاظ سے پایۂ
تحقیق تک نہین پہونچتی ہین۔ متجانس الاجزا اور متحد المادہ لفظین
افہام و تفہیم اور تعیین معانی مین بہت مدد دیتی ہین۔ اِسکے علاوہ عربی
کا سب سے بڑا حق جو اردو کی علمی زبان مین داخل ہونیکا ہے وہ یہ کہ اسمین مفرد
مصطلحات بہت زیادہ ہین اور خفیف سے اندرونی تغیر سے ہم ایک
بے پایان سلسلہ مصطلحات کا پیدا کرسکتے ہین۔ اِسکے کہنے کی ضرورت
نہین کہ مفرد مصطلحات کو علمی زبان مین سب سے زیادہ داخل ہونیکا
حق ہے۔ اولاً اسلیے کہ زیادہ آسانی سے زبان پر روان ہوجاتے ہین۔ دوسرے
اسلیے کہ مشتقات بنانے مین آسانی ہوتی ہے۔ سوم تشریح اسلیے کہ مادہ
معلوم ہونے پر سریع الفہم ہوتے ہین۔ سطور بالا کے ملاحظہ اور اُنکی
اہمیت پر نگاہ ڈالنے سے اسکا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ عربی اور صرف
عربی الفاظ اِسکے مستحق ہین کہ اردو کی علمی زبان مصطلحات کی جگہ پر
امتیازی درجہ پائین۔ اور اس سے مشتقات زیادہ سے زیادہ بعدد
فارسی بنا کر اضافہ کئے جا سکتے ہین۔

اس حالت کو دیکھتے ہوئے اِسکا خیال خود بخود ہوتا ہے کہ آخر وہ بات
کیا ہے جسکی وجہ سے اس امر پر اصرار کیا جارہا ہے کہ اُردو کی علمی زبان مین
ہندی کی لفظین اور اُنکے مشتقات داخل کئے جائین اور یہ کہ اسکی
مثال دنیا کی اور زبانون مین بھی ملتی ہے یا نہین کہ باوجود ام اللسان
ہونے کے کسی زبان کی علمی لفظین علمی زبان مین داخل ہو رہی ہون
عام بول چال مین اور ہر طرح کی کاربرآری مین استعمال زیادہ ہو۔
(باقی آئندہ)

افکار فرخ

(از نتیجۂ فکر حضرت فرخ بنارسی، مربیٔ "مرقع")

دل نہین جلوہ گہِ ناز کے قابل کوئی　　ڈھونڈھ لے رونقِ محفل نئی محفل کوئی
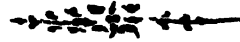
یون ہوا گرمِ تبسم سرِ محفل کوئی　　تپشِ درد سے خالی نہ رہا دل کوئی

بیخودی مین بھی تصور کا وہی نقشہ ہے　　دل مین بیٹھا ہے جمائے ہوئے محفل کوئی

بے ثباتی کا خود آئینہ ہے ہستی میری　　جز فنا اور نہین زیست کا حاصل کوئی

کہین کانٹے ہین کہین آبلے ٹوٹے پھوٹے　　کر گیا دشت مین آراستہ محفل کوئی

چھپنے والے ترا چھپنا ہی ہے عینِ حکمت　　متحمل ترے جلوے کا نہین دل کوئی

ہر نفس جادۂ ہستی مین ہے سرگرمِ سفر　　یہ وہ رہرو ہے کہ جسکی نہین منزل کوئی

مرگ بھی وجہِ تسلی نہین اے ہمتِ شوق　　ڈھونڈھ اب اور نیا عقدۂ مشکل کوئی

یہ فقط واہمۂ قیس کی خلاقی تھی　　ورنہ محمل تھی نہ تھا صاحبِ محمل کوئی

طور کو برقِ تبسم سے جلانے والے　　دل نہ تھا کیا نگہِ ناز کے قابل کوئی

جلوہ ہی جلوہ ہے پھر بزمِ عدم مین فرخ
پہلے اُٹھے تو ذرا پردۂ حائل کوئی

کارخانہ [illegible]

انتقام

(افسانہ)

(خاص مرقع کے لیے)

(از جناب مولانا نیاز فتح پوری)

کینن ڈائل (Conan Doyle) خواہ اب روحانیت پرست ہو جائے یا تصوف پرست لیکن دنیا نے اسے جس ذریعہ سے جانا وہ اس کا وہی فرضی کیرکٹر شرلاک ہومز (Sherlock Holmes) ہے جس کو عالم سے روشناس کر کے کینن ڈائل نے خود اپنی ہستی کو اس کے اندر گم کر دیا۔

ایک زمانہ تک لوگوں نے یہ بھی نہیں جانا کہ کینن ڈائل کیا بلا ہے اور اس کے افسانے محض شرلاک ہومز سے متعلق ہونے کی وجہ سے عالم میں مشہور ہو گئے۔ اس کو کہتے ہیں سیرت نگاری افسانہ اور یہ ہے وہ کامیابی جسے ہندوستان کا کوئی مصنف یا مؤلف شاید ابھی ایک صدی تک بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

کوئی انگریزی جاننے والا انسان ایسا نہیں ہے جو شرلاک ہومز اور اس کی وجہ سے کینن ڈائل سے واقف نہ ہو اور اب چونکہ اس کے بعض افسانوں کا ترجمہ اُردو میں بھی ہو چکا ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ شاید ہندوستان کے بعض افراد اس سے واقف ہو گئے ہوں گے، لیکن یہ کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اس کی مقبولیت کا اصل راز کیا ہے۔

ایسے افسانے جن میں کسی راز کا افشا ہو یا کسی نہایت پیچیدہ جرم کا پتہ چلایا جائے یورپ میں کثرت سے لکھے گئے اور لکھے جا رہے ہیں۔

لیکن کینن ڈائل نے جو شہرت اس باب میں حاصل کی وہ کسی کو میسر نہ آئی، اس کے دو سبب ہیں، ایک تو یہ کہ اس کا طرز بیان حد درجہ دلچسپ طور پر سادہ ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ اس کے پلاٹ میں ایک بات بھی ایسی نہیں ہوتی جو [illegible] اتفاقات کے تحت میں نہ آسکے۔ وہ جب کسی راز [illegible] کی بنیاد ایسے واقعات و حالات پر رکھتا ہے جن کا تعلق عام مظاہر انسانی سے ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر واقعات حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو ہر شخص شرلاک ہومز کی طرح بہترین جاسوس بن سکتا ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ کینن ڈائل کی کتنی کتابوں کا ترجمہ اُردو میں ہو چکا ہے، لیکن یہ یقین ہے کہ ابھی بڑا حصہ اس کے افسانوں کا ترجمہ نہیں ہوا اور اگر کوئی شخص استقلال کے ساتھ اس طرف متوجہ ہو جائے تو یقیناً وہ نہ صرف ایک مفید کام کی طرف توجہ کرنے والا سمجھا جائیگا، بلکہ مادی نفع بھی کافی حاصل کر سکے گا، کیونکہ صرف کینن ڈائل کا نام ہی پبلک کو اس طرف مائل کرنے کے لیے کافی ہے۔ یورپ کے اکثر جرائد و رسائل کینن ڈائل کے افسانے شائع کرتے رہتے ہیں۔ جو بعد کو کتابی صورت میں آکر لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہوتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں کینن ڈائل کے آٹھ تازہ

افسانوں کا مجموعہ [illegible] کے نام سے شائع ہوا ہے اور یہ افسانہ انھیں میں سے ایک کا اقتباس ہے۔ اقتباس اس لیے کہ ترجمہ کی مجھے فرصت نہیں ہے اور نہ ضرورت تھی اس کی کہ اگر اصل مصنف کے خیالات و طرز ادا کی خصوصیت مجھ سے محض مفہوم و اقتباس سے بھی قائم رہ سکے،

نیاز فتحپوری

اگست کی جھلسا دینے والی گرمی شباب پر تھی، اور میں سر جھکائے ہوئے کمرہ کے اندر بیٹھا ہوا اخبار دیکھ رہا تھا۔ شرلاک ہومز ایک خط کے پڑھنے میں محو تھا جو صبح کی ڈاک سے اُسے ملا تھا، اس لیے میں اخبار کو ایک طرف پھینک کر ایک خاص خیال میں محو ہو گیا یہاں تک کہ ہومز کی آواز نے میرے سلسلۂ تصور کو اس طرح توڑا۔—

"واٹسن، تم صحت پر ہو، یقیناً کسی نزاع کے فیصلہ کرنے کا یہ طریقہ نہایت نادرست ہے"

میں یہ سنکر چونک پڑا اور بولا کہ "ہومز تم نے کیسے معلوم کیا کہ میں اسوقت یہ سوچ رہا تھا، مجھے حیرت ہے کہ تم نے کسقدر صحیح اندازہ میری رفتار خیال کا کیا اور وہی بات کہی جو اسوقت میرے دل میں تھی"

ہومز "میں نے تمہارے چہرے کی حالت اور خاص کر آنکھوں کے انداز سے تمہارے خیالات معلوم کیے۔ تم کو غالبًا یاد نہ ہوگا کہ تمہارے تصور کی ابتدا کیونکر ہوئی، لیکن میں بتاتا ہوں، اخبار پھینک کر نصف منٹ تک تم بالکل خالی الذہن رہے، اس کے بعد تمہاری نگاہ جنرل گارڈن کی اس تصویر پر پڑی جسکا چوکھٹا حال ہی میں لگا ہے اور پھر تمہارے چہرے کے تغیر سے معلوم کیا کہ سلسلۂ خیالات شروع ہو گیا ہے لیکن یہ سلسلہ دور تک نہ پہونچا تھا کہ تمہاری نگاہ ہنری وارڈ بیچر کی تصویر پر پڑی جو بغیر چوکھٹے کے کتابوں پر رکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد تمہاری نگاہ دیوار پر گئی اور تم نے خیال کیا کہ اگر اس تصویر میں بھی چوکھٹا لگ جاتا تو دیوار کی خالی جگہ پر ہو جاتی اور جنرل گارڈن کی تصویر کے مقابل بھی معلوم ہوتی۔—

اس کے بعد تمہارا خیال بیچر کی طرف گیا اور اس کی تصویر کو تم نے نہایت غور سے دیکھا گویا کہ تم اس کے خط و خال سے اسکی سیرت کا اندازہ کر رہے تھے۔ اس کے بعد تمہاری آنکھوں کا متجسسانہ انداز دور ہوا اور تمہارے چہرے سے غور و خوض ٹپکنے لگا جس سے معلوم ہوا کہ تم بیچر کے کارناموں پر غور کر رہے تھے۔ اور چونکہ ایک مرتبہ تم میرے سامنے یہ اظہار خیال کر چکے تھے کہ سول وار (civil war) کے زمانہ میں فسادیوں نے اس کے ساتھ کیسا برا سلوک کیا تھا، اس لیے میں سمجھ گیا کہ بیچر کے کارناموں کے سلسلے میں تمہارے خیال کا سول وار کی طرف منتقل ہونا ضروری ہے، اس کے بعد تمہاری آنکھیں چمکنے لگیں، مٹھیاں بند ہو گئیں، ہونٹ اندر کی طرف سمٹ گئے، اس سے میں نے سمجھا کہ تم اس شجاعت کا خیال کر رہے ہو جو دونوں فریق کی طرف سے اسوقت ظاہر ہوئی تھی اس کے بعد تمہارے چہرہ پر اضمحلال سا طاری ہوا اور گردن میں خفیف سی جنبش پیدا ہوئی، کیونکہ تم اسوقت بیکار جانوں کے ضائع جانے پر متاسف تھے، اس کے بعد تمہارا ہاتھ اس جگہ پہونچا جہاں تمہارے زخم لگا تھا اور تمہارے لبوں پر تبسم پیدا ہوا جس سے مجھے معلوم ہوا کہ اسوقت تم یہ سوچ رہے ہو کہ بین الاقوامی نزاع میں فیصلہ کا یہ طریقہ بھی کسقدر نادرست ہے اور یہ سمجھ کر میں نے تم پر یہ ظاہر بھی کر دیا اور تم چونک پڑے،

میں نے یہ سنکر کہا، جو کچھ تم نے بیان کیا وہ حرف بحرف صحیح ہے اور باوجود اس کے کہ تم نے اپنے قیاس کے دلائل کو نہایت وضاحت سے

کے ساتھ بیان کیا ہے، لیکن میری حیرت بدستور قائم ہے"۔

ہومز۔ خیر یہ تو نہایت معمولی بات تھی لیکن اسوقت میں جس مسئلہ پر غور کر رہا تھا وہ نہایت عجیب غریب ہے اور اس کا حل کرنا کسی کے خیالات معلوم کر لینے سے زیادہ دشوار ہے۔ تم نے اخبار میں یہ خبر نہیں پڑھی کہ قصبۂ کراڈن کی ایک خاتون کو جس کا نام مس کشنگ ہے ایک عجیب غریب پارسل ملا ہے"۔

"نہیں میں نے تو یہ خبر نہیں پڑھی"۔

ہومز نے اخبار لیکر میری طرف پھینکا اور کہا کہ یہ مالیات کے کالم کے نیچے وہ خبر درج ہے، زور سے پڑھو میں پھر ایکبار اسے سننا چاہتا ہوں۔

میں نے اخبار لیکر پڑھنا شروع کیا:۔

"قصبۂ کراڈن کی ایک خاتون مس کشنگ کو کل سہ پہر کے وقت ایک پارسل ملا جو زرد کاغذ میں لپٹا ہوا تھا، یہ پارسل کاغذ کے ایک بکس کا تھا جسوقت بکس کھولا تو اس میں نمک بھرا ہوا نظر آیا: بیچ اندر دو کان کسی انسان کے تھے جو تازہ کاٹے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

یہ پارسل مقام بلفاسٹ سے پرسوں صبح کو روانہ کیا گیا تھا اور بھیجنے والے کا نام اس پر درج نہ تھا مس کشنگ پچاس سال عمر کی خاتون ہے اور نہایت خلوت کی زندگی بسر کر رہی ہے، کسی سے اس کی خط و کتابت ہے اور نہ کسی سے ایسی ملاقات جو اس کے پاس کبھی کوئی چیز روانہ کرے چند سال ہوئے کہ وہ مقام پنگ میں رہتی تھی اور اپنے مکان کے چند کمرے ڈاکٹری کے تین طالب علموں کو اس نے کرایہ پر دیئے تھے، لیکن چونکہ یہ طالب علم اچھے اطوار کے نہ تھے اس لیے مس کشنگ نے انھیں علحدہ کر دیا تھا اغلباً یہ کارروائی انھیں کی ہے اور مس کشنگ کو پریشان کرنے کے لیے انھوں نے یہ مذاق کیا ہے ۔ اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان میں سے ایک طالب علم بلفاسٹ کا رہنے والا تھا۔

اس معاملہ کی تفتیش مسٹر لسٹریڈ کر رہے ہیں جو خفیہ پولیس کے نہایت ہی ہوشیار و کامیاب افسر ہیں"۔

ہومز۔ "یہ تو بیان ہوا ڈیلی کرانکل (اخبار) کا لیکن اب وہ بھی سن لو جو مسٹر لسٹریڈ نے مجھے لکھا ہے، آج صبح میرے پاس انکا خط آیا ہے جس میں مجھ سے مخاطب ہو کر لکھا ہے کہ "یہ معاملہ زیادہ تر آپ ہی کے سلجھانے کا ہے ہمیں امید ہے کہ ہماری کوشش سے معاملہ واضح ہو جائے گا، لیکن فی الحال سراغ میں دشواریاں ضرور ہیں۔ بلفاسٹ کے ڈاکخانہ کو تار دیا گیا تھا لیکن وہاں سے کچھ پتہ نہیں چلا کہ بھیجنے والا کون تھا۔ بکس نصف پونڈ کا ہے جس میں ہنی ڈیو تمباکو آتی ہے میرا بھی خیال ہے کہ یہ حرکت غالباً انھیں طالب علموں کی ہے لیکن اگر آپ کو فرصت ہو تو مجھ سے ضرور مل لیجئے میں یا تو گھر میں ملوں گا یا تھانہ میں"۔

اب بتاؤ واٹسن کیا کہتے ہو، اگر گرمی زیادہ نہ ستائے تو آؤ تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ کراڈن چلے چلو"۔

چونکہ میں بالکل بیکار تھا اس لیے تیار ہو گیا اور جس وقت ہم لوگ کراڈن اسٹیشن پر پہونچے تو وہیں مسٹر لسٹریڈ بھی موجود تھے جنھیں ہومز نے تار کے ذریعہ سے وہاں جانے کی اطلاع دیدی تھی۔ پانچ منٹ میں ہم لوگ کراس اسٹریٹ میں پہونچ گئے جہاں مس کشنگ کا مکان تھا دروازہ پر دستک دی تو ایک خادمہ باہر آئی اور ہم لوگوں کو اندر لیگئی مس کشنگ سامنے برآمدہ میں بیٹھی ہوئی تھی اس نے لسٹریڈ کو دیکھتے ہی جھنجھلا کر بولی کہ وہ پارسل باہر کی کوٹھری میں رکھا ہے۔ آپ تو خدا کیلیے اسے یہاں سے لیجائیے"۔

لسٹریڈ۔ میں اسے لیجاؤں گا، لیکن چونکہ میں چاہتا تھا کہ میرے عزیز دوست مسٹر ہومز بھی آپ کے سامنے اس کیس کو دیکھ لیں۔ اس لیے

ابتک نہیں سے لیا۔"

—— "میرے سامنے کیوں؟"

—— "کہ شاید انھیں آپ سے کچھ دریافت کرنے کی ضرورت ہو۔"

—— ہومز نے نہایت نرم لہجہ میں کہا کہ "اے محترم خاتون، یہ بالکل صحیح ہے افسوس کہ اس تکلیف دہ معاملہ کی وجہ سے آپ کو بہت زحمت اُٹھانی پڑ رہی ہے"

—— "یقیناً مسٹر ہومز میں خلوت پسند عورت ہوں اور یہ میرے لیے بالکل نئی بات ہے کہ میرا نام اخباروں میں آئے اور پولیس میرے گھر میں۔ میں تو پارسل کو گھر میں نہ آنے دوں گی، اگر آپ کو دیکھنا ہے تو وہیں باہر کی کوٹھری میں تشریف لیجائیے۔"

گھر کے پیچھے مختصر سے پائیں باغ میں ایک کوٹھری بنی ہوئی تھی لسٹریڈ وہاں گیا اور ایک زرد رنگ کا بکس کاغذ کا لایا جو زرد کاغذ میں ملفوف تھا اور اسپر ڈورا لپٹا ہوا تھا۔ یہیں ایک بنچ پر بیٹھ کر ہومز نے اس بکس کو دیکھنا شروع کیا۔

ہومز نے کچھ دیر تک دیکھنے اور سونگھنے کے بعد کہا کہ "ڈورا بہت عجیب ہے، مسٹر لسٹریڈ آپ کا کیا خیال ہے؟"

—— "تارکول سے رنگا ہوا ہے۔"

—— "بالکل ٹھیک۔ تم نے اسپر بھی غور کیا ہوگا کہ مس کشنگ نے اسے قینچی سے کاٹا ہے کیونکہ جہاں سے یہ کاٹا گیا ہے وہاں دونوں طرف پھچڑے نکلے ہوئے ہیں، یہ بھی قابل غور امر ہے۔"

—— "اس میں تو شاید کوئی اہمیت نہیں ہے"

—— "اس میں اہمیت اس وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے کہ ڈورے کی گرہ اپنے حال پر باقی ہے جو خاص انداز کی ہے"

—— "بیشک گرہ بہت صفائی سے لگائی گئی ہے، میں اسپر غور کر چکا ہوں۔"

ہومز نے مسکراتے ہوئے کہا کہ "ڈورے کے متعلق تو تحقیق ہو چکی، اب کاغذ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سے قہوہ کی بو آرہی ہے، اس پر پتہ اس طرح لکھا ہے:- "مس کشنگ، کراس اسٹریٹ، کراڈن۔" یہ موٹے نب غالباً جے (J) نب سے لکھا گیا ہے اور روشنائی بہت ادنیٰ قسم کی ہے۔ لفظ "کراڈن" کا املا بھی غلط لکھکر صحیح کیا گیا ہے اور سواد خط سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مرد کے ہاتھ کا لکھا ہے جس کی تعلیم معمولی ہے اور جو قصبہ کراڈن سے ناواقف ہے۔ بکس زرد ہے اور ہنی ڈیو تماکو کا ہے۔ اس میں سوائے اس کے کوئی خاص بات نہیں کہ دو نشان انگلیوں کے بائیں طرف کے کونہ میں نیچے موجود ہیں۔ اس میں معمولی نمک بھرا ہوا ہے جو چمڑے وغیرہ بنانے کے کام میں آتا ہے اور نمک کے اندر رکھے دو کان ہیں۔"

ہومز نے یہ کہتے ہوئے دونوں کان نکال لیے اور اپنے گھٹنے پر ایک تختے کے اوپر اُنھیں رکھ لیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے یہ دونوں کان پھر بکس میں رکھ دیئے اور نہایت گہرے انہماک خیال میں مصروف ہو گیا۔ جب وہ غور کر کے کسی نتیجہ پر پہنچ گیا تو اس نے لسٹریڈ سے کہا کہ "تم نے غالباً یہ معلوم کر لیا ہوگا کہ یہ دونوں کان ایک آدمی کے نہیں ہیں۔"

—— "ہاں میں اسپر غور کر چکا ہوں، لیکن اگر واقعی یہ انھیں طالبعلموں کا مذاق ہے تو اُن کے لیے دشوار نہ تھا کہ وہ لاشیں مطالعہ کر کے دو مختلف آدمیوں کے ایک ایک کان کاٹ کر بھیج دیتے؟"

ہومز "یہ صحیح ہے لیکن میرے نزدیک یہ طالبعلموں کا مذاق نہیں ہے، کیونکہ دوسرے حالات سے اس کی تصدیق نہیں ہے۔ لاش جو وقت

مطالعہ کے کمرے میں آتی ہے تو پہلے اس میں پچکاری کے ذریعہ سے ایک خاص سیال شے پہونچائی جاتی ہے تاکہ جسم سڑنے سے محفوظ رہے اور ان کانوں میں اس چیز کا پتہ نہیں ہے، علاوہ اس کے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یہ دونوں کان بالکل تازہ کٹے ہوئے ہیں اور کسی کند آلہ سے کاٹے گئے ہیں۔ اگر ڈاکٹری کا طالب علم کوئی کاٹتا۔ وہ یقیناً تیز قینچی استعمال کرتا اور کاربولک اسپرٹ میں محفوظ کرکے بھیجدیتا کہ معمولی نمک میں۔ اس لیے میری رائے تو صاف یہی ہے کہ معاملہ مذاق کا نہیں ہے، بلکہ اس سے کوئی نہایت ہی سنگین جرم متعلق ہے"

اسوقت ہومز کے چہرے سے حد درجہ سنجیدگی اور غور و تامل کی کیفیت پیدا تھی اور میں بھی سوچ رہا تھا کہ اگر اس سے واقعی جرم وابستہ ہے تو حد درجہ بیرحمی ظاہر کرنے والا ہے لسٹریڈ نے ہومز کی یہ رائے سن کر سر کو اس طرح جنبش دی گویا اسے پورا یقین نہیں ہے اور بولا "اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کو مذاق سمجھنے کے خلاف کچھ دلائل موجود ہیں لیکن اس کو جرم قرار دینے کے خلاف اور زیادہ قوی دلائل ہیں۔ یہ عورت پنگ میں اور یہاں بیس سال سے نہایت گوشہ نشینی کی زندگی بسر کررہی ہے اور اس دوران میں وہ ایک دن کے لیے بھی کہیں باہر نہیں گئی۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ایک مجرم کیوں اپنے ثبوت جرم کو اسکے پاس روانہ کرتا"

ہومز نے جواب دیا کہ "ہاں، یہی وہ معمہ ہے جس کا حل ہونا ضروری ہے۔ بہرحال میں تو اس معاملہ کی تحقیق یہی سمجھکر کروں گا کہ یہ کوئی سنگین جرم ہے جس میں دو آدمیوں کو قتل کیا گیا ہے کیونکہ ان میں سے ایک کان عورت کا ہے جو چھوٹا ہے نازک ہے اور آویزے کے لیے اس کی لو چھدی ہوئی ہے دوسرا کان مرد کا ہے جو موٹا بھدا اور بدرنگ ہے اور وہ بھی چھدا ہوا ہے یہ دونوں آدمی اسوقت تک مر چکے ہیں، آج جمعہ ہے۔ جمعرات کی صبح کو پارسل روانہ کیا گیا اس لئے جرم منگل یا بدھ کو وقوع میں آیا ہوگا۔ اچھا

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ اگر یہ واقعہ قتل کا ہے تو کان کا بھیجنے والا کون ہوسکتا ہے وظاہر ہے کہ سوائے قاتل کے کوئی اور نہیں ہوسکتا لیکن مس کشنگ کے پاس بھیجنے کا کیا سبب ہوسکتا ہے۔ اگر اس سے اُسکو اس امر کی اطلاع دینا تھی کہ قتل کی کارروائی ہوگئی یا صرف اس کو تکلیف پہونچانا مقصود تھا، تو مس کشنگ کو اس شخص کا علم ہونا چاہیئے، لیکن غالباً اس کو علم نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ پولیس کو کیونکر اطلاع دیتی، انھیں دفن کرکے خاموش ہوجاتی اور اگر وہ کوئی دشمن ہوتا تو اُس کا نام بتاتی۔ بہرحال گتھی اسی جگہ آکر پڑتی ہے جس کے سلجھانے کے لیے مجھے مس کشنگ سے گفتگو کرنا ضروری ہے"

لسٹریڈ نے یہ سنکر کہا "میں تو جاتا ہوں کیونکہ اور ضروری کام ہیں آپ یہاں وہ دریافت کیجئے، اگر میری ضرورت ہو تو میں تھانہ میں ملونگا"

ہم لوگ جب اندر پہونچے تو مس کشنگ نے کہا کہ "مجھے یقین ہے کہ یہ پارسل غلطی سے میرے نام آیا کیونکہ دنیا میں کوئی شخص میرا دشمن نہیں ہے جو میرے ساتھ یہ سلوک کرے"

ہومز جو اس کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا بولا "میرا بھی خیال ہے اور غالباً....."

وہ اتنا کہکر رُک گیا اور میں یہ معلوم کرکے بہت متعجب ہوا کہ وہ اس عورت کے پاس نقشہ کی طرف نہایت غور سے دیکھ رہا تھا جب اس عورت نے اسکے دفعۃً خاموش ہوجانے کی وجہ سے اس کو دیکھا تو اس نے فوراً اپنی نگاہیں نیچی کرلیں اور بولا کہ "میں دو چار باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں"

— "میں تو سوالات سے گھبرا گئی ہوں، لیکن پوچھیے آپ جو کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں"

ہومز — "آپ کے دو بہنیں اور بھی ہیں یا تھیں"

—— "یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا"

—— "یہ تو میں نے پہلے ہی مرتبہ گھر میں داخل ہوتے ہی جان لیا تھا، کیونکہ وہاں جو تصویر آویزاں ہے اُس میں تین خاتونیں نظر آتی ہیں جن میں سے ایک آپ ہیں اور باقی دو کا بھی نقشہ آپ سے بہت مشابہ ہے اس لیے میں نے خیال کیا کہ وہ دونوں آپ کی بہنیں ہوں گی"

—— "بیشک یہ صحیح ہے۔ وہ دونوں میری بہنوں کی تصویریں ہیں ایک کا نام **سارہ** اور دوسری کا نام **میری** ہے۔

—— "اور یہ مجھ سے قریب ہی ایک اور تصویر آپ کی چھوٹی بہن کی ہے جو **لورپول** میں کھنچوائی گئی ہے اور جو آدمی اس کے ساتھ ہے وہ غالبًا بحری ملازم ہے۔ کیونکہ اس کے لباس سے ایسا معلوم ہوتا ہے اُس وقت تک آپ کی اس بہن کی شاید شادی نہ ہوئی تھی"

—— "آپ نہایت ذہین قیاس کے آدمی ہیں بیشک آپ کا یہ خیال صحیح ہے لیکن جب یہ تصویر لی گئی تھی اس کے چند دنوں بعد ہی اس کی شادی اس شخص سے ہوگئی جس کا نام مسٹر **براونر** ہے وہ اسوقت جنوبی امریکہ کی جہاز ران کمپنی میں ملازم تھا لیکن چونکہ وہ اپنی بیوی سے اسقدر مالوف تھا کہ اُسے چھوڑ نہ سکتا تھا اس لیے اُس نے **لندن** اور **لورپول** کے درمیان جہاز لیجانے والی کمپنی کی ملازمت کرلی"

—— "کیا جس جہاز میں وہ ملازم تھا اس کا نام **کانکر** تھا؟"

—— "نہیں آخری اطلاع یہ ہے کہ مے ڈے میں ملازم تھا۔ وہ میرے پاس صرف ایک مرتبہ آیا تھا۔ وہ شراب کا سخت عادی ہے اور نشہ میں آکر بہت لڑتا جھگڑتا ہے۔ اب کچھ عرصہ سے میری بہن **میری** نے جو اس کی بیوی ہے کوئی خط نہیں لکھا، اس لیے پتہ نہیں کہ کیا حال ہے"

اس سلسلہ میں مس **کشنگ** نے اپنے بہنوئی کے بہت سے حالات بیان کیے اور ان طالب علموں کا بھی ذکر کیا جو اس کے پاس آکر ٹھہرے تھے۔

ہومز نے اس کی گفتگو ختم ہونے کے بعد دریافت کیا "مجھے تعجب ہے کہ جب آپ کی دوسری بہن سارہ کی بھی شادی نہیں ہوئی تو وہ آپ کے پاس کیوں نہیں رہتی۔ ؟"

—— "آپ کو **سارہ** کی مزاجی حالت نہیں معلوم ہے۔ میں جب **کراڈن** آئی تو میں نے اُسے بلا کر رکھا۔ لیکن دو مہینے سے زیادہ نباہ نہ ہو سکا اب میں اپنی بہن کی خرابیوں کا حال آپ سے کیا بیان کروں۔ بہرحال یوں سمجھ لیجیے کہ وہ میرے ساتھ کسی طرح نہ رہ سکتی تھی"

ہومز "آپ نے دوران گفتگو میں یہ بھی بیان کیا تھا کہ۔ **سارہ** ایک مرتبہ اپنے بہنوئی سے بھی لڑ چکی ہے"

—— ہاں۔ یہ صحیح ہے۔ بہن اور بہنوئی سے اس کے تعلقات بہت اچھے تھے، وہ وہیں گئی اور رہی لیکن اب وہ بہت برائیاں بیان کرتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے وہاں بھی دخل درمعقولات کیا ہوگا اور براونر نے سخت سست کہدیا ہوگا"

ہومز۔ آپ کی بہن **سارہ** تو شاید نیو اسٹریٹ **والنگٹن** میں رہتی ہیں، جیسا کہ ابھی آپ نے بیان کیا ؟"

اچھا اب میں اجازت چاہتا ہوں۔ معاف فرمائیے آپ کو بہت تکلیف ہوئی"

باہر نکل کر ہومز نے ایک گاڑی کرایہ کی اور **والنگٹن** کا رُخ کیا لیکن راستہ میں جب تار گھر ملا تو اُس نے کہیں کو تار بھی دیا۔

جب گاڑی **سارہ** کے مکان پر پہونچی تو ہومز نے اُتر کر دستک دی اندر سے ایک نوجوان سیاہ ملبوس میں باہر آیا جس سے ہومز نے دریافت کیا "کیا مس **کشنگ** موجود ہیں ؟"

—— مس سارہ کشنگ سخت بیمار ہیں۔ کل سے بحرانی و ہذیانی کیفیت طاری ہے۔ چونکہ ڈاکٹر نے سخت ممانعت کر دی ہے کہ کوئی شخص ملنے نہ آئے اس لیے میں مجبور ہوں " یہ کہکر اس نے دروازہ دروازہ بند کیا اور اندر چلا گیا۔

ہومز نے کہا " مجبوری ہے کیا کیا جائے "

میں نے کہا کہ " تمھیں اس سے کچھ زیادہ پوچھنا بھی تو نہ تھا "

ہومز نے جواب دیا کہ " میں صرف اسے دیکھنا چاہتا تھا، بہرحال مجھے جو کچھ معلوم ہونا چاہیئے تھا وہ معلوم ہو چکا ہے " اور یہ کہکر اس نے گاڑی والے سے کہا کہ کسی اچھے ہوٹل میں لے چلے۔

ہوٹل پہونچکر کھانا کھایا اور آرام کرکے سہ پہر کو تھانہ پہونچے۔ جہاں لسٹریڈ انتظار کر رہا تھا۔ اس نے دیکھتے ہی کہا کہ " مسٹر ہومز یہ تمھارے نام کا تار ہے "

ہومز نے فوراً اسے کھولکر پڑھا اور بولا کہ " بالکل ٹھیک، میرا خیال صحیح نکلا "

لسٹریڈ نے تعجب سے پوچھا " کیا کچھ پتہ چلا "

ہومز —— " سارا پتہ چل گیا "

لسٹریڈ —— " تم مذاق تو نہیں کر رہے ہو؟ "

ہومز —— " اس سے زیادہ سنجیدہ تو میں کبھی ہوا ہی نہیں۔ میرا خیال صحیح نکلا کہ یہ نہایت سنگین جرم ہے اور اس کی ساری تفصیل میں نے معلوم کر لی "

لسٹریڈ —— " اور مجرم کہاں ہے؟ "

ہومز نے ایک کاغذ پر اس کا نام لکھ کر لسٹریڈ کو دیدیا اور بولا کہ۔ " یہ اسی کا نام ہے لیکن تم کل رات سے پہلے اس کی گرفتاری نہ کر سکوگے چونکہ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرا نام اس سلسلہ میں لیا جائے اس لیے اس کے اظہار کی ضرورت نہیں کہ میں نے پتہ چلایا "

اسی رات کو جب ہم مکان واپس پہونچے تو ہومز نے کہا کہ۔ " میں نے لسٹریڈ سے سارا حال کہہ کے بیچ کی کچھ کڑیاں دریافت کرنے کی ہدایت کر دی ہے " میں نے یہ سنکر کہا کہ ابھی معاملہ تکمیل کو نہیں پہونچا "

-- " نہیں، مکمل تو ہو گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ مجرم کون ہے لیکن ایک شخص ابھی تک بھاگا ہوا ہے اور صرف اسی کا پتہ چلانا رہ گیا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تمھارے نزدیک مجرم کون ہو سکتا ہے "

میں نے کہا کہ " غالباً تم نے براؤنر پر شبہ کیا ہوگا "

ہومز —— " شبہ کیسا، یقین۔ اچھا اب شروع سے تمام واقعات پر سلسلہ وار غور کرو۔ جس وقت ہم نے اس معاملہ کو ہاتھ میں لیا ہم بالکل خالی الذہن تھے اور ہم نے کوئی قیاس قائم نہ کیا تھا، ہمیں جو کچھ سمجھنا تھا موقع پر جاکر سمجھنا تھا۔ سب سے پہلے ہم نے وہاں جاکر ایک شریف خاتون کو دیکھا جو اس راز سے بالکل بے خبر معلوم ہوتی تھی اور وہیں ایک تصویر آویزاں دیکھی جس سے اس کی دو اور بہنوں کا ہونا پایا گیا، اس لیے اسی وقت یہ بات میرے ذہن میں گزری کہ ممکن ہے یہ بکس ان دونوں میں سے کسی کے پاس بھیجا گیا ہو اسکے بعد ہم نے باغ میں جاکر پارسل دیکھا۔ اس کا ڈورا اس قسم کا تھا جسے جہاز پر کام کرنے والے استعمال کرتے ہیں اور اس کی گرہ بھی ویسی ہی تھی جیسی ملاح لگاتے ہیں، پارسل ایک بندرگاہ سے روانہ کیا گیا تھا، اور بکس کے اندر مردکا جو کان نکلا تھا وہ بھی چھدا ہوا تھا جو عموماً ملاحوں کے ہاں رائج ہے۔ الغرض ان تمام باتوں سے مجھے یقین ہو گیا کہ اس ٹریجڈی کے تمام ایکٹر جہاز کی ملازمت سے وابستہ ہیں یا سمندر سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور رکھتے ہیں۔

پارسل پر پتہ۔ مس ایس کشنگ " (Miss S. Kashing)

تحریر تھا اور ہر چند بڑی بہن کا نام مس کشنگ ہونا چاہیے لیکن میں نے خیال کیا کہ ممکن ہے حرف ایس (S) کسی دوسری بہن کے نام کا بھی حرف ہو۔ اس لیے میں گھر میں داخل ہوا اس خیال سے کہ اس مسئلہ کو حل کرنا چاہیئے۔ تم کو یاد ہوگا کہ میں مس کشنگ سے یہ کہتے ہوئے کہ پارسل غلطی سے آپ کے نام آیا ہوگا، میں دفعتہً خاموش ہوگیا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مجھے اس وقت وہاں ایک ایسی چیز نظر آئی جس نے مجھے متعجب بنادیا اور ہماری جستجو کے حدود کو بھی محدود کردیا۔ ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے واٹسن تم اس حقیقت سے ضرور واقف ہوگے کہ جسم انسانی کا کوئی حصہ بقدر مختلف نہیں ہوتا جتنا کان۔ ہر شخص کا کان مخصوص وضع و ساخت کا ہوتا ہے اور کبھی دوسرے کے کان سے نہیں ملتا۔ اس لیے تم خیال کرسکتے ہو کہ میں کسقدر متعجب ہوا ہوں گا یہ دیکھ کر مس کشنگ کا کان بہت کچھ اس کان سے ملتا جلتا ہوا ہے جس بکس میں دیکھ کر ہم نے علم لگایا تھا کہ عورت کا کان ہے۔ فوراً میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ جس عورت کا کان کاٹا گیا ہے وہ یقیناً مس کشنگ کی عزیز ہے اور اسی لیے میں نے اس کے خاندانی حالات کی جستجو شروع کردی۔ اس جستجو کا جو نتیجہ ہوا تمھیں معلوم ہے اب غور کرو کہ اس کی ایک بہن کا نام سارہ ہے جو حال ہی میں مس کشنگ (اپنی بہن) کے مکان سے الگ ہوگئی ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ اگر پارسل اسی کے لیے آیا ہوگا تو اسی پتہ سے آیا ہوگا، کیونکہ بھیجنے والے کو (جو بروزنر تھا) سارہ کے مکان چھوڑ دینے کا حال معلوم نہ تھا اور باہم کشیدگی کی وجہ سے خط و کتابت مسدود تھی۔ اسی گفتگو کے دوران میں یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ ایک بحری ملازم بروزنر سے اس کی چھوٹی بہن میری کی شادی ہوگئی تھی جو اپنے عادات و خصائل کے لحاظ سے بہت غصہ ناک اور سخت مزاج ہے، اس لیے فوراً یہ خیال کیا کہ ممکن ہے کہ اس کی بیوی کسی اور آدمی کی طرف ملتفت ہوگئی ہو اور اس نے حسد کے جذبہ سے متاثر ہوکر نہ صرف اپنی بیوی بلکہ اُس کے دوست کو بھی مار ڈالا ہو اور ان دونوں کے کان کاٹ کر سارہ کے پاس بھیج دیئے ہوں جو اسکے علم میں اپنی بڑی بہن کے پاس آئی تھی، اب یہ سوال کہ سارہ کے پاس کیوں پارسل بھیجا سو اس کا سبب بھی ظاہر تھا کہ غالباً اس کی وساطت و سفارت سے میری کا تعلق کسی اور سے ہوا ہوگا اور اس بنا پر بروزنر نے اُسے نکالا ہوگا جب وہ اس کے پاس آئی تھی۔ پارسل کا اُس کے پاس بھیجنا گویا یہ ظاہر کرنا تھا کہ جو بیج فساد کا تم نے بویا تھا اُس کا نتیجہ بھی دیکھ لو ——— چونکہ جس کمپنی میں بروزنر ملازم ہے اس کے جہاز بلفاسٹ ڈبلن اور واٹر فورڈ جاتے ہیں اس لیے اگر بروزنر نے یہ جرم کیا ہوگا اور اُس کے بعد ہی جہاز پر چلا گیا ہوگا تو سب سے پہلے اُسے بلفاسٹ ہی ایسا مقام ملا ہوگا جہاں سے وہ پارسل روانہ کرسکتا۔ میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا ہے کہ ممکن ہے میری کے ناکام عاشق نے میری اور اُسکے شوہر کو مار ڈالا ہو اور مرد والا کان بروزنر کا ہو۔ اس لیے میں نے لورپول تار بھیجکر دریافت کیا کہ مسٹر بروزنر گھر پر ہیں یا نہیں اور مسٹر بروزنر، مے ڈے جہاز پر روانہ ہوگیا یا نہیں اس تار کے بھیجنے کے بعد ہم مس سارہ کے مکان گئے۔ میں مس سارہ کو اس لیے دیکھنا چاہتا تھا کہ دیکھوں اس کے کان کس قسم کے ہیں اور کچھ حالات بھی اس سے دریافت کرتا، وہاں پہونچکر اُس کی بیماری کا حال معلوم ہوا جس سے مجھے اور زیادہ اپنے خیال کی تصدیق ہوئی، کیونکہ اس پارسل کے آنے کا حال اسے ضرور شام تک معلوم ہوگیا ہوگا کیونکہ سارے قصبہ میں یہ خبر مشہور ہوگئی تھی اور وہ سمجھ گئی ہوگی کہ یہ پارسل حقیقتاً اُسی کے پاس بھیجا گیا تھا اور نیز یہ کہ وہ کان کس کس کے

ہو سکتے تھے۔ اس کے بعد تھانہ پر پہونچکر مجھے تار کا جواب ملا کہ مسز برونز تین دن سے غائب ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے عزیزوں سے ملنے کہیں گئی ہے اور مسٹر برونز سے ڈے جہاز پر روانہ ہو گیا ہے یہ جہاز کل رات کو ٹیمس میں پہونچے گا اور وہیں لسٹریڈ اسے گرفتار کرے گا۔"

اس کے دو دن بعد لسٹریڈ کا خط آیا جس کا مضمون یہ تھا۔

میرے عزیز دوست مسٹر ہومز۔

"آپ کی ہدایت کے مطابق کل شام کو ۶ بجے بندرگاہ پہونچکر سے ڈے جہاز پر گیا اور دریافت سے حال معلوم ہوا برونز نامی بیشک جہاز پر کام کرتا ہے لیکن راستہ میں اس نے ایسی بدحواسیاں کیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے، اس لیے کپتان نے اسے معزول کر دیا ہے۔ میں جب برونز کے کمرے میں پہونچا تو وہ پاگلوں کی طرح زانو پر سر رکھے مضطرب نظر آرہا تھا" میں نے اس کو گرفتاری کی اطلاع دی جسپر وہ پہلے تو بہت چراغ پا ہوا لیکن پولیس کی اور امداد آگئی تو خاموشی کے ساتھ اس نے اپنے آپ کو سپرد کر دیا۔ بعد کو جو بیان اس نے اپنا دیا ہے اسکی نقل روانہ کرتا ہوں۔"

نقل بیان مسٹر برونز

"تین بہنیں تھیں جن میں سے بڑی بہت شریف ہے۔ دوسری جسکا نام سارہ ہے، پوری شیطان ہے اور تیسری میری بیوی جسکا نام میری تھا بالکل فرشتہ خصلت تھی۔ سارہ کی عمر ۳۳ سال کی تھی اور میری کی ۲۹ سال کی جب میں نے شادی کی۔ ہماری زندگی نہایت لطف و مسرت کے ساتھ بسر ہو رہی تھی کہ شامت اعمال سارہ کو ایک ہفتہ کے لیے اپنے پاس بلایا، لیکن بعد کو وہ مستقلاً ہمارے ساتھ رہنے لگی۔ میں ہر ہفتہ کے اخیر میں ضرور گھر آجاتا تھا، اور اگر کبھی مال کے لادے جانے میں دیر ہو جاتی تھی تو مسلسل ہفتہ ہفتہ بھر گھر رہتا تھا۔ چند دنوں کے بعد میں نے محسوس کیا کہ سارہ اپنا زیادہ وقت میرے پاس بسر کرنا چاہتی ہے اور تنہا میرے ساتھ ٹہلنے کے لیے باہر جانے پر زیادہ زور دیتی ہے۔ لیکن اس کا سبب مجھے معلوم نہ تھا۔ ایک شام جب میں جہاز سے آیا تو میری بیوی گھر میں نہ تھی۔ میں نے سارہ سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ " وہ کسی دوکاندار کا حساب صاف کرنے گئی ہے" میں مضطرب تھا اور برابر ٹہل رہا تھا کہ سارہ نے کہا "کیا تم بغیر میری کے میرے ساتھ پانچ منٹ بھی اچھی طرح بسر نہیں کر سکتے؟" یہ کہکر اسنے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے جو نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ اس کی آنکھیں سرخ ہیں۔ میں اس کے جذبہ کو سمجھ گیا اور فوراً اپنا ہاتھ کھینچکر علیحدہ ہو گیا، وہ بھی خفیف ہو کر چلی گئی، لیکن اس دن سے وہ مجھ سے نفرت کرنے لگی۔ میں نے میری سے اس کا ذکر نہیں کیا اور پھر زندگی بدستور بسر ہونے لگی۔

اس کے چند دن بعد میں نے محسوس کیا کہ میری مجھ سے کچھ کھنچی ہوئی رہتی ہے اور سارہ سے بہت میل بڑھ گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شادی سے قبل میں سخت شراب کا عادی تھا لیکن شادی کے بعد میں توبہ کر چکا تھا۔ اب میری کی یہ حالت دیکھ کر اپنی تکلیف دور کرنے کے لیے پھر شراب پینے لگا۔

اس کے چند دن بعد ایک شخص فیربرن، سارہ سے ملنے کے لیے آنے لگا۔ یہ نہایت حسین، طرحدار اور دلچسپ انسان تھا۔ اس کی آمد و رفت بڑھتی رہی اور میری بیوی بھی اس کی معیت میں مسرور

نظر آنے لگی - ایک دن میں دفعتہً بیوی کے کمرے میں آیا تو میں نے محسوس کیا کہ پہلے وہ تو نہایت شوق سے بڑھی تھی لیکن میری صورت دیکھ کر پھر مضمحل ہو گئی - میں سمجھ گیا کہ قدموں کی آواز پر اس فیر برن کی آمد کا خیال قائم کیا تھا جس کا یہ انتظار کر رہی تھی لیکن جب بجائے اس کے میں نظر آیا تو منھ بچکا لیا۔

اب غصہ کا ضبط کرنا میرے امکان سے باہر تھا میں فوراً سارہ کے پاس گیا اور کہا کہ آیندہ سے فیر برن میرے مکان میں نہ آئے ورنہ اچھا نہ ہوگا - اُس نے کہا کہ اگر میرے احباب اس مکان میں نہیں آسکتے تو میں بھی یہاں نہیں رہ سکتی میں نے کہا کہ اس کا تمکو اختیار ہے۔ لیکن اب اگر یہ شخص کبھی میرے مکان میں آیا تو اس کے کان کاٹ کر تحفتہً تمھارے پاس بھیجدوں گا۔

اس واقعہ کے بعد سارہ میرے مکان سے اُٹھکر ایک اور مکان میں چلی گئی ، جہاں میری بیوی بھی چا پینے کے لیے جایا کرتی تھی ایک دن میں نے اس کا تعاقب کیا۔ اور جوں ہی میں اندر داخل ہوا وہ دیوار کود کر بھاگ گیا - میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم کبھی اس سے ملیں تو میں تمھیں مار ڈالوں گا - اور یہ کہکر میں اپنی بیوی کو گھسیٹ کر گھر لے آیا - یہ حقیقت ہے کہ اب یہ بھی مجھ سے نفرت کرتی تھی - اور محبت کی کوئی کیفیت باقی نہ تھی - اس کے بعد سارہ اپنی بہن کے پاس کراڈن چلی گئی -

گزشتہ ہفتہ کا واقعہ ہے کہ میں مے ڈے جہاز پر سات دن کے لیے روانہ ہوا لیکن کوہر کی شدت سے جہاز پھر ساحل کی طرف واپس کیا گیا اور میں گھر کی طرف چلا ، لیکن جوں ہی سڑک کی موڑ پر پہونچا میں نے دیکھا کہ ایک گاڑی میں فیر برن کے ساتھ میری بیوی ہنستی بولتی چلی جا رہی ہے - یہ دیکھ کر میری جو حالت ہوئی اس کا اندازہ مشکل ہے میں اُسوقت بالکل دیوانہ تھا -

میں اُس گاڑی کے پیچھے دوڑتا ہوا گیا یہاں تک کہ وہ ریلوے اسٹیشن پہونچ گئے ، میں بھی اُن کے ساتھ ساتھ تھا - لیکن اُن کی نگاہوں سے بچکر چل رہا تھا - انھوں نے براٹن کا ٹکٹ لیا ، میں نے بھی وہیں کا ٹکٹ لیا اور اسی ریل میں سوار ہو گیا - براٹن پہونچکر وہ برینڈ کی طرف چلے اور میں بھی ساتھ ساتھ رہا - یہاں پہونچکر انھوں نے ایک کشتی لی - اور اس میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے -

میں نے بھی ایک کشتی لی اور ان کے پیچھے چلا - چونکہ کوہر زیادہ تھا اس لیے وہ مجھے دیکھ نہ سکتے تھے - میں نے جلدی جلدی کوشش کر کے فاصلہ کو کم کیا اور آخر کار اپنے آپ کو اُن کی کشتی کے برابر پہونچا دیا

جسوقت اُنھوں نے مجھے اپنے قریب دیکھا تو حیرت سے ان پر سکتہ ساطاری ہو گیا اور میں نے اُسی وقت اس زور سے فیر برن کے سر پر لکڑی ماری کہ اسکا سر پھٹ گیا میں یقیناً میری کو ہلاک نہ کرتا اگر وہ فیر برن سے لپٹ کر اسکا ماتم نہ شروع کر دیتی - میں نے اسے بھی اُسی جگہ ٹھنڈا کیا اور پھر ان دونوں کے کان کاٹ لیے کہ تحفتہً سارہ کے پاس بھیجوں گا تاکہ وہ اپنے پیدا کیے ہوئے فساد کے نیتجہ سے آگاہ ہو جائے۔

اسکے بعد ان کی کشتی کو توڑ کر ایک تختہ سے دونوں لاشیں باندھ دیں اور سمندر میں ڈبو دیا میں نے لوٹ کر جہاز میں دونوں کان ایک پارسل میں بند کیے اور بلفاسٹ سے وہ پارسل سارہ کشنگ کے نام کراڈن کے پتہ سے روانہ کر دیا۔

یہ میرا سارا قصہ - اب تمھیں اختیار ہے مجھے پھانسی پر چڑھاؤ یا جو چاہو کرو ـــ

اودھ

ورود شہزادہ مرزا جہانگیر

(از جناب اسرار حسین خان صاحب طباطبائی)

محمد اکبر شاہ بادشاہ دلی اپنے شہزادہ مرزا جہانگیر پر جان نثار کرتے تھے لیکن شہزادہ کی صحبت بگڑ چکی تھی اور ایسی حرکتیں سرزد ہوتی تھیں کہ منزلت شاہی کے تیوروں پر بل پڑ جاتے تھے۔ یہانتک نوبت پہنچی کہ رزیڈنٹ سیٹن صاحب جو دربار شاہی میں ہر صبح حاضر ہوتے تھے۔ اُن کی نسبت بھی حرف ہائے نامعقول کہنے لگے اور شہزادہ کے ملازمین صاحب بہادر کو دیکھکر کہا کرتے تھے کہ لُو لُو ہے لُو لُو ہے' رزیڈنٹ صاحب نے تنگ ہوکر بادشاہ سے عرض کیا کہ صاحب عالم سے خلاف منزلت شاہی حرکتیں سرزد ہوتی ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی دن کوئی کوئی ایسا امر پیش آجائے کہ اہانت کا باعث ہو اور اُس کی اصلاح ناممکن ہو جائے۔ میری رائے میں اگر شہزادہ بہادر چندے بطریق سیر و تفریح عملداری مملکت شرقیہ میں رہیں تو ممکن ہے کہ اصلاح ہو جاے۔ بادشاہ نے شہزادہ کو سمجھایا لیکن لاڈلا بیٹا کب سنتا تھا۔ ایک دن شہزادہ عالم نقارخانہ پر کھڑے تھے تپنچہ ہاتھ میں تھا۔ مسٹر سٹین وہاں سے باہر نکلے۔ شہزادہ جہانگیر نے اُن پر تپنچہ خالی کر دیا لیکن قضا نہ تھی گولی ٹوپی کے کناروں کو بوسہ دیتی ہوئی نکل گئی۔ مسٹر سٹین وہیں ٹھہر گئے اور توپ منگوا کر نقارخانہ کے دروازے سے دیوان عام تک توپیں سر کرتے ہوئے چلے گئے۔ بادشاہ نے سب کو حکم دیا کہ خبردار ہر شخص مثل تصویر اپنے مقام پر رہے جس طرح رزیڈنٹ آتے ہیں آنے دو۔ اس عرصہ میں شہزادہ والا تبار کشتی پر سوار ہو کر دریاے جمنا کے پار پہونچے اور بادشاہ سلامت کے پاس پناہ گزین ہوئے۔ اتنے میں رزیڈنٹ صاحب بھی پہونچ گئے۔ اور بادشاہ سے عرض کیا کہ صاحب عالم بہادر کو ہمارے سپرد فرمائے۔ بادشاہ نے شہزادہ کا ہاتھ صاحب کے ہاتھ میں دیا اور کہا تعلیم و تربیت کے لئے تمہارے حوالہ کیا۔ مسٹر سٹین اُن کو اپنے ساتھ قلعہ سے باہر لائے۔ دو چار روز میں ضروری سامان شاہی لیس ہوا۔ ایک ہزار آدمی کی جمعیت کا لشکر درست ہوا اور روانہ عملداری سرکار ہوئے۔ کہ یکایک شہزادہ کے ذہن میں آیا کہ پہلے لکھنؤ میں وزیر اعظم کے پاس چلیئے۔ اور وہاں کا عیش و نشاط جو مشہور آفاق ہے، دیکھئے اس بات کو اہل صحبت بھی غنیمت سمجھے۔ غرض یہ کہ لکھنؤ پر سب ہی زہر کھائے ہوئے تھے حضرت بادشاہ سلامت نے چلتے وقت کہلا بھیجا کہ اگر لکھنؤ جانے کا اتفاق ہو تو وزیر اعظم کا بہت پاس خاطر کرنا اس واسطے کہ ہمیشہ سے انکو قرب شہنشاہی حاصل رہا ہے۔ جب نواب مرزا سعادت علی خان بہادر نے شہزادہ بہادر کی آمد لکھنؤ میں سنی تو بہت محظوظ ہوئے۔ اور فرید عزت و تفاخر سمجھ کر بڑی دہوم دھام جلوس سواری سے رزیڈنٹ کرنیل بیلی۔ شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ بہادر شہزادہ مرزا سکندر شکوہ بہادر سمیت شہر کے ناکے تک استقبال کو گئے۔ شہزادہ چوک کی بڑی آراستگی ہوئی۔ تماشائیوں سے کوچہ و بازار اور کوٹھے بھر گئے شہزادہ بہادر انگریزی پوشاک میں تھے۔ ولایتی زیب کمر تھی۔ سر مبارک پہ سیاہ لمبی ترکمانی ٹوپی تھی۔ نواب یمین الدولہ مرزا سعادت علی خان بہادر

شہزادہ کو آداب بجالائے اور ایک سو ایک اشرفی نذر گزرانی۔ بعد اسکے عرض کی کہ آج پھر حضور کی بدولت ایک عمر کے بعد منصب آبائی قدیم خواصی نشینی حاصل ہوئی۔ شہزادہ نے نواب یمین الدولہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں حوضے پر جانب چپ بٹھالیا، گویا بُرج سعادت میں قران السعدین ظاہر ہوا۔ پیچوان کا بڑا پیندا فیلبان ہاتھی کے ماتھے پر رکھے تھا، اور اُسکا پیچ شہزادہ کے ہاتھ میں تھا۔ غرض سواری روانہ ہوئی۔ نواب صاحب شہزادہ پر سے زر و سیم نثار کرتے ہوئے داخل شہر ہوئے۔ خاص و عام میں بھی جلوہ افروزی ہوئی۔ ہر جانب ہجوم عام دیکھتے ہوئے داخل کوٹھی فرحت بخش ہوئے۔ سلامی کی توپیں سر ہوئیں۔ یہاں صاحب عالم بہادر نے چاے پانی کیا۔ بعد اسکے یمین الدولہ بہادر نے کشتیاں نذر کی گزرانیں۔ یہ تحائف قبول فرمانے کے بعد شہزادہ عالم چوکڑی پر سوار ہو کر پسند باغ میں رونق افروز ہوئے۔ سعادت علی خان بہادر نے دو سو روپیہ یومیہ کا خاصۂ طعام مقرر کیا اور شیخ امام بخش کو وکالت پر اور الماس علی خان کو مہتمم بجاآوری خدمت پر مقرر فرمایا۔ دوسرے دن جناب عالی نواب سعادت علی خان رزیڈنٹ کرنیل بیلی۔ مرشدزادے اور امرا شہزادہ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ چار پانی کے بعد سب نے علی قدر مراتب شہزادہ کو نذریں گزرانیں جب نواب صاحب کو خلعت ملنے کا وقت آیا تو شیخ امام بخش نے ازراہ طعن مرزا جعفر سے کہا کہ وزیر اعظم بہادر کو تو حسب معمول خلعت ملا ہوگا اپنے رزیڈنٹ بہادر کے لئے کون سا خلعت تجویز کیا ہے۔ مرزا جعفر صاحب رزیڈنٹ پر جان دیتے تھے، یہ بات سُنی، تو اُن پر سناٹا سا گزر گیا۔ بہرکیف شہزادہ کی جانب سے نواب صاحب کو خلعت پارچہ عطا ہونے لگا۔ ہر پارچہ پر جناب عالی مجراگاہ پر جاکر آداب بجالاتے۔ اور نذر دیتے تھے۔ اُس وقت تک یہ مرتبہ خاندان تیموریہ کا تھا۔ اِس سرکار سے نواب گورنر جنرل بہادر اور رزیڈنٹ صاحب کو بھی خطاب عطا ہوتا تھا۔ الغرض جب رزیڈنٹ کے خلعت دینے کی نوبت آئی تو شہزادہ نے صرف دو شالہ اور رومال کا حکم دیا۔ گوکہ نواب صاحب نے شہزادہ سے عرض کیا کہ حضور پانچ پارچہ کا خلعت عنایت فرمائیے۔ رزیڈنٹ بیلی صاحب نے بھی چاہا کہ میں بھی مثل وزیر اعظم ہر پارچہ خلعت پر نذر دیکر مجراگاہ پر جاکر آداب بجالاؤں کہ خواص شاہی نے کہا کہ یہ رتبہ وزیر اعظم کے لئے مخصوص ہے۔ یہ سنتے ہی رزیڈنٹ بہادر کو غضبناک انفعال ہوا، اور اپنے آج کے آنے پر بہت شرمندہ ہوئے۔ القصہ نواب صاحب ہر روز قسم قسم کے ہدایہ و تحائف بطیب خاطر شہزادہ کی خدمت میں بھیجتے تھے اور ہمہ تن مصروف خدمت تھے اور بدل منظور تھا کہ شہزادۂ والاتبار کی ہر طرح سے ایسی خدمت کیجئے کہ بادشاہ سلامت کی خوشنودی کا باعث ہو۔ خود حضرت بادشاہ سلامت دلی سے شہزادہ مرزا جہانگیر بہادر کو متواتر رقعے تحریر فرماتے تھے کہ خبردار کوئی امر خلاف وزیر نہ کرنا۔ مگر یہ حضرت کب مانتے تھے۔ غرض ایسی زبون اور ناشایستہ حرکتیں شہزادۂ عالی گہر نے کرنا شروع کیں کہ نواب صاحب دست تاسف ملنے لگے اور مجبوری درجہ رزیڈنٹ سے کہلا بھیجا کہ شہزادہ کے اطوار یہاں شاہ جہان آباد سے بھی زیادہ زبون ہیں۔ اور ہم پاس ادب شاہی سے مجبور ہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی امر ایسا وقوع میں آئے کہ بادشاہ جمجاہ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔ مناسب یہ ہے کہ اب صاحب عالم بہادر قلمرو سرکار کمپنی میں سیر و سیاحت کریں۔ رزیڈنٹ بیلی پہلے ہی سے خار کھائے ہوئے تھے۔ حکم قطعی بھیجا۔ اُسی شب کو شہزادہ سوار ہو کر الہ آباد پہونچے اور رونق بخش خسرو باغ ہوئے۔ یہاں کوئی خیر

بھی نہ ہوا۔ صرف پانچ ہزار روپیہ ماہواری گورنمنٹ سے خرچ کو ملتے تھے
ایک مرتبہ رزیڈنٹ کی رضامندی سے دلی گئے۔ لیکن پھر الہ آباد واپس
آگئے۔ دائم الخمر رہتے تھے۔ آخر اس بیخودی میں ایک دن ہنستے
ہنستے چل بسے۔ مرتے مرتے اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔ جنازہ
دلی روانہ ہوا۔ وہاں جلوس شاہی میت کے ساتھ ہوا۔ شہنا نوازوں
نے اپنے مزامیر میں یہ شعر شروع کیا ؎

سرو سیمنیا بصحرا می روی — نیک بد عہدی کہ بے ما میروی

اس پر سب روتے جاتے تھے تین دن تاج الدین نے کچھ نہ کھایا
حجرۂ خلوت سے باہر نہ نکلے۔ آخر رزیڈنٹ نے بہت سمجھایا اور کلمات
صبر عرض کئے۔ بادشاہ نے دربار فرمایا۔

تازہ افکار

جناب بابو سوہن لال سریواستو صاحب ایم اے بی ایس سی شیفتہ ڈپٹی کلکٹر بجنور

یہ کیا ہے کہ دھوکا ہی دھوکا نظر آتا ہے — ہر سمت حقیقت پر پردا نظر آتا ہے
اے پردہ نشین تیرا جلوا نظر آتا ہے — خورشید نہیں نکلا تڑکا نظر آتا ہے
اس عالم امکان کا ہر ذرۂ رقصندہ — بیتاب محبت کا پتلا نظر آتا ہے
فطرت کے مظاہر پر یہ کہہ کے نظر ڈالو — اچھا ہے یہ جو کچھ بھی اچھا نظر آتا ہے
ہنگامۂ ہستی میں غم اس لئے افضل ہے — جو نقش نہو دل پر چھوٹا نظر آتا ہے
ہم صبح سے پہلے ہی سامان سفر کرلیں — ایسا بھی اندھیرے کا رستا نظر آتا ہے
ہے قرب میں بھی مضمر اک صورت مہجوری — آنکھوں کو کب آنکھوں کا سرما نظر آتا ہے
چل صومعہ سے باہر اے شیفتہ میں کھلا دوں — دو چار قدم بڑھ کر صحرا نظر آتا ہے

جناب پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب شوق۔ از جبلپور

جب گرد قمر شب کو ہالا نظر آتا ہے — آغوش تمنا کا نقشا نظر آتا ہے
وہ کہتے ہیں جب مدفن میرا نظر آتا ہے — تصویر نہیں لیکن خاکا نظر آتا ہے
مجھ سے تو حجاب اتنا لیکن دم آرائش — آئینہ سے تو پوچھو کیا کیا نظر آتا ہے
ہیں جام و سبو لنڈھکے ٹوٹے پڑے ہیں شیشے — اے ساقی میخانہ یہ کیا نظر آتا ہے
سلجھا نہیں سکتے تم اے چارہ گرو دیکھو — تار نفس آخر۔ الجھا نظر آتا ہے
ہر بت میں ترا جلوہ ہر گل میں ترا نقشہ — ان آنکھوں کے کھلتے ہی کیا کیا نظر آتا ہے
پھر ٹیس ہوا داغوں میں پھر دل کی ہو شدت — رنگ دل زخمی پھر بدلا نظر آتا ہے
بے بود نمودیں ہیں اے شوق یہ دنیا کی — جو کچھ نظر آتا ہے دھوکا نظر آتا ہے

(مطبوعہ نگارشین پریس لکھنؤ - (باہتمام وصل بلگرامی)

مرتبہ

وصل بلگرامی

مرقع کے قواعد وضوابط

۱- مرقع حتی الامکان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ [illegible] کریگا
۲- مرقع کی قیمت عام خریدارون کے لیے پانچ روپیہ سالانہ [illegible] مقرر ہے جو پیشگی وصول ہونا چاہیئے -
۳- مرقع کا نمونہ بغیر ۴ر نقد وصول ہوئے روانہ نہین ہو سکتا -
۴- مرقع کی قیمت رؤسا و دیگر معزز اصحاب و ادارون کے جذبہ سے اُن کی ہمت افزائی پر منحصر ہے -
۵- جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ کا آنا لازمی ہے -
۶- خط وکتابت کے سلسلے مین خریداری کا نمبر لکھنا ضروری ہے
۷- رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۲۵ تاریخ تک آ جانا چاہیئے
۸- کوئی مضمون ایسا شایع نہ ہوگا جو مخرب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کرے
۹- تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظم ونثر درج ہونگے جو اپنی خوبیون کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ سے نہایت خوشگوار ہونگے -
۱۰- مرقع کو موجودہ پالیٹکس یا مذہبی مباحث سے کوئی سروکار نہ ہوگا
۱۱- تنقیدی مضامین بھی اسمین شایع ہونگے مگر جو خلوص پر مبنی ہونگے - باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی رنج کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا -
۱۲- ایسے مضامین جنمین کسی شخص پر چوٹ کیگئی ہو یا اسمین ایسے الفاظ ہون جن سے دوسرے کو رنج کا شائبہ بھی پیدا ہو ہرگز شایع نہ ہونگے
۱۳- جس نظم ونثر کے مضمون مین زبان لغت یا فن کی غلطیان ہونگی اسوقت تک شایع نہ ہوگا جب تک اسکی مناسب ترمیم یا اطلاع پانے پر خود صاحب مضمون نہ کر دین -
۱۴- مرقع کا مسلک صلح کل ہے وہ انشاء اللہ کبھی دل آزار یا متعصب ثابت نہ ہوگا -
۱۵- "مرقع" کو ذاتیات سے کبھی تعلق نہ ہوگا - وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جماعت ہون یا اہل خیال اتفاق واتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریگا اور انشاء اللہ وہ ہمیشہ اسمین ثابت قدم رہیگا -

مدیر "مرقع" لکھنؤ

مرقع مین اشتہارات چھپنے کے وقت

(ذیل کا نرخنامہ ملاحظہ فرمالیجیے)

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
ایک سال کے لیے	سے	صہ	عـہ
چھ ماہ کے لیے	صہ	عـہ	عـہ
تین ماہ کے لیے	عـہ	صـہ	ـہ ر
ایک ماہ کے لیے	ـہ	صر	ـہ ر

ضروری نوٹ

ٹائیٹل پیج کے صفحہ ۲ و ۳ و ۴ کی اجرت کا نرخ اسکے علاوہ ہے جو خط وکتابت سے طے ہو سکتا ہے - اجرت کا پیشگی آنا ضروری ہے

منیجر "مرقع" لکھنؤ

ڈاکٹر سید [illegible] ایم - ایس [illegible] لکھنؤ

فہرست مضامین

قیمت سالانہ مع محصولڈاک
پانچ روپیہ صہ/

اپریل ۱۹۲۷ء

نمونے کا پرچہ
آٹھ آنے ۸/

مشاعرہ نمائش مین پوری

نمائش مین پوری میں جہاں صنعت و حرفت کی نمائش ہوتی ہے وہاں مشاعرہ کا انعقاد بھی فائدہ اور دلچسپی سے خالی نہیں۔ جناب خان بہادر مولوی زین الدین صاحب بہادر کلکٹر مین پوری کی ذات ستودہ صفات اُن فیوض و برکات کی حامل ہے جن سے ہر قوم ہر گروہ، ہر مذہب و ملت اور ہر صنف و شعبہ کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ آپ جس جس مقام پر رہے نہایت ممدوح رہے اور ضلع مین پوری کی خوش قسمتی ہے کہ آپ کا سا جمیع الصفات حاکم اسکا حکمران ہوا۔

دو سال سے مجھے بھی اس مشاعرہ کی شرکت کی دعوت دی جاتی تھی لیکن گزشتہ سال اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے نہ جا سکا اس سال اپنے محترم شفیق جناب جگر مرادآبادی کے اصرار اور مکرمی جناب شیخ اصغر حسین مختار مین پوری کی کوشش سے حاضر ہونا پڑا۔

جناب اصغر سراپا خلق و اخلاق اور سراپا لطف و عنایات ہیں اور مشاعرے کی کامیابی اور خاص کامیابی کا باعث خصوصیت کے ساتھ آپکی ذات اور جناب بابو بہاری چرن صاحب صادق وکیل و سکریٹری مشاعرہ نمائش مین پوری کا انہماک اور مساعی جمیلہ ہیں۔ آپ نے مہمانان مشاعرہ کا استقبال ان کی مہمانداری اُنکی خاطر تواضع جس شان جس لطف جس محبت اور جس ایثار و انبساط سے کی وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ جناب جگر مرادآبادی کچھ عرصے سے مین پوری میں قیام پذیر ہیں اور یہ آپ ہی کی توجہ کا اثر ہے کہ مین پوری میں مشاعرے کو ایسی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی جو دوسرے مشاعروں کو مشکل سے نصیب ہو سکتی ہے۔ مشاعرے کے لئے دو طرحیں تجویز کی گئی تھیں۔ مشاعرہ ۲۰ مارچ کو ۱ بجے دن کے وقت بہ صدارت جناب مرزا جعفر علیخان صاحب اثر لکھنوی بی اے ڈپٹی کلکٹر اناؤ شروع ہوا اور ایک طرح میں غزلیں مغرب سے پہلے ختم ہو گئیں۔

دوسری طرح میں مشاعرہ ۱۰ بجے رات سے شروع ہو کر ۴ بجے سے پہلے ختم ہوا۔ دونوں طرحوں میں مشاعرہ نہایت کامیاب رہا۔ باہر سے حضرت احسن مارہروی جناب بابو جگت موہن لال صاحب رواں ایم اے ال ال بی وکیل اناؤ جناب اثر لکھنوی۔ جناب فانی بدایونی جناب قمر بدایونی۔ جناب عاشق بدایونی۔ جناب دور کانپوری۔ جناب ناطق لکھنوی۔ جناب ذرہ کانپوری اور دو صاحب دہلی سے تشریف لائے تھے۔ جناب نوح ناروی کے ایک شاگرد اور شکوہ آباد سے بھی ایک صاحب شریک مشاعرہ ہوئے تھے لکھنؤ سے ختم مشاعرہ پر ایک صاحبزادے نے غزل پڑھی تھی۔

ہر شخص کی غزل میں دو چار شعر ایسے ضرور تھے جنکو سنکر بیساختہ واہ نکل جاتی تھی۔ خصوصیت سے جناب احسن مارہروی، جناب اثر، جناب رواں جناب فانی۔ جناب قمر اور ہر دو اصحاب دہلی قابل ذکر ہیں جنکا ہر شعر لائق تحسین و آفرین تھا۔ جناب ناطق لکھنوی کی ادائے خاص نے دھوم مچا دی تھی۔ اور ہر باہر سے آنے والے شخص کے شعر کی داد خصوصیت سے دی جاتی تھی۔ مقامی شعرا میں جناب مولوی عبد الوحید صاحب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جنکے باعث مین پوری میں شاعری کو بہت کچھ ترقی ہوئی اور جنکے فیض سے چمنستان شاعری کے بہت سے نونہال اچھی طرح پھولے پھلے۔ ضعف بصر کی وجہ سے اب آپ زیادہ محنت اور فکر سے معذور ہیں لیکن پھر بھی جو غزل مشاعرے میں آپکی پڑھی گئی وہ آپکی قادر الکلامی کا بین ثبوت تھی۔ جناب اصغر اور جناب مختار وکیل مین پوری کی غزلوں نے مشاعرے میں خاص طور سے خراج تحسین حاصل کیا اور چند اصحاب کی غزلیں بھی قابل تعریف تھیں۔ آخر میں ہم جناب جگر مرادآبادی کا ذکر خیر کرتے ہوئے اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ جن کے کلام نے سامعین کے دلوں کو مسحور کر لیا تھا۔ شاعری میں ایک وجدانی کیفیت پیدا کر دی آپکے طرز ادا نے اور بھی وارفتہ کر دیا اور آپ کے حقائق و معارف نے قلوب پر عجیب اثر کیا آپ کے طرز ادا کی تقلید اکثر آدمیوں میں پائی گئی اور مین پوری میں آپ کے تھوڑے عرصے کے قیام نے تمام مین پوری کو آپکا گرویدہ بنا دیا اور آپ کے فیض کا جلوہ کسی طرح چھپانے سے نہ چھپ سکا۔ آخر میں ہم جناب اصغر۔ جناب صادق سکریٹری مشاعرہ اور بالخصوص جناب خان بہادر مولوی زین الدین صاحب کلکٹر مین پوری کو مبارکباد دیتے ہیں جنکی کوشش جنکی توجہ اور جنکے اثر کی وجہ سے مشاعرہ کو ہر طرح کامیابی ہوئی۔

جناب اصغر جناب جگر کے ہم ذاتی طور پر شکر گزار ہیں جنکی وجہ سے مرقع کی اشاعت میں خاص طور سے مدد ملی اور انھیں دونوں حضرات کی سعی بلیغ کی وجہ سے مین پوری میں مرقع کو کامیابی ہوئی۔ جناب مولوی فرید الدین احمد صاحب سب جج اور جناب سید علی رضا صاحب ڈپٹی کلکٹر مین پوری جناب صادق سکریٹری مشاعرہ اور جناب مردان علی صاحب سکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممنون منت ہوں جنھوں نے مرقع کی پذیرائی فرمائی اور جناب بابو جوالا پرشاد صاحب ڈپٹی کلکٹر کا کسی طرح شکریہ ادا نہیں کر سکتا جنھوں نے اُس اخلاق کریمانہ اور ہمدردی خاص کا اظہار فرمایا جسکی وہ آپ اپنی نظیر ہیں۔ انشاء اللہ ہم آئندہ کسی اشاعت میں مشاعرے کی چند مخصوص غزلوں کا انتخاب اپنے ناظرین کی دلچسپی کے لئے پیش کریں گے۔ (رئیس بلگرامی)

سامانِ وفا

از جناب ڈاکٹر سید محمد یامین صاحب ہاشمی ایم اے ال ال بی وکیل غازیپور

زندگی ہے اضطراب موجِ طوفانِ وفا

ہاشمی میں کیا بتاؤں رازِ وجدانِ وفا — بیوفائی باعث تحریک ہیجانِ وفا
موت سے بھی عہد کرکے اب نتیجہ دیکھ لوں — زندگی نے توڑ ڈالا آج پیمانِ وفا
قدر افزاے محبت ہے تقابل ظلم کا — جور ہے تو اور بھی بڑھ جائیگی شانِ وفا
موت ہے میرے لئے گویا سکونِ جذبِ عشق — زندگی ہے اضطرابِ موج طوفانِ وفا
کیا نہیں معلوم تجھکو امتیازِ جبر و شوق — ہمنشیں! اد لپر عبث تیرا ہے بہتانِ وفا

جورِ حسنِ بے مروت باعث تحقیق عشق
ہاشمی ہے بے مہریِ دل وجہہِ عرفانِ وفا

(افسانہ)

(از جناب مجنوں گورکھپوری)

میں جو واقعات بیان کرنا چاہتا ہوں وہ الہ آباد کی اُس عمارت سے متعلق ہیں جو لب جمنا واقع ہے اور احسان منزل کے نام سے مشہور ہے واقعات ایسے ہیں جو آسانی سے سب کی سمجھ میں نہیں آ سکتے اور میں سمجھانے کی فضول کوشش بھی نہیں کروں گا۔ کیونکہ دنیا میں بہتیری باتیں ایسی ہوتی ہیں جنکی توجیہ ناممکن ہوا کرتی ہے اس کے علاوہ ہر موقع پر نظریۂ تعلیل کے رو سے بحث کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کی نگاہ سطحی ہے اور وہ صغریٰ اور کبریٰ کی بندشوں سے آزاد ہونا نہیں چاہتا ہے۔ اور جو لوگ ہر بات کی تاویل کرنے لگتے ہیں اُن کو میں کم نظر اور تنگ خیال سمجھتا ہوں۔

سب سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ میرے دماغ میں کوئی فتور نہیں ہے اور نہیں واہمہ پرست ہوں جیسا کہ اکثر ناظرین کو شبہ پیدا ہو جائیگا میں نفسیات کا ماہر سمجھا جاتا ہوں۔ میں نے قوائے انسانی اور اُن کے افعال کا پورا مطالعہ کیا ہے۔ میں فلسفہ اور سائنس کی تکمیل کر چکا ہوں ہی نہیں بلکہ سیکڑوں ان علوم میں سبق دے چکا ہوں یعنی مدتوں سے پروفیسری کر رہا ہوں۔ البتہ میں کبھی صرف علمی اصطلاحوں میں نہیں اُلجھا بلکہ اُن سے صحیح طور پر فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی میں جانتا ہوں کہ انسان کا علم محدود ہونے کے علاوہ اضافی اور اعتباری ہے حقیقت عقل کے ذریعے معلوم نہیں کیجا سکتی ہے صرف دل کے توسط سے محسوس کی جا سکتی ہے لہذا اگر میں اپنے متعلق یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ ؎

من ز قرآں برگزیدم مغز را   استخواں پیش سگاں انداختم

میں نے احسان منزل اس لیے کرایہ پر لی تھی کہ یہ عمارت ایسی جگہ تھی جہاں انسان بلا کسی کی مداخلت کے سکون کے ساتھ جو چاہے کر سکتا اور میں ایسی ہی پر سکون جگہ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا کیونکہ مجھے ڈاکٹری کی ڈگری لینے کے لیے اپنی کتاب تیار کرنی تھی

مرزا احسان علی صاحب جنکا یہ مکان تھا الہ آباد کے ایک سربرآوردہ رئیس اور ممتاز وکیل تھے وہ قرب و جوار میں آزاد خیال مشہور تھے اُنکی آزاد خیالی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُنھوں نے اپنی اکلوتی لڑکی کو اُردو فارسی اور عربی کے علاوہ انٹرنس تک انگریزی کی بھی تعلیم دلوائی تھی الہ آباد میں گھر گھر اسی کا چرچا تھا۔ لڑکی کی شادی ہو گئی تھی۔ لیکن قدرت کا کارخانہ ہی نرالا ہوتا ہے۔

شادی کو پانچ برس بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ بیچاری نہ جانے کس مرض میں مبتلا ہو کر دنیا سے چل بسی۔ والدین کے لیے یہ دھکا ایسا نہ تھا جس کی وہ تاب لا سکتے اُن کی دُنیا تاریک ہو گئی احسان منزل

جو واقعی فردوس کا ایک نمونہ تھی اُن کے لیے دوزخ ہوگئی - انسان سکون حاصل کرنے کے لیے نئی نئی تدبیریں سوچتا ہے چنانچہ احسان علی صاحب مع اپنی بیوی کے حج کو چلے گئے - جس کا اس سے پیشتر اُن کو کبھی خیال بھی نہ گزرا ہوگا -

احسان منزل یوں تو ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار سے کم کی عمارت نہ تھی لیکن احسان علی صاحب کی تاکید تھی کہ اُس کے پچاس روپیہ کرایہ لیے جائیں اور وہ بھی یتیموں میں تقسیم کردیے جائیں - مکان نہایت وسیع اور شاندار تھا اُس کے چار کمروں میں احسان علی صاحب کے سارے سامان مقفل تھے اُس پر بھی مکان میں اتنی گنجائش تھی کہ ایک پورا خاندان آرام سے رہ سکتا تھا -

احسان منزل میں مجھے آئے ہوئے پانچ چھ روز ہوگئے تھے اس دوران میں میں نے اپنے وقت کا بیشتر حصہ ایک ہی کمرے میں صرف کیا بلکہ یوں کہیے کہ ابھی تک دوسرے کمروں کی وضع و قطع پر غور کرنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی - ایک دن کا ذکر ہے کہ شام کو کالج سے واپس آیا میرے ساتھ دو تین احباب بھی تھے میں نے خدمتگار سے کہا کہ آج چائے دوسرے کمرے میں پی جائیگی - یہ کمرہ اس کمرے کی پشت پر تھا جس میں میں رہا کرتا تھا -

خدمتگار نے چائے لاکر میز پر لگادی اور ہم لوگ چائے کے ساتھ ساتھ فلسفے کے چند اہم مسائل بھی حل کرنے لگے - یکایک میرے ایک دوست نے ایک گوشے کی طرف اشارہ کرکے پوچھا "یہ کس کی تصویر ہے" میری نگاہیں بھی اُٹھ گئیں دیکھا تو ایک بیس برس کی عورت وقار نسائیت کا مجسمہ بنی ہوئی بیٹھی ہے - اُس کی آنکھوں میں ایک مسحور کرنے والی متانت تھی اُس کے تیور بتلا رہے تھے کہ یہ عورت دنیا میں صرف ملنے اور ستانے آئی تھی - ابتک حُسن کے مفہوم سے میں نا آشنا تھا میں کسی عورت کی سحر آفرینیوں سے معلوم نہیں ہوا تھا لیکن اس تصویر میں نہ جانے کون سی قوت تھی کہ اپنے احباب کے چلے جانے کے بعد گھنٹوں میں اُسکو دیکھتا رہا اور وہاں سے کسی طرح ہٹنے کو جی نہیں چاہتا تھا - میں سمجھ گیا کہ یہ احسان علی صاحب کی لڑکی کی تصویر ہے جس کی جُدائی کے صدمے نے اُن کو ترک وطن پر مجبور کیا

دوسرے دن میں آٹھ بجے رات تک باہر رہا - موسم سرما کا آغاز تھا - چاندنی رات تھی لیکن اتنے وقت احسان منزل تک تو مجھے اپنے گردوپیش کی کچھ خبر نہ تھی - میں برگسان کے "مسئلہ عقل و بداہت" میں محو تھا - جس نے دنیائے فلسفہ میں ایک نیا موضوع پیدا کر رکھا ہے - مگر احاطے میں داخل ہوتے ہی ایک ناقابل بیان اندرونی تحریک سے میری نظر باغ کے اُس گوشے کی طرف اُٹھ گئی جو مکان کے داہنے جانب تھا - اور جہاں آمد و رفت بہت کم ہوتی تھی - میری حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی جب میں نے دیکھا کہ ایک عورت ساری میں ملبوس کھڑی ہے اور اُس کے دونوں ہاتھ میری طرف بڑھے ہوئے ہیں - میں جلدی سے اُسی جانب برآمدے میں آگیا تاکہ اُس کو قریب سے دیکھ سکوں - کیا بتاؤں میں نے کیا دیکھا اور اگر بتاؤں تو اُسکو ماننا کون کا ہے - میں اُس عورت کو ایک نگاہ میں پہچان گیا - احسان علی صاحب کی لڑکی جس کی تصویر میں کل میں کھو گیا تھا آج اپنے خاکی پیکر میں میرے سامنے تھی - میرے پڑھنے والے اسکو التباس حواس کہکر ٹالدینگے لیکن مجھکو اپنے حواس کا بہتر علم ہے اور میں اپنے حواس پر پورا اعتماد رکھتا ہوں - میں اس منظر سے گھبرایا نہیں مجھے بس اب محسوس ہونے لگا کہ قریب و دور کی ہر چیز پر ایک نیا اور بالکل انوکھا رنگ بھر گیا ہے

مگر میں یہ نہ سمجھ سکا کہ وہ اپنے ہاتھ کس کی طرف بڑھائے ہوئے ہے اور کیوں۔ یہ چاند کی دیوی زیر لب کچھ کہتی بھی جاتی تھی جس کو میں صاف سن نہ سکا کچھ دیر تک تو برآمدے میں کھڑا دیکھتا رہا آخر کار ضبط نہ کر سکا اور نیچے اتر کر اُسکی طرف بڑھا۔ وہ دُور ہٹ گئی۔ میں آگے بڑھتا گیا اور وہ پیچھے ہٹتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ مکان کے عقب میں ہو گئی اور اب جو میں نے اُدھر آ کر دیکھا تو اُسکا کہیں وجود نہ تھا۔ پھر میں نے احسان منزل کے چاروں طرف گشت لگایا مگر مجھے وہ عورت نہ دکھلائی دی میں حیران ہونے لگا تاہم مجھے یقین تھا کہ جو کچھ میں نے دیکھا وہ کوئی خواب و اہمہ نہ تھا بلکہ اُس کے اندر کوئی نہ کوئی اصلیت پوشیدہ تھی۔ تقریباً ایک گھنٹہ سر گرداں رہنے کے بعد میں اپنے کمرے میں یہ کہتا ہوا چلا آیا، کہ ہنوز چشمش نگرانست کہ ملکش با دیگرانست "۔ خدمتگار کمرے میں میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے فوراً کھانا لانے کا حکم دیا۔ کھانے کے بعد میں نے خدمتگار کو خلاف معمول وقت سے پہلے رخصت کر دیا۔ چلتے وقت اُس نے کہا حضور مجھے ایک بات کہنی ہے۔ اکثر باغ میں اور کبھی کبھی مکان کے اندر بھی کسی کی آہٹ ملتی ہے اور بعض دفعہ تو درختوں کے سایہ میں مجھے کوئی چلتا پھرتا نظر آتا ہے نہ جانے کیا بلا ہے بہتر یہ ہے کہ حضور اس مکان کو چھوڑ دیں مجھے تو بڑا ڈر معلوم ہوتا ہے "

"میں نے مسکرا کر کہا " یہ سب تمہارا خیال ہے اس وہم کو اپنے دل سے دور کر دو ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں " نوکر کو تو میں نے جاہل اور بیوقوف بنا دیا مگر میں خود کیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ نوکر نے چند جملے کہکر میرے یقین کو اور بھی پختہ کر دیا یعنی جو کچھ میں نے دیکھا تھا وہ میری نظر کا دھوکا نہ تھا ساڑھے دس بج چکے تھے آج مطالعہ میں میرا جی نہیں لگتا تھا میں گزشتہ واقعہ پر تبصرہ کر رہا تھا اور کسی طرح کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا مجھے رہ رہکر غیر مانوس قدموں کی آہٹ محسوس ہوتی تھی: کئی بار اُٹھکر کمرے سے باہر گیا۔ مگر کچھ نظر نہ آیا۔ آج مجھے کچھ خلش سی تھی اور دل میرا دل کہہ رہا تھا کہ کوئی نئی بات ہونے والی تھی۔

گھڑی نے گیارہ بجائے۔ یکایک تصویر والے کمرے میں کچھ کھٹ کی آواز آئی۔ میں نے جلدی سے اپنا پستول لیا اور کمرے کا دروازہ کھولکر برقی قمقمہ روشن کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک نحیف الجثہ شخص کھدر کی میلی دھوتی اور کرتہ پہنے ہوئے سامنے کھڑا ہے۔ وہ مجھے اور میرے پستول کو خاموشی کے ساتھ عجیب بے معنی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس دوران میں مجھے پورا موقع مل گیا کہ اُسے غور سے دیکھ سکوں۔ یہ آدمی صورت سے مریض معلوم ہوتا تھا اور آنکھوں سے دیوانہ۔ اُس کے جسم میں ہڈیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کوئی آفت رسیدہ شخص ہے اور کسی کو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتا۔ یہ سوچکر میں نے پستول جیب میں رکھ لیا اور اُس سے پوچھا۔

" تم کون ہو "

" جو برباد ہوئے سو ہو جو بچھئے " اُس نے ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

" لیکن باہر کے کمرے کا دروازہ تو بند تھا تم یہاں کیسے آئے "

" کھڑکی ذرا سی جنبش سے کھل جاتی ہے۔ میں یہ جانتا تھا " اُس نے کہا۔

" یہاں آئے کس غرض سے ہو " میں نے پوچھا۔

اُس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور تصویر کی طرف اشارہ کر کے " یہ مجھ سے نہ پوچھیے اس سے پوچھیے "

یہ کہکر وہ بیساختہ رونے لگا۔ مجھے اُلجھن ہونے لگی۔ میں نے پھر دریافت کیا

"تمکو اس سے کیا تعلق ہے"۔

"قبل اسکے کہ میں آپکو اپنی پوری داستان سناؤں آپ میرے ہمدرد بننے کا وعدہ کیجئے۔ آپ فلسفی سمجھے جاتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ میرے ساتھ تمسخر نہ کریں اور اس سے بڑھکر میرے جذبات کی توہین نہیں ہو سکتی میں آپ کی ہنسی کی تاب نہیں لا سکوں گا۔ میں ایک مٹا ہوا آدمی ہوں میرے پاس سوا اپنے جذبات کے اور کچھ نہیں ہے جس پر میں ناز کر سکوں۔ یہی میری دنیا ہے۔ یہی میری دولت ہے"۔

وہ ایک سانس میں اتنا کہہ گیا اور اب اسکا دم پھولنے لگا۔ وہ کمزور تھا۔ اسکے لب و لہجہ سے ایک طنز آمیز سنجیدگی ٹپک رہی تھی۔ مجھے اسکے ساتھ خود ہی ہمدردی ہو گئی تھی۔ میں نے خلوص دل سے وعدہ کیا کہ اُس کے جذبات کا احترام کروں گا۔ وہ بدستور رو رہا تھا۔ اُس کے جسم میں لرزہ تھا۔ نہ جانے کیوں بار بار میرے ذہن میں یہ خیال آ رہا تھا کہ یہ شخص گھڑیوں کا مہمان ہے۔ میں کسی جدید انکشاف کا منتظر تھا لیکن اسکا رونا کسی طرح بند نہ ہوتا تھا۔ آنکھیں لال ہو رہی تھیں دم اُلٹا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ یہ وہ سماں تھا کہ مجھ جیسے بطئی الحس آدمی سے بھی نہ رہا گیا۔ میں نے اُسکے گلے میں ہاتھ ڈالکر پیار سے کہا "آخر کچھ بتاؤ تو اسطرح رو رو کر کیوں جان کھو رہے ہو؟" اُسکے جسم کو چھونے سے معلوم ہوا کہ اسکو شدید تپ چڑھی ہوئی ہے۔ اور وہ اسی وجہ سے کانپ رہا تھا۔ میں نے کہا "تمکو بخار چڑھا ہوا ہے اور تم کوئی گرم کپڑا نہیں پہنے ہوئے ہو۔ یہیں بیٹھے رہو۔ میں اپنا کمبل لیتا آؤں"۔

"وہ انصاری صاحب۔" اُسنے مجھے مخاطب کیا۔

"تمکو میرا نام کس نے بتایا؟" میں نے بات کاٹ کر تعجب سے دریافت کیا۔

"یہیں کسی سے معلوم ہوا کہ اس مکان میں جہاں میرے نفس کی تہذیب و تربیت ہوئی ہے پروفیسر انصاری صاحب رہتے ہیں ہاں تو میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ فضول زحمتیں نہ گوارا کیجیے۔ میں کرتے اور دھوتی کے سوا اپنے بدن پر کوئی اور کپڑا نہیں ڈالتا۔ مدت سے یونہیں بسر کر رہا ہوں۔ میں نے سعی بسیار کے بعد اپنے کو اس طرز معاشرت کا عادی بنایا ہے اور مجھے اس سے سکون ملتا ہے۔ البتہ اگر ایک بوتل شراب ملجائے تو میں اپنی سرگزشت بیان کرنے کے قابل ہو جاؤں۔"

مجھے اُسکی حالت پر رحم آنے لگا۔ میں نے نوکر کو شراب لانے کیلیے فوراً اسٹیشن بھیجا اور خود چاء بنانے میں مصروف ہو گیا۔ اُس نے مجھے روکنا چاہا مگر میں نے تیور چڑھا کر کہا "تم میرے مکان میں بلا اجازت داخل ہو گئے ہو میں اس کی سزا میں تمکو کمبل بھی اُڑھاؤنگا اور چاء بھی پلاؤں گا"۔ وہ پھر کچھ نہ بولا اور اپنی آنسو بھری آنکھوں سے تصویر کیطرف دیکھنے لگا۔ پھر مجنونانہ انداز سے اُٹھا اور تصویر کو اُٹھا لایا۔ اب اسکی وہ حالت تھی جسے صرف ہذیان یا خفقان کہہ سکتے ہیں۔ اُس نے تصویر کو سینہ سے اس زور سے لپٹایا کہ گویا اپنی پسلیوں کو توڑ کر اسکو اندر رکھ لینا چاہتا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ اس کے مرض کی اصلیت کیا ہے مگر تفصیل سے ناواقف تھا۔ اسکی مضطربانہ حرکتوں سے خود بے قابو ہو چلا تھا۔ چاء تیار ہو چکی تھی۔ میں نے اسکو ایک پیالی دی اور کہا "ذرا ضبط سے کام لو۔ اسطرح بے قابو ہونا شیوۂ مردانگی سے دور ہے"

میرے ان جملوں نے اُسکو بدمزہ کر دیا اُسنے تصویر سامنے رکھدی اور ایک مصنوعی مگر نہایت تلخ مسکراہٹ سے یہ شعر پڑھا۔ ؎

حریف کاوش مژگان خونریزش نہ ایم   بدست آور رگ جانے و نشتر را تماشا کن

پھر کہنے لگا "انصاری صاحب میں جانتا تھا کہ آپ مجھے مغلوب الاعصاب سمجھکر میری توہین کرینگے۔ آپ نفسیات کے ماہر ہیں۔ اس لیے ناصح کا کام شاید آپ کو زیب دیتا ہے۔ لیکن میری صلاح یہ ہے کہ کبھی کبھی آپ فلسفہ سے بے نیاز ہوکر زندگی کے راز پر غور کیا کیجئے۔

"اے آنکہ دائم عاقلی دیوانہ یکدم نیز شو"

عقل تو انسان کے لیے ایک کھلونے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی اس میں صلاحیت ہی نہیں کہ زندگی کے سنجیدہ اور اہم مسائل کو سمجھ سکے۔ ذرا جذبات کی دنیا میں آئیے اور محسوس کرنے کی کوشش کیجیے۔ اسوقت نہ صرف مظاہر و حوادث آپ کی سمجھ میں آجائیں گے بلکہ آپ اس طلسمکدہ سے واقف ہوجائیں گے جسکو **افلاطون** "عالم مثال" کہتا ہے۔

آپکو معلوم ہونا چاہیے کہ میں بھی فلسفہ میں ایم۔ اے کیا ہے اور اوراس کے بعد علمی دنیا میں وہ وقار حاصل کیا جو ہر شخص کی قسمت میں نہیں آتا۔ بڑے بڑے لوگوں میں اپنی جودت طبع اور زبان و قلم کے زور سے ممتاز رہ چکا ہوں۔ میں آپکو بتا دیتا اور آپ تسلیم کرلیتے کہ اصل راز کیا ہے اور شیوۂ مردانگی کسکو کہتے ہیں۔ لیکن اب نہ وہ دل و دماغ رہا نہ وہ حوصلہ ؎

مااِنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم   الّا حدیث دوست کہ تکرار میکنیم

آپ میرا نام جاننے کے لیے بیتاب ہیں؟ شاید آپ بھی مجھے جانتے ہوں میرا نام جمیل ہے" "جسنے اُردو صحافت میں ایک نئی روح پھونکی جو فسانہ نویسی میں آپ اپنی نظیر ہے۔ جو فن تنقید کا پیشوا مانا جاتا ہے؟ کیا تم وہی جمیل ہو جو احسان علی صاحب اخبار "نقیب الملت" کا اڈیٹر تھا اور جو انگریزی زبان کے بہترین مقرروں میں گنا جاتا ہے"

"جی ہاں وہی جمیل" اُسنے بے پروائی کے ساتھ جواب دیا "آپکو میرا وہ خطاب نہیں معلوم جسپر میری خاک کے ذرّوں کو بھی ناز رہیگا یعنی (تصویر کی طرف اشارہ کرکے) سائرہ کا مبتلا"۔ یہ کہکر اس نے تصویر پھر اُٹھالی اور پاگلوں کی طرح اُسکو چوم کر سینہ سے لگالیا۔ میں ششدر تھا اس لیے کہ جمیل کا نام سنکر مرعوب ہوگیا تھا جس نے آجتک مباحثوں اور مناظروں میں کسی سے شکست نہیں کھائی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ وہ اشعار پڑھ پڑھ کر مجھکو احمق بنا دے گا۔ اسوقت اُس کی "حدیث دوست" کے سامنے کوئی منطق ٹھہر سکتی تھی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔ اسپر بھی اس کے جوش تکلّم کا یہ عالم تھا کہ کم از کم میں تو اُسکا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ میں خاموش اس کی زندگی کے حالات سننے کا منتظر تھا۔ اُس نے چار ختم کی اور مجھ سے ایک سگریٹ لیکر پینے لگا۔ اتنے میں شراب بھی آگئی۔ میں نے شیشہ کے گلاس میں ڈھال کر اُسکے سامنے رکھدی اس نے مجھ سے کہا "میں شرابی نہیں ہوں۔ لیکن کبھی کبھی اپنی قوتوں کو اکٹھا کرنے کے لیے پی لیتا ہوں۔ لوگ خود فراموشی کے لیے شراب پیتے ہیں اور میں اپنے کو یاد کرنے کے لیے۔ آج اگر نہ پیوں تو آپ مجھ سے کچھ نہ سن سکیں گے"

جمیل کے آخری جملوں نے مجھ پر گہرا اثر کیا۔ اس نے جلدی سے پورا گلاس خالی کردیا اور کُرتہ کے دامن سے منھ پونچھکر اپنا المناک بیان کرنا شروع کردیا:—

"(تصویر کی طرف پھر اشارہ کرکے) ابتو غالباً آپ اس قدر سمجھ گئے ہوں گے۔ یہ **احسان علی** صاحب کی لڑکی سائرہ ہے

یعنی "میری معبود"۔ لفظ "معبود" سے آپ مجھ کو رزوق اور یا وہ گو تصور کرینگے۔ لیکن یقین مانیے۔ میں اس ہستی کو کسی اور لقب سے یاد ہی نہیں کر سکتا۔ وہ میری بیوی نہ تھی اور نہ میری کوئی غرض اُس سے وابستہ تھی تاہم میں سائرہ کا پرستار تھا۔ اسکے سامنے مجھ پر وہ کیفیت طاری ہو جاتی جسے "حیرانی" یا "انفعالیت" کہہ سکتے ہیں۔ اُسکو دیکھکر میرے جذبات عبودیت پراگندہ ہو جاتے تھے۔ میرے اندر ایک ہلچل مچ جاتی تھی اور بیساختہ جی چاہتا تھا کہ سربسجود ہو جاؤں۔ پھر بتائیے سائرہ کو معبود نہ کہوں تو کیا کہوں؟"

جمیل دم لینے کے لیے رُک گیا۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کہوں یا کیا کروں۔ میں تو اُسکی حالت کو ایک قسم کا عصبی دورہ سمجھ رہا تھا اگر اپنی رائے اسپر ظاہر کرتا تو وہ نہایت آسانی سے ثابت کر دیتا کہ اس سے زیادہ سمجھنے کی مجھ میں قابلیت ہی نہیں اِس ڈر سے مینے خاموش رہنا بہتر سمجھا۔ جمیل نے سلسلہ پھر شروع کیا۔

"احسان علی صاحب میرے چچا ہیں۔ میرے والد بیس برس کی عمر میں گھر سے خفا ہو کر حیدرآباد چلے گئے تھے اور چونکہ ارادہ کر چکے تھے اُنھوں نے پھر کبھی وطن کا رخ نہیں کیا وہ حیدرآباد میں ایک ممتاز عہدہ پر مامور ہو گئے اور وہیں شادی کر کے بس گئے۔ میں وہیں پیدا ہوا اور انٹرنس تک تعلیم پانے کے بعد علیگڑھ بھیجدیا گیا۔ وہاں میں ہمیشہ ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا فلسفہ۔ سیاسیات اور ادبیات میں میرے اُستاد مجھ سے رائے لیا کرتے تھے۔ ہندوستان کے انگریزی اور اُردو رسائل میں مضامین لکھ لکھ کر مینے ایام طالبعلمی ہی میں کافی نمود حاصل کر لی تھی ایم۔ اے کرنیکے بعد ایک مقتدر روزنامہ کی ادارت مجھے مل گئی جسکے لیے ڈیڑھ سو روپئے ماہوار مجھے دیے جاتے تھے۔ والد چاہتے تھے کہ مجھ کو بھی کوئی بلند عہدے پر مامور کرا دیں لیکن میرے فطری میلان سے مجبور رہ گئے۔ اخبار کی اڈیٹری نے میری شہرت کو پر لگا دیے اور دنیائے صحافت میں میں صاحب الرائے مان لیا گیا۔ فطرت اپنا کام پورا کرنیکے لیے بہانے ڈھونڈھ لیا کرتی ہے۔ میری ماں مجھے دس برس کا چھوڑ کر مر گئی تھی۔ اخبار کی اڈیٹری کرتے ہوئے سال بھر ہوئے تھے کہ والد بیمار پڑے اور مجھے چھٹی لیکر حیدرآباد جانا پڑا۔ مرض رفتہ رفتہ بڑھتا گیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں معلوم ہوا کہ وہ وقت آگیا ہے جسکی بابت کہا جاتا ہے کہ ٹالے نہیں ٹلتا۔ اطبا ہاتھ پاؤں مارتے رہ گئے اور والد جینے کی امید موہوم لیے ہوئے اس دنیا سے چل بسے۔ احسان علی صاحب اور چند دیگر اعزا تعزیت کے لیے پہونچے۔ اور یہیں سے میری زندگی کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ احسان علی صاحب نے والد کی وفات کے کچھ دنوں بعد سخت اصرار کیا کہ اب میں حیدرآباد چھوڑ دوں اور اُنکے ساتھ رہوں۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ میں کہیں ملازمت کروں اُنھوں نے نہایت پیار کے لہجہ میں کہا "خدا کا دیا میرے پاس بہت کچھ ہے۔ تم اور سائرہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے عیش و عشرت کی زندگی بسر کر سکتے ہو۔ کوئی وجہ نہیں کہ کسب معاش کے لیے دربدر پھرتے رہو۔ تم کو "نقیب الملّت" کے ہوتے ہوئے کسی اور اخبار کی اڈیٹری کرنے سے یوں بھی عار ہونا چاہیے۔ الہ آباد چلو اور وہیں بیٹھے بیٹھے کتابیں تصنیف کرو اور "نقیب الملت" کو بھی اپنے ہاتھ میں لو"۔

اُنکے ایک ایک لفظ سے خلوص نیت کا پتہ چلتا تھا۔ اور یہ ایسا جادو ہوتا ہے جو آن کی آن میں قلب ماہیت کر سکتا ہے۔ ظاہر میں کوئی معقول وجہ نہ تھی کہ ملازمت ترک کر کے احسان علی صاحب کے ساتھ ہو لیتا۔ لیکن اُنھوں نے کچھ اس انداز سے مجھسے یہ سب کچھ کہا کہ میرے حیدرآبادی اقربا کی کچھ نہ چلنے پائی اور میں ازسرنو زندگی شروع

کرنیکے لیے الہ آباد جانے پر آمادہ ہوگیا۔"

جمیل کا بیان آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ اسکی سانس گھٹنے لگی جسکی وجہ میرے خیال میں یہ تھی کہ وہ ایک ہی لمحہ میں اپنی تباہی کی ساری داستان بیان کر دینا چاہتا تھا۔ لیکن یہ ممکن نہ تھا اسلیے کہ اسکے دل میں ایک تلاطم تھا۔ اس کی ایک ایک رگ میں قیامت برپا تھی۔ وہ جسقدر جلد مجھے اپنی زندگی کے حالات سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ اسی قدر اسکو دیر ہو رہی تھی اور اسکا افسانہ طویل ہوتا جاتا تھا۔

جمیل۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر وحشیانہ نگاہوں سے دیکھتا رہا اسکے بعد ایک گلاس شراب اور پی کر سلسلہ شروع کیا:۔

"احسان علی صاحب کو واقعی مجھ سے بے انتہا محبت تھی اور گھر کے دوسرے افراد بھی مجھے وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ الہ آباد میں میری قابلیت اور طباعی پہلے سے مشہور تھی۔ اہل مذاق مجھے غائبانہ طور پر جانتے تھے۔ اب جو میں یہاں کے سربرآوردہ لوگوں سے ملا تو ان کے حلقہ میں میری شخصیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ مختصر یہ کہ ہر شخص مجھ سے مرعوب تھا لیکن میں خود جس ہستی سے مرعوب ہوگیا وہ سائرہ تھی (تصویر کو مخاطب کرکے) آہ! سائرہ!

"تو جلوہ دادی و مدہوش کردہ مارا"

یہی سائرہ جس کو اسوقت میری گود میں دیکھ رہے ہیں۔ اب سائرہ میری ہے۔"

آخری جملہ اس لہجہ میں کہا گیا تھا جو آگ کو پانی اور پتھر کو موم کر سکتا تھا۔ میں خود متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ میرا دل دکھ گیا۔ میں نے جمیل کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "اپنے ساتھ اتنا ظلم نہ کرو تم دنیا میں نہ جانے کیا ہوتے۔ مگر دیکھو تو اپنے کو کیا کر ڈالا۔۔۔"

"و نصیحت کی ضرورت نہیں۔ مجھکو مخلصانہ ہمدردی کی ضرورت ہے انصاری صاحب اگر آپ میری داستان سے بے کیف ہو رہے ہیں تو میں یہیں ختم کرکے آپ سے معذرت مانگ لوں۔ لیکن اب مجھے صلاح نیک سے ممنون کرنیکی کوشش نہ کیجیے۔ میں تحمل نہیں ہو سکتا۔" اسنے چڑھکر جواب دیا اور مجھے یقین ہوگیا کہ اب وہ اپنی بربادی کو "خوش آمدید" کہہ رہا ہے۔ میں نے کہا "معاف کرو مجھ سے غلطی ہوئی تم اپنے حالات سناؤ۔ مجھے تم سے لگاؤ ہوگیا ہے۔"

اس نے اپنے تیور درست کرکے پھر شروع کیا۔

"یوں تو حیدرآباد میں احسان علی صاحب کے منہ سے سائرہ کا نام سنتے ہی میرے کانوں نے ایسا محسوس کیا تھا کہ فضا میں ایک لطیف ارتعاش پیدا ہوگیا ہے۔ مگر اس کو میں نے اپنے لطافت مذاق پر محمول کیا تھا کیونکہ سائرہ فی الحقیقت ہے بھی نہایت لطیف تاہم میں نے اپنے مذاق کے مطابق سائرہ کا ایک تصور قائم کر لیا تھا لیکن یہاں آکر معلوم ہوا کہ میرے تصور کو اصلیت سے کوئی نسبت نہ تھی۔ یہ کہنا بیکار ہے کہ سائرہ حسین و جمیل تھی۔ ممکن ہے جسکو میں حسین و جمیل کہوں وہ آپ کی نگاہ میں کریہ المنظر اور بدہیئت ہو اتنا ضرور کہونگا کہ میرے نقطۂ نظر سے اس میں "کاروبار دلداری" کے تمام نکات موجود تھے۔ اسمیں وہ "آن" تھی جس کو حافظ "عین دلبری" سمجھتے تھے۔ میں نے ابتک عورت اور محبت کے موضوع پر کبھی غور نہیں کیا تھا اور اس لحاظ سے اپنے کو خوش نصیب تصور کرتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ محبت جیسی غیر واضح اور مہمل چیز کبھی مجھ پر قابو نہیں پا سکتی۔ میں مطمئن تھا۔ لیکن آئندہ لا وقت مجھ پر ہنس رہا ہوگا۔ سائرہ سے ملنے کے بعد مجھے معلوم ہوگیا کہ مجھے ابھی بہت کچھ

سیکھنا ہے - میں رفتہ رفتہ محسوس کرنے لگا کہ **سائرہ** غیر معمولی ہستی ہے اور دنیا میں صرف مجھ پر حکومت کرنے آئی ہے - اس شکست کا مجھکو کبھی گمان بھی نہ تھا -

سائرہ کی شادی میرے آنے سے چھ ماہ پہلے ہو چکی تھی - ذرا میری بے بسی پر غور کیجئے - مجھے اپنی محبت پیش کرنے کا بھی کوئی حق نہ تھا - وہ دوسرے کے ساتھ پیمان رفاقت باندھ چکی تھی - اُسکی شادی ڈاکٹر **ابوظفر** کے ساتھ ہوئی تھی جو یہاں کے مشہور ڈاکٹر ہیں ڈاکٹر کی "دنیا گوشت و پوست" سے آگے نہیں بڑھتی **ابوظفر** کو **سائرہ** کے ساتھ دلچسپی ضرور تھی - لیکن اسکا کیا علاج کہ وہ اس کی توقعات کو پورا کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے - **سائرہ** لطیف ترین جذبات کی عورت تھی اور **ابوظفر** ہر اُس چیز کو بے بنیاد اور لایعنی سمجھتے جسکو وہ اپنی جراحی کے ذریعہ سے مشاہدہ میں نہ لاسکتے دونوں کی طبیعتوں میں خاک اور عالم پاک کی نسبت تھی - اُن کی زندگی ایک معاملہ ہو کر رہ گئی تھی جسکو دونوں نہایت حسن و خوبی کے نباہ رہے تھے - میں آیا تو **سائرہ** نے ایسا سمجھا کہ اُس کے لیے کوئی فرشتہ نازل ہو گیا ہے جو اُس کی زندگی کو لطافت سے معمور کردیگا آہ اسکو کیا خبر تھی کہ جسکو وہ فرشتۂ رحمت سمجھ رہی ہے وہ اُسکے حق میں "تباہی کا شیطان" ثابت ہونیوالا ہے "

جمیل کے ہونٹ کانپنے لگے اور وہ تھوڑی دیر تک اس قابل نہ تھا کہ سلسلہ کو جاری رکھ سکے - کچھ تو شراب نے اور کچھ جذبات کے اُبھار نے اس کے زرد چہرے کو کسیقدر سرخ بنا دیا تھا - چند لمحوں تک خاموش رہنے کے بعد اُس نے مجھ سے ایک اور سگریٹ مانگا - اور اپنے حواس کو از سر نو مجتمع کرکے کہنا شروع کیا :-

" آپکے لیے شاید میرے افسانہ میں کوئی دلچسپی نہ ہو - ممکن ہے آپ مجھکو بدکردار کہیں اسلیے کہ میں نے ایک ایسی عورت سے محبت کی جو غیر کی بیوی تھی - لیکن آپ اس کو ذہن نشین کرلیجئے کہ محبت سوچ سمجھکر نہیں کی جاتی بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ محبت کی نہیں جاتی - ہو جاتی ہے - محبت اگر دوشیزہ سے ہو سکتی ہے تو بیاہی عورت سے بھی ہو سکتی ہے - بہر حال **سائرہ** سے مجھکو محبت ہو گئی اور یہ محبت روز افزوں ترقی کرنے لگی - میں نے اُسکو مدتوں حقیقت حال سے بے خبر رکھا مگر پرستش کی نگاہیں چھپ نہیں سکتیں - اُس کو بھی میرے کیفیات قلب کا پتہ چل گیا اور وہ متفکر سی رہنے لگی - ابھی تک میں نے اپنے منھ سے کچھ نہیں کہا تھا اور نہ اُس نے کچھ کہا تھا لیکن نگاہوں نے تبادلہ خیالات کرلیا تھا گویا

پرستش تھی اور پاسِ سخن درمیان نہ تھا

ایک سال اسی طرح گزر گیا - میں اپنی فرصت کا بیشتر حصہ اُسی کی صحبت میں گزارا کرتا - اُسکا علمی اور ادبی ذوق میرے لیے بہانہ ہو گیا تھا - **سائرہ** کی محبت میری جولانی طبع کیلیے تازیانہ ہو گئی چنانچہ اس زمانہ میں میں نے بہترین سیاسی و اقتصادی مضامین لکھے اور چار بیش بہا کتابیں تصنیف کیں جنکی دھوم ہو گئی تھی **سائرہ** کتب بینی کی شیدا تھی - اُسکو مجھ سے مدد ملی - میں اسکو روزانہ کم از کم چار گھنٹے پڑھایا کرتا تھا جب وہ اپنی سسرال میں ہوتی جو یہاں سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے تو میں وہاں جاکر اُس کی صحبت سے کیف اندوز ہوتا - کبھی کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا - سب سمجھتے تھے کہ ہمکو ایک دوسرے کے ساتھ محض ادبی لگاؤ ہے - لیکن رفتہ رفتہ یہ بات مشہور ہونے لگی کہ مجھے

اُس سے غیر معمولی اُنس ہے جو ممکن ہے کوئی خطرناک صورت پکڑے۔ ہمارا سکون چھن گیا۔ دونوں متردد رہنے لگے۔ مگر ابھی ہماری محبانہ روش میں سرِمو فرق نہیں آیا۔ سائرہ نے صورتِ حال سے تجاہل عارفانہ کیا اور میں بھی چپ رہا۔ نہ اُسنے مجھ سے کچھ کہا نہ میں نے اُس سے۔ بیاہی عورت کو چاہنا عیب سمجھا جاتا ہے۔ دنیا والوں کے دماغ میں محبت اور معصیت کا تصور پہلو بہ پہلو آتا ہے۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ کہ محبت کرنے والے کا دامن کبھی آلائشون سے پاک رہ سکتا ہے سائرہ کے ساتھ میری شیفتگی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اُس سے دور رہ کر میرا جی کسی کام میں نہ لگتا تھا میں ہر وقت اُس سے قرب چاہتا تھا۔ یہ شیفتگی لوگوں کی نگاہ سے بچ نہ سکی۔ میں سائرہ کی ذرا سی تکلیف دور کرنے کے لیے ہر وقت اپنی جان نثار کرنے پر آمادہ رہتا میں سائرہ کی محبت کو اپنی مغفرت کا ذریعہ سمجھ رہا تھا۔ مجھے اب بھی یقین ہے کہ میری نجات صرف اس لیے ہوگی کہ مین نے سائرہ کو دل و جان سے چاہا۔ ہان تو ہماری محبت رسوا ہونے لگی۔ احسان علی صاحب مجھ سے کشیدہ ہو گئے۔ ابوظفر نے مجھ سے سرد مہری کا برتاؤ شروع کر دیا۔ رشتہ دارون مین سرگوشیان ہونے لگین سائرہ کی کلفتون کی انتہا نہ تھی۔ مین دلگیر رہنے لگا وقت نازک ہو گیا تھا اور اب کم از کم میرے لیے ضبط سے کام لینا دشوار ہو رہا تھا۔ آخر کار وہ دن بھی آگیا جب ہم دونون کے تکلف کا پردہ فاش ہو گیا سائرہ نے میری زبان سے سُن لیا کہ میں اُس کے لیے اپنے دل میں ایک معبد تیار کر چکا ہوں اور میں جان گیا کہ سائرہ میرے جذبات سے اس طرح متاثر ہو چکی ہے کہ اب وہ مجھ سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتی۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ سائرہ کی ساری میں سانپ لپٹ گیا میں اُسکے قریب کسی سوچ میں کھڑا تھا اُسکے ہاتھ میں کلیات نظیری کی کتاب تھی۔ میری نظر سانپ پر جا پڑی۔ پھر مجھے ہوش نہیں کہ میں نے کیونکر اُس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر پھینک دیا۔ بعض موقع ہوتے ہیں جہاں صرف جذبات کی تحریک سے کام ہو سکتا ہے۔ سانپ کو دیکھکر اگر میرے حواس بجا رہتے اور میں اپنی ہستی کو بھول نہ جاتا تو شاید سائرہ میری آنکھوں کے سامنے چند منٹ بعد دم توڑتی ہوتی میری دیوانہ وار حرکت کا علم گھر میں ہر شخص کو ہو گیا اور اشارے ہونے لگے سائرہ کے کمرے میں بہت سے لوگ جمع ہوئے۔ میں سیدھا باہر گیا اور ۱۱ بجے رات تک "احسان منزل" میں داخل نہیں ہوا۔

گرمی کا زمانہ تھا۔ میں برآمدہ میں اپنے بستر پر لیٹا سائرہ کے ساتھ اپنی وابستگی پر غور کر رہا تھا۔ میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ کچھ دنوں بعد مجھے "احسان منزل" کو الوداع کہنا ہے اگرچہ اسکے ساتھ مجھے یہ بھی یقین تھا کہ سائرہ سے علیحدہ ہو کر اب میری تمام قوتیں بیکار ہو جائینگی یعنی وہ میرے تمام اچھوتے خیالات اور نرالے افکار کی محرک بن چکی تھی۔ مین نے ایک خاص ہستی کو اپنے ذوقِ عبودیت کا مرکز بنا لیا تھا اور اب جو اسکی طرف سے نگاہ پھیر کر دیکھتا تو دنیا بے کیف اور تیرہ و تار نظر آتی۔ اسی کشاکش جذبات میں دو بج گئے۔ یکایک میرے کمرے میں لیمپ کی روشنی جسکو میں دھیمی کر آیا تھا تیز ہو گئی میں نے چاہا کہ اُٹھکر دیکھوں کون ہے کہ اتنے میں سائرہ میرے سامنے آکر کھڑی ہو گئی اور دبی ہوئی آواز میں مجھ سے کہا "ذرا سُن لو" اُس کی آواز سے کسی قسم کی گھبراہٹ نہ پائی جاتی تھی۔ مین اسطرح اُٹھا جیسے کسی نے مجھ پر سحر کر دیا ہو اور اُس کے ساتھ کمرے میں

چلا گیا وہ کرسی پر بیٹھ گئی اور بغیر کسی تمہید کے مجھ سے پوچھا "دو آج
تم سے جو اضطراری حرکت سرزد ہو گئی تھی اس کے کیا معنی تھے ؟"
میں اس طرز تکلم سے متحیر رہ گیا اور باوجود اسکے کہ میرے دل میں بہت
کچھ تھا لیکن اس کے سنجیدہ تیور دیکھکر تھوڑی دیر تک اپنی ساری
فصاحت و بلاغت بھول گیا۔ مجھکو خاموش دیکھکر اُس نے پھر کہا
"جواب جلد دو۔ ابھی نہ جانے کتنی باتیں میں جاننا چاہتی ہوں
اور وقت بہت کم ہے"۔ وہ ضبط سے کام لے رہی تھی ورنہ اسکے
چہرے کے آثار کہہ رہے تھے کہ وہ ایک تاب شکن اور صبر آزما
طوفان کو دبانے کی کوشش کر رہی ہے۔ میں نے اس دفعہ ہمت کر کے
جواب دیا۔ "میں نے جو کچھ کیا اس کے صرف اسقدر معنی تھے کہ اس
دنیا کو میں تم سے خالی نہیں دیکھ سکتا تھا"۔ میری زبان کھل گئی۔
اور مجھے یقین ہو گیا کہ آج کی رات فیصلہ کُن ہوگی۔ "دو یعنی تم مجھ سے
اسطرح وابستہ ہو گئے ہو کہ اب مجھ سے علیحدہ ہو کر زندگی بے مزہ
ہو جائیگی"۔ اُس کی سنجیدگی میں دُکھے ہوئے دل کی جھلک نظر آ رہی
تھی۔ اس کی بیباکی اس بات کی دلیل تھی کہ شک و شبہ کی تاب
نہیں لا سکتی اور کسی قطعی نتیجہ پر پہونچنا چاہتی ہے۔ ابھی تک وہ جس لہجہ
میں بات کر رہی تھی وہ مجھے ناگوار ہو رہا تھا۔ میں نے کہا "سائرہ
یہ بات محسوس کرنے کی ہے پوچھنے کی نہیں" میں نے چند الفاظ میں
اپنی مکمل روداد بیان کر دی تھی۔ اب ضبط کرنا سائرہ کے بس کی
بات نہ تھی۔ اس نے بے اختیار ہو کر کہا "دیکھو جمیل میرے خیال کو
مستحکم نہ ہونے دو۔ میں جس چیز کو اپنا وہم سمجھنا چاہتی ہوں اُس کو سنگین
حقیقت سے میرے سامنے نہ پیش کرو۔ قیامت برحق ہو یا نہ ہو۔ موت
یقینی ہو یا نہ ہو لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ ہمکو ایک دوسرے سے جُدا
ہونا ہے۔ پھر اپنے لیے جیتے جی دوزخ تیار کرنا کہاں کی دانائی ہے ؟"

"یہ سب مجھے معلوم تھا اور اسی وجہ سے میں نے ابتک تم سے
اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا کہ ممکن ہے تمھاری زندگی بے کیف ہو جائے
مگر میری فکر نہ کرو۔ میں اپنی دوزخ کو جنت بنانا جان گیا ہوں۔ میں
اس راز سے واقف ہو گیا ہوں کہ محبت کے کانٹے بھی پھول ہوا
کرتے ہیں۔ تم سے محبت کر کے نہ جانے میں نے کیا کیا سیکھا ہے
سائرہ میں بہک رہا تھا تم نے مجھے سیدھے راستے پر لگایا۔ جب
میں سوچتا ہوں کہ سائرہ ایسی ہستی کو میں چاہتا ہوں تو میں اپنی
قسمت پر گھمنڈ کرنے لگتا ہوں ؎

زاں نیازے کہ بتو ہست مرا نازے ہست

"بس! بس۔ اس سے زیادہ سن کر میں جی نہیں سکتی جبکہ
ہمارا ایک ساتھ اُٹھنا بیٹھنا بھی ناممکن ہو رہا ہے۔ دُنیا والے اس کو
گوارا نہیں کر سکتے کہ دو پاک روحیں آپس میں ملیں۔ میرے والد باوجود
آزاد خیال ہوتے ہوئے بھی اب تمھارا میرے ساتھ رہنا معیوب سمجھتے
ہیں۔ میں رفتہ رفتہ تمکو اپنا سمجھنے لگی تھی۔ میرا دل تمھاری طرف کھنچا
اور اسطرح کہ پھر اسی طرف کا ہو کر رہ گیا۔ میں نے اُسمیں کوئی بُرائی نہیں
دیکھی۔ یہ کوئی گناہ نہ تھا ۔ ۔ ۔ ۔"

سائرہ اس سے زیادہ نہ کہہ سکی اُسکی زبان رُک گئی اور
بے اختیار رونے لگی یہی ایک موقع میری زندگی میں ایسا ہوا جبکہ میں نے
سائرہ کو پیار کیا۔ اسوقت رسوم و قیود کی پابندی کے کوئی معنی نہ تھے
میں نے اُسکو بے ساختہ اپنی گود میں لے لیا۔ میری آغوش میں وہ
اور بھی جی کھولکر روئی۔ خود میری آنکھیں بھیگ رہی تھیں مگر میں
رو نہ سکا۔ جب سائرہ کا دل کچھ ہلکا ہوا تو اُسنے میرے چہرے کی

طرف دیکھ کر کہا "جمیل میں کہہ نہیں سکتی کہ میں تمکو کتنا چاہتی ہوں اس عرصۂ قلیل میں میرے دل پر محبت کا وہ نقش بیٹھا ہے جو مٹائے مٹ نہیں سکتا مجھے یقین تھا کہ تم میرے ہو اور میں اپنے کو خوش نصیب سمجھنے لگی تھی۔ آہ مجھے دھوکہ ہوگیا تھا کہ ابتک اپنی زندگی میں جو کمی محسوس کر رہی تھی وہ پوری ہوگئی یعنی ایک ہم مذاق رفیق مجھے ملگیا مگر ہم ایک دوسرے سے چھینے جا رہے ہیں بتاؤ تو ہمنے کونسا ایسا گناہ کیا تھا جسکی یہ سزا تجویز کی گئی ہے۔ تمھاری لوگ شادی کرنا چاہتے ہیں تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ۔ دیکھتے ہو جمیل تم ابھی تک بے راہ چل رہے تھے۔ خدا کے لیے اس "پریشان خواب" سے چونکو اور مجھے بھول جاؤ۔ مجھے بھول جاؤ۔ اور اپنے کو سدھارو۔ میں تمھارے راستے میں رکاوٹیں پیدا کر رہی ہوں۔ تم جاؤ اور دُنیا کی مقبول عام زندگی بسر کرو۔ مجھے خود دیکھو کہ میں دوسرے کی ملکیت ہو کر رہ گئی ہوں اور تمھاری کوئی امید مجھ سے پوری نہیں ہو سکتی۔ پھر اپنے کو میرا مبتلا کیوں بناؤ" سائرہ نے پھر رونا شروع کیا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ اسکا گھاؤ میرے گھاؤ سے زیادہ خطرناک ہے۔ عورت کا دل یوں بھی مرد کے مقابلے میں زیادہ زخم پذیر ہوتا ہے۔ اسکو مجھ سے محبت ہوگئی تھی اور یہ اُسکی پہلی محبت تھی۔ دنیا اسکو سائرہ کی کمزوری سمجھے مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہی اُسکی سب سے زبردست قوت تھی۔ بہرحال اب وہ مجھے بھول نہیں سکتی تھی لیکن سب سے زیادہ روح فرسا صدمہ جو اسکے لیے تھا وہ یہ تھا کہ میری شادی ہونیوالی ہے دوران گفتگو میں کئی بار مجھ سے کہہ چکی تھی کہ "تم میرے ہو" اور اس خیال سے وہ بے چین ہو رہی تھی کہ میں کسی اور کا بھی ہو سکتا ہوں۔ یہ افواہ میں نے بھی سُنی تھی کہ احسان علی صاحب اور میرے دوسرے "خیر خواہ" میرے لیے "رفیقۂ زندگی" کی تلاش کر رہے ہیں۔ لیکن میں اپنا فیصلہ کر چکا تھا۔ میں نے سائرہ کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "سائرہ" میں یوں بھی شادی نہ کرتا اس لیے کہ میں شادی کرنیوالے جانوروں میں سے نہیں ہوں اور اب جبکہ تم میری زندگی کو نت نئی رنگینیوں سے معمور کرنے کے لیے مل گئی ہو تو ناممکن ہے کہ میں ان رنگینیوں میں کسی قسم کی آلودگی پیدا کروں۔ میں تمھارا ہوں اور تمھارا رہوں گا۔ میں تم سے دور رہکر صرف تمھاری یاد کے سہارے جی سکتا ہوں قرب دوری یا وصال و ہجر کی اصطلاحیں میرے لیے کوئی خاص معنی نہیں رکھتیں۔ البتہ آج تم نے ایک تشویش پیدا کردی ہے اگر مجھ سے دور رہکر میرے خیال سے اپنی زندگی کو پُر کیف بنانا تمکو دشوار معلوم ہوتا ہے تو خدا کرے تمھارا دل مجھ سے پھر جائے ورنہ برباد ہو جاؤگی۔ یہ نہ ہونا چاہیئے۔ محبت کو جو لوگ دُکھ بنا لیتے ہیں میں اُن کو تحسین کی نگاہوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ میں عنقریب الہ آباد چھوڑنے والا ہوں۔ تم اس انقلاب کا مقابلہ کرو اور اطمینان کے ساتھ ابتک جیسی زندگی بسر کرتی رہی ہو بسر کرو۔ وعدہ کرو کہ میرے کہنے پر عمل کروگی؟" میں نے دیکھا سائرہ کی حالت مجھ سے زیادہ تشفی کی محتاج ہے۔ مجھے اندیشہ کیا یقین تھا کہ میری جدائی اُس کے لیے خطرناک ثابت ہوگی۔ اسی لیے میں اس سکون کے ساتھ اُس سے گفتگو کر رہا تھا ورنہ خود مجھ میں اتنی تاب نہ تھی۔ کائنات میری نظر میں بے رنگ ہو رہی تھی۔ سائرہ کو میں چھوڑ رہا تھا۔

سائرہ کو میری گفتگو سے بہت کچھ تسکین ہوئی۔ اُس نے اپنے آنسو پونچھ کر کہا "ہاں تم میرے ہو اور میں تمھاری۔ دنیا کی کوئی قوت فی الحقیقت، ہمکو ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتی خواہ ہمارے درمیان بُعد المشرقین ہی کیوں نہ حائل ہو۔"

"ہاں بس یہ سمجھ لو اور پھر تمکو کوئی دکھ نہ ہوگا - محبت تو ایک مزے کی چیز ہے - اسمیں تلخیاں پیدا نہ کرو میں ایک ہفتہ میں یہاں سے چلا جاؤنگا - تم اپنا جی نہ کڑھانا - میں دنیا میں بڑے سے بڑا کام تمہارا نام لیکر اور تمہاری راہ میں کرونگا - بس جاؤ اور شگفتہ رہنے کی کوشش کرو"

میں نے اسکی پیشانی پر بوسہ دیکر اپنا جملہ ختم کیا -

"لیکن اسقدر جلد آپکو مجھے چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے ؟"

سائرہ نے حسرتناک لہجے میں کہا -

"سائرہ مجھے ثابت قدم رہنے دو - تمکو معلوم نہیں کہ اب ہمارا یکجا رہنا کیا کیا بدمزگیاں پیدا کرسکتا ہے محبت ایسے ماحول میں اظہار کے بعد خوفناک ہوجایا کرتی ہے - میں تمکو مٹانا نہیں چاہتا"

میں نے کہا - لیکن اسکی آنکھیں کہہ رہی تھیں "تم مٹا دیا نہ مٹاؤ میں تو مٹ چکی" میں نے اسکو رخصت کردیا اس لیے کہ چار بج چکے تھے اور خود بیٹھکر سوچنے لگا - میں بیان نہیں کرسکتا کہ میرے دل و دماغ کی کیا حالت تھی سائرہ کے ذریعہ محبت سے مجھکو بے انتہا سکون ہوا مگر خود اسکی حالت مجھے بے چین کررہی تھی - بہرحال تھوڑی دیر تک میں ایسی دنیا میں تھا جہاں بجز میرے اور سائرہ کے کسی دوسری چیز کا وجود نہ تھا .... انصاری صاحب معلوم ہوتا ہے اسوقت سے صدیاں گزر گئی ہیں"

جمیل کے خیالات کا مرکز بدل گیا اور اس کی آنکھوں میں پھر آنسو بھر آئے - اس نے تصویر کی طرف دیکھا اور عجیب پر اثر لہجہ میں شعر پڑھا

شمیم مہر ز باغ وفا نمی آید　　بہر چمن کہ تو بشگفتہ صبا خفتہ است

میں نے دیکھا اب وہ پھر بہک رہا ہے اس لیے آدھا گلاس بھر کر شراب اسکو دی جس سے اسکا جوش عود کر آیا اور وہ داستان کا باقی حصہ سنانے لگا

"اب افسانہ زیادہ طویل نہیں ہے - مجھے افسوس ہے کہ آپکو بیقدر زحمت دے رہا ہوں -

اس رات کے بعد میں کل دس دن الہ آباد میں رہا اور اس درمیان میں سائرہ سے بہت کم ملا ورنہ اپنے ارادہ پر شاید قائم نہ رہ سکتا مگر اتنا مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اسکی آزردگی بڑھ رہی تھی - احسان علی صاحب وغیرہ کو بھی خبر ہوگئی تھی کہ میں نے لاہور میں ایک انگریزی اخبار کی اڈیٹری قبول کرلی ہے اور اب الہ آباد کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ رہا ہوں - انھوں نے رسماً مجھے روکنا چاہا لیکن میں بچہ نہ تھا - انکا بشرہ کہہ رہا تھا "حسن کم جہاں پاک" آہ انکو یہ نہ خبر تھی کہ ان کی "بہترین دولت" بھی اس "محسن" کے بعد ان کے پاس زیادہ دنوں تک نہ رہیگی - میں خود سمجھتا تھا کہ سائرہ کو زمانہ بہلا لیگا لیکن محبت نے اسکو پختہ عمر بنا دیا تھا - مرد اپنی محبت کو فلسفہ - ادبیات - شاعری - صناعی اور دلچسپیوں میں بہلا سکتا ہے - عورت ایسا نہیں کرسکتی وہ جب محبت کرتی ہے تو محبت ہی کی ہوکر رہ جاتی - اور یہی ہوا - لاہور میں میں نے مختلف مصروفیتیں نکال لی تھیں اور میرا وقت کٹ جایا کرتا تھا - اس میں شک نہیں کہ سائرہ کا خیال مجھے بے چین رکھتا تھا اور میں ایک لمحہ کے لیے بھی اسکو بھولتا نہیں تھا - میں اخبار میں گورنمنٹ کے خلاف مقالے لکھتا تھا اور سمجھتا تھا کہ سائرہ انکو پڑھکر خوش ہوگی - میں تقریریں کرتا تھا اور ایسا محسوس کرتا تھا کہ سائرہ بیٹھی سن رہی ہے -

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ کھدر پوشی اور ترک تعاون کی شورش ہندستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل رہی تھی - لاہور میں میں اس شورش میں نمایاں حصہ لے رہا تھا میں سکون و طمانیت سے

محروم ہو چکا تھا اور اب اس پُرشور زندگی میں میری پراگندہ دلی کام آگئی۔ مجھے فخر ہے کہ میں نے عوام کی صلاح و بہبود میں کافی حصہ لیا ہے سائرہ کی محبت نے مجھے ایک کارآمد چیز بنا دیا غالب اگر بھی کفر بکا ہے تو وہ اس شعر میں:۔ ؎

عشق نے غالب نکما کر دیا　　ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

عشق انسان کو انسان بنا دیتا ہے۔ خیر۔

سائرہ علیحدہ ہو کر مجھے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں تھی۔ چنانچہ جب ایک اشتعال انگیز تقریر پر مجھ کو دو سال قید کی سزا ملی تو میں نے اسکو جنت سمجھا۔ مجھے اپنی ذات سے ضد ہو گئی تھی۔ میں تین سال سے اسی طرح کرتا اور دُھوتی میں بسر کر رہا ہوں۔ اسکے علاوہ میں اُس زمانہ میں سگریٹ اور شراب بہت پینے لگا تھا جس نے میری صحت خراب کر ڈالی تھی۔ ڈاکٹر کہا کرتے ہیں کہ میرے دل کی حالت اندیشناک ہے مگر مجھے اسکی فکر نہیں۔ قید میں میری تندرستی اور بھی خراب ہو گئی اور مجھے ہلکی حرارت رہنے لگی جو کبھی کبھی تیز بھی ہو جاتی ہے۔

اس تین سال کے اندر میرے اور سائرہ کے درمیان کوئی خط کتابت نہیں ہوئی تھی۔ جب میں قید سے چھوٹا تو لاہور میں مجھے ایک کارڈ ملا جسمیں صرف اسقدر لکھا تھا:۔

کر چکے تم تو دشت پیمائی　　مجھسے گھر بیٹھے خاک چھنوائی

نیچے دستخط کی جگہ "س" لکھا ہوا تھا۔ مجھے دھکا لگا۔ اور اس طرح کہ پھر کبھی میں سنبھل نہ سکا۔ سائرہ کی حالت کا مجھے کوئی علم نہ تھا اس شعر نے سائرہ کی شبیہ میرے سامنے کی اس نے مجھے اس قابل نہ چھوڑا کہ میں یکسوئی کے ساتھ اپنا کام کر سکتا۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ سائرہ مر رہی ہے۔ اکثر انسان کو بلا کسی توسط کے ہونے والی بات کا علم ہو جاتا ہے تقریباً ایک ہفتہ بعد مجھے ایک الہ آبادی دوست سے معلوم ہوا کہ سائرہ چار ماہ سے بیمار ہے اور حالت مایوس کن ہے۔ ڈاکٹروں نے "ورم دل" (　　) تشخیص کیا تھا جو عموماً جان لیکر جاتا ہے۔ میں نے بہت چاہا کہ چلکر اس کے بستر مرگ پر چار آنسو گرا آؤں مگر میری ہمت نہ پڑی۔ میں اپنی ذات کو اُسکی تباہی کا ذمہ دار سمجھنے لگا تھا۔ میں اس کا گنہگار تھا۔ میں خود فنا ہونیکی کوشش کر رہا تھا سائرہ فنا ہو گئی میں سخت جان سانس لے رہا ہوں سائرہ کے دل میں اس خیال نے جڑ پکڑ لی تھی کہ میں اسکے لیے مٹ رہی ہوں اور اس خیال کو مرتے دم تک نہ نکال سکی۔ ایک مہینہ بعد مجھے اطلاع ملی کہ وہ اپنی "مٹی کی خوابگاہ میں ہمیشہ کے لیے سو گئی ہے میں اُسکو نہ دیکھ سکا"

جمیل پھر تصویر کو مخاطب کر کے کہنے لگا سائرہ دنیا کیلیے تو مر گئی۔ مگر میرے لیے زندہ ہے میں تجھے اُٹھتے بیٹھتے۔ سوتے جاگتے دیکھتا ہوں اور تجھ سے اپنے جذبات کا اظہار کر لیتا ہوں۔ میں پاگل مشہور ہو گیا ہوں۔ اس لیے کہ اب نہ کچھ لکھ سکتا ہوں نہ پڑھ سکتا ہوں۔ دنیا والوں کی اُمیدیں مجھ سے منقطع ہو گئیں تو وہ مجھے پاگل سمجھنے لگے اخباروں میں چھپ گیا کہ میرا دماغ اپنے افعال متعینہ میں کوتاہی کر رہا ہے لیکن تو خوب جانتی ہے کہ اصلیت کیا ہے۔ اب ایک لمحہ کے لیے تو مجھے فرصت نہیں دیتی کہ میں کوئی دوسرا کام کروں"

جمیل چپ ہو گیا اور سرنگوں ہو کر آنسو بہانے لگا جب اُس نے سر اُٹھایا تو میں نے پوچھا "اب تم کیا کرتے ہو؟ اور یہاں کس غرض سے آئے ہو؟"

اُسنے مجھ کو ایک ایسی نگاہ سے دیکھا جس کے میں معنی نہ سمجھ سکا

اور تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد جواب دیا "ہاں ابھی افسانہ کی تکمیل نہیں ہوئی ہے۔ آپ نے اچھا کیا کہ مجھ سے دریافت کیا۔ میں اب بھی لاہور میں اسی انگریزی اخبار کا اڈیٹر ہوں لیکن میری اڈیٹری برائے نام ہے۔ میں نے دس مہینے سے نہ ایک حرف لکھا ہے نہ کوئی تقریر کی ہے۔ میرے احباب جاننا چاہتے ہیں کہ مجھ میں یہ انقلاب کیوں ہوا۔ مگر اُنکو سمجھانے کی فرصت کسے۔ آج تو نہ جانے کس رَو میں میں نے آپ کے سامنے اپنی سرگزشت بیان کر دی۔ آج نہ جانے کیوں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سائرہ مجھ سے قریب ہے۔ پانچ روز کا ذکر ہے کہ میں لاہور میں اپنے کمرے بستر پر پڑا تھا۔ رات کے ۲ بج چکے تھے۔ مجھے سہر یعنی بیخوابی کی بیماری ہے۔ تمام رات جاگتا رہتا ہوں۔ اور سائرہ سے باتیں کیا کرتا ہوں آپ اسکو سائرہ کا تصور کہینگے میں اسکو سائرہ کہتا ہوں۔ اور میرا ایمان یہ ہے کہ وہ سائرہ ہے۔ اس رات کو میں نے دیکھا کہ سائرہ اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے ہوئے میری طرف آرہی ہے اور یہ کہتی جاتی "تم میرے ہو" "تم میرے ہو"۔ میں بیتابانہ اُسکی طرف بڑھا اور کہا "ہاں سائرہ میں تمہارا ہوں۔ مجھے لے چلو"۔ مگر وہ مجھے پھر تنہا چھوڑ کر چلی گئی۔ دوسرے دن میرا دل الہ آباد آنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ واللہ اعلم کیوں۔ میں آج صبح کو یہاں پہونچا اور ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ میں سائرہ کی قبر پر گیا تھا۔ ہاں مجھے تسکین نہیں ہوئی اس تودۂ خاک کو میں سائرہ نہیں مان سکتا۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ "احسان منزل" چلنا چاہیئے۔ جہاں کا گوشہ گوشہ سائرہ کا آئینہ دار ہوگا۔ جہاں کی خاک کا ذرّہ ذرّہ سائرہ کی مہک سے بس رہا ہوگا۔ میرا یہاں آنا بیکار ثابت نہیں ہوا۔ باوجود اس کے کہ اب یہاں ایک اجنبی رہتا ہے مجھے یہاں بے انتہا سکون ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ نے پھر کروٹ بدلی ہے۔ اور اب پھر میں سائرہ کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مگر آہ! میری قسمت کہاں۔ مجھے تو ابھی نہ جانے کب تک اس دنیا ے گرد و باد میں رہنا ہے۔ سائرہ کہاں! اور میں کہاں تاہم میرا دل کہتا ہے کہ اب مجھے زیادہ اس طرح جینا نہیں ہے۔ میرے پھیپھڑے داغدار ہو چکے ہیں۔ دل خراب ہو چکا ہے۔ سانس باقی ہے جو میرے اور سائرہ کے درمیان ایک دیوار بنی ہوئی ہے۔ مگر ایسی حالتوں میں اس دیوار کا ٹوٹنا کوئی دشوار کام نہیں ہے۔"

جمیل نے اتنا کہکر پھر سر جھکا لیا اور اب وہ ایسی محویت کے عالم میں معلوم ہوتا تھا کہ میری موجودگی کی بھی اُس کو خبر نہ تھی میں اب سے چند گھنٹے پیشتر کے واقعہ پر غور کر رہا تھا۔ مجھکو معلوم ہو گیا کہ سائرہ یا سائرہ کی روح اسوقت زیر لب کیا کہہ رہی تھی میں علت و معلول کی حیثیت اُسکو سمجھنا چاہتا تھا اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ حقیقت کیا ہے جمیل کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ وہ ابھی سے بھوت معلوم ہوتا تھا۔ تو کیا وہ سائرہ کا بلایا ہوا یہاں آیا تھا؟

۴ بج گئے تھے۔ رات اپنے گیسو سمیٹ رہی تھی۔ افق پہ صباحت نمودار ہو چلی تھی میں اسی اُدھیڑبن میں مبتلا تھا کہ جمیل چونک کر یہ کہتا ہوا کھڑا ہو گیا "زندہ باش سائرہ! میں تو جانتا تھا کہ تو مجھکو بلا رہی ہے۔ میں تیرے ساتھ چلنے کے لیے یہاں آیا تھا سائرہ! سائرہ!" میں مبہوت رہ گیا۔ ہر سمت سے "تم میرے ہو۔ تم میرے ہو!" کی صدا آرہی تھی اور پھر میرے کمرے سے سائرہ

اُسی طرح ہاتھ پھیلائے ہوئے اور "تم میرے ہو! تم میرے ہو!" کہتی ہوئی جمیل کی طرف بڑھی اور اسکے ہاتھ میں ہاتھ ڈالکر جدھر سے آئی تھی پھر اُسی طرف چلی گئی۔ جمیل کے منھ سے ایک حرف نہ نکلا میں اسکے بعد بڑی دیر تک حرکت کرنے کے قابل نہ تھا۔ جیسے مجھکو کسی نے مسحور کر دیا ہو۔

سورج اپنی پوری آب و تاب سے نکل آیا۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھا ان مشاہدات پر غور کر رہا تھا۔ میں اُسکو خواب سمجھکر ٹالنا چاہتا تھا لیکن واقعات کچھ اسقدر بر ترتیب وار میری آنکھوں کے سامنے تھے کہ میں انکی حقیقت سے انکار نہ کر سکتا تھا۔ اتنے میں مجھے اطلاع ملی کہ ایک شخص میرے مکان کی پشت جمنا کے کنارے مرا پایا گیا۔ اور بعد کو معلوم ہوا کہ وہ مشہور و معروف جمیل تھا۔ جو قید کے بعد لاہور کے ایک وقیع انگریزی اخبار کا اڈیٹر تھا۔ اخباروں نے تعزیت نامے لکھے۔ بڑے بڑے اہل قلم نے ماتم کیے میرے خیال میں جمیل کے ماتم کی بہترین صورت یہ تھی کہ اس کی زبان سے سنی ہوئی داستان کو دہرا دوں۔ پڑھنے والے مجھکو مجنوط الحواس سمجھیں گے اور میرا مضحکہ اُڑائیں گے مگر محض اس ڈر سے میں خدا کی خدائی سے تو انکار نہیں کر سکتا۔

آخر میں اتنا اور کہدینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس دن کے بعد سے میں نے پھر سائرہ کی صورت نہیں دیکھی بجز اُسکی تصویر کے جو ابھی تک اسی کمرے میں موجود ہے۔ میرے خدمتگار کو بھی پھر کبھی "بھوت پریت" کی شکایت نہیں ہوئی۔

مجنوں گورکھپوری

غزل

(از یادگار بیان و یزدانی جناب عیاںؔ میرٹھی)

دل کا کیا ذکر۔ اب الفت میں جگر جلتا ہے
جو نہ جلتا تھا کبھی آج وہ گھر جلتا ہے

شام ہی سے شب غم میرا چراغ ہستی
دھیما دھیما صفتِ شمعِ سحر جلتا ہے

خانہ بربادیاں میری نہیں محتاج بیاں
برق گرتی ہے کہیں اور مرا گھر جلتا ہے

حدت آتش رخ مانع دیدار ہوئی
ان کو دیکھے کوئی کیا، تار نظر جلتا ہے

اب کس اُمید پہ فریاد ہوائے آتش عشق
میری آہِ دل سوزاں سے اثر جلتا ہے

مجھکو اے دامنِ گمنامیِ عشاق چھپا لو
کہ مرے نام سے وہ رشک قمر جلتا ہے

آشیانے کی بنا قہر ہوئی ہے اے برق
چار تنکوں کے سبب سارا شجر جلتا ہے

سوز الفت کو گوارا تو کیا تمنے عیاںؔ
یہ شکایت نہ سنیں ہم کہ جگر جلتا ہے

اَوَدْھ

مرزا برجیس قدر

(از جناب اسرار حسین خانصاحب طباطبائی)

مرزا رمضان علی خان فرزند دلبند واجد علی شاہ امجد علی شاہ کے متبرک اور بیتی عہد مین نواب حضرت محل صاحبہ کے بطن سے لکھنؤ مین پیدا ہوئے۔ اُنکے دادا ثریا جاہ امجد علی شاہ نے اُنکی ولادت کی خوشی مین گیارہ ضرب توپ کی سلامی کا حکم دیا اور اُنکو مرزا برجیس قدر بہادر کے خطاب سے سرفراز کیا۔ بہرحال برجیس قدر جب کسی قدر سمجھدار ہوئے تو مولوی غلام حضرت اُنکے اتالیق مقرر ہوئے۔ جب لکھنؤ مین انگریزون نے چھاؤنی چھائی اور انتزاع سلطنت کے بعد لکھنؤ کا آخری اور بیگناہ تاجدار واجد علی شاہ تاج شاہی سے محروم ہوکر کلکتہ گیا تو مرزا برجیس قدر بہادر اپنی والدۂ محترمہ کے ساتھ لکھنؤ مین موجود تھے۔ ۳۰ مئی ۱۸۵۷ء کو رات کے ۹ بجے انگریزون کی باغی فوج نے لکھنؤ پہونچکر ہنگامۂ حشر برپا کر دیا۔ اُس وقت لکھنؤ مین عجیب تلاطم تھا۔ سرہنری لارنس بہادر چیف کمشنر لکھنؤ نے حتی الوسع فساد رفع کرنے کی کوشش کی مگر کچھ نتیجہ نہ ہوا۔ یہانتک کہ جولائی ۱۸۵۷ء کو رسالدار سید برکات احمد۔ راجہ لال کھما قوم کرمی۔ شہاب الدین اور دیگر سرداران باغی نے شہزادہ برجیس قدر بہادر کو اودھ کا بادشاہ بناکے تخت پر بٹھا دیا۔ اُس وقت اُنکی عمر دس سال کی تھی۔ برجیس قدر کی والدہ حضرت محل کسی طرح راضی نہ ہوتی تھین کہ اُن کا بیٹا بادشاہ بنایا جائے لیکن جان کے خوف اور عزت و آبرو کے دھڑکے سے مجبور ہوگئین۔ مثل مشہور ہے کہ زبردست مارے اور رونے نہ دے۔ مسند نشینی کے وقت جہانگیر بخش صوبیدار توپخانہ فیض آباد نے ۲۱ ضرب توپ کی سلامی سر کی۔ شہر مین مسند نشینی کی خبر مشہور ہوئی تو لوگون نے حاضر ہوکر نذرین گزرانین۔ شرف الدولہ محمد ابراہیم علی خان کو خلعت نیابت یا وزارت عطا ہوا۔ جنرلی کا خلعت حسام الدولہ کو ملا مگر کل وجوہ کے اختیارات ناصر الدولہ علی محمد خان (ممو خان) کے ہاتھ مین تھے۔ اب انتظامات ملکی ہونے لگے۔ تعلقداران اودھ کے نام فرمان شاہی جاری ہوا کہ سب ہماری خیرخواہی مین مصروف رہین اور انگریزون سے کچھ سروکار نہ رکھین۔ بعدازان ٹکسال اور کچہریان جاری ہوئین۔ فوج کی بھرتی کا حکم ہوا۔ شہر مین اعلان کر دیا گیا کہ "خلق خدا ملک بادشاہ دلّی کا حکم مرزا برجیس قدر بہادر کا اب خبردار شہر مین کوئی کسی کو نہ لوٹے ورنہ سزا پائیگا" عجب لطف تھا کہ یہ منادی تو ہوئی لیکن فوج لوٹ مار سے باز نہ آتی تھی۔ ایک دن لوگون نے برجیس قدر بہادر سے اسکی شکایت کی تو اُنھون نے تمام افیسرن اور عہدہ دارون کو جمع کیا۔ انکے ساتھ خود گھوڑے پر

سوار ہو کر نکلے اور سمجھانے لگے کہ بہادرو ہم تم سب کی بہادری کی قدر کرتے ہیں مگر ہمیں اس کا بڑا رنج ہے کہ تم شہر کو لوٹتے ہو۔ لہذا اس لوٹ سے باز آؤ اور امن و امان قائم کرو ورنہ رعایا تمہارے حق میں بد دعا کرے گی۔ افسروں نے دست بستہ عرض کیا کہ "حضور اب شہر نہ لٹے گا" تلنگے بولے "آپ ہمارے پیٹ کی خبر نہیں لیتے ہمیں تنخواہ دیجئے ورنہ شہر اس سے زیادہ لٹے گا" یہ سب کچھ ہوا مگر انکے عہد حکومت میں شہر روز لٹتا ہی رہا اور کسی طرح امن و امان نہ قائم ہو سکا۔ جب سرکار میں روپیہ کی قلت ہوئی تو دولتمندوں کے گھر لٹنے لگے۔ نواب حضرت محل اور ممو خان بہادر نے بیالیس لاکھ روپیہ کے قریب رعایائے شہر سے بجبر لئے۔ برجیس قدر کا زمانہ ایک طوفان بدتمیزی کا زمانہ تھا جو مینہ کی طرح آیا اور آندھی کی طرح نکل گیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اگر کام قاعدہ سے ہوتا۔ اہلکار کافی بندوبست کرتے اور فوج اچھے طریقے سے لڑائی جاتی تو سرکار برجیس قابل یادگار ہوتی اور انگریزوں کو لکھنؤ لینا مشکل پڑ جاتا اس لئے کہ ممالک محروسہ کے راجاؤں، تعلقداروں، زمینداروں وغیرہ کی فوج سب ایک لاکھ پچاس ہزار پانچ سو تھی۔ لوگ حضرت محل صاحبہ کی مستعدی اور نیک نفسی کی تعریف کرتے ہیں۔ سپاہیوں کی نہایت قدر کرتیں اور انعام دیتیں۔ یہ ناممکن تھا کہ خود فوج کی سپہ سالاری کرتیں۔ مگر بدنصیبی یہ تھی کہ مشیر اچھے نہ تھے۔ ہر شخص غرض کا بندہ تھا۔ اسی اثنا میں مشورہ ہوا کہ بہادر شاہ بادشاہ دلی کی خدمت میں سفیر روانہ ہو، جنہیں وہاں کے باغیوں نے مجبور کر کے ہندوستان کا بادشاہ بنا لیا تھا۔ چنانچہ حاجی سید عباس مرزا اثر سفیر مقرر ہوئے اور مرزا برجیس قدر کی جانب سے ایک عرضداشت لیکر روانہ ہوئے جو بہادر شاہ کے حضور میں پیش کرنے کے لئے لکھی گئی تھی اور اس میں فرنگیوں کے قتل و غارت کے حالات درج تھے۔ جو اشیائے گران بہا بطریق نذر منجانب برجیس قدر دلی بھیجے گئے۔ وہ حسب ذیل تھے:۔

ایک سو ایک اشرفیاں۔ ایک کیسۂ زرین جس میں تاج مرصع تھا۔ مالائے مروارید۔ دُھگدگی۔ جوڑی نورتن۔ موتیوں کا دست بند۔ کنٹھا مروارید۔ ہاتھی جسکے ساتھ نقرئی حوضہ اور کارچوبی جھول تھی۔ دو گھوڑے جنکا ساز نقرئی تھا وغیرہ وغیرہ۔ اور حضرت محل صاحبہ کی جانب سے نواب زینت محل صاحبہ کی خدمت میں پیش کرنے کے صرف ایک ہیرے کا مرصع دست بند بھیجا گیا۔ یہ کل چیزیں حاجی صاحب کو دی گئیں۔ انکے سفر کا ضروری سامان درست ہوا اور دہلی کو روانہ ہوئے۔ بہزار خرابی یہ سفارت کے لئے دہلی پہونچے۔ نواب زینت محل صاحبہ کی محل سرا میں مرزا برجیس قدر بہادر کا یہ سفیر حاضر حضور بادشاہ ہو کر آداب بجالایا۔ نذر دی۔ بعد ازاں برجیس قدر کیجانب سے عرضداشت اور عرضیاں گزرانیں۔ بہادر شاہ نے اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا کہ فرزند ارجمند مرزا برجیس قدر بہادر شاہ اودھ۔ آفریں ہو کہ اس چھوٹے سے سن میں تمنے بڑا کام اور بڑا نام کیا۔ آیندہ تمھارے لئے مہر خطاب بھیجی جائیگی اور جو ملک قدیم تمھارا تھا اس سے زیادہ عطا ہوگا۔

یہ تحریر بادشاہ نے اپنے دستخط سے مزین فرما کے سفیر کو عنایت کی۔ حاجی سید عباس مرزا رخصت ہوئے۔ دوسری باریابی میں سفیر مذکور نے باقی ماندہ تمام چیزیں بہادر شاہ کی خدمت میں پیش کیں شاہ عالم پناہ نے سفیر کو خطاب سفیر الدولہ سے سرفراز کیا اور ارشاد فرمایا کہ "میں نے تاج بخشی کی" عباس مرزا آداب بجالائے اور وہ ایک سو ایک اشرفیاں بادشاہ کو نذر دیں۔

اسکے بعد رخصت ہو کر لکھنؤ آئے حضرت بیگم صاحبہ سے کل

کیفیت بیان کی۔ اب حضرت محل صاحبہ نے بادشاہ برجیس قدر بہادر کی سالگرہ کی طیاری کا حکم دیا، تمام محلات اور شہزادوں کو بلایا عہدہ دار اور افسر بھی حاضر ہوئے جلسہ بہت خوش اسلوبی سے ہوا، سب بیگموں نے برجیس قدر کو بطریق نذر اشرفیاں دیں، گلے سے لگایا اور ناچ رنگ کی محفل گرم ہوگئی۔ اِس جلسہ میں نواب خورد محل کے ساتھ اسیر انگریزنیں بھی ہندوستانی بیگموں کا لباس پہنے اور ہاتھوں میں مہندی لگائے شریک محفل تھیں۔ مگر انتظام کی یہ کیفیت تھی کہ کسی بیگم کو کھانا نہ ملا اور سب نے اپنے گھروں یا بازار سے منگوا کر کھانا کھایا۔ کہنے کی بات ہے کہ ایک سالگرہ کے جلسہ اور اپنے مہمانوں کے کھانے کا بندوبست نہ ہو سکا۔ ایسے ہی موقع پر کوئی اُستاد کہتا ہے ع

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ برجیس قدر پر کوئی الزام نہیں آ سکتا اُنکی کمسنی اُسکے آڑے آتی ہے اور یہ بلا رد ہو جاتی ہے۔

غدر کے اثنا میں جنرل آوٹرم نے تین بار حضرت محل صاحبہ کو صلح کا پیغام بھیجا لیکن مشیران دولت نے کسی طرح صلح نہ ہونے دی۔

پہلی مرتبہ کے پیغام میں جتنا ملک نواب شجاع الدولہ بہادر کے قبضہ میں تھا وہ سارا جنرل آوٹرم برجیس قدر کو دیتے تھے۔

دوسری مرتبہ جتنا ملک واجد علی شاہ کے قبضہ میں تھا اُتنا دیتے تھے۔ شرط یہ تھی کہ لڑائی سے ہاتھ اُٹھا لیا جائے۔

تیسری مرتبہ صرف پچیس ہزار روپیہ ماہوار دیتے تھے لیکن کسی نے سماعت نہ کی، بلکہ ممو خان اور دیگر ارکان دولت نے جواب دیا کہ جنگ و جدل میں دھوکا دینا اور جھوٹ بولنا ہمیشہ سے جائز چلا آتا ہے ہمیں کسی بات کا اعتبار نہیں۔

اگر جنرل آوٹرم کی التماس قبول کر لی جاتی تو زندگی بھر ٹھوکریں کھانا پڑتیں لیکن تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔ چند روز میں سب کفِ افسوس ملتے ہوئے بہ ہزار خرابی و پریشانی لکھنؤ سے بھاگے انگریزوں نے شہر اور ملک پر قبضہ کر لیا۔ برجیس قدر بہادر اور حضرت بیگم صاحبہ جا بجا مقام کرتے ہوئے نیپال پہونچے وہاں تک بھی اُن کے ساتھ تیس ہزار فوج تھی۔ سر جنگ بہادر نے برجیس قدر کو پناہ دینے سے تو انکار کیا، لیکن بہت عزت و احترام سے لیا اور وعدہ کیا کہ اگر فوج ہتھیار رکھدے تو میں انگریزوں سے پناہ دلوا دوں۔ لیکن کسی نے شنوائی نہ کی۔ آخر برجیس قدر اور حضرت بیگم صاحبہ نیپال میں ہو کے وہیں رہ گئے۔ سر جنگ بہادر مہاراجہ نیپال نے پانچ سو روپیہ ماہوار برجیس قدر بہادر کا وظیفہ مقرر کر دیا اور جتنی فوج ساتھ تھی اُسکو مار کر اپنی سرحد سے نکال دیا۔ خود برجیس قدر جس قدر جواہرات ساتھ لے گئے تھے، سب نیپال کی نذر ہوا۔ بعد ازاں برجیس قدر کی شادی بھی کسی رئیس نیپال کی بیٹی سے ہوگئی اور سنہ ۱۸۸۶ء تک تین لڑکے بھی پیدا ہوئے۔ جن میں سے ایک دس سال کی عمر میں نیپال میں دُنیا سے رخصت ہو گیا۔ سنہ ۱۸۷۹ء میں خود حضرت محل صاحبہ نے نیپال میں رحلت فرمائی اور وہیں دفن ہوئیں۔ برجیس قدر کی کھلائی مرزائی بیگم نے بھی نیپال میں سفر آخرت اختیار کیا۔

سرکار انگلشیہ نے ایک انگریز مصور کو برجیس قدر بہادر کی تصویر کھینچنے کے لئے نیپال بھیجا، اُس نے باداب شاہی تصویر لی پھر عرض کیا کہ سرکار انگریزی کی اجازت ہے کہ آپ فیض آباد یا لکھنؤ میں جہاں چاہیں آ کے قیام فرمائیں۔ تنخواہ فراخور حال ملیگی اور تعظیم واحترام شاہانہ عمل میں آئے گا۔ مگر آپکے گرد زیادہ ملازموں کا ہجوم

نہ ہونے پائے گا۔ حضرت محل صاحبہ نے جواب دیا کہ "جب کسی نوکر کو نہ رکھ سکیں تو پھر روپیہ کس کام آئے گا۔ اور یہی سے تو پھر ہمیں یہاں رہنے میں کیا قباحت ہے"۔ غرض کہ ملکہ معظمہ کوئن وکٹوریہ کی جوبلی کے موقع پر دولت برطانیہ نے انکا قصور معاف کر دیا اور ہندوستان آنے کی اجازت ملی۔ واجد علی شاہ کی وفات کے بعد بغیر کسی سے کچھ کہے سُنے نیپال سے غائب ہوئے تو ناگہان کلکتہ میں برآمد ہوئے۔ اُس وقت قمر قدر پرنس مرزا محمد عابد علی بہادر بادشاہ کے بیٹوں میں سب سے زیادہ پنشن پاتے تھے۔ برجیس قدر بہادر نے دعوی کیا کہ میں بادشاہ کے سب بیٹوں سے زیادہ معزز اور زیادہ ماہوار کا مستحق ہوں۔ لہذا مروجہ قانون کے مطابق بادشاہ کی پنشن سے ایک ثلث گھٹا کے باقی میرے نام پر جاری کی جائے۔ اِس پیروی میں وہ انگلستان جانے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ مرزا قمر قدر بہادر کے وہاں اُنکی اور اُنکے اہل عیال کی دعوت ہوئی۔ دعوت دعوتِ مرگ ثابت ہوئی۔ کیونکہ واپس آتے ہی اُنہوں نے اور اُن کے کئی عزیزوں نے ایک ہی ساتھ دنیا سے کوچ کیا۔ اور مٹیا برج (امامباڑہ سبطین آباد مبارک میں دفن ہوئے۔

شہزادہ برجیس قدر مرزا رمضان علی خان بہادر شاعر، بلند حوصلہ دلیر، بلند ہمت، بہادر، جفاکش شاہزادے تھے۔ مگر تقدیر سے ناچار تھے۔

اِس موقع پر قابل ذکر یہ بات ہے کہ واجد علی شاہ تو ایسے کاہل اور آرام طلب ہوں۔ اور اُنکی بیوی نواب امراؤ محل حضرت بیگم صاحبہ، اور دس سال کی جان مرزا برجیس قدر ایسا بیباک اور جری نکلے جنکی آنکھ توپ تلوار سے بھی نہ جھپکی اور سلطنت کے دعوے سے سرکار کمپنی انگریزی کے مقابلہ میں تلوار ٹیک کر اُٹھ کھڑا ہوا اور صحیح و سالم نیپال تک چلا گیا۔ اگرچہ رانی جھانسی اور رجی جابائی نے مردانگی میں اور ہز ہائینس حضور نواب سکندر جہان بیگم صاحبہ والیہ بھوپال نے رسوخ و انتظام میں، اور رانی چندہ والدۂ محترمہ والیِ لاہور نے چالاکی میں، اور نواب زینت محل صاحبہ اہل خانہ بہادر شاہ دہلی نے وفاداری میں نام کیا مگر لکھنؤ کی بیگم صاحبہ نے عجیب دلیرانہ کام کیا جس میں کسی کو شک و شبہہ نہیں ہو سکتا۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ بیلی گارد کے محصورین سے آٹھ یا نو ماہ مقابلہ رہا اور فتح نہ ہوئی۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ دربردہ شہر کے رئیس سرکار انگریزی سے موافق رہے جنکے سبب سے جاسوسی اور دیگر کار ضروری جاری تھے۔ اور مثل مشہور ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔

اسرار حسین خان طباطبائی

کیف قلبی

(از جناب مولانا شاہ محمد فاخر صاحب بیخود الہ آبادی)

شاعری اُس خداداد قوت کا نام ہے جو مافی الضمیر کو باسلوب حُسن اور طریقہ دلکش ادا کرنے پر قادر بنا دیتی ہے معنی بیان او بدیع کے اہلِ کمال تنافر حروف و تنافر کلمات سے کلام موزون کے خالی ہونے کا نام فصاحت اور بلاغت رکھتے ہین جسمین کلام کے سیاق اور سباق کے ساتھ مقتضائے حال کے مناسبت بھی لازمی ہے۔ یہ ملکہ سب سے زیادہ انبیاء علیہم السلام مین ہوتا ہے اِسی لئے مولانا نظامی ارشاد فرماتے ہین ؎

شاعری جزویست از پیغمبری شاعری را کز خوانند از جزی

قرآن مجید کا شاعری نہ ہونا اس بات کی دلیل نہین کہ قرآن پاک کے منزل کو شعر کہنا نہین آتا تھا جو بڑے بڑے شاعرون کی اصلاح کرے اور شعر کہنا نہ آئے بڑے تعجب کی بات ہے صحابہ مین کون تھے جو شاعر نہ تھے اور حضور کے شاگرد نہ تھے حضرت خدیجہ کبریٰؓ سے لیکر ائمہ کرام مین کس نے شعر نہین کہا، یا کس نے شعر نہین پڑھا۔ خود قرآن شریف کی بہت آیتین اوزان شعری پر منطبق ہین۔ علامہ حریری نے تقریباً سولہ بحرین قرآن شریف سے نکالین۔ اور میرے اُستاد مولانا محمد حسین الہ آبادی علیہ الرحمہ نے باقی کی تمام بحرین قرآن شریف سے اخذ کین۔ مجھے قدرت نے پیدایش سے جس طرح صورتِ زیبا کا شیدائی بنایا، کلام حسن کا فدائی مخلوق کیا

سب سے پہلے قرآن پاک کو پڑھتا ہون اور اُسکے اسرار و نکات پر سر دُھنتا ہون پھر تبدیل مذاق کے لئے حدیث شریف کی تلاوت کرتا ہون۔ اُسکی لذت کے بعد کلام کرام و مشائخ سے بہرہ اندوز ہوتا ہون اُن سے جب کبھی فرصت ہو جاتی ہے تو اُردو کے اساتذہ و احباب کے اشعار سے لطف اُٹھاتا ہون۔ ایک روز حُسن اتفاق سے اپنے شہر کے اُولوالعزم رئیس نفسیات او راحباب کی جماعت کے سرتاج آغا علیخان صاحب محمود تخلص کا کلام جستہ جستہ مقامات سے دیکھنے کا اتفاق ہوا الٰہیات۔ حسیات۔ عشقیات۔ یہ تین (الف) (ت) اِس کثرت سے نظر آئین کہ میرے چھکے چھوٹ گئے کسی شعر نے دل مین چٹکی لی۔ کسی نے کلیجہ مین خلش پیدا کی۔ کوئی شعر دماغ پر مستولی ہو گیا کبھی ایک برقی کیفیت رگون مین نمایان ہوئی اور کبھی ایک ہیجانی حالت خون۔

مبالغہ، غلو، اور اغراق شاعری کے لوازم ہین لیکن میرا کلام ان تینون سے الگ شہادت مین خانصاحب موصوف کا کلام پیش کرونگا، مگر ابھی نہین زیادہ سے زیادہ بیس سطرون کے بعد۔

ادائے مقصد کے لئے ایک دوسری تمہید بھی عرض کرنے کو جی چاہتا ہے۔ ممکن ہے نئی بات ہو یا طرزِ ادا مین جدت شاعری اصل مین شراب سازی اور صہبا کشی ہے۔ کشیدن نوشیدن کے معنی مین نہین ہے بلکہ ساختن کے معنی مین ہے جس طرح ایک کیمیاگر

فقیر شراب بنانے والا ایک ہی نسخہ کو بناتا رہتا ہے - اسی طرح ناواقف
شاعر ایک ہی قسم کا مضمون اور شعر کہتا ہے لیکن ہوشیار علم کیمیا سے
واقف ادویہ کے خواص و افعال سے آگاہ جب شراب بنائے گا
موسم و وقت اور پینے والون کے مزاج کے خیال سے اجزا کی ترتیب
اور وزن قائم کریگا - اِس طرح ایک واقف شاعر مختلف شعر مختلف
مضمون، مختلف کیفیتین، مختلف عنوان سے ظاہر کیا کرتا ہے ہر انسان
ازل سے ایک صوفیانہ کیفیت لیکر آتا ہے جسکو عشق حقیقت یا مذاق
حُسن پرستی کہتے ہین - عشق مین مناسبت مزاج ضروری ہے ورنہ
تعلق خاطر ہونا محال ہے - بندہ کسی صفت کا مظہر ہوتا ہے اِس صفت
سے اُسکا تعلق ہوتا ہے وہی صفت اسکی تربیت کرتی ہے - اور
چونکہ ہر مربی محبوب ہوتا ہے لہذا جس شخص مین وہ صفت پائی جائیگی
وہ محبوب ہو جائیگا - شاعر بھی ایک بندہ ہے - اور انسان بھی
خدا کی صفات کو دنیا کی مظاہر مین جلوہ آرا پاتا ہے - اگر وہ مظہر انسان
ہے تو تعلق قلبی سے عشق و محبت کا تعلق پیدا کر لیتا ہے ورنہ ذوق
نظر سے ایک اور رنگ کی کیفیت حاصل کرتا ہے اسی کو شراب
معرفت کہتے ہین اور ایسے آدمی کو مستانۂ حقیقت - جناب آغا علیخان
صاحب کہنے کو شیعہ ہین بظاہر تصوف سے بیگانہ لیکن پہلو مین
صوفیون والا دل رکھتے ہین اور حلقۂ جسم مین اہل بصیرت کی آنکھ -
میرے پیر اور اُستاد مولانا آسی سیکندر پوری علیہ الرحمہ اسی
مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہین ؎

اگر بیانِ حقیقت نہ ہو مجاز کے ساتھ
تو شعر لغو ہے آسی کلام ناکارہ

آغا علی خان صاحب کا یہ شعر ملاحظہ ہو -

پردے ہین جتنے مستتر اُنکے حریم ناز مین
دیکھو وہ اُٹھ رہے ہین سب عشق کی اک نماز مین

صلوۃ العشق صوفیائے کرام کے یہان ایک نماز ہے دو رکعت
جسمین اسم ذات کی تکرار بار بار کی جاتی ہے، سیر صفات کے بعد طالب
کو سیر ذات نصیب ہوتی ہے - اسم ذات بعض چوبیس ہزار بار روز
کہتے ہین اور بعض بارہ ہزار بار اتنی ہی نظرین حضرت حق کی چوبیس
گھنٹون مین بندون پر پڑتی ہین - اور اُتنی بار خوش قسمت دیدار
جلوہ سے فیضیاب ہوتے ہین - شاعر کہتا ہے ہر ایک جلوہ کے آگے
آنے والے جلوہ کے لئے پردہ ہے جو باعث استتار ہے صلوۃ العشق
کی بدولت بار بار پردے اُٹھتے جاتے ہین اور جلوہ پر جلوہ نظر آتا
جاتا ہے باریاب حریم ناز جو جلوہ دیکھتا ہے دیکھو کے لفظ سے
دوسرون کو بھی دکھانا چاہتا ہے - مگر ہر آنکھ موسٰی کی آنکھ نہین -
اسی ایک شعر کی شرح مین دو دو جزو لکھنے کو جی چاہتا ہے مگر دوسرا
شعر دوسرا ذوق پیدا کرتا ہے - یا صوفیون کے الفاظ مین دوسرا علم
قلب پر وارد ہوتا ہے اِس لئے اسکا اظہار بھی ضروری ہے - دوسرا
شعر لکھنے سے پہلے دو چار سطر تمہیداً عرض کرنا ضروری سمجھتا ہون؛
حیات و موت بندون کی دو قوتون کا نام ہے صفات الٰہی کبھی معطل
نہین ہوتے ممیت اپنا کام ہر وقت کرتا ہے اور محی اپنا - جب
صفت احیا رہے فیض لینے کی قوت مخلوق کی ختم ہو جاتی ہے صفت
امات کا فیض برسنے لگتا ہے پہلی زندگی دوسری موت - یہ صفات
الٰہی کی حرکات و تجلیات کا نام ہی حرکت کی دلیل اضطراب اظہر
من الشمس ہو حرکت نہ ہو تو اضطراب کہان سے آئیگا - حرکت
اضطراری اگر ہے تو اکثر وجد و رقص کی صورت مین ہوتی ہے - اور اگر

رقص و وجد نہ ہو۔ تو رعشہ ہے وہ ہی دلیل حیات ہے مرتعش مرنے کے بعد مرتعش نہین رہتا۔ صفات واجب کبھی فنا نہین ہو سکتین اور مر نہین سکتین (نعوذ باللہ) اب شعر سنئے۔ ؎

بزم جہان ہے مضطرب رقص مین ہین تجلیان
کس نے یہ روح پھونک دی جلوہ گہ مجاز مین

عشق تجلیات حسن مین محو و گم۔ اور از خود رفتہ تھا حسن ہی اسے ہوش مین لا سکتا اور حسن ہی اُسے خود دار بنا سکتا تھا۔ خدا کے سوا خدا کو چاہنے والا کوئی دوسرا نہین ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنے چاہنے کے لئے دُنیا بنائی۔ اور اس نے عشق پیدا کیا۔ عشق کے لئے اضطراب، اضطرار، بیچینی۔ تڑپ۔ قلق۔ یہ سب چیزین ضروری ہین۔ سارا جہان عشق ہے۔ لہذا بزم جہان مضطرب ہے عاشقون کی بیتابیون سے معشوق پر کیفیت ہوتا ہے جھوم جاتا ہے۔ کبھی تکمیل مرتبۂ عشق اور تسخیر قلوب کے لئے۔ عاشق کے پہلے معشوق رقص کرنے لگتا ہے صفات کی تجلیان دو طرح کے رقص مین ہین۔ کتنون کو مبتلا کر لینے کے بعد اپنے کمال دل فریبی پر وجد ناز ہے اور کتنون کو اپنا بندۂ بے دام بنانے کے لئے وجد، غمزہ و انداز حقیقت اب تک ما شمت رائحۃ الوجود ہے۔ ہماری آنکھ کے سامنے مجاز کے سوا کچھ بھی نہین۔ اہل بصر جب مستفید جلوہ ہوتے ہین۔ آئینہ کی طرح حیران و ششدر رہجاتی ہین زندہ رہتے ہین مگر جسد بے روح کی طرح بے حس و حرکت تجلیان جب رقص کرتی ہین اُن مین بھی روح ذوق پیدا کر دیتی ہین۔ شاعر دوسرے مصرع مین بھی کہتا ہے۔ حیرت جو مولا، کائنات کا اصلی مذاق تھا اسکو قائم رکھتے ہوئے روح پھونکنے والے کو چاہتا ہوا کہتا ہے۔ کس نے یہ روح پھونک دی جلوہ گہ مجاز مین اب آؤ ہم تم مل کر اس شعر کو پھر پڑھین اور بار بار پڑھین۔

بزم جہان ہے مضطرب رقص مین ہین تجلیان
کس نے یہ روح پھونک دی جلوہ گہ مجاز مین

ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔

روح کی سب کثافتین ایک نگہ مین دُھل گئین
کیسا اثر بنا آپ کے دیدۂ پاکباز مین

روح کے متعلق اطبا فلاسفہ اہل شرع صوفیہ الگ الگ رائے اور تحقیق رکھتے ہین اطبا، اُس بخار لطیف کو کہتے ہین جو اخلاط سے پیدا ہوتا ہے فلاسفہ اُس قوت حیات کو کہتے ہین جو باعث افعال ورد، اہل شرع اُس مخلوق الٰہی کو کہتے ہین جو جسم کے اندر تصرفات کا باعث ہوتا ہے۔ صوفیہ وجود کے اُس اثر کو کہتے ہین جو ہستی مین ابدی ہے اب شاعر کے شعر کو دیکھئے۔ اگر وہ صوفیہ کی روح ہے تو عالم کون فساد کی صحبت سے اُسکا کثیف ہونا لازمی ہے ایک فارسی کا شاعر کہتا ہے ؎

کہ کشید دامن فطرتت کہ بعہد ما و من آمدی
تو بہار عالم دیگری ز کجا بہ این چمن آمدی
چہ شد بہ اطلس فلکی قبا کہ دریدہ ات ملکی روا
کہ درین بیابان کدہ فنا سے گذر کفن آمدی

اگر اہل شرع کی روح ہے تو دُنیا کے اعمال اور افعال کا اثر اُس پر پڑیگا اگر فلاسفہ کی روح ہے تو علم و جہل کی متضاد تاثیرین اپنا رنگ دکھا گئی بیچارے اطبا کی روح کا ذکر ہی کیا بخارات مین اجزاے ارضیہ زیادہ مل گئے کثیف ہو گئے۔ خان صاحب اسے منقبت کا شعر کہتے ہین اور مین نعت کا، میرے نزدیک ہر منقبت نعت ہے نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا کی روحین کثیف ہو گئی تھین مازاغ البصر و ماطغیٰ والے کی

نگاہ پاک باز پاک ساز و پاک گر نے کن کن کو کیسا اور کس طرح کا
بنا دیا۔ تاریخ دنیا حقیقت اور انصاف اسکے چاروں گواہ عادل ہیں یا
جب کسی روح کی کثافت دُھل جائے گی
تو دوسری روحوں کو بھی پاک صاف طیب طاہر بنا دیگی
سائنس حکمت اور فلسفہ سب تاثیر صحبت کے قائل ہیں نگاہ پاک باز
بدنظروں کو بھی کم سے کم بدنفسی سے تھوڑی دیر ضرور روک دیتی ہے
جب وہ نگاہ پاک باز جو اپنی طہارت کی بدولت روح سے زیادہ لطیف
متحقق ہو چکی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسکا اثر روح کی کثافتوں کو دھو کر
پاک کر دے یہاں ایک اور مسئلہ بھی ظاہر ہوگیا۔ تمام دنیا کے
مذاہب دھونے ہی سے پاک ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن مذہب
اسلام تیمم سے بھی طہارت کا قائل ہے مسلمان وحاً کبھی کثیف
نہیں ہوتا کیونکہ کسی کے دیدۂ پاک باز نے ساری کثافتیں پہلے ہی
دھو دی تھیں۔

یہ ابھی مباحث نظری ہیں جن میں تا فصاحت و بلاغت و ترکیب الفاظ کے
متعلق پھر کسی دوسری صحبت و فرصت کا منتظر ہوں اگر ارباب شوق نے توجہ
کی تو خانصاحب کی غزلوں کا مجموعہ میرے پاس طبع کی قوت موجود ہے۔

محسوسات

(از جناب طالب)

لفظ تو ملتے نہیں اظہار محسوسات کو
اب وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں میرے دل کی بات کو

یا خدا مہمل بنا دے سارے موضوعات کو
دیکھتے ہیں وہ کتاب دل کے عنوانات کو

درحقیقت طور پر موسیٰ کو سوجھی ہی نہیں
ورنہ آنکھیں ضبط کر لیتیں تجلیات کو

پہلے تو دل میں خدا جانے کدھر سے آ چھپے
پھر ستم یہ ہے اُبھارا میرے محسوسات کو

ہائے مت پوچھو مریض غم کی کیفیات کرب
نیند کیا غفلت سی ہو جاتی ہے پچھلی رات کو

میری آہوں میں بقول ان کے اگر طاقت نہیں
چرخ سے پھر کیوں ستارے ٹوٹتے ہیں رات کو

کسطرح غیروں پہ راز عشق افشا ہو مرا
میں تو خود مہمل بنا لیتا ہوں اپنی ذات کو

تک رہا ہے پھر کوئی حسرت سے سوئے آسمان
پھر کہیں جذبہ نہ آ جائے تجلیات کو

میرے آگے سے ہٹا لو یا تو یہ مبہم کتاب
یا پلٹنے دو مجھے اوراق موجودات کو

چاندنی ہو یا اندھیری مجھ سے طالبؔ اسطرح
میں تو آفت ہی سمجھتا ہوں ہمیشہ رات کو

عکس تحریر جناب منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم لکھنوی ارشد تلامذہ جناب نسیم مغفور دہلوی

(جناب تسلیم مرحوم کا خط جناب مولوی نعیم الحق صاحب آزاد شیخوپوری کے نام)

عنایت فرمای دوستان زاد الطافکم — بعد سلام نیاز مکمل منتظر رہا ہوں — آپکا عنایت نامہ آیا سرفراز فرمایا آپنے ایسے
مضمون کیطرف توجہ فرمائی کہ جسکا میں قائل نہیں اور محض ایک فرضی [illegible] سمجھتا ہوں بقول حضرت جامی [illegible] بندۂ عشق شدی ترک نسب
کن جامی * کاندرین راہ فلان ابن فلان چیزی نیست * ہر چند اس نسبت پر بزرگوں نے بہت اہتمام کیا ہے اور ایک کتاب بنا رکہی ہے مگر
میں اوسکو چنداں معتبر نہیں سمجہتا کہ اوسپر بھروسا کروں اور بطور تواریخ کے کتابوں میں لکھوانا پسند کروں مگر شاہان دہلی سے جو فرمان بزرگوں نے
حاصل کیے ہیں اونمیں لفظ انصاری ضرور لکھا ہے اور میرے اسلاف کہتے ہیں کہ وہ انصار حضرت رافع رضی اللہ عنہ مراد ہیں یہانتک کہ واجد علی شاہ کے
عہد میں ایک پروانہ مجھے ملا تھا اوسمیں بھی لفظ انصاری موجود ہے بہر کیف اسقدر شاید صحیح ہو — میرے جد اعلیٰ شیخ تاج الدین محمد عطاء اللہ
بہار میں دہلی سے بعہدۂ قضاۃ مامور ہوکے صوبہ اودھ میں آئے اور اپنے منصب پر مقرر رہے اور موضع گاؤں حسن پور پہاڑا پور ضلع
دریا آباد میں پائی تہی والد ماجد نے اپنے زمانے میں بسبب بیماری خاص بستی چھوڑ کے اور بود و باش فیض آباد میں اختیار کی بعد
غدر کے میں نے لکھنؤ میں سکونت اختیار کی اور فیض آباد کے مکان کہنہ کو [illegible] کے اب لکھنؤ — میں مرزا اصغر علی خاں نسیم دہلوی کا
شاگرد ہوں اور وہ مومن خاں دہلوی کے شاگرد تہے — دو دیوان اردو اور [illegible] مثنویاں مجہے اسوقت تک موجود ہیں جنکے یہ نام ہیں
نالۂ تسلیم — شام غریباں — صبح خنداں — دل و جان — [illegible] — سفرنامہ [illegible] — مضامین [illegible] یہ دونوں چھپے نہیں

عکس تحریر جناب مولوی ظہیر حسن شوق نیموی مرحوم

(جناب شوق نیموی کا مکتوب جناب مولوی نعیم الحق صاحب آزاد شیخو پوری کے نام)

باسمہ سبحانہ   یا ذوالمنن بنازم ذات دام لطفکم   السلام علیکم آپکا محبت نامہ پہونچا ممنون
ہوا ۔ مثنوی دیکھا اور میری تاریخ لیا ۔ اسکے اعداد اشارۃ النص کی نا مثنوی کی وجہ
مجھے دم مارنے کی مہلت نہیں مگر وہ شوق کی خاطر سے یہ مقدم تھی کہ فکر کرکے چند اشعار
ارسال ہیں دو کلمے رسید مطلع ہای عنوان تاریخ میں لکھے ہیں کہ حاشیہ نقطہ حکیم
لکھنے کی ضرورت نہیں ۔ میں اپنے تصانیف میں یہ نقطہ نہیں لکھتا ۔ والسلام
حضرت شمس و حضرت نسیم دونوں کی شاگردی کیلئے یا کسی کی نہیں ۔
ملکہ تلمذ لکھنے کی ضرورت نہیں جگہ و ہے جانتے ہی ہیں فقط

شوق عفی عنہ
شہر ...

مثنوی کیا مستزاد لکھی — کہ نسیم ہے حسن و عشق کی تقریر
ہے حسینوں کو جان کا پیوند — دل سے بہاتی ہے نظم پر تاثیر
ہوش کیا ہے دل کو نکلے لئے — نوک نشتر اسے کہو یا تیر
اسکی طرز بیان ہے سب کو پسند — ہو نزاکت یا نسیم یا ہو میر

شوق لکھو یہ مصرع تاریخ

ہے نسیمہ مثنوی شہیر
۱۳۰۶

انتخابِ صحیح

طبعزاد

(از جناب شوکت تھانوی)

(۱)

قوسیہ دوشیزگانِ مصر میں سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ نظر
فریب اور سب سے زیادہ دلکش مجسمۂ حسن و رعنائی تھی اور صرف مصر ہی
میں نہیں، بلکہ اُسکے حُسن کی مثال آسمان کے تارون، چاند کی کرنوں
اور کہکشان کے موتیوں میں بھی نہ تھی۔ وہ ایک "خوبصورت ساحرہ"
تھی۔ اور اُسکی مکمل نسائیت نے مصر کے ہر نوجوان دل میں اپنی
تجلی گاہ بنالی تھی۔ وہ "حورِ ارضی" تھی اور اہلِ مصر اُسکو "خداوندِ
جمال" کہتے تھے۔ اب جبکہ وہ اپنے گلستانِ حیات کی سولھوین
روش پر شباب کے پھول کھلا رہی تھی، مصر کے سیکڑون نوجوان
اُسکو اپنی زینتِ آغوش بنانے کے متمنی تھے اور قوسیہ کی طرف سے
شرطِ انتخاب صرف یہی تھی کہ "جو شخص اپنے نفس کی عارضی مسرت
سے خالی الذہن ہوکر قوسیہ کی محبت میں کھو جائے وہی قوسیہ کا
مالک اور وہی قوسیہ کا "انتخابِ صحیح" ہوگا۔

حُسن کے پرستار وہ پرستار جنکو قوسیہ کی روحانیت سے کوئی
واسطہ ہی نہ تھا اور جو نفس کی عارضی مسرتوں سے خالی الذہن ہونا
جانتے ہی نہ تھے اپنی اپنی آغوشین خلوتِ حور بنانے کے لئے وا
کئے ہوے تھے اور ہر لمحہ توقف اُنکے لئے ایک نشترِ دلفگار تھا، مگر
قوسیہ جو حُسن کی تخلیق کا منشا حقیقی یہ سمجھتی تھی کہ "اُسکی مجازی کیفیات
سے انجذابِ حقیقت کیا جائے اور اُسکا مشاہدہ روح دل و دماغ
کے لئے ایک گلستانِ طمانیت ہو یعنی اُسے نفسانی اغراض میں ملوث
کرنا ایک گناہِ عظیم ہے" وہ اپنے امیدوارون کے لئے صبر آزما تھی
اور اُسکا دل حقیقتاً ایک ایسے شریکِ حیات کا متلاشی تھا جو نہ
صرف اُسکے بہارِ حُسن کا وارفتہ ہو بلکہ اُسکی روحانیت کا دلدادہ
بھی ہو اور اس نقطۂ نظر سے اسکو اپنے امیدوارون میں اب تک
ایسا کوئی نہ دکھائی دیا تھا جو قابلِ انتخاب ہو، لیکن اُسکو معلوم تھا
کہ دنیا میں اور اس طلسم زارِ دنیا کی تصاویر مصور میں کوئی تصویر اُسکے
لئے بھی دلگیر اور صبر شکن ثابت ہوگی اور دنیا کی وسعت میں کبھی نہ کبھی
کہیں نہ کہیں اسکا مرکزِ نظر بھی دکھائی دیگا۔ اگر ایسا بھی نہ ہوا تو اُسکا
قطعی فیصلہ تھا کہ وہ اپنی زندگی احترازِ اجتناب اور نفسانیت کی
گندگی سے منافرت کے ساتھ بسر کرکے دُنیا سے اس طرح رخصت
ہوگی کہ فردوس میں اُسکی بہارِ عصمت، تجلی عفت کو ہمیشہ ضوآفرین رکھے۔

(۲)

قوسیہ کو حاصل کرنے اور شریکِ زندگی بنانے کے لئے مصر کا
کوئی نوجوان ایسا نہ تھا جسکے دل میں تمنا کے زلزلے نہ آرہے ہوں
اور کثیر تعداد اُن لوگون کی تھی جو قوسیہ کے معیارِ انتخاب سے پست
ثابت ہوکر مایوس ہوچکے تھے۔ تاہم بہت سے ایسے بھی تھے جنکو
انکی دولت، اُنکی شہرت، اور اُنکا حُسن تسلیان دے رہا تھا کہ شاید کبھی
قوسیہ ان اسبابِ ظاہری کو اپنے فیصلہ پر ترجیح دے، اور شاید اُن سے
نہ سہی، مگر اُنکی دولت، اُنکے اثر، اُنکے مرتبہ یا اُنکے حسن سے وابستہ ہوجائے
شہزادہ فیروز جو قوسیہ کے ایک شناسے پر تخت سلطنت کو

ٹھوکروں سے اُڑا دینے کے لئے تیار تھا، قوسیہ کے امیدوارون
مین ایک امتیازی حیثیت رکھتا تھا مگر قوسیہ کی نظرون مین امتیازی
حیثیت رکھنے والا صرف وہی ہو سکتا تھا جو اُسکی عشق شناس
نظرون مین منتخب ہو سکے خواہ وہ ایک شہزادہ ہو یا ایک غریب گداگر۔

آج بھی جبکہ قوسیہ اپنے گھر سے نکل کر سمندر کی سیر کے لئے
ساحل کی طرف جا رہی تھی، شہزادہ فیروز زمان اُسکے ساتھ تھا اور سیکڑون
ترکیبوں اور ہزار ہا طرز سے اظہار عشق کر رہا تھا، مگر قوسیہ کا ایک
ہلاکت بدوش تبسم تمام داستانِ محبت کا جواب ہوتا تھا۔ آخر شہزادہ نے
بارگاہِ حسن مین قدرے گستاخ ہو کر کہا:۔

" قوسیہ! خدا کے واسطے صرف یہی بتا دو کہ آخر کب تک
ہمارے دل کی دھڑکنین سکون کے لیے بیتاب رہینگی؟ "

قوسیہ۔ " اُسوقت تک کہ مین ایک ایسا دل تلاش کرلون جو اپنی
" دھڑکنون " کو " سکون " سے کبھی تبدیل نہ کرنا چاہے آپکے
دل کی " دھڑکنین " " سکون " کے لئے بیتاب ہین اور میرا
دل ایک ایسے " دھڑکتے ہوے دل کے لئے بیتاب ہے
جو کبھی " سکون پذیر " نہ ہو "

شہزادہ۔ " آہ! تم گرفت الفاظ کرتی ہو، مگر یاد رکھو کہ مین کیفیات
دلی کے اظہار کرنے سے قطعاً مجبور ہون "

قوسیہ۔ " کیفیات دلی کا اظہار یہی توہین عشق ہے۔ اپنی کیفیات
پنہان کا آئینہ تم خود کیون بن گئے؟ دل تو ایک پوشیدہ
شے ہے۔ ممکن ہے کہ آپ مین میری محبت ہو۔ کیا تم دکھانے پر
تیار ہو؟ لو میرا خنجر اور اُس دل کو نکال لو۔ جو مجھ سے ملنے
کے لئے بیچین ہے ——— لو! ——— خنجر لو!!

——— ہان مین تم تو کانپ رہے ہو ——— تم نے تو
خنجر زمین پر پھینک دیا ——— تم تو خاموش ہو گئے
——— اچھا قسم کھاؤ کہ اب کبھی قوسیہ کا نام نہ لوگے "

شہزادہ مایوس ہو چکا تھا لیکن اُسکے دل مین قوسیہ کی خواہش
مردہ نہین ہوئی تھی اب اسکا شغل یہ تھا کہ ہر شام کو راہ گزر پر اُس کا
انتظار کرتا، اور جب وہ تفریح کو نکلتی تو للچائی ہوئی نظرون سے اُسے
دیکھ کر دل کو تسلی دیتا، قوسیہ بھی شہزادہ کی بوالہوسی کا تماشہ دیکھتی ہوئی
اُدھر سے نکل جاتی، آخر ایک روز اُس نے شہزادہ کو بلا کر کہا:۔

" شہزادۂ عالم! آپ میرے ہمراہ چلئے۔ مین آپکو ایک تماشہ
دکھاؤنگی "

شہزادہ خاموشی کے ساتھ اُسکے ہمراہ ہو گیا اور پتھریلے راستے
طے کرنے کے بعد دونون گنجان جھاڑیون مین ہو کر گزرنے لگے۔
راستہ خاموشی مطلق کے ساتھ طے ہو رہا تھا، تھوڑی دور چلنے کے
بعد قوسیہ ایک سفید چٹان کے پاس کھڑی ہو گئی، اور شہزادے سے
کہا:۔ " دیکھئے اس پتھر پر کیا کندہ ہے؟ "

" اے پتھر کی حسین چٹان! تو مجھکو اس لئے عزیز
ہے کہ ایک مرتبہ رات کی تاریکی مین مجھکو تجھ پر قوسیہ کا
شبہ ہوا تھا، مگر تو وہ نہ تھی، بلکہ اُسکے سنگ دل کی طرح
ایک پتھر کی چٹان ——— شعرایے نعمانی

شہزادہ نے ایک سکوت کے بعد کہا:۔

" ہان مین نے دیکھ لیا، مگر مین یہ نہ سمجھا کہ تم نے یہ کتبہ
مجھکو کیون دکھایا ہے؟ "

قوسیہ۔ " اس لئے کہ آپکو معلوم ہو جائے کہ مین نے آپکے ساتھ کوئی

زیادتی نہین کی ہے، اب دیکھئے کہ مین اسکو کیا جواب دیتی ہون
یہ کہکر قوسیہ نے کندہ عبارت کے نیچے لکھنا شروع کیا:۔

"تیرا جذب پتھر کی سخت چٹان کو موم بنا سکتا
تھا، اگر جذب حقیقی ہوتا، تیری کشش پتھر سے قوسیہ کو
کھینچ سکتی تھی، اگر کشش صادق ہوتی، لیکن تیرے
جھوٹے ذوقِ نظر نے جلوہ گاہ قوسیہ کو تجھ سے دور تر
کر دیا ہے اور تو مجازی قوسیہ کا دیوانہ بنکر قوسیہ کو
حقیقت کو اپنے ہاتھون سے کھو رہا ہے۔
——— قوسیہ"

لکھنے کے بعد قوسیہ نے شہزادہ سے کہا:۔

"اب آپ سمجھ گئے ہونگے کہ مین نے آپکے ساتھ کوئی زیادتی
نہین کی بلکہ اس معاملہ مین میرا معیار بہت بلند ہے۔"

شہزادہ۔ "قوسیہ! پرفریب قوسیہ!! تیرا جنون قابلِ رحم
ہے۔ آہ! یہ حسن، یہ جوانی، اور اس درجہ خشک
اور غیر لطیف خیالات کا شکار ——— یاد رکھ کہ
مین مایوس ہو جانے کے بعد بھی اِس لئے زندہ رہنا
چاہتا ہون کہ تیرے جنون کا انجام مہیب بھی دیکھون"۔

قوسیہ۔ "ہان آپ عنقریب کسی ایسے انسان کو دیکھین گے جو
آپکی طرح انسان ہوگا، مگر عشق حقیقی کی تصویر، وہی میرا
انتخاب ہوگا، اور وہی قوسیہ کا سچا طالب، نہ کہ قوسیہ کے
حُسن فانی کا"۔

(۳)

آج قوسیہ کی عمر کے اٹھارہ سال ختم ہوکر انیسوان سال شروع ہوا
اور اُسکے خاندان کے دستور کے مطابق یہ وہ دن تھا کہ وہ اپنا
شریک حیات کسی کو تجویز کرے۔ آج ہی شام کے جلسہ عام کے
سامنے قوسیہ کو اپنا شوہر انتخاب کرنا تھا اور یہی وہ دن تھا جس دن
کے لئے ہزارہا آدمی گن رہے تھے مگر کسی کو نہین معلوم تھا کہ کون سا
ایسا خوش قسمت شخص ہوگا جس سے قوسیہ ہمیشہ کے لئے وابستہ ہو جائیگی
خود قوسیہ نے ابتک کوئی فیصلہ نہ کیا تھا تاہم اُسکے چہرہ کا اطمینان
بتا رہا تھا کہ گویا اسکو غور کرنے کی ضرورت ہی نہین اور گویا وہ انتخاب
پہلے ہی کر چکی ہے، جسکا آج صرف اعلان ہوگا۔

شام ہونے سے پہلے ہی لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے اور وقت مقررہ
تک لاکھون آدمیون کا مجمع ہو گیا۔ ہر امیدوار بیش قیمت تحفہ اپنے
ہمراہ لایا تھا اور ہر ایک کو قوسیہ ابھی تک گویا اپنی معلوم ہوتی تھی۔

کلیسا کے گھنٹہ نے چھ بجائے اور ہر فرد کی نگاہ معبد گاہ کے
صدر دروازہ پر جم گئی جو یکبارگی کھلا اور افق مشرق کی طرح آفتاب
بدوش کھلا، قوسیہ مذہبی علماء کے ہمراہ ایک تخت زرنگار پر جلوہ افروز
ہوئی اور انتخاب شروع ہوا۔

ہر امیدوار تخت کے قریب جاتا اور عرض مدعا کرتا، رفتہ رفتہ
سب امیدوار تخت کے قریب جاکر ناکام واپس آئے۔ شہزادہ فیروز
بھی بطور امیدوار تخت کے پاس گیا۔ مگر وہ تو پہلے ہی ناکام ہو چکا
تھا، تاہم تخت کے قریب اِس لئے ٹھہر گیا کہ قوسیہ کے مجنونانہ انتخاب
کی سیر قریب سے کرے۔ جب امیدوارون کی صفین بالکل خالی
ہو گئین تو نقیب نے باواز بلند پکار کر کہا کہ اب بھی کوئی باقی ہے؟
آواز فضا مین گونجی اور ایک بدشکل کوہ جثہ انسان جسکا لباس سوائے
پھٹے اور میلے چیتھڑون سے کچھ بھی نہ تھا آگے بڑھا، تخت کے قریب

آکر کھڑا ہو گیا اور عرض مدعا کرنا ہی چاہتا تھا کہ قہقہوں کی آواز
سے صحن کلیسا گونج اُٹھا مگر تھوڑی ہی دیر بعد خاموشی طاری ہو گئی
تب اُس نے باواز بلند کہنا شروع کیا:۔

"قوسیہ! یہ تیرے حُسن کی توہین ہے کہ تیرے
طلبگاروں میں ایک غریب بدشکل کور چشم انسان بھی
ہے اور مجھکو عرض مدعا کرنے میں اِس لئے کوئی جھجک
نہیں کہ تیرا حُسن عالم سوز میرے لئے ایک نقش بیمعنی
ہے میں تیری روحانیت کا پجاری ہوں اور اب نہیں بلکہ
اسوقت سے تجھکو حاصل کرنے کا ارمان میرے دل میں ہے
جبکہ تو پہلی مرتبہ معبدگاہ میں آئی تھی اور دیوی وینس کی مورت
کے سامنے سربسجدہ ہو رہی تھی۔ اے قوسیہ! میں نے تیری
روحانیت کو اُسی وقت دل دیدیا تھا تب ہی سے میں
تیری روحانیت سے درس حقیقت لینے کا متمنی تھا اور
دیوی وینس سے تجھکو حاصل کرنے کی دعائیں مانگتا تھا۔
قوسیہ! میں اُسوقت بادشاہِ مصر کا ولیعہد تھا میں نے
ایک رات دیوی وینس کو خواب میں دیکھا وہ مجھ سے ایک
طرف ولیعہدی کی شان و شوکت دکھا کر پھر بادشاہ ہونیکا
منظر پیش کرتے ہوے دوسری طرف روحانیت اور حُسن
صورت کے جلوے دکھا کر کہہ رہی تھیں کہ ان میں سے
ایک کو لے لے۔ مگر صرف ایک کو میں دوسرے ہی روز
اپنے محل سے مفرور ہو گیا۔ اہل مصر مجھکو ڈھونڈھ کر
تھک گئے ہیں اور مردہ سمجھکر صبر کر چکے ہیں۔ میرا چھوٹا بھائی
فیروز وارث سلطنت ہے۔ تقریباً ایک دہ کا عرصہ گزرا کہ میں نے
دوسری مرتبہ دیوی وینس کو خواب میں دیکھا وہ مجھ سے
کہہ رہی تھیں کہ آخر تو یہ کیوں کہتا ہے کہ میں صرف قوسیہ کی
روحانیت کا طالب ہوں اگر واقعی تو قوسیہ کی صورت کا عاشق
نہیں بلکہ روحانیت کا شیدائی ہے تو میں تیری آنکھیں کھوئے
دیتی ہوں دیکھوں کہ پھر بھی تو قوسیہ کو حاصل کرنے کے لئے
بیچین رہتا ہے یا نہیں۔ اے قوسیہ اسی روز صبح
میں اندھا ہو گیا۔ مگر اے قوسیہ! میں تیرا طلبگار ہوں"۔

مجمع پر سکوت کا عالم طاری تھا سب مبہوت و متحیر تھے۔ قوسیہ کی آنکھوں میں
آنسو بھرے تھے وہ وینس کی مورت کی طرف دیکھ رہی تھی جب اندھے نے اپنا بیان
ختم کر دیا تو وہ کھڑی ہو گئی اور وینس کی طرف مخاطب ہو کر بولی:۔

"اے مصر کی معبودہ میں تیرے دربار میں اور تیرے حضور
تیری قسم کھا کر اپنے انتخاب کی اُنگلی اِس کورچشم انسان کی طرف
اُٹھاتی ہوں، اے وینس! دیکھ کہ تیری قوسیہ کی روحانیت
کی عاشق پہلا انسان جو میرا شوہر اور آقا ہے جسقدر صورتاً
کریہ المنظر ہے اسیقدر اسکی روحانیت حسین و جمیل ہے جسکو
میری حقیقت بین آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ میں آج سچے عاشق
کی تلاش میں کامیاب ہو گئی اور دیکھ میں تیرے سامنے اپنے کو
اِس فرشتہ کے سپرد کرتی ہوں"۔

یہ کہکر قوسیہ بجلی کی طرح اندھے کی آغوش میں آ گری کلیسا میں ایک زبردست قہقہے کی
آواز آئی اور سب نے دیکھا کہ وینس کی مورت سے ایک شعلہ نکلا اور اندھے کے قریب جا کر
غائب ہو گیا اب وہ اندھا نہ تھا بلکہ ایک باوجاہت آنکھوں والا خوبصورت انسان تھا حقیقی محبت
کی دو تصویریں تھیں جو وینس کی مورت کے سامنے جبین بسجدہ تھیں اور مجمع دیکھ رہا تھا کہ کچھ نورانی
الفاظ بنے اور پھر سب نے صاف پڑھ لیا کہ اس نورانی تحریر کا مفہوم —— "انتخاب صحیح تھا"

ریویو بر شرح خاقانی

(از جناب سید فضل حسین صاحب بخاری)

لکھنؤ یونیورسٹی نے ایک انتخاب تیرہ قصائد خاقانی کا برلے نصاب امتحان دبیر کامل چھپوایا تھا جسکو سررشتۂ تعلیم الٰہ آباد نے بھی اپنے امتحان کامل یا منشی کامل کے نصاب مین داخل کرلیا ہے۔ اِس انتخاب کی شرح مسمّٰی بہ تصریح المعانی جناب مولوی سید اولاد حسین صاحب شادان بلگرامی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور نے سید محمد حسن صاحب علوی مالک انوار المطابع نخاس لکھنؤ کی فرمائش سے امیدواران امتحانات مذکور کے لئے لکھی تھی جو فروری ۱۹۲۶ء مین صاحب فرمائش نے چھپوائی تھی۔ اب اسی امتحانات کی شرح کوئی صاحب امپور مین چھپوا رہے ہین۔ اِس شرح کے اڑتالیس صفحات ایک دھوم دھامی اشتہار کے ساتھ جنکا عنوان پیغمبر سخن ہے اور تفاخر و مباہات سے پُر ہے مع خطوط لاہور کے متعدد نام بر آوردہ پروفیسرون کے پاس ریویو کی تمنا مین مؤلف نے بھیجے ہین۔ مین اشتہار اور خط کے انتخابات ناظرین کے ملاحظہ کے لئے پہلے درج کرتا ہون اُسکے بعد شرح کی بابت کچھ عرض کرونگا۔

انتخاب عبارتِ خط

مین عرصہ سے خاقانی کی شرح کے لئے مواد جمع کر رہا تھا۔ اور نیز مجھے اسکے پڑھانے کا چند بار اتفاق ہوا ہے۔ تمام مواد پر نظر ڈالنے سے مین اس نتیجہ پر پہونچا ہون کہ ہندوستان مین خاقانی کا کلام بہت کچھ غلط سمجھا گیا ہے (مگر شارح صحیح سمجھے)۔ مین نے عرصہ سے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ اور اسکے دشوار اور مشکل قصیدون کی شرح شروع کی ہے۔ یہان وقت تک انشی جزو لکھ چکا ہون۔ اسکے مین نے دو حصے کئے ہین۔ چالیس جزو کا ایک حصہ چھپوا رہا ہون جسکے بارہ تیرہ جزو چھپ چکے ہین۔ جن مین سے تین جزو کا نمونہ جناب والا کی خدمت مین ارسال ہے۔ اسکو ملاحظہ فرمائیے اور اپنی رائے زرین سے مطلع کیجئے کہ آیا یہ اس قابل ہوسکتی ہے کہ ملک مین پیش کیجائے۔ اور یہ بھی دیکھیے کہ میرا بیان کہان تک صحیح ہے۔ اِس قصیدہ کے چھ شارح ہین وہ کہان تک پیغمبر سخن کے اصل مطلب پر پہونچے ہین۔ اور مین کہان تک۔ بہرحال اگر یہ میری محنت کسی قابل ہو تو اس پر ایک مفصل ریویو تحریر فرماکر ارسال فرمائیے مین اس شرح کو آپ کے ریویو کا محتاج سمجھتا ہون۔ اور جناب کا ریویو تفصیلی چاہتا ہون نہ مجمل و تقریظی۔

دستخط شارح

خلاصہ اشتہار

خاقانی کا کلام اپنی دشواری مین ضرب المثل ہے۔ اس وجہ سے ہندوستانی مدرسون اور یونیورسٹیون کے نصاب مین بہت کم داخل ہوتا ہے۔ اسکے پڑھنے پڑھانے والے بھی کم ہین۔ اگر کچھ کہین تھوڑا سا انتخاب داخل ہوا تو بیچارے پڑھانے والون کو دشواری کا سامنا ہوتا ہے اور شرح کی تلاش۔ اُردو مین کوئی شرح نہین۔ فارسی کی شرحین قلمی ہونے کی وجہ سے دستیاب نہین ہوتین۔ اس حالت پر نظر کرتے ہوئے میرے اُستاد علامہ نے اپنے تیس سالہ تجربہ کے بعد یہ کام اپنے ذمہ لیا، اور اِس شرح کے لئے کافی مواد جمع کیا ہے (اسکے بعد اشتہار مین آٹھ

شرحون کے نام لکھے ہین) پھر تحریر ہے کہ " میرے اُستاد نے شرح زمانۂ حال کے طرز پر نہایت خوش اسلوبی اور جدت کے ساتھ کی ہے "

(طرز جدید - خوش اسلوبی - اور جدت کی تقسیم یون فرمائی ہے)

(۱) آپنے ہر قصیدہ کے تحت مین دکھایا ہے کہ اس قصیدہ کے شارحین کہتے ہین - (۲) زبان نہایت سلیس اور فصیح ہے - (۳) جس شارح کے مطلب سے آپکو اختلاف ہوا ہے اسکی عبارت لکھدی ہے تاکہ ماہرین (جنکا وجود ذہن شارح مین نہو - یا مجازاً وہ شخص جو انکی رائے سے موافقت کرے) کو غور کرنے پر اس مین فیصلہ کرنے کا موقع ملے -

اشتہار بجانب نجم الحسن صاحب ایم - اے - بی - ٹی علیگ شایع کیا گیا ہے - اور مشتہر کو شاگرد شارح بتایا ہے -

ناظرین جب خط اور اشتہار کے فقرات کو پڑھینگے تو صاف اور صحیح نتیجہ بھی نکالین گے کہ شارح فخر و تعلی کی زندہ تصویر ہین اور صحیح مصداق اسی مادۂ تفاخر سے مغلوب ہوکر اس رنگ سے یہ شرح لکھی گئی ہے کوئی شرح اس ڈھنگ کی تفاخر سے خالی کب کہی جاسکتی ہے -

ذیل کے فقرات خط و اشتہار کیطرف ناظرین توجہ فرمائین

" تمام مواد پر نظر ڈالنے سے مین اس نتیجہ کو پہونچا ہون کہ ہندوستان مین خاقانی کا کلام - بہت کچھ غلط سمجھا گیا ہے - مشکل قصیدون کی شرح شروع کی ہے - اس وقت تک اسّی جزو لکھ چکا ہون "

پہلا فقرہ صاف بتا رہا ہے کہ دوسرے کلام خاقانی کو غلط سمجھے مگر شارح نے صحیح سمجھا - باقی دو فقرون کو اگر صحیح بھی مان لیا جائے (اگرچہ ایک متفاخر کے بیان کو غلط سمجھنا زیادہ قرین قیاس ہے) تب بھی اسکے اظہار کی ضرورت سوائے تفاخر اور کیا ہوسکتی ہے -

بارہ تیرہ جزو چھاپ لینے کے بعد کسی سے تمنائے ریویو کرنا کیا کسی کو اس امر کا امیدوار کرسکتا ہے کہ اگر ریویو کرنے والے کی رائے مخالف شارح ہو تو اُن کا ایسا متفاخر شارح اپنی کتاب کی ترمیم کردیگا - یا اُس مخالف ریویو کو اپنی کتاب مین جگہ دیگا ؟ شارح تو اپنے آپ کو مافوق فطرت انسان مان کر اپنی ذات سے امکان غلطی تجویز ہی نہین کرتے ہین جیساکہ اُنکے ان جملون سے ظاہر ہے -

" یہ بھی دیکھئے کہ میرا بیان کہان تک صحیح ہے - اِس قصیدہ کے چھ شارح ہین - وہ کہان تک پیغمبر سخن کے اصل مطلب پر پہونچے ہین اور مین کہان تک - بہرحال اگر یہ میری محنت کسی قابل ہو تو اس پر مفصل ریویو تحریر فرماکر بھیجدیجئے " ان جملون سے شارح کے مطالب کو سمجھنا اور اُنکی محنت کا قابل داد ہونا بالکل روشن ہے -

" کلام خاقانی کے پڑھنے پڑھانے والے کم ہین - اگر کچھ کلام خاقانی کا داخل ہوگیا تو پڑھانے والون کو دشواری کا سامنا ہوتا ہے اور شرح کی تلاش " اِس لئے شارح نے تیس سالہ تجربہ کے بعد اسکی شرح کا ذمہ لیا ہے - اور چند بار قصائد خاقانی کے پڑھانے کا اتفاق ہوا ہے "

یہ جملے بھی اُسی تفاخر اور تعلی کی تائید مزید ہین -

" میری کتاب آپکی ریویو کی محتاج ہے " اتنا جملہ (مگر موافق ہو نہ مخالف) اور بڑھا دیا جاتا تو صورت واقعیت پیدا ہوجاتی - گو ان ڈاٹر کٹلی یہی مفاد ان جملون سے صاف عیان ہے

خط مین شارح خود ظاہر کرتے ہین کہ یہ شرح وہ خود چھپوا رہے ہین - پھر اشتہار کا ایک ایم - اے - کی طرف سے ہونا - اور لفظ علّامہ اور اورنٹیل کالج رامپور وغیرہ بھی اسی فطرت تفاخر کی تکمیل کے لئے صرف ہوئے ہین - جناب مولانا سلیمان صاحب ندوی نے رسالہ " نیرنگ " رامپور پر کسی پرچہ معارف مین ریویو کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا کہ " رامپور مین کوئی اورنٹیل کالج نہین ہے " اگر اس سے مراد مدرسہ عالیہ ہے تو اب زمانہ اِس قسم کی نمود کی باتون کا نہین رہا - کچھ عمل کرکے دکھانا چاہیئے " مگر شارح کا دل ان الفاظ کے لئے بے چین تھا ، اِس لئے کسی نہ کسی طرح اپنے سر لگا لئے - شاگرد کی مدح اُستاد کے حق مین

دوسرون کی نظرون مین اُستاد کو حقیقی مستحق اُن الفاظ کا نہین بنا سکتی۔ اگر یہی مقصود تھا تو معترض کو شاگرد نہ ظاہر کیا جاتا تب تو ناواقف اشخاص مشتبہ بھی ہو سکتے تھے مگر ایسا کرنے سے ایک سطحی فائدہ مفقود ہوا جاتا تھا یعنی ایک آیم آے کے شاگرد ہونیکا اظہار نہ ہوتا اِس لئے معنویت نظرانداز ہوگئی۔

لاہور کے یا کسی اور مقام کے پروفیسرون یا دیگر نام برآورد اشخاص سے جو کوئی مصنف تقریظ کی تمنا کرتا ہے۔ ایسے لوگ اپنے انہماک کی وجہ سے اتنا وقت ہی نہین پاتے کہ وہ کسی شرح بالاستیعاب فیصلہ کن نظر سے بغور پڑھین۔ ایسی حالت مین دو صورتین ہوتی ہین اگر مستمنی سے ملاطفۂ ارتباط ہوتا ہے تو کچھ مدحیہ الفاظ صرف کر کے تقریظ لکھدیتے ہین۔ یا ارتباط نہین ہوتا ہے تو جواب تک نہین ملتا ہے۔ ہان موافقین کو کسی کتاب کے شائع ہونے پر مدح سرائی کا اور مخالفین کو اعتراض کا موقع ہاتھ آجاتا ہے۔ جو کوئی کچھ مدح بھی کرے اُسے حقیقی مدح نہ سمجھنا چاہیے بلکہ وہ مدح بربناے اخلاق مشرق ہوتی ہے۔ اِس لئے کہ اُنہین مطالعہ کا موقع ہی نہین ملتا ہے۔ اور مخالفت کر کے اپنے سر جھگڑا کیون لین۔

غور سے تو دیکھنے کا موقع اُسکے پڑھنے اور پڑھانے والون ہی کو ملتا ہے اور یہ لوگ البتہ اپنی اپنی سمجھ کے موافق کوئی فیصلہ موافق یا مخالف کرتے ہین۔ یہان کے فضلا اور کملا اور جنبل اوبد لیسرچ ورک کو پسند فرماتے ہین۔

اوپر کی تحریر سے شارح مذکور کی فطرت تفاخر اُنہین کی تحریرات سے مین نے آئینہ کر کے دکھادیا ہے اب ناظرین جناب شادان کی فطرت کا معائنہ اُنکی تحریرات سے فرمائین۔ یہی شرح قصائد خاقانی مصنفۂ جناب شادان جو معرض بحث مین ہے اسکے خاتمہ مین تحریر فرماتے ہین۔

"بوجہ نایابی نسخ صحیحہ خاقانی مجھے اِن قصائد کی تصحیح مین بہت زحمت اُٹھانا پڑی اب بہت ممکن ہے کہ ان مین دھوکا سہو اور غلطی سب کا امکان ہے بلکہ یقینی، یہ امور واقع ہوئے ہین اور مجھے اسکا اعتراف ہے۔ مین تو کیا چیز ہون بڑے بڑے ہندوستانی اساتذہ اہل ایران کے کلام سمجھنے مین غلطی کرتے ہین۔ اگرچہ قابل لوگ اس انتخاب کی شرح لکھین اور پھر ان سب کو دیکھکر کوئی شرح لکھے تو اُسکے صحیح ہونے کی اُمید کی جاسکتی ہے۔ چونکہ اِس وقت اِس انتخاب کی کوئی شرح نہین ہے، تو یہ شرح بھی بمصداق مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ نظرانداز ہونے کے قابل نہوگی اور امیدواران امتحان دبیر کامل کو کچھ نہ کچھ معین ضرور ہوگی۔ صاحب قدر تون کی شان ارفع ہے۔ اُن کو یہ شرح کیا فائدہ پہونچا سکتی ہے۔"

جناب شادان نے انتہائی عجز اور تواضع وانکسار سے کام لیا ہے کسی نے سچ کہا ہے ؎ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید۔ اپنے منہ میان مٹھو بننا واقفون کو دھوکے مین ڈالنا ہوگا۔ جس نے علم النفس کو مدنظر رکھکر مطالعۂ فطرت انسانی کیا ہے وہ جانتا ہے کہ خود ستائی سے بہ تعجیل یا بتاخیر نتیجہ برعکس پیدا ہوتا ہے اور خودستائی سے بغض عند اللہی پیدا ہوتا ہے۔ انسان اگر اپنے آپکو اپنی حد سے کم دکھائے تو بعد دریافت حقیقت اُسکی عظمت ذہن مین زیادہ ہوجاتی ہے مگر ان حکم پر کاربند ہونے کے لئے عقل سلیم و ذہن مستقیم درکار ہے۔ معمولی ذہنیت کا آدمی تو علی العموم تفاخر کے اندھے کنوین ہی مین گر پڑتا ہے اب مین انتقاد خط و اشتہار کے بعد اصل شرح کی طرف توجہ کرتا ہون۔ چونکہ مجھے اِس وقت ان کل اڑتالیس صفحات کا جواب لکھنا مقصود نہین ہے اِس لئے اُنہین چند باتون سے تعرض کرونگا جنکو مین تحریر شارح سے یہ سمجھتا ہون کہ وہ اُنہین اہم اور زیادہ وقیع قرار دیتے ہین۔ اگر فرصت ہوئی اور مناسب بھی معلوم ہوا تو آئندہ

کچھ زیادہ بھی اس شرح کی بابت خامہ فرسائی اکیجائیگی

انتقاد بر شرح

"شارح فرماتے ہین کہ شرح سے پہلے یہ ظاہر کردینا ضروری سمجھتا ہون کہ اِس قصیدہ کے تین شارح ہین۔

(۱) جناب محشی کلیات خاقانی مطبوعہ مطبع نولکشور۔

(۲) جناب پروفیسر نامی جو میور سنٹرل کالج الہ آباد مین پروفیسر ہین (جناب پروفیسر نامی نے اپنے آپکو عربی و فارسی پروفیسر خاشن کالج الہ آباد کا لکھا ہے ممکن ہے اب میور کالج مین رونق افروز ہون) آپ نے ایک انتخاب (بی۔اے۔کورس فارسی الہ آباد) کی شرح کی ہے۔ اس مین یہ قصیدہ۔ اور دو قصیدے اور جو آگے آتے ہین شامل ہین۔ آپ نے اُردو مین معنی اور فارسی مین مطلب لکھا ہے۔

(۳) جناب شادان بلگرامی جو اورنٹیل کالج لاہور مین پروفیسر ہین (اور شارح کے اُستاد) آپکی شرح مجھے اب ملی ہے۔ اس وجہ سے مجھے اپنی پہلی عبارت مین بہت کچھ تغیر کرنا پڑا (یہ کیون نہین کہتے کہ میرے پاس پہلے سے ہے اور وہی اِس شرح کے لکھنے کی باعث ہے) یہ کہنے کو دو شرحین ہین۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جناب نامی کی فارسی عبارت کا ترجمہ کردیا ہے۔ اِس لئے استاد و اور معنا ایکسے ہی ہین۔ ہان کہین کہین آپنے علیحدگی بھی اختیار کی ہے"۔

"جناب شادان اپنے خاتمہ مین فرماتے ہین کہ میرے پاس محمد داؤد شادی آبادی کی شرح کے سوا اور کوئی شرح نہین جس سے مدد لیتا۔ یہ اگر سچ ہے (اور سچ نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی نہین معلوم ہوتی) تو دونون کے مضمون مین ایسا توارد ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا گیا ہوگا"۔

انتقاد دِ خاتمہ مین جناب شارح نے ظاہر فرمایا ہے کہ اِس قصیدہ کے چھ شارح ہین۔ اور یہان تین بتاتے ہین۔ اس اختلاف بیانی سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد شروح نایاب کے پاس ہونے کا بیان بھی برنبائے تفاخر ہے۔

جب آپ پرزور الفاظ مین لکھ چکے کہ نامی اور شادان کی شرحین کہنے کو دو ہین مگر حقیقت یہ ہے کہ شرح شادان شرح نامی کی فارسی عبارت کا ترجمہ ہے۔ اور استاد و اور معنا ایک ہین۔ فریدبرآن دونون کے توارد کو ایسا توارد بھی فرماتے ہین جو اس سے پہلے نہ دیکھا ہوگا۔ تو پھر یہ جملہ لکھنا کہ "سچ نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی نہین معلوم ہوتی" معارض بیان ہے۔ کیا درحقیقت ترجمہ ہونا اور توارد کا عجیب ہونا دلیل اس امر کی نہین کہ شادان کے قول کو جھوٹ سمجھا جائے۔ وجہ سچ نہ ہونے کی تو آپ خود ظاہر کرتے ہین۔

سنہ ۱۹۰۸ء کے بی۔اے۔ کورس فارسی الہ آباد مین چار قصیدے قصائد خاقانی کے بھی تھے جن مین سے تین قصیدے اس انتخاب مین بھی آگئے ہین جو نصاب بیر کامل لکھنؤ اور کامل الہ آباد مین بھی ہین۔ اور ایک قصیدہ اس انتخاب سے ہے۔ جناب نامی نے اُس بی اے کورس کی شرح لکھی تھی

جناب شادان نے محشی کلیات خاقانی کا شمار شرح مین اِس لئے نہین کیا کہ محشی کو شرح عرفاً نہین کہتے باوجودیکہ کلیات خاقانی نولکشوری کے اپنے پاس ہونے کے مقر ہین جیسا کہ اپنی شرح خاقانی کے خاتمہ مین لکھا ہے۔ اور شرح جناب نامی کو شروح کلام خاقانی مین اس لئے نہین مانا کہ وہ دراصل شرح بی اے کورس ہے۔ شرح خاقانی نہین ہے پھر آپنے یہ کیسے مطلب نکالا کہ وہ شرح بی اے کورس مصنفۂ جناب نامی کے اپنے پاس ہونے کے منکر ہین۔ ان وجوہ سے محشی اور شرح بی۔اے۔کورس کا نام شرح کلام خاقانی کے ذیل مین نہین لیتے۔ لیکن آپ تو انکار اس وجہ سے سمجھتے ہونگے کہ اُنھون نے آپکی طرح جناب نامی کی تنقیص یا تغلیط اپنی شرح مین نہین کی۔

اب یا ترجمہ یا توارد عجیب۔ جب کسی کلام کے مفہوم کو دو شخص ایک ہی طرح سمجھیں گے تو ادائے مطلب مختلف کیونکر ہو سکتا ہے۔ اگر ایک نے دوسرے کی عبارت بالفاظہا و بعینہٖ بھی ایک سے ہو تب بھی ایک نیک نیت شخص کو دیکھنا چاہئے کہ مترجم یا ناقل میں قابلیت اُس کلام کے سمجھنے کی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو ترجمہ یا نقل بھی قادح قابلیت نہیں ہو سکتے زیادہ سے زیادہ یہ امر شارح کی سہل انگاری پر محمول ہوگا۔ اور اگر قابلیت ہی نہیں ہے تو البتہ نقل عبارت بعینہٖ کو سرقہ کہیں گے۔

اب یہ پہلو رہ گیا کہ شاداں میں ان تین قصیدوں کے سمجھنے کی قابلیت ہے کہ نہیں۔ یہ تو تسلیم ہے کہ آپکی ایسی قابلیت افہام و تفہیم کو کسی میں نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔ مگر جہاں شاداں نے دس قصائد خاقانی کی شرح بلا مدد شرح جناب نامی غلط سلط ہی سہی لکھ لی وہاں ان تین قصیدوں کی شرح بھی اٹکل پچو طلبہ کے بہکانے کے لئے لکھ سکتے تھے۔ صحیح تو چوری کر کے بھی آپکے زعم کے موافق نہیں۔ اسی طرح بغیر سرقہ بھی صحیح نہ ہوتی۔ دس قصیدوں کی شرح تو جناب نامی سے نہیں ہے کیونکہ ان دس کی شرح جناب نامی نے لکھی ہی نہیں ہے۔ اسکو آپ محشی کا سرقہ بتا دینگے۔ گو محشی نے سب شعروں کے معانی نہ لکھے ہوں۔ آپکے الزام سرقہ سے وہ بیچارے بچ کے کہاں جا سکتے ہیں۔

ہر مصنف جب کوئی شرح لکھتا ہے تو اپنے دسترس کے موافق اُسکا مواد جمع کرتا ہے اور اُن کتابوں سے مدد بھی لیتا ہے۔ اُن کتابوں کے نام بتانے کی ضرورت نہیں قرار دی گئی ہے جن سے مدد لیجاتی ہے مولانا شبلی مرحوم کی تصانیف کا ماخذ متعدد تصانیف جرجی زیدان قرار دیا لیکن علامہ نے تصنیفات جرجی زیدان کو اپنا ماخذ نہیں ظاہر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے پاس قصائد خاقانی کی آٹھ شرحیں ہیں کیا آپ ان سے مدد نہیں لیتے مگر ان اڑتالیس صفحات میں آپنے کہیں ظاہر نہیں کیا کہ میں نے ان سے مدد لی۔ میں یہ کیا بھولے سے لکھ گیا۔ آپ تو اپنی عادت کے موافق کہہ سکتے ہیں کہ میں نے تو اعتراضات کے لئے یہ شرحیں جمع کی ہیں نہ مدد کے لئے۔

یہ تیسرا شعر اسی قصیدہ کا ہے ؎

برکوہ چون لعاب گوزن اوفتد بصبح ہوے گوزن دار بصحرا دساورم

لکھکر آپ فرماتے ہیں کہ نولکشوری نسخے میں یوں لکھا ہے ؎

چون کوہ بر لعاب گوزن اوفتد بصبح ؎ اور انتخاب میں یوں ہے ؎ برکوہ چون گوزن لعاب اوفتد بصبح ؎ لیکن میں نے جس طرح لکھا ہے۔ اسی طرح بنا لیجئے۔

آپکی تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصحیح آپکی ہے۔ حالانکہ یہی تصحیح کے ساتھ شرح جناب شاداں میں موجود ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ میں نے صاف الفاظ میں کب کہا ہے۔ گو یہ میری تصحیح ہے۔ باوجودیکہ آپکے مسلمات کے موافق آپکو یہ کہنا لازم تھا کہ یہ تصحیح میں نے شرح شاداں سے لی ہے۔ مگر آپنے اسکا اظہار نہیں کیا ہے۔ بقول آپکے شاداں تو شرح نامی کے اپنے پاس ہونے کے منکر ہیں۔ مگر آپ تو شرح شاداں کے اپنے پاس ہونے کے مقر ہیں۔ پھر بھی اسکا اظہار نہیں کرتے۔

شاداں نے اسی شعر میں "ہو" کے معنی "نعرہ اور اسم ذات باری تعالیٰ" لکھے ہیں۔ آپ نے بھی بعینہٖ یہی معانی لکھے۔ کوئی لفظ بدلا بھی نہیں، شاداں کی شرح یا کسی دوسری کتاب کا آپنے بھی حوالہ نہیں دیا ہے۔ ایسی باتوں کو ترجمہ یا سرقہ سے تعبیر کرنا یہ آپ ہی کی نیک نیتی ہے۔ ہر مصنف دوسروں کی کتابوں سے مدد لیا کرتا ہے۔

جن بزرگوں سے شارح نے تمنائے تقریظ کی تھی۔ ایک بزرگ نے شارح کو لکھا تھا کہ آپکی شرح سراسر مناقشہ ہو گئی ہے۔ اگر آپ کسی تصنیف کو انتقاد ہی چاہتے ہیں تو اُسکو علیحدہ کسی رسالہ میں شائع کیجے۔ شارح نے جواب دیا کہ رسالوں کے مضامین کو بقائے دوام نہیں۔

اِس صائب رائے پر شارح سا متفاخر آدمی کب عمل پیرا ہو سکتا

تھا۔ حالانکہ اس راے کے ماننے سے حجم کتاب بھی کم ہوجاتا قیمت بھی گھٹ جاتی اور طلبہ کا وقت بھی ضایع نہ ہوتا۔ کیونکہ بزعم شارح غلط مطالب کا طلبہ کے سامنے پیش کرنے کا کیا فائدہ۔ آپنے صحیح مطالب پیش کرتے اور بس۔ مگر آپکی غرض تصنیف تو افادۂ طلبہ نہین وہ تو کسی کو تغلیط و تنقیص اور اپنی فوقیت جتانے کو علت غائی تصنیف قرار دے چکے ہین پھر اس پر عمل کیون کرتے۔

قولہ شارحین سے اختلاف کا ظاہر کردینا مین اپنا فرض سمجھتا ہون۔ اور یہ فعل میرا نیک نیتی پر مبنی ہوگا نہ بدنیتی پر۔ کیونکہ اگر بدنیتی ہوگی تو میری عبارت سے اُسکی بو آئیگی۔ "انچہ در دیگ است بہ چمچہ می آید"

جواب اظہار اختلاف کو آپ اپنا فرض کیون سمجھین آپکی تو غرض تصنیف ہی دوسرون کی تغلیط ہے نہ افادہ و استفادہ۔ نیک نیتی تو اسمین ہوتی ہے کہ بلا تعرض دیگرے کوئی شخص اپنی کہے جب دوسرون کے تصانیف بھی شایع ہین تو جو لوگ دونون تصنیفون کو دیکھین گے وہ اپنے آپ کچھ فیصلہ کرلین گے۔ معارضہ و مناقشہ کی غرض سوا اسکے کوئی دوسری ہو ہی نہین کرتی ہے کہ دوسرون کی غلطی دکھائی جاے اور اپنی فوقیت جتائی جاے۔ نیک نیتی کا وجود تو ابتدا ہی سے نادر ہے پھر یہ صورت اختیار کرکے مدعی نیک نیتی ہونا شارح ہی کا کام ہے۔

اگر کوئی اپنا مطلب لکھ کے کسیکا مطلب صرف نقل کردے اسکے سوا ایک حرف نہ لکھے تب بھی بمشکل نیک نیتی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ مگر آپنے تو مترجم و سارق بھی کہدیا۔ اور دوسرون کے مطالب پر اظہار تعجب کرکے دوسرون کی تغلیط ہی نہین کی بلکہ تحمیق بھی کی ہے، پھر بھی آپ نیک نیتی کے مدعی ہوتے ہین۔ اس بنا پر تو بدنیتی کا وجود ہی دنیا مین نہ ملیگا۔ آپکی عبارت و الفاظ ہر جگہ سے بدنیتی کو ثابت کررہے ہین۔ پھر بھی آپکو بدنیتی نہین دکھائی دیتی۔ آپ کیا کرین مجبور ہین مادہ تفاخر و حسد نے قوت امتیاز کو سلب کرلیا ہے۔ یہ امر آپکی کتاب سے اسقدر نمایان اور عیان ہے کہ ہر دیکھنے والا نتیجہ بہت آسانی سے نکال سکتا ہے اسی وجہ سے ایک بزرگ کو مشورہ دینا پڑا کہ یہ جزو مناقشہ شرح سے الگ ہونا چاہئے تھا۔

قولہ ابھی تک ہندوستان تقریظ کا عادی ہے تنقید کا نہین

جس طرح جناب شارح کو اپنا طرز تحریر نیک نیتی پر محمول معلوم ہوتا ہے۔ مین بھی اپنے اِس جواب کو نیک نیتی پر محمول کرون تو اُنکے اصول کی بنا پر بیجا نہ ہوگا۔ اب مجھے دیکھنا ہے کہ شارح نے اپنے آپکو عادت ہندوستان سے کس قدر علیحدہ کرلیا ہے اور میرے جواب کو کہان تک ٹھنڈے دل سے دیکھتے ہین۔ اگر اس امتحان مین جناب شارح پورے اُترے تو میری نگاہ مین مافوق فطرت ہندوستان ایک ہستی قرار پائینگے۔ "ہاتھی کے دکھانے کے دانت اور ہوتے ہین اور کھانے کے اور"

طلبہ کے سامنے تو مفہوم صحیح پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ جس مفہوم کو کوئی غلط بھی سمجھتا ہو اور پھر بھی پیش کرے اور پر زور الفاظ مین ناظرین کو متوجہ بھی کرے۔ اِس فعل سے سوا تنقیص دوسری کون سی غرض ہوسکتی ہے۔ اچھا کسی کی تغلیط بھی نیک نیتی سہی تو کیا اظہار سرقہ و تحمیق بھی نیک نیتی ہی مین داخل ہے؟ اور اسے بھی اختلاف رائے ہی مین شامل کیا جائیگا

اب مین بلا امتیاز و انتخاب اِس شرح کے پہلے ہی شعر کی طرف توجہ کرتا ہون کہ سیاق کلام جناب نامی و شادان کا موید ہے یا جناب شارح کا۔

(مطلع قصیدۂ خاقانی)

ہر صبح ز گلشن سودا برآورم　　　وز صور آہ بر فلک آوا برآورم

تشریح شارح | سر از چیزے بر آوردن کے متعلق جناب شادان

بلگرامی لکھتے ہین کسی چیز سے علیحدہ ہونا - اسکے بعد قابل نامی و فاضل بلگرامی اِس نتیجہ پر پہونچے کہ خاقانی ہر صبح کو عشق الٰہی و مراقبہ سے ہٹ جاتا ہے اور اُسکے فراق مین فریاد کرتا ہے - ہر دو بزرگ اپنی اس تجویز پر دو چار شعرون تک جمے رہے - مگر چونکہ معاملہ برعکس تھا اِس وجہ آگے چل کے یہ رائے بدلنا پڑی - حقیر کے نزدیک دونون بزرگون کی تجویز غلط ہے - سر از جاے برآوردن کے معنی کسی جگہہ سے سر نکالنا - یعنی اِس مقام مین آکر خود کو ظاہر کرنا - اسکا ثبوت خود خاقانی کے اس قصیدہ مین چند جگہہ ہے ؎

سر زان سوے فلک بہ تماشا برآورم

آن سوے فلک لامکان ہے - یعنی مین لامکان سے سر نکالونگا - یہ مقصود نہین کہ مین لامکان سے علیحدہ ہو جاؤن گا - اِس اعتبار سے یہ معنی ہوے کہ مین عشق الٰہی کے باغ سے سر نکالونگا یعنی ترک دنیا کرکے عالم عشق سے خود کو ظاہر کرونگا -

جواب - اِس محاورے کے معنی جو شاوان نے لکھے ہین اُسکی تغلیط کے بعد آیندہ ایک شعر کی تشریح مین جناب شارح لکھتے ہین ؎

خشت اول چون نہد معمار کج   تا ثریا می رود دیوار کج

جناب شارح کو مادہ تفاخر و حسد اس شرح مین (باوجود متعدد شرح پاس ہونے کے) غور کرنے سے مانع آ رہا ہے - اِس محاورہ مین **از** انتزاعیہ ہے اور **بر** استعلا کے لئے - ان دونون حروف کے ہوتے ہوے علیحدہ ہونے ہی کے معنی ہونگے نہ داخل ہو سکیے - سر بچیزے درآوردن یا سر بجاے برآوردن کے معنے البتہ داخل ہونے کے ہین - سر از جیب برآوردن کے معنی یہ نہین کہ گریبان مین سر کو اِس طرح ڈالنا کہ سر گریبان سے باہر نہ نکلے اور گریبان سر کے اوپر رہے -

مصرع خاقانی جو اپنے معنون کی شہادت مین پیش کیا ہے اِسمین بھی غلطی کو مغالطہ ہوا ہے - یہ مصرع بھی داخل ہونے کے معنون کا موید نہین سر زان سوے فلک برآوردن کے معنی بھی یہی ہین کہ فلک سے باہر ہو جانا - چونکہ فلک سے باہر امکان تجویز کرتے ہین اِس لئے جو فلک سے باہر ہوگا آپ اپنے لامکان مین پہونچیگا - اِس صورت سے امکان مین پہونچنے کا نتیجہ برآمد ہوتا ہے - پس لامکان مین پہونچنے کے معنی لازمی ہوے نہ وضعی - وضعی معنے وہی فلک سے نکل جانے کے ہین -

خاقانی اِس قصیدہ مین اِس محاورہ سر از چیزے برآوردن کو پانچ جگہہ لائے ہین - ایک تو یہی مصرع ہے جسکے معنی بتائے گئے - باقی چار یہ ہین جو **از** اور **بر** کی قید سے لائے گئے ہین -

(۱) چون کعبہ سر ز شقۂ دیبا برآورم   (۲) چون روز سر ز صدرۂ خارا برآورم

(۳) من نیز سر ز جوخۂ خارا برآورم   (۴) ممکن کہ سر ز خواب مغاجا برآورم

ان چارون مصرعون مین سے ایک بھی شارح کے معانی کا موید نہین - شقہ دیبا - صدرہ - جوخہ اور خواب سے سر نکالنا ہر جگہہ مقصود ہے یعنی شقہ دیبا اور جوخہ اور صدرہ سے سر کا باہر ہونا اور خواب سے بیدار ہو - نہ اِن چیزون کا سر پر ڈال لینا اور سو جانا -

جہان کہین خاقانی اِس محاورہ کو بمعنی داخل ہونا لائے ہین تو وہ مجرور پر ب لائے ہین جیسے

(۱) ہم سر بساق عرش معلی برآورم   (۲) زخش بتاب خانۂ بالا برآورم

انتخاب کلیات خاقانی مطبوعۂ انوار المطابع لکھنؤ مین یہ مصرع اول اِس قصیدہ کا ب کے ساتھ لکھا ہے ؎

ہر صبح سر بہ گلشن سودا برآورم

کاش یہ نسخہ اختیار کر کے داخل ہونے کے معنی لکھتے تو کچھ گنجایش بھی ہوتی۔ مگر سر از گلشن برآوردن کے معنی تو گلشن سے باہر ہونے ہی کے ہین نہ داخل ہونے کے۔

جس طرح شارح اپنے مفہوم کو صحیح سمجھکر بنا بر نیکی مزعومہ "بنیاد کج" سے تعبیر کرنے کا حق رکھتے ہین۔ اگر مین بھی کم از کم انکی تقلید کر کے پہلی بسم اللہ غلط کہون تو بیجا نہ ہوگا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اشعار مابعد مراقبہ و توجہ قلبی و تصور صادق سے جدا ہونے کے موید ہین۔ جیسا کہ آسی و شاداں تجویز کرتے ہین۔ یا عشق الٰہی کے باغ مین داخل ہونے کی تائید ہوتی ہے جو کہ جناب شارح کا مزعوم ہے۔

شعرا کے مسلمات مین سے ہے کہ رات اور بالخصوص نصف شب و حصہ آخر شب حضور قلب و مکاشفہ و تصور صادق کے لئے مخصوص ہے۔ اور صبح باعث انقطاع توجہ قلب ہوتی ہے کیونکہ عالم مین چہل پہل ہو جاتی ہے جو مانع تصور صادق و یکسوئی ہے۔ اِسی طرح صبح شب وصال ہنگام فراقِ یار ہے اگر بنا بر قول شارح مان لیا جائے کہ وقت صبح گلشن عشق مین داخل ہونا مراد ہے تو یہ عین مطلوب عاشق ہے۔ پھر رونے اور آسمان سے مقابلہ کرنے کی علت کیا ہو سکتی ہے۔ اشعار مین عدم حضوری محبوب کا بھی ذکر کہین نہین بلکہ رونے اور آسمان سے مقابلہ کرنے کا بیان چند اشعار مین مسلسل کیا گیا ہے۔ فقدان مطلوب پر گریہ اور رنج و الم سے مقابلہ ہوا کرتا ہے۔ اِس لئے بھی "سر ز جیزے برآوردن" کے معنی اِس محل پر اُس شے سے دور اور جدا ہونے ہی کے ہین۔

ربط اشعار مختلف المضامین قصائد مین مستحسن ہے نہ واجب اسی لئے سب ہی کے کلام مین ارتباط نہین بھی پایا جاتا ہے۔ خود خاقانی کے کلام مین بھی عدم ارتباط موجود ہے۔ اِسی قصیدے کے دسوین شعر سے تیرھوین شعر تک چار شعرون مین اپنے کلام پر فخر کیا ہے وہ اشعار یہ ہین ؎

دلہاے گرم تپ زدہ را شربتے کنم ۔۔۔ زان خوشدے کہ صبحدم آسا برآورم
ہر دم مرا بہ عیسی تا دہ ست حاملہ ۔۔۔ زان مردے چو مریم حذر را برآورم
زین روے چون کرامت مریم ہیاخِ عمر ۔۔۔ از نخل خشک خوشۂ خرما برآورم
تر دامنان کہ سر بگریبان فرو برند ۔۔۔ سحر آورند و من ہیجنیا برآورم

اِن فخریہ اشعار کے بعد ہی بلا ربط دے۔ افسردگی دل و ترک دنیا مین یہ شعر ذیل لکھا ہے۔ ؎

دل در مغاک ظلمتِ خاکی فسردہ شد ۔۔۔ رختش بتاب خانہ' بالا برآورم

"ولیکن۔ مگر اب" یا مثل اسکے کوئی لفظ ایسا نہین لائے جس سے ماقبل اور مابعد مین ربط ہو جاتا۔ محذوف مان کے تو دو اتصل بیجوڑ باتون مین بھی ربط پیدا کیا جا سکتا ہے۔

خاقانی اپنے ایک قصیدہ کی تمہید یون شروع کرتے ہین ؎

خیز اے غلام زین کن کران را ۔۔۔ آن گرم سیر صاعقہ جولان را

اسکے بعد چار شعر گھوڑے کی تعریف مین ہین۔ پھر یہ دو شعر گھوڑا کسوانے اور شیراز کی ترک سکونت کی علت کے بیان مین ہین ؎

زندان شدست بر من و تو شیراز ۔۔۔ بدرود باید کرد زندان را
گیرم کہ ملک پارس گلستان است ۔۔۔ ایدون خزان رسیدہ گلستان را

فوراً اس شعر کے بعد بلا ارتباط یہ شعر کہدیتے ہین ؎

غیر از ثناے معتمد الدولہ ۔۔۔ از ہر ثنا فرو شعر دیوان را

اگر اس قسم کے تاویلات کئے جائین کہ مرتب کا سہو یا کاتب کی غلطی ہے۔ ایسے ہی تاویلات سے ہر شخص اپنی بات کو بھی تقویت دے سکتا ہے۔

جب عدم ارتباط علی شعر قرار پایا تو ارتباط دلیل قاطع صحت مفہوم پر نہین رہتا۔ مگر اس قصیدہ کے تیرہ اشعار تک اس مفہوم سے کہ خاقانی گلشن عشق سے جدا ہو گیا ہے ربط بھی موجود ہے۔

حاصل اشعار بلحاظ ربط

جب صبح کو مین گلشن عشق سے جدا ہوتا ہون تو گریہ و نالہ و فریاد کرتا ہون۔ چونکہ صبح ہونے کے باعث گردش فلکی ہے اس لئے اپنی فوج اشک و آہ سے قلعہ فلکی مین غوغا مچا دیتا ہون۔ بلکہ مجھے کسی فوج کی بھی ضرورت نہین ہے مین اکیلا ہی اس قلعہ کے فتح کرنے کے لئے کافی ہون۔ یہ اشک جو مین بہاتا ہون، اور یہ سرد آہین جو مین کرتا ہون۔ اس سے قندیل دیر چرخ فوراً بجھ سکتی ہے اور میرا دم خوش و سرد محرومان عشق کے لئے شربت سرد کا کام کرتا ہے۔ یہ دم خوش میرا حاملہ عیسیٰ تازہ ہے جبھی تو کرامت مریم کی طرح میرے نخل خشک قلم سے مضامین کے خوشہ خرما نکلتے ہین چنانچہ دوسرے شعرا اگر فکر کرے اشعار سحر مثال کہتے ہین تو مین اشعار معجز نما کہتا ہون۔

ربط کے لئے ادنیٰ ملابست کافی ہوتی ہے اور بات مین وسعت بہت ہے۔ تاویلات و محذوفات سے تو متضادین مین بھی ربط پیدا کیا جا سکتا ہے مگر ایسا کرنے سے تو شارح کا مطلوب فوت ہوا جاتا ہے یعنی کسی کی تنقیص۔ پھر وہ کیون بنانے والی تاویل کرین۔

آٹھوین شعر کی شرح مین جناب کا مطلب لکھا کر فرماتے ہین کہ "قابل نامی کے معنی غلط ہو جانے کی وجہ صاف ہے۔ اول تو وہ بنیادی غلطی کہ خاقانی نے صبح کو ترک مراقبہ کیا ہے۔ دوم حظوظ کے لفظ نے انکے خیال مین اور پختگی کر دی کہ انھون نے لبون کو مردہ قرار دیا، اس لئے کہ وہ ذکر الٰہی سے علیحدہ ہو گئے۔"

قابل بلگرامی کی نسبت لکھتے ہین کہ اس شعر مین اپنے نامی کا ساتھ بالکل چھوڑ دیا۔ اس لئے معنی بھی صحیح لکھے۔ مگر دسوین شعر کے ذیل مین تحریر فرماتے ہین کہ اس شعر مین دونون بزرگون نے علیحدگی عشق ترک مراقبہ۔ لب کے مردہ ہو جانیکا ذکر نہین کیا۔

جب آپ خود ہی لکھ چکے کہ شادان مردگی لب مین جناب نامی سے علیحدہ ہو گئے تو پھر دسوین شعر مین مردگی لب کا ذکر کیون کرتے جبکہ انھون نے لب کو مردہ پہلے ہی سے نہین قرار دیا۔ ہان علیحدگی و ترک مراقبہ کا ذمہ دار انکو قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر آپکے مسلمات کی بنا پر کہ وہ مترجم عبارت جناب نامی ہین اسکے جواب دینے کی بھی انکو ضرورت نہین۔ مگر مین جناب نامی کی طرف سے دسوین شعر کا ربط تمہید کے ساتھ اوپر لکھ چکا ہون کہ جب صبح ہو جانے سے حضوری قلب جاتی رہتی ہے اور خاقانی فوج اشک و آہ سے اپنے بارج فلک سے مقابلہ کرتا ہے۔ یہ اشک و آہ دم سرد ایسے ہین کہ ان سے قندیل چرخ بجھ سکتی ہے اور یہی دم سرد محرومون کے لئے شربت کا کام دیتا ہے۔

جناب شادان نے ؎

قندیل دیر چرخ فرو میرد آن زمان — کان سرد باد آتش سودا بر آدم

کے بعد یہ شعر ؎

از خاصگان طارم سر مہر عشق — ہر جا کہ محرمیست دم آن جان آدم

لکھا ہے۔ حالانکہ کلیات اور انتخاب مین اس شعر کو اکیس نمبر پر لکھا ہے اور دسوان شعر "قندیل دیر چرخ" الخ کے بعد ؎

دلہائے گرم تپ زدہ اشربتے کنم ۔۔۔ زان خوش دمے کہ صبحدم آسا برآورم

اس شعر کو اس محل پر لا کے جناب شاداں نے ربط کوا‌ؤ چھپا ہوا ہے بھی بڑھا دیا ہے یعنی جس دم سرد کا خاقانی اوپر سے ذکر کرتے چلے آتے ہین یہ دم خاقانی کو سر بمہر عشق مقربانِ الٰہی سے حاصل ہے جہان کہین کوئی محرم ملیگا یہ دم سر بمہر عشق نکالا جائیگا۔ اور اسی دم سے محروران عشق کو شربت دیا جائیگا۔ یہ دم مرتبہ عیسٰی رکھتا ہے جب تو اس دم سے بوساطت نخل قلم مثل کرامت مریم خوشہائے خرما یعنی مضامین عشقیہ نکلتے ہین۔ اسکے علاوہ اور کس ربط کے آپ امان ہین۔ آپکا بنیادی پتھر البتہ سدّ راہ معانی ہے۔ جب گلشن عشق مین خاقانی داخل ہوگئے جو عین مطلوب ہے تو پھر روتے کیون ہین اور آسمان سے مقابلہ کس لئے ہے۔ ؎

شہبازم ارچہ بستہ دہانم بگاہ صید ۔۔۔ گرد از ہزار بلبل گویا برآورم

جناب شارح نے اس شعر کا مصرع اول یون تحریر فرمایا ہے ؎

"شہبازم اگرچہ بستہ دہانم بگاہ صید"

یعنی ارچہ کی جگہ اگرچہ اختیار کیا ہے۔

فاضل بلگرامی کے یہ معانی "مین شہباز فضائے معرفت ہون اگرچہ وقت شکار منہ بند ہون (موانع مجھے لاحق ہین) مگر پھر بھی وقت شکار ہزارون بلبل گویا کو گرد برد کرسکتا ہون۔ میرے بیانِ معرفت کو دوسرے شعرا کہان پا سکتے ہین" لکھکر فرماتے ہین کہ وقت شکار باز کا منہ بند نہین ہوتا بلکہ اُسکی ٹوپی اتار دی جاتی ہے۔ اسی طرح شکار معرفت کے وقت خاقانی کے منہ سے مہر سکوت ٹوٹ جائیگی۔ شعر مین تو مہر سکوت ٹوٹنے یا ٹوپی اُترنیکا ذکر نہین بلکہ صاف الفاظ مین بستہ دہان ہی کہا ہے۔ جب وضوع مطلب کے لئے مہر سکوت کا ٹوٹ جانا کہا جا سکتا ہے تو کیا ٹوپی کا اُتر جانا نہین تجویز کرسکتے ہین خصوصًا جب کہ عادت بھی یہی ہے کہ باز کی ٹوپی شکار کے وقت اُتار دیتے ہین۔

وقت شکار باز کی ٹوپی کا اُتار دینا شاداں کو بھی معلوم ہے۔ وہ خود تشریح الفاظ مین لکھتے ہین۔ "شہباز باز سپید بزرگ کیونکہ لفظ شہ منجملہ الفاظ تکبیر و تفخیم ہے۔ ترکی مین طغان کہتے ہین۔ اسکے سر پر ایک ٹوپی چڑھائے رکھتے ہین جسے طاقہ کہتے ہین۔ وقت شکار اُسے اُتار ڈالتے ہین۔

جناب شاداں نے طلبہ کی ضرورت کو مدنظر رکھ کے ناقل وال سے کام لیا ہے۔ جس بات کو تشریح الفاظ مین کہ جاتے ہین۔ بیانِ معانی کے وقت احتراز اعادہ سے مجمل لکھ دیتے ہین۔ لیکن معترض جو اپنے خیال مین منتقد ہین۔ سابق ولاحق کی طرف ناظرین کی توجہ منعطف نہین کرتے کیونکہ یہ امر اون کے مقصد کے خلاف ہوتا ہے۔ اور اپنے اعتراض کی مفید بات کو نمایاں کرکے دکھاتے ہین۔ جیسا کہ اسی شعر مین۔ شکار کے وقت ٹوپی باز کی اُتار دینے کو ظاہر کیا ہے۔ حالانکہ شاداں نے خود اس عادت کا اظہار کیا ہے۔

اسی شعر مین جناب شارح نے شہباز سے عاشق الٰہی مراد لیا ہے، اور بلبلِ گویا سے جھوٹے مدعی معرفت۔ حاصل یہ کہ خاقانی اپنا تفوق مدعیانِ کاذب معرفت پر دکھاتا ہے۔ اور اس مطلب کو سمجھتے ہین ۔۔۔۔۔۔۔ نے شاداں سے کوئی علیحدہ بات کہی۔ اور پھر اظہار خوبی مطلب کے لئے یون رقم طراز ہوتے ہین۔ بہرحال مین نے اپنا مطلب لکھ دیا ہے۔ ناظرین غور فرمائین۔

شاداں بھی تو یہی کہتے ہین کہ مین شہباز فضائے معرفت ہون۔

میرے بیان معرفت کو دوسرے شعرا کہاں پا سکتے ہین۔ کیا اِس جملہ سے یہ مطلب نہین نکلتا کہ خاقانی اپنے آپ کو عارف اور دوسرون کو غیر عارف بتاکر اپنی فوقیت دکھا رہے ہین۔ آپکے اصول کے موافق کہہ سکتے ہین کہ آپنے شاداؔن کا مطلب لیا جسکو آپ الگ مطلب ثابت کر رہے ہین۔ لیکن آپکا وکیل بن کے ایک جرح مین شاداؔن سے کہہ سکتا ہون کہ شارح تو تمہارے شاگرد ہین اور شاگرد واستاد سے اخذ کیا ہی کرتا ہے لہذا اگر تمہارا مطلب لے لیا تو خلاف عادت کیا ہوا' مگر تم سے شاداؔن بتاؤ کہ جناب آؔمی تو تمہارے اُستاد نہین، پھر بعقیدۂ شارح کس بنا پر جناب آؔمی کی عبارت کا ترجمہ کر دیتے ہو لیکن افسوس کہ مین اسکا جواب لکھ چکا ہون کہ شارحین بھی دوسری تصانیف سے مدد لیتے ہین۔ جب یہ عادت بھی جاری ہے تو دونون پر الزام عائد نہین ہوتا۔ اسکے بعد شارح سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاداؔن تو ایک مطلب لکھکر نہ اپنا کہتے ہین اور نہ کسی دوسرے کا، گو ضمناً ہر دیکھنے والے کی سمجھ مین بھی آئے کہ یہ مطلب شاداؔن کا ہے۔ مگر شارح تو شاداؔن ہی کا مطلب لکھتے ہین پھر بھی شاداؔن کے مطلب سے غیر ظاہر کرتے ہین۔

بات مین بڑی وسعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دو مدعی مناظرہ بھی بات سے بات پیدا کرتے رہتے ہین اور ایک دوسرے کی کبھی نہین مانتے۔ جب مناظرہ نتیجہ خیز نہین ہوتا تو مناقشہ ومجادلہ کے بانتیجہ ہونیکا کیا ذکر۔ اِس فطرت زمانہ پر نظر کرتے ہوئے معارضہ فضول قرار پاتا ہے۔ سلیم الطبع منصف مزاج اور غیر طرفدار تو دو چیزون کو دیکھکر اپنی اپنی سمجھ اور قابلیت کے موافق کچھ نہ کچھ فیصلہ ہی کر لیتے ہین۔ اب رہے متخاصمین ومناقشین اور فریقین کے طرفدار وہ مخالف کی ہزار باتون مین سے ایک بھی قبول نہین کرتے۔ اِس لئے عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی تعبیر کرے دوسرون کی تخریب سے کیا مطلب۔ ورنہ مناقشہ کا نتیجہ تو دشنام دہی ہوتا ہے۔

بات سے بات پیدا کرنے کے لئے اسی بحث کو لے لیجئے کہ "وقت شکار باز کا مُنہ بند نہین ہوتا بلکہ اُسکے مُنہ سے ٹوپی اُتار لیتے ہین"۔

اسکا جواب سُنئے کہ خاقانی مشبہ اور باز مشبہ بہ ہے۔ بستہ دہانی صفت مشبہ ہے نہ مشبہ بہ۔ خاقانی کہتے ہین کہ مین گو ساکت ہون مگر شہباز ہون' اِس لئے وقت شکار ہزار بلبل گویا کو ہلاک کر سکتا ہون۔ میرے سامنے بلبلین کیا چیز ہین۔ اِس صورت مین ٹوپی ہونے یا نہ ہونے سے کوئی مطلب نہ رہا۔

اب مین یہ مان کر بھی کہ وقت شکار بھی ٹوپی چڑھی ہے کچھ کہنا چاہتا ہون' اور وہ یہ ہے کہ طاقہ سے باز کی صرف آنکھین بند ہوتی ہین اور مُنہ کھلا ہوتا ہے۔ چنانچہ بازدار بوٹی کو باز کے نیچے سے چھلاتے ہین اور باز گردن جھکا کے بوٹی مُنہ مین لیکر کھا لیتا ہے اگرچہ طاقہ چڑھا رہتا ہے۔ پھر باز پنجون سے شکار کرتا ہے اور مُنہ سے کھاتا ہے۔ جب آلات جارحہ کھلے ہین تو شکار کو کون مانع ہے۔ آپ کہین گے کہ آنکھین تو بند ہین پھر وہ شکار کیونکر کر سکیگا۔ اوّل تو شعر کوئی منطق نہین ہے جو چارون چولین ٹھیک ہون۔ دوسرے کہہ سکتے ہین کہ خاقانی کو بھی اپنی قدرت اور تفوق دکھانا ہے کہ مین برخلاف اور بازون کے یہ قدرت وقابلیت رکھتا ہون کہ چشم بند بھی مین تمکو شکار کر سکتا ہون۔ اِسی وجہ سے شاداؔن نے بستہ دہانی کی تعبیر موانع سے کی ہے۔ کیونکہ باز چشم بند ہوتا ہے نہ بستہ دہان۔

اسی قصیدہ کے اِس شعر سے

درساقِ من چو جنگ بندبندہ رسن　　　ہم سرو ساقِ عرش معلّا برآورم

مین بھی بندھنے کے بعد کھلنے کا ذکر نہین کرتے اور بندھے بندھے عرش معلی پر پہونچ رہے ہین - اگر کہا جاے کہ عرش پر جانا پاؤن سے مقصود نہین تو پھر ذکر بستہ پائی بیکار ہو جائیگا اور شعر مین بات ہی کیا رہیگی - یہی تو دوسرون پر تفوق دکھانا ہے کہ اورون کو بستہ پائی مانع آتی ہے، مگر میرے لئے مانع نہین - اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ عرش پر جانے کا وسیلہ پاؤن نہین تو شعر مانی البحث مین بھی چنگ اور پنجون سے شکار کرنا مقصود نہین - وہان بھی قوت علمی سے زیر کرنا مطلوب ہے -

تشبیہہ مین ادنی ملابست کافی ہوتی ہے - ہر حیثیت سے تشبیہ کا صادق آنا کچھ ضروری نہین - اب ان تاویلات کے بعد مین تمنا کرتا ہون کہ جناب شارح - اگرچہ کے بعد وقت شکار کو شادان یا کاتب کا سہو القلم مان لین - کیونکہ یہ عبارت

"اگرچہ وقت شکار مین مُنہ بند ہون مگر وقت شکار پھر بھی ایسا ایسا کر سکتا ہون"

بتا رہی ہے اور طرز بیان شادان کہہ رہا ہے کہ اگرچہ کے بعد الفاظ وقت شکار قلم سے زیادہ نکلے ہین - مگر جناب شارح ایسے معترض و متفاخر سے مجھے ہرگز امید نہین کہ وہ میری اس تمنا سے معاف کردین - تو اب لازم ہوا کہ مین انہین بزدستی منواؤن -

شارح نے اِس شعر کا پہلا مصرع اِس طرح اپنی شرح مین لکھا ہے

شہبازم اگرچہ بستہ دہانم بگاہ صید

ارچہ کی جگہ اگرچہ اختیار کرنے سے مصرع ناموزون ہوگیا - مین نے رامپور والون سے سُنا ہے کہ آپ ناموزون طبع اور علم عروض سے نابلد ہین - یہ مختار اُنکا اس قول مسموع کا شاہد عادل ہے - کلیات مین مین بھی یہ مصرع ارچہ کے ساتھ چھپا ہے اُس مصرع صحیح سے اختلاف کی وجہ اُنکے پاس کوئی ضرور ہوگی - اگر میرے آخری جواب کو وہ تاہین تو جو جواب اپنے لئے پیدا کرین اُسی کو جناب شادان کی طرف سے بھی سمجھ لین -

رامپوری طلبہ جو لاہور مین ہین اُن سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپکو اپنی اس شرح پر بڑا ناز ہے - اور مین تو اس شرح کے دیکھنے سے اس نتیجہ پر پہونچا ہون کہ اُن ایسے آدمی کو اپنی ہر بات پر ناز ہوتا ہوگا چنانچہ ان طلبہ کا بیان ہے کہ شارح فرمایا کرتے ہین کہ میری اس شرح نے شادان اور جناب تامی کی پروفیسری کو خاک سیاہ کردیا - اور شارح کو ابد الآباد تک زندہ رکھیگی.

چونکہ شارح نبض شناس فطرت زمانہ نہین اور متفاخر بھی واقع ہوئے ہین تو اُن سے ایسا خیال بعید ہی کیا ہے جس کسیکو اللہ عزت دیتا ہے تو وہ ہمہ شما (ما و شما) کے مٹانے سے نہین مٹتی ہے ۔

چراغے راکہ ایزد برفروزد　　　اگر کس تف زند ریشش بسوزد

ہر دو بزرگ کو جو شہرت اور عزت چھوٹی یا بچی حاصل ہے اُسکے مقابلہ مین شارح کو تو کوئی جانتا بھی نہین - ہان اگر جانتے ہونگے تو رامپوری طلبہ جانتے ہونگے - اور مین نے سُنا ہے کہ رامپور کے لوگ بھی بکثرت اُنکے مخالف ہی ہین -- برخلاف اسکے شادان با تین سال سے رامپور مین نہین مگر اُنکی عظمت اُنکے اخلاق حسنہ کی وجہ سے اب بھی اہل رامپور کے دلون مین ہے - اور ہندوستان کے دور دراز مقامات تک اُنکے جاننے والے ہین اور اُنکے فیض سے

استفادہ کرتے ہین یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون ۔

گو اِس شعر کا وہی مطلب شارح نے لکھا ہے جو شادان کی شرح مین ہے ۔ جیسا کہ مین اوپر ثابت کر آیا ہون ۔ مگر ایک بات کا فرق پھر بھی دونون کے مطالب مین باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ، کہ شارح شہباز سے عاشق الٰہی اور صوفی محض مراد لیتے ہین ۔ اسی طرح بلبل گویا سے جھوٹے صوفی، مگر شاعر کے بیان سے شاعر صوفی، اور شاعر متصوف مراد لینا واضح ہے ۔ ظاہر ہے کہ خاقانی کو صوفیائے کرام اور اولیاے اللہ مین شمار نہین کیا جاتا ہے ۔ بلکہ وہ ایک شاعر صوفیانہ مضامین کہنے والے ہین ۔ لہذا مقابلہ بھی شعراے متصوف سے کیا جائیگا ۔ خاقانی نہ خود صوفی محض ہین نہ دوسرے صوفیان کاذب سے مقابلہ مقصود ہے ۔ مزید برآن بلبل گویا شعرا کے لئے کنایۃً مشہور ہے ۔ لہذا شعراے متصوف مراد لینا قرین قیاس ہو ۔ جھوٹا یا سچا صوفی محض مراد لینا شارح ہی کا کام تھا ۔

زین رُوے چون کرامتِ مریم بباغ عمر ازنخل خشک خوشۂ خرما برآورم

تشریح الفاظ مین فرماتے ہین کہ نخل خشک سے ہر شارح نے (قلم) مراد لی ہے مین اسکو غلط نہین کہتا، مگر میرے نزدیک خود خاقانی کا قد مبارک ہے ۔ جو عشق کی تکالیف سے خشک ہوگیا ہے خوشۂ خرما مضامین معانی عشقیہ ۔ نہ کلام شیرین وسخن لطیف جسکو قابل نامی وفاضل بلگرامی نے اختیار کیا ہے ۔

جواب ۔ اِس تحریر سے ظاہر ہے کہ نخل خشک سے قد خاقانی مراد لینا شارح اولی اور انسب قرار دیتے ہین اور خوشۂ خرما کے معنی مضامین عشقیہ بتاتے ہین ۔ حاصلِ استعارات یہ ہوا کہ قد خاقانی سے مضامین نکلتے ہین ۔ مضامین معانی دل و دماغ سے نکلتے ہین اور قلم اُنکے اظہار کا وسیلہ ہوتا ہے ۔ قد سے معانی کا نکلنا نرالی جدت ہے ۔ ؎

این کار از تو آید و مردان چنین کنند

خوشۂ خرما کی تعبیر کلام شیرین ولطیف سے اور بھی جامع ہے جو مضامین عشقیہ کو بھی شامل کر لیتی ہو ۔ کیا مضامین عشقیہ این حیثیت آپ مراد لیتے ہین کہ وہ شیرین ولطیف نہون ۔

صفحہ ۱۲ کے فٹ نوٹ مین لفظ تنبیہ لکھکر فرماتے ہین کہ سانس دہلی مین مذکر بولا جاتا ہے ۔ جناب نامی نے وہان کی تقلید مین سانس کو مذکر بولا ہے ۔ لکھنؤ مین مؤنث ہے ۔

خط اشتہار اور شرح کی عبارتون سے متمسک کہے گئے!!

جا سکتا ہے کہ یہ نوٹ بھی اظہار تفاخر مین ہے ۔ تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ شارح زبان دہلی اور لکھنؤ دونون کے عالم ہین ۔ نیک نیتی پر بنا کیجاے تو کہہ سکتے ہین کہ بصیرۃ للطلاب لکھا ہے ۔ اگر مین بھی افادۂ طلاب کے لئے اسکے بارہ مین کچھ لکھون تو بیجا نہ ہوگا ۔

مجھے جہان تک یاد آتا ہے جناب ذوق مرحوم دہلوی "اڑی دو گھڑی کے بعد ۔ پڑی دو گھڑی کے بعد" والی غزل مین سانس اڑی دو گھڑی کے بعد کہا ہے ۔ دیوان پاس نہین ورنہ تحقیق لکھتا ۔ اور جناب داغ نے سانس لگا رکھا ہے ۔ کہا ہے ۔ اِس سے دہلی مین بھی مختلف فیہ معلوم ہوتا ہے ۔ ممکن ہے کہ اب بلا اختلاف دہلی مین مذکر بولتے ہون ۔ جناب نامی میرٹھ کے رہنے والے ہین اور دہلی سے میرٹھ قریب ہے ۔ لہذا اگر وہ متبع دہلی ہون تو کیا بعید ہے لیکن آپ تو خالص لکھنوی ہین آپ نے قلم کو مؤنث کیون لکھا لکھنوی کی تقلید

کارخانہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ "چاندنی چوک دہلی" اور ایک شاخ گلزار حوض حیدر آباد دکن ہے

دہلی کی کیا ضرورت آپڑی - جناب داغ نے قلم کو مذکر کہا ہے ؎

"عصائے موسوی ہو حمد خالق مین قلم میرا"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فصحائے دہلی مین بھی قلم کو مذکر بولتے تھے مین
گو عوام مونث بولتے ہون - لی کا اسناد مراد کی طرف نہین ہو سکتا،
کیونکہ مراد لینا خود مصدر مرکب ہے - ہان لفظ قلم کے بعد اگر "سے"
اور بڑھائین تو یہ اسناد صحیح ہو سکتا ہے - لہذا "ہر شارح نے قلم مراد
لیا ہے" کہنا چاہیئے تھا -

قواعد خواہ عروض و صرف و نحو کے ہون یا معانی و بیان کے
ان سے اگر انحراف ہوجائے تو مجیب کو البتہ دقت اور عجز لاحق ہوتا ہے
اسکے بعد کسی بات کا جواب پیدا کرنا کوئی دشوار امر نہین - اس لئے
مذہبی ادبی مناقشون کا فیصلہ کبھی نہین ہوتا ہے - فاضل بلگرامی
اسی وجہ سے اپنی تصانیف مین دوسرون سے تعرض نہین کرتے
ہین - اگر کبھی احیاناً کسی کا قول اپنی تصنیف مین لائے ہین تو صرف
نقل قول پر اکتفا کی ہے اور ناظرین کی توجہ بھی اس طرف منعطف
نہین کرتے کیونکہ اس عمل سے بوئے تفاخر آتی ہے اور وہ تفاخر
کے پاس نہین جاتے اور ماہر نفسیات ہین - اسی شرح خاقانی
مین جہان کہین محشی اور جناب نامی سے اختلاف رائے ہوا ہے
دونون کا ذکر نہین کیا - جناب نامی کا نام نہ لینا تو آپ اس بنا پر
کہین گے کہ باوجود موجودگی شرح نامی وہ منکر ہین تو نام کیسے لیتے
چوری کھل جاتی، مگر کلیات محشی موجود تھا تو انہون نے اقرار کیا ہے
محشی پر بھی کوئی اعتراض نہین کرتے - حالانکہ محشی کی عبارت شرح
سے حرف بحرف ملتی ہے مگر وہ صادق علی صاحب کو آپکی طرح
سارق نہین بناتے - اور نہ انکی محشی کو غلط کہتے ہین -

جن اشعار کے معانی کی نسبت مین نے سنا کہ شارح کو ناز ہے
یا جس بات کی بابت میرا خیال ہوا کہ اس امر پر انہین فخر ہوگا مین نے
ان مین سے چند باتون کا جواب لکھدیا ہے - مجھے اس وقت انکی
شرح کے مقابلہ مین کوئی شرح لکھنا مقصود نہین - اس لیے اتنے ہی
پر اکتفا کرتا ہون - اگر وہ چند لاجواب اور اہم اعتراضات کو خود پیش
کرین تو انکے جوابات ابھی دئے جا سکتے ہین - ورنہ شرح شایع ہوجانے
پر فرصت ہوئی اور دل چاہا تو کچھ لکھونگا - اگر انہین کل اعتراضات
اپنے اہم معلوم ہوتے ہین تو کسی کو اتنا دماغ کہان جو سب کے جوابات لکھے -
اس صورت مین انہین دو چار شعرون پر کچھ لکھدینا کافی سمجھتا ہون ؎

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

اب مین دو تین ادھر ادھر کی باتون کا جواب لکھکر اس فضول بک
بک کو ختم کرتا ہون - صفحہ دس سطر تین مین شارح لکھتے ہین کہ فاضل بلگرامی
باوجود پورے مترجم ہونے کے اس موقع پر نامی کی تھوڑی عبارت سے
کچھ سوچ کر علیحدہ ہوگئے - صفحہ ۲ سطر ۲ مین لکھتے ہین - اگر غور کیا جائے
تو استاد و شاگرد کا ایک ہی مطلب ہے -

شروع شرح مین اختلاف کو نیک نیتی پر محمول کیا گیا ہے اگر
یہی الفاظ نیک نیتی پر دال ہین تو نہ معلوم بدنیتی کس چڑیا کا نام ہے -
انچہ بمیگ ست بہ کچہ می آید - کا مصداق ہر جگہ سے عیان ہے -
انکا ایسا حاسد و متفاخر آدمی اس سے کب بچ سکتا تھا -
مین نے سنا ہے کہ اس شاگرد و استاد کے فقرہ پر بھی شارح
کو ناز ہے - یہ الفاظ بہ معنی وضعی و حقیقی تو یون صرف نہین ہوئے
ایک نے دوسرے کو ابتک دیکھا بھی نہین اور نہ شاگرد اور جناب نامی
کے درمیان رسم مکاتبہ و مجادلہ جاری ہے - پس ان الفاظ کا صرف

بطور مجاز ہے۔ بایں حیثیت کہ شارح شادان کو مترجم کہنا خلاف
نامی قرار دیتے ہین۔ جب وہ خود مان چکے کہ کہین اختلاف بھی ہے،
تو پورے مترجم کہنا خلاف مسلمۂ سابق ہے۔ مزید برآن جناب شادان
ایسے نیک نفس ہین کہ وہ اس مجاز کو بطور حقیقت ماننے کے لئے
تیار ہو جائینگے۔ کیونکہ جہان اُنکے دو چار اُستاد اور ہونگے وہان ایک
جناب نامی بھی سہی۔ جناب نامی کی ہستی کوئی معمولی نہین۔ اگر
آپ اپنے آپکو جناب شادان کا شاگرد ظاہر کرتے تو یہان البتہ مجاز نہین
بلکہ حقیقت ہوتا اور شرافت و صداقت کا ثبوت مل جاتا۔ مگر وہ کیا
کرین۔ شرافت و صداقت کی جگہ تو تفاخر نے لے لی۔

مجھے پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ شارح نے جناب شادان سے
برسون پڑھا ہے اور شادان صرف اُستاد ہی نہین ہین بلکہ محسن
بھی ہین۔ جنکے سامنے پڑھا۔ جنہون نے پڑھنے کے لئے شادان
کے پاس بھیجا وہ لوگ ابھی زندہ ہین۔ شارح کو اپنی شرح مرخص مین
جناب شادان اپنے شاگردون کی فہرست مین بہت پہلے لکھ چکے
ہین۔ شارح نے جناب شادان کے لئے جو جلسۂ رخصتی اپنے مکان
پر کیا تھا اُس مین بھی مجمع عام کے سامنے اقرار شاگردی جناب شادان
کر چکے ہین۔ جسکے سُننے والے رامپور مین بہت سے موجود ہین۔
اور یہان لاہور مین بھی ایک دو آدمی ہین۔

جناب شارح البادی اظلم کے معترض ہین بجواب ہین

کلوخ انداز را پاداش سنگ است

پر عمل ہوتا تو بیجا نہ تھا، مگر مین نے جواب ترکی بہ ترکی دیا ہے اور
امثال کما تکمیل تکال اور (راٹ فار ٹیٹ) پر عامل ہوا ہون
لہذا بوجہ تتبع معترض مجھے ناظرین معذور سمجھین۔ پھر بھی دو امرون
مین اُن سے پیچھے رہ گیا ہون۔ ایک تو اُن کا سا تفاخر مجھ سے
نہ ہوسکا۔ دوسرے نیک نیتی کا بھی نہین جیسا کہ وہ باوجود بدنیتی
مدعی ہین۔

جس طرح وہ اپنے مطالب کو صحیح سمجھکر فخر کا حق رکھتے ہین
مین بھی اپنی رد کو بجا و درست مان کر یہ کہنے کا حق دار ہون کہ
شارح آٹھ شرحین لکھکر بھی اپنی شرح کو صحیح نہ ثابت کر سکیگا جس کا نتیجہ
صریح ہوا ہے۔

جناب نامی و شادان کو ان اعتراضات سے خوش ہونا
چاہئے کہ ہر خواہان شہرت جسے بڑا سمجھتا ہے اُسی سے بڑتا
ہے۔ شارح کے اس فعل سے ان دونون کی فوقیت
جناب شارح پر عیان ہے اور یہ واقعیت بھی ہے

سید فضل حسین بخاری

نمازِ عشق

(جناب فرخ بنارسی)

مایۂ صد نشاط ہے بیخودیِ نیازِ عشق
محفلِ کائنات مین چھیڑا ہے کسنے سازِ عشق

حشر مین بھی وہی رہا عالمِ سوز و سازِ عشق
پہونچا ازل سے تا ابد سلسلۂ درازِ عشق

شمع کے دل سے پوچھیے کیفیتِ گدازِ عشق
ماحصلِ حیات ہے لذتِ سوز و سازِ عشق

آج جبینِ شوق ہے پیر مغان کے پاؤن پر
ختم ہوئی ہزار شکر بندگیِ نیازِ عشق

کعبہ ہو یا صنمکدہ دونون طلسمِ وہم ہین
ان کی حدون سے ہے الگ عالمِ سوز و سازِ عشق

عشوۂ بے پناہ سے سارا جہان ہے مضطرب
ایک ادائے حسن ہے طرۂ امتیازِ عشق

راہ روِ نیاز کو دیر و حرم سے کام کیا
سجدۂ نقش پا یہان اصل مین ہے نمازِ عشق

کہدی نگاہ یاس نے دردِ جگر کی داستان
ضبط کرے کوئی ہزار چھپتا کہین ہے رازِ عشق

ذوقِ نظر پہ منحصر جلوۂ حسنِ یار ہے
حل ہوا برقِ طور سے مسئلۂ جوازِ عشق

سجدہ مین سر ہے زیرِ تیغ موت کھڑی ہے سامنے
جو ہین محبت آشنا پڑھتے ہین یون نمازِ عشق

راہِ طلب مین نارسا ہستی و نیستی رہی
طے نہ ہوا کسی طرح مرحلۂ نیازِ عشق

محوِ عتابِ یار ہون فرخ اسی مین لطف ہے
عشق نیازمندِ حسن حسن ہے بے نیازِ عشق

جناب عزیز صفی پوری کی تالیفات و تصنیفات

میرے کرمگستر جناب سید اشرف علی صاحب بی اے ڈپٹی کلکٹر گورکھپور نے جناب عزیز صفی پوری کی تالیفات و تصنیفات (مع اُن کے مختصر حالات کے) بغرض ریویو میرے پاس بھیجین جناب محمد عزیز اللہ شاہ صاحب عزیز عرف منشی ولایت علی خان صاحب ولایت صفی پوری کا کلام مین عرصے سے دیکھ رہا ہون اُن کی قابلیت ایک مسلمہ امر ہے اُن کی قادر الکلامی سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا اور اس مین شک نہین کہ اس دور مین آپ کی ذات مغتنمات سے ہے۔

آپکے آبا و اجداد بادشاہ اودہ شجاع الدولہ کے زمانے سے واجد علی شاہ کے زمانے تک میرمنشی رہے۔ اودہ کی سلطنت کے زوال کے ساتھ انکا بھی زوال ہوا۔ سلطنت برطانیہ نے بعد غدر آپکو ایک نہایت ہی قلیل رقم بطور پنشن دینا شروع کی اور اسی قلیل رقم مین آپ ابتک استغنا قناعت اور استقلال کے ساتھ بسر کررہے ہین اور آجتک کسی کے سامنے دست سوال دراز نہین کیا۔

آپ کو بچپن ہی سے نثر نگاری اور شعر و شاعری کا شوق تھا' درسیات کے ختم کرنے کے بعد آپ نے نثر نگاری کی مشق اپنے والد ماجد منشی محمد یحیٰی علیخان سے حاصل کی' ارادت خان جو عالمگیر کے زمانے مین منشی بے بدل تھا اُسکے پنج رقعہ کا جواب لکھا اور غالب کے پاس بغرض اصلاح روانہ کیا' مرزا غالب کے ایسے مسلم الثبوت شاعر و نثار نے بجائے اصلاح کے داد دی اور لکھا کہ :-

"خوشا مدفقیر کا شیوہ نہین' تمھارا پنج رقعہ ارادت خان کے پنج رقعہ سے کہین بہتر ہے اُس مین یہ الفاظ اور معنی نازک کہان' نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول' اسمین حک و اصلاح کی مطلق گنجائش نہین"

اُسوقت سے آپ مستقل طور سے اپنا کلام مرزا غالب کو دکھانے اور نثر و نظم دونون مین اُنھین سے مشورہ لینے لگے' مولانا حالی اور مولانا شبلی آپ کے کمال انشاپردازی کے معترف تھے وہ تحریر فرماتے ہین کہ :-

"اس زمانے مین آپ سے بہتر فارسی غالب کے طرز پر ہندوستان مین کوئی نہین لکھ سکتا' آپ کا وجود اس زمانے مین غنیمت ہے' افسوس اس امر کا ہے کہ فارسی کا رواج نہین' آپ کے کلام کے سمجھنے والون کا دائرہ بیحد محدود ہے"

آپ ایک گوشہ نشین' درویش صفت' خداپرست' صوفی منش بزرگ ہین' آپ کا سلسلۂ نسب خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ سے ملتا ہے آپ کی عمر اسوقت نوے برس کے قریب ہے آپکی بہت سی تالیفات و تصنیفات آپکی بے بضاعتی اور زمانہ کی کس مپرسی و ناقدردانی کی وجہ سے طبع نہ ہوسکین۔ اسوقت جو کتابین میرے پیش نظر ہین وہ یہ ہین :-

(۱) ارمغان اور (۲) نور مان } یہ ۲۴ - ۲۴ صفحون کے دو رسالے ہین جو $\frac{۱۸}{۲۲}$ کی تقطیع پر اچھی لکھائی چھپائی کے ساتھ شائع ہوئے ہین' یہ دونون رسالے آپ نے اس لئے تحریر فرمائے تھے کہ ہز ہائینس اعلیٰحضرت میر محبوب علیخان بہادر مرحوم شہریار دکن اور سرو قار الامراء کے حضور مین پیش کرکے اپنی محنت و جانفشانی کا صلہ حاصل کرین لیکن افسوس کوئی ذریعہ آپ کو نہ ملا اور یہ آرزو دل ہی مین رہگئی۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ اور آن قدح بشکست و آن ساقی نماند۔ ان دونون رسالون مین اُس خداداد قابلیت سے کام لیا گیا ہے جو آپ کا فطری حصہ ہے' نظم و نثر دونون مین کمال دکھایا ہے خالص فارسی مین ایسی روانی اور برجستگی مشکل سے نظر آئے گی۔

(۳) پیشکش شاہجہانی۔ یہ رسالہ بھی مرقومہ بالا رسائل کی طرح ۲۴ صفحہ کا ہے جو آپ نے حکیم عماد الحسن مرحوم طبیب جناب نواب شاہجہان بیگم مرحومہ والی ریاست بھوپال کے ایماسے تحریر فرمایا تھا۔ لیکن افسوس کہ رسالہ کے ختم ہوتے ہی حکیم صاحب ممدوح نے سفر آخرت اختیار کیا۔ اور پھر کچھ کسی سے پوری نہ ہوسکی اس رسالہ مین بھی آپ نے خالص فارسی مین کمال جدت طرازی سے لیاقت و ذھنیت کے دریا بہائے ہین اس کا لطف بغور مطالعہ کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔

(۴) ذکر جمیل۔ یہ ۶۰ صفحے کی فارسی زبان مین ایک مثنوی ہے جو مثنوی غنیمت کے طرز پر نہایت خوب لکھی گئی ہے۔

(۵) حسرت دل۔ یہ بھی ایک ۴۴ صفحات کی مثنوی ہے جسمین آپ نے نعت مین اپنے دلی جذبات کا نہایت موثر پیرائے مین اظہار کیا ہے۔

(۶) دیوان ولایت۔ یہ آپ کا فارسی دیوان ہے جسمین ۱۷۰ صفحہ تک بہ ترتیب ردیف غزلین ہین اور ۱۷۱ صفحہ سے ۲۰۰ صفحات تک قصائد رباعیات و دیگر تضمین وغیرہ ہین۔

---

(۷) **دیوان عزیز** - یہ دیوان بھی پہلے دیوان کی طرح مختلف اصناف سخن سے آراستہ ہے اور ۱۵۲ صفحات پر ختم ہوا ہے۔

(۸) **نور تجلی** - یہ مختصر سا فارسی دیوان صرف نعت مین ہے $\frac{20}{26}$ $\frac{1}{8}$ کے تین جزو مین آپ نے حضرت سرور کائنات روحی فداہ کے جوش محبت اور ولولہ مین عجیب دلچسپ پیرایہ مین نغمہ سرائی کی ہے۔

(۹) **نعت محبوب** - یہ دیوان بھی نور تجلی کی طرح فارسی زبان مین صرف نعت مین لکھا گیا ہے فرق اسقدر ہے کہ نور تجلی مین صرف غزلین مین اور اسمین ۴۰ صفحات تک غزلین اور ۴۱ سے ۴۴ صفحہ مین ایک عربی نعتیہ قصیدہ اور اس کے بعد ۶۲ صفحہ تک (۵۰) مثنوی قطعات و رباعیات۔

(۱۰) **مجموعہ مرآۃ الصنایع - اعجاز التواریخ - بیان التواریخ** - **مرآۃ الصنایع** - اسمین ۱۷ صفحون کا ایک فارسی قصیدہ ہے جسکو جناب عزیز نے ۱۲۷۳ھ یعنی اپنے زمانۂ شعر گوئی کے آغاز مین تحریر فرمایا تھا اور مرآۃ الصنائع نام رکھا تھا اسوقت اسمین قریب سو شعر کے تھے غالب مرحوم نے اصلاح کے وقت جو شعر پسند آئے اُنپر صاد کر دیا اور یہ مطلع تجنیس مین اپنی طرف سے بڑھا دیا ؎

اے ہزار از ہوائے روے تو زار دے تتار از بلائے موے تو تار

اور یہ لکھا کہ مین اسی وزن و قافیہ مین التزام صنایع کے ساتھ ایک قصیدہ لکھنا چاہتا ہون اس مین سے یہ ایک مطلع اپنے قصیدہ مین شامل کرلو اب اس مجموعہ مین جناب عزیز نے تین سو تیس شعر لکھے جسمین ۲۴۸ صنایع غیر مکرر موجود ہین۔ جنکی تصریح ۱۹ صفحون مین کی ہے اور اسطرح یہ مجموعہ ۳۶ صفحون پر ختم ہوا ہے۔

اعجاز التواریخ - اسمین جناب عزیز کی تاریخین درج ہین جو انھون نے خود کہی ہین یہ مجموعہ ۵۶ صفحون پر ختم ہوا ہے۔

بیان التواریخ - یہ بھی جناب عزیز کی تاریخون کا مجموعہ ہے جسکے آغاز مین ۱۹ صفحون پر ایک مقدمہ یا دیباچہ ہے جسمین تاریخ کے مختلف طرق سے بحث کی ہے ۲۰ صفحہ سے ۱۱۴ صفحہ تک فارسی تاریخین ہین اور اس کے بعد ۱۱۳ صفحہ سے ۱۲۰ صفحہ تک اردو تاریخین۔

(۱۱) **فتح مبین** - یہ غزوات حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ مین ایک ضخیم مثنوی فارسی مین ہے جو $\frac{20}{26}$ $\frac{1}{8}$ کے ۲۹۳ صفحات پر ختم ہوئی ہے۔

(۱۲) **مقصد الابرار** - یہ بھی ۷۰ صفحون کی ایک فارسی مثنوی ہے جو جناب نظامی و حضرت خسرو کی مثنویون کی بحر مین نظم کی گئی ہے۔ اس کے شروع مین نو شعر ایسے ہین جنکا دوسرا مصرع بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے اسمین فلسفیون کے ادعای آزادی اہل عقائد کی دلائل عقلی سے تردید کی گئی ہے آخر مین لفظ ہمدردی کو اسلام کے واسطے مخصوص قرار دیکر مناجات پر نہایت لطف و خوبی کے ساتھ اسکو ختم کیا ہے۔

(۱۳) **ختم فکر** - یہ ۲۴ صفحات کا مختصر مجموعہ ہے جسمین چند اردو غزلین - ایک اردو قصیدہ چند اردو تاریخین - ایک ہندی قطعہ وغیرہ ہین

(۱۴) **ایمان الغربا** - یہ اردو نثر مین دو جزو کا رسالہ ہے جسمین انجمن اصلاح کلکتہ کے چند اعتقادات کا جواب نہایت خوبی سے دیا ہے جس سے عامہ مسلمین کو بہت کچھ فائدہ پہونچ سکتا ہے۔

(۱۵) **ملتقط نگارش عاری** - یہ فارسی مین ۲۴ صفحون کا رسالہ مختلف مضامین پر مشتمل ہے جسمین مناجات - نصائح اور دیگر مضامین عارفانہ طریقہ سے درج ہین۔

(۱۶) **مجموعہ ختم فکر** - یہ ۵۶ صفحون کا مجموعہ ہے جسمین فارسی غزلین - قطعہ - قصیدہ - اور تاریخین ہین۔

یہ وہ کتب و رسائل ہین جو میری نظر سے گزرے - جناب عزیز کا فارسی کلام اپنے قدیم طرز کلام کا بہترین نمونہ ہے جسکی جناب غالب سے خدائے سخن نے تعریف اور حالی و شبلی سے نقادان فن نے مدح و ستایش کی ہے - ان حضرات کے نقد و تبصرہ کے بعد اسمین اور اضافہ کرنا حد سے تجاوز کرنا ہے - ملک کو ان جواہر پارون کی قدر کرنا چاہیئے۔

مرقومۂ بالا کتب و رسائل کے علاوہ حسب ذیل کتب و رسائل طبع ہو چکے ہین - یہ میری نظر سے نہین گزرے شایقین علم و فن کے لئے ان کا مطالعہ بہت کچھ فائدہ پہونچا سکتا ہے۔

مثنویات - خبر خیبر - اعجاز محمدی - حسرت دل - رمز الشہادتین - ماہ شب افروز - خم خانۂ ابدی (سہ مثنوی)

نثرہاے فارسی - نثرہ - پنج رقعہ - مخزن الولایت **دیوانہاے اردو** نور ولایت فقیرانہ - نظم دلفریب - طور تجلی در نعت

نثرہاے اردو عین الولایت - ذکر الحبیب - فوائد المصادر - اشعار اشعار - سوانح اسلاف - عقائد العزیز تنبیہ المعتدلمناع ترجمہ ابطال الاجماع

مفصل خط و کتابت اور دریافت قیمت ذیل کے پتہ سے ہونا چاہیئے شاہ محمد عزیز اللہ صاحب عزیز عرف منشی محمد ولایت علی خان صاحب ولایت صفی پور - ضلع اوناؤ

وصل بلگرامی

گراموفون کمپنی کے ایجنٹ لکھنؤ مین
سلطان کمپنی امین آباد پارک مین ہین
ہر قسم کے

(مطبوعہ نامی مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ - باہتمام سید جمیل حسین [illegible])

مرتبہ

وصل بلگرامی

مرقع کے قواعد و ضوابط

۱- مرقع حتی الامکان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ تک شایع ہو جایا کریگا

۲- مرقع کی قیمت عام خریداروں کے لئے پانچ روپیہ سالانہ مع محصولڈاک مقرر ہے جو پیشگی وصول ہونا چاہیے -

۳- مرقع کا نمونہ بغیر نقد وصول ہوے روانہ نہین ہو سکتا-

۴- مرقع کی قیمت رؤسا و دیگر معزز اصحاب اور اس کے مربیون سے اُن کی ہمت افزائی پر منحصر ہے -

۵- جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ کا آنا لازمی ہے -

۶- خط و کتابت کے سلسلے مین خریداری کا نمبر لکھنا ضروری ہے

۷- رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۲۵ تاریخ تک آجانا چاہیئے

۸- کوئی مضمون ایسا شایع نہ ہوگا جو مخرب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کر سکے

۹- تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظم و نثر درج ہون گے جو اپنی خوبیون کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ سے نہایت خوشگوار ہون گے -

۱۰- مرقع کو موجودہ پالٹیکس یا مذہبی مباحث سے کوئی سروکار نہ ہوگا-

۱۱- تنقیدی مضامین بھی اسمین شایع ہون گے - مگر وہ تحسین طلب ہوگا - باہمی منازعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی رنج کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا -

۱۲- ایسے مضامین جنمین کسی شخص پر چوٹ کی گئی ہو یا اسمین ایسے الفاظ ہون جن سے دوسرے کو رنج کا خائبہ بھی پیدا ہو ہرگز شایع نہ ہونگے

۱۳- جس نظم و نثر کے مضمون مین زبان لغت یا فن کی غلطیان ہون گی اسوقت تک شایع نہ ہوگا جب تک اسکی مناسب ترمیم اطلاع پانے پر خود صاحب مضمون نہ کر دین -

۱۴- مرقع کا مسلک صلح کل ہے وہ انشاء اللہ کبھی دل آزار یا متعصب ثابت نہ ہوگا -

۱۵- مرقع کو ذاتیات سے کبھی تعلق نہ ہوگا - وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جرائد ہون یا اہل اخبار اتفاق اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریگا - اور انشاء اللہ وہ ہمیشہ اسمین ثابت قدم رہیگا

مدیر "مرقع" لکھنؤ

مرقع مین اشتہارات بھیجتے وقت

(ذیل کا نرخ ملاحظہ فرمایئے)

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
ایک سال کے لئے	سہ ر	صعہ ر	عسہ ر
چھ ماہ کے لئے	صسہ	عہ ر	عسہ ر
تین ماہ کے لئے	عسہ ر	صعہ ر	صہ ر
ایک ماہ کے لئے	سے ر	صہ	سے ر

ضروری نوٹ

ٹائیٹل پیج کے صفحہ ۲ و ۳ و ۴ کی اجرت کا نرخ اس کے علاوہ ہے جو خط و کتابت سے طے ہو سکتا ہے - اجرت کا پیشگی آنا ضروری ہے

مینجر "مرقع" لکھنؤ

فہرست مضامین دسمبر ۱۹۲۷ء

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک پانچ روپیہ — نمونے کا پرچہ آٹھ آنے

نومبر ۱۹۲۶ء

مرقع

جلد ۲ - نمبر ۱۱

اس نمبر میں دو افسانے ہیں جنکی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حسن و عشق کے تخیلوں سے بالکل پاک ہیں اردو زبان میں ایسے افسانوں کی بہت ضرورت ہے' پہلا افسانہ "شوخی کی بلی" جو جناب سید شاہ امتیاز احمد صاحب کچھوچھوی بی اے علیگ کے زور قلم' پاکیزہ تلاش اور نتیجہ خیز طبیعت کا نتیجہ ہے خصوصیت کیساتھ اس بنا پر پڑھنے کے قابل ہے کہ وہ ایک واقعے پر مبنی ہے جس کا مجھے بھی علم ہے' اور جسپر یہ واقعہ گزرا ہے انہیں میں ایک خاص اور اصل ہستی ابھی موجود ہے جس سے اسکی حقیقت اور صلیت کی تصدیق ہوئی اس افسانے میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کہیں مبالغہ اور غلو سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ جہانتک ہوسکا ہے کسی بات میں فرق نہیں ہونے دیا ہے زبان اور گفتگو میں بھی کوشش کی گئی ہے کہ اصل کا پورا چربہ اُترسکے مؤض مختصر سا افسانہ بہت ہی دلچسپ' پر لطف اور سبق آموز ہے اور ہر طرح پر کامیاب افسانہ کہے جانے کا مستحق – اس افسانے کے پڑھنے سے یہ حقیقت پورے طور پر واضح ہوجاتی ہے (Truth is stranger than fiction, but a cat is stranger than both) واقعات افسانوں سے زیادہ افسانویت رکھتے ہیں' خیال کی بلند پروازی حقائق کی ابتدائی پرواز تک بھی بمشکل پہونچ سکتی ہے -

دوسرا افسانہ جناب شوکت تھانوی کا "سونے کا چوہا" بھی نہایت دلچسپ اور پر لطف ہے' اسکی زبان نہایت شستہ اور پاکیزہ ہے اور گو اسکو کسی خاص واقعے سے تعلق نہیں لیکن جس پیرایہ اور جس نتیجے کی بنا پر یہ لکھا گیا ہے اُس کے لئے یہ کہنا ہرگز بیجا نہ ہوگا کہ جناب شوکت نے اپنی جدت طرازی سے اس امر کی کوشش کی ہے کہ اس میں اثر پیدا ہو اور لوگ اسکو پڑھکر فائدہ اٹھائیں' غرض کہ یہ دونوں افسانے ایسے ہیں کہ ہر جنس اور ہر عمر کے لوگ اُن سے محظوظ اور مستفید ہوسکیں -

---

"صحت عامہ پر زوال" یہ مضمون میرے قدیم شفیق جناب سید محمد ابراہیم صاحب رئیس ہاپڑ عہدہ دار انجمن ہردوئی نے صحت عامہ کیلئے' بہت خوب لکھا ہے -

---

"ادبیات انگلیسی" کے عنوان سے جناب نگہت شاہجہانپوری کا مضمون گو ماخوذ ہے لیکن اردو ادب کے لئے نہایت نادر اور نفیس تحفہ ہے ہم جناب نگہت کی مرقع نوازی کے بہت ممنون ہیں آپ کی ذات اردو ادب کے لئے مایۂ ناز اور آگے چلکر بہت کچھ ترقی کی اُمیدیں دلاتی ہے -

---

مکرمی جناب مولوی مسعود الرحمن خان صاحب ندوی کا مضمون "کبوتر اور سلسلۂ پیام رسانی" معلومات میں ایک بہترین اضافہ ہے -

---

استفسار نمبر ۲ مندرجہ مرقع ماہ ستمبر ۱۹۲۶ء کا جواب استاذی حضرت محمود ظلہ نے جن دلائل اور محققانہ پیرایہ میں لکھا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے -

---

جناب مولوی سید بشیر الدین احمد صاحب نقوی گلشن آبادی کو "مرقع" اور مدیر "مرقع" کے ساتھ جو خلوص و محبت ہے وہ "عطیۂ غزل مولانا حسینی گلشن آبادی" کے عنوان اور اس کے زیر تحت نوٹ اور غزل سے واضح ہے جس کے ہم دل سے شکر گزار ہیں -

---

جناب عندلیب شادانی کی نظم "یاد ماضی" بہت خوب ہے اور جناب تمکین کی نظم "حقائق" نہایت پرکیف اور حقائق و معارف کا آئینہ ہے - جناب تمکین کے مجموعۂ کلام پر ہم مئی ۱۹۲۶ء کے مرقع میں مفصل تبصرہ کرچکے ہیں یہاں مزید تعارف کی ضرورت نہیں - یہ نظم بھی آپ کے بہترین کلام کا نمونہ اور آپ کی حقائق پسند طبیعت کا صحیح پرتو ہے -

---

اکتوبر ۱۹۲۶ء کے نمبر میں "ڈپٹی کا وعدہ" ایک افسانہ شائع ہوا ہے جسکی نسبت فہرست مضامین میں غلطی سے چھپ گیا ہے کہ یہ جناب وحید الدین صاحب سلیم پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کا تحریر کیا ہوا ہے - یہ افسانہ جناب بشیر خاں صاحب عہدہ دار گورنمنٹ پریس (ممالک متحدہ) الٰہ آباد نے عرصہ ہوا بھیجا تھا لیکن افسانہ کے اول یا آخر کسی مقام پر صاحب افسانہ کا نام نہیں تھا اور شان خط جناب سلیم سے ملتی جلتی تھی اسلئے سہواً جناب مولوی وحید الدین صاحب سلیم کا نام نامی درج ہوگیا ہمیں اس غلطی پر سخت افسوس ہے اور ہم دونوں حضرات سے خواہان معذرت ہیں ناظرین فہرست مضامین ماہ اکتوبر "ڈپٹی کا وعدہ" کے سامنے بجائے مولوی وحید الدین صاحب کے جناب بشیر خان صاحب کا نام درج کرلیں -

---

ہم اپنے عنایت فرما مکرم جناب محمد عزیز اللہ خاں صاحب عزیز ایم۔ پی۔ اڈیٹر "نیرنگ" رامپور کے تہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ستمبر ۱۹۲۴ء کے "نیرنگ" میں صفحہ ۱۴ پر ایک محبت سے بھرا ہوا نوٹ تحریر فرمایا۔ جناب عزیز کے والد ماجد جناب منشی سعید اللہ خاں صاحب مرحوم سے میرے بہت زیادہ مراسم رہے ہیں لیکن میری اور انکی ظاہری ملاقات نہیں ہوئی مگر خط و کتابت کے ذریعے سے انکی بہت سی خدمات میں نے انجام دیں اور انہوں نے ہمیشہ مخلصانہ برتاؤ رکھا۔ جناب عزیز کو میں نے اسی ذریعہ سے ہمیشہ اپنا ایک عزیز مکرم تصور کیا اور انشاء اللہ ہمیشہ ایسا قائم رہیگا۔ مجھے جناب عزیز سے نہ کوئی شکوہ ہے نہ شکایت اور نہ میں انکی کسی تحریر کا جواب دینا چاہتا ہوں انکو اختیار ہے جو چاہیں لکھیں اور جسطرح چاہیں اپنے دل کو خوش کریں۔ علاوہ اسکے "مرقع" کے قواعد و ضوابط میں میں نے لکھدیا ہے کہ (مرقع) اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جرائد ہوں یا اہل اخبار اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریگا" میرا اس پر عملدرآمد ہے اور انشاء اللہ رہیگا۔ میں نہیں چاہتا کہ ذرا ذرا سی باتوں پر ہم لوگ اپنے رسالے کے کالموں کو سیاہ کریں اور خواہ مخواہ آپس میں اختلاف پیدا ہو۔ اگر جناب عزیز میرے دعوے کو جو صداقت کی بنا پر لکھا گیا تھا پسند نہیں فرماتے ہیں تو میں اُنسے عذر خواہ ہوں اور میری خوشی وہی ہے جو جناب عزیز کی خوشی ہے اگر جولائی کے مرقع میں "بالالتزام" کی جگہ "بالانتظام" کاتب کی غلطی سے چھپ گیا ہے تو جناب عزیز معاف فرمائیں۔

میں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ جو عکس خطوط میرے یہاں شائع ہوتے ہیں انکا بلاک بنوایا جاتا ہے اور وہ بلاک کے ذریعے سے طبع ہوتے ہیں بلکہ اسی لئے ہر ایسے خط کے ساتھ لکھا ہوتا ہے کہ "عکس خط" اسپر بھی اگر بلاک کے ذریعے سے طبع کرنا سمجھ لیا جائے تو مجبوری ہے۔ ہاں جنوری ۱۹۲۴ء کے "مرقع" میں میں نے صرف عالی جناب نواب سالار جنگ بہادر کی تحریر کی نسبت ضرور لکھا تھا کہ اسکا بلاک ابتک بنکر نہیں آیا انشاء اللہ جلد سے جلد شائع کیا جائیگا اور یہ حقیقت واقعہ ہے اگر جناب عزیز کو یقین نہ ہو تو اس بلاک کا پروف اُن کے ملاحظہ کے لئے بھیج دوں اور وہ اپنا اطمینان کرلیں لیکن یہ امر کہ ابتک میں نے کیوں نہیں شائع کیا اس کی نسبت صرف یہ گزارش ہے کہ اُس کی ترتیب اور ضرورت وقت ہر مدیر رسالہ زیادہ بہتر جانتا ہے۔ آخر میں مجھے یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ مدیر "مرقع" بحمد اللہ کوئی ایسا ارادہ نہیں رکھتا جس کا تعلق "مرقع" سے ہو اور جس سے ناظرین مرقع کو دھوکا یا غلط فہمی پیدا ہو۔ یہ میں پھر عرض کئے دیتا ہوں کہ مدیر "مرقع" نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ جو خطوط مرقع میں شائع ہوتے ہیں انکا بلاک بنوایا جاتا ہے یا وہ بلاک کے ذریعے سے طبع ہوتے ہیں ہر تحریر پر صاف صاف "عکس خط" کے الفاظ لکھے ہوتے ہیں ہاں بعض اصحاب نے کاپی کے کاغذ پر کاپی کی روشنائی سے خود اپنے دست و قلم سے لکھکر اپنے خطوط عکس یا بلاک سے مستغنی کیا مجھے اُمید ہے کہ جناب عزیز کو اگر میری کسی تحریر یا اُس کے کسی لفظ سے کچھ رنج پہونچا ہو تو مجھے معاف فرمائیں گے اور مجھے اپنا قدیم بہی خواہ اور ہمدرد تصور کریں گے۔

میں آجکل بیمار ہوں جناب آن کی نسبت جیسا کہ میں نے اکتوبر ۱۹۲۴ء کے مرقع میں لکھا تھا بہت کچھ لکھنا تھا لیکن طبیعت ابھی اس قابل نہیں کہ ایسے اہم امور پر تفصیل سے کچھ لکھ سکوں انشاء اللہ بہت جلد لکھنے کی کوشش کرونگا۔

وصل بلگرامی

(افسانہ)

سندر کی ماں ۔ سندر جوان ہوئی آخر تمھیں اُس کی شادی بیاہ کی بھی کچھ فکر ہے۔

سندر کے والد۔ شادی بیاہ بھی ہوتا رہیگا ابھی اس کا سن ہی کیا۔ ۹ برس کی تو ہے۔ اور لالہ جگل کشور نے یہ کہکر بات ٹال تو دی کہ ابھی اس کا سن ہی کیا ہے لیکن انہیں بھی ایک فکر سی لاحق ہوگئی اور کیونکر نہ ہوتی ایکبار اسی طرح سندر کی ماں کے کہنے پر لالہ نے کسی اپنے دوست سے کہا تھا کہ فلاں جگہ بھئی ذرا وقت اور موقع مناسب دیکھکر معلوم تو کرو کہ وہ اپنے لڑکے کی شادی کہاں کرنا چاہتے ہیں۔ کہیں ٹھیک بھی ہوئی۔ لالہ جگل کشور کے دوست نے جب سے آکر یہ جواب سنایا تھا کہ ارے لالہ اُن کے تو مزاج ہی نہیں ملتے وہ تو کہتے ہیں کہ میرا لڑکا نویں درجے میں انگریزی سرکاری اسکول میں پڑھتا ہے جبتک کوئی لڑکی والا ڈھائی ہزار دینے کو تیار نہ ہوگا میں اُس کے در پر تھوکنے تک نہ جاؤنگا شادی کس چڑیا کا نام ہے۔ ہمارے لالہ جگل کشور نے یہ سنکر کہا کہ پاگل ہوگیا ہے لیکن حقیقت یہ تھی کہ لالہ یہ سنکر خود ہی کچھ پاگل سے ہوگئے تھے۔ لالہ کا خیال تھا کہ یہ غریب گھرانہ کچھ زیادہ طلب نہ کرے گا لیکن جب اُن کے یہ مزاج ہیں تو منشی رام پرشاد مرپھا ستو اور لالہ رام دیال کے دماغ تو آسمان ہی پر ہوں گے۔ لالہ کو اس دن سے ایک تشویش سی پیدا ہوگئی تھی۔ سندر کی ماں ہفتہ میں دو تین بار یہ ذکر ضرور چھیڑ دیتی تھیں اور بیچارے لالہ جوگل کشور ہوں ہاں کرکے ٹال دیتے تھے۔ آخر کار ایک دن لالہ سندر کی ماں سے کہہ ہی بیٹھے کہ میرے کئے تو ابھی سندر کی نسبت کہیں ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ کہیں لڑکے والے دو ڈھائی ہزار سے کم بات ہی نہیں کرتے تمھیں کچھ سوچو۔ سندر کی ماں کچھ جواب ہی دینے والی تھیں کہ لالہ یہ کہکر چل کھڑے ہوئے کہ مجھے دیر ہو رہی ہے آج ذرا سویرے ہی کچہری پہونچنا ہے یہ کہکر لالہ تو چل دئے اور للائن دیر تک پیچ و تاب کھایا کیں۔

ہندوستان میں متوسط طبقے کی جو پریشانیاں ہیں۔ اُن کا اندازہ دوسرے طبقے کے لوگوں کو ذرا مشکل سے ہوسکتا ہے۔ اس طبقے سے ہمیشہ اسکی حیثیت سے زیادہ توقع کیجاتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر اسی طبقے کو آلام و مصایب کا شکار پایا گیا ہے۔ حکومت اگر ایک طرف ان پر ٹیکسوں کی بھرمار کرتی رہتی ہے تو سوسائٹی دوسری جانب خدا جانے ان سے کیا کیا امیدیں وابستہ رکھتی ہے یہ سوال ذرا ٹیڑھا ہے کہ متوسط طبقہ کہتے کسے ہیں بعض خود تو اس کی یوں تعریف کرونگا کہ وہ لوگ جو روایات خاندانی سے مجبور ہوکر خوش پوش رہنے پر مجبور ہیں اور اُن کی آمدنی کے ذرایع یا قریب قریب مسدود ہیں یا اکثر محدود۔ ہندوستان میں اس طبقے کی کچھ کمی نہیں ہے اُن کی خوش پوشی طرز بود و باش و نشست و برخاست سے بادی النظر میں ہر شخص یہی نتیجہ نکال لیگا کہ یہ خوشحال بھی ہوں گے مگر امر

واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ عموماً خوشحالی سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ یہ لوگ در اصل جیتے نہیں جینے کو نباہتے ہیں ان کا خرچ اکثر ان کی آمدنی سے زاید ہوتا ہے۔ ہمارے لالہ جگل کشور صاحب کا بھی شمار اسی طبقہ میں کیا جا سکتا ہے۔ لالہ غریب سلطان پور کی منصفی میں اہلمد تھے بیچارے صرف ساٹھ روپیہ تنخواہ پاتے تھے۔ گھر میں بقول سندر کی ماں کے ایک جوان لڑکی نو برس کی ایک بچہ سات برس کا ایک بچہ گود میں ایک بیوہ بہن اور ایک چار برس کا بھائی بچا تھا۔ لالہ کے والد نے اپنی لڑکی کی شادی میں کچھ جائداد رہن بلا قبضہ کر رہی تھی جس کے دس روپیہ ماہوار مستقل سود کے نکل جاتے تھے جس کے جانے میں اگر کبھی دیر ہوئی تو مہاجن کا سپاہی دن میں چار دفع مکان پر ضرور حاضری دیجاتا اور سہ آمد میں اٹھنی سے کم لیکر نہ ٹلتا۔ قرض تو جایداد پر پانچ ہی سو کا تھا مگر پانچ سال لالہ جگل کشور کو سود دیتے ہوئے گزر گئے تھے اسوقت تک وہ اصل سے کچھ زیادہ رقم سود میں دے چکے تھے۔ کرایہ کے مکان میں رہتے تھے غرضکہ مصارف کی بہت سی مدیں نکلتی آتی تھیں اور آمدنی کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا اسپر سندر کی ماں کا اب بیٹھتے میں دوبار کہنے کے بجائے دن میں دوبار کہنا کہ بیٹی جوان ہوگئی ہے اور تمھارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی ہر وقت کی مصیبت ہوگئی تھی۔ ہندوستان کی طرز معاشرت نے بیٹی کو بلائے جان بنا رکھا ہے خصوصیت کے ساتھ اگر کسی غریب کا ستھ گھرانے میں لڑکی پیدا ہوئی تو باپ کو اسی دن سے یہ فکر لاحق ہو جاتی ہے کہ بیٹی کی شادی کہاں اور کیونکر کیجائیگی۔

کایستھوں کا طبقہ ۹۹ فیصدی تعلیم یافتہ ہوتا ہے لیکن نئی اور پرانی تعلیم کے باوجود رسم و رواج کی زنجیروں نے ایسا انھیں جکڑ رکھا ہے کہ وہ ہاتھ پاؤں تک ہلا نہیں سکتے۔ ایک دن لالہ جگل کشور کچہری سے ہانپتے کانپتے پانچ بجے گھر پہنچے۔ ہاتھ پاؤں دھو ہی رہے تھے کہ سندر کی ماں بلائے بے درماں کی طرح سامنے آکھڑی ہوگئیں اور لالہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں کہ آج وکیل صاحب کی بیوی آئی تھیں سندر کو دیکھ کر مجھسے کہنے لگیں کہ کہیں اس کی نسبت السبت بھی ٹھیک ہوئی، میں نے بات ٹالنے کی غرض سے کہدیا کہ ہاں دو ایک جگہ بات چیت ہو رہی ہے اور اس کے بعد فوراً اِدھر اُدھر کے تذکرے چھیڑ دئے میں دیکھتی ہوں کہ گھر میں جوان لڑکی بیٹھی ہے اور تمھیں فکر ہی نہیں، میں تو لڑکی کو دیکھ کر روز بروز گھلتی جاتی ہوں۔ لالہ کچھ کہنے ہی والے تھے کہ گھر کے ایک حصے سے کچھ شور و غل کی آواز سنائی دینے لگیں۔ لالہ اٹھ کھڑے ہوئے پیچھے پیچھے سندر کی ماں بھی ہولیں وہاں جا کر کیا دیکھا کہ ایک بلّی مری پڑی ہے لالہ کے تو ہوش جاتے کھو گئے خدا جانے کیسے کیسے خیالات ان کے دماغ میں چکر لگا رہے تھے اپنی آئندہ مصیبتوں کا خیال کر کے ان کو چکر آنے لگا خیریت یہ تھی کہ دیوار قریب ہی تھی اگر لالہ اس کا سہارا نہ لے لیتے تو یقیناً وہ گر پڑتے سندر کی ماں لالہ کی طرف متوجہ ہوئیں وہ دیر تک مردہ بلّی کو دیکھتی رہیں آخر میں ڈانٹ کر پوچھا کہ بلّی کیونکر مری؟ ان کے دل میں کسی طرح یہ خیال جم گیا تھا کہ بلّی کے مرنے کا باعث ہو نہ ہو میری بیوہ نند ہے جس کی بابت ان کا عرصے سے خیال تھا کہ اسی سبز قدم کے باعث اُن کا گھر مالی پریشانیوں میں مبتلا ہے دل میں خیال آتا تھا کہ للائن خوش ہوگئیں کہ آخر اس کمبخت نند سے بدلہ لینے کا موقع خوب ہاتھ آیا لالہ ابھی ساکت ہی تھے کہ سندر کی ماں نے اپنے سوال کا کوئی جواب پاکر

یہ سمجھ لیا کہ بلی کے مارنے میں ان کی سندری کا ہاتھ کار فرما ہے پھر کیا تھا ایکبار تو للائن نے اپنی بیوہ نند کو خشمگین نگاہوں سے مخاطب کر کے کرخت لہجے میں پوچھا کہ بلی کیسے مری؟ سندر غریب الگ کونے میں کھڑی تھی۔ اس نے یہ دیکھکر کہ یہ تو ناکردہ گناہ بھوبھی کے سر مصیبت آیا چاہتی ہے۔ رو کر کہنے لگی کہ میں.... میں (ہچکیاں لیکر) بھوجن بنا رہی تھی کہ یہ بلی آئی او...... اور دودھ جو باسن میں ڈھکا ہوا رکھا تھا اوسے پینے لگی چپھ چپھ کی آواز سنکر میں نے اُدھر دیکھا تو اس بلی کو دودھ پیتے ہوئے پایا جلدی میں مجھے کوئی چیز نظر نہ پڑی سامنے ہی دست پناہ رکھا تھا۔ میں نے جو کھینچ کر مارا تو کمبخت بلی کے سر پر لگا وہ وہیں مرگئی میں کیا جانتی تھی کہ نگوڑی اتنی آسانی سے مرجائیگی" سندر کی ماں تو غصے میں بھری ہوئی بیٹھے ہی تھیں نند پر غصہ اتارنے کا موقع تو ملا نہیں لگیں بیٹی کو مارنے ابھی دو ہی ایک ہاتھ پڑے تھے کہ لالہ نے بیچ میں پڑکر ماں بیٹی کو علحدہ کر دیا۔

خیریت ہوئی کہ لالہ بچ گئے ورنہ غصے میں اگر دو ایک ہاتھ انپر بھی پڑجاتے تو کچھ تعجب نہیں تھا جب سندر کی ماں کا غصہ تھوڑی دیر میں ٹھنڈا ہوا تو انھیں اپنی اس نئی مصیبت کا احساس ہوا کہ بلی کا مارنا بڑا پاپ ہے دیکھیں پروہت جی کون سزا تجویز کرتے ہیں' پنڈت جی بلائے گئے۔ پنڈت جی زرا پستہ قد کے آدمی تھے توند نکلی ہوئی تھی۔ ماتھے پر صندل کا ٹیکا تھا' ایک بڑی سی پگڑی زیب سر تھی۔ پنڈت جی کے بھی کان میں کسی طرح بلی کے مرنے کی بھنک پڑگئی تھی۔ اپنی آئندہ کامیابیوں کے تصور سے خوش خوش بغل میں ایک پوتھی ایک شکستہ اور بوسیدہ کپڑے میں لپٹی ہوئی' ایک فرسودہ کھڑاؤں پہنے ننگے بدن لالہ کے گھر کی طرف چل کھڑے ہوئے اور دروازے پر پہونچکر آسن مار کر بیٹھ گئے اور اپنی پوتھی کھولی۔ لالہ نے پالاگی پنڈت جی کہکر پروہت جی کا استقبال کیا۔ پنڈت جی کو لالہ نے سارے واقعے سے مطلع کیا اور پنڈت جی نے اسطور پر سنا کہ گویا وہ اس حادثے سے بالکل ناواقف تھے پنڈت جی نے لالہ سے اس اتفاقیہ مصیبت میں اظہار ہمدردی تو ضرور کیا مگر تبسم زیر لب کے ساتھ' جسے پریشان حال لالہ جگل کشور نے شاید نہیں دیکھا۔ پنڈت جی آج دل ہی دل میں خوش تھے کہ یہ لالہ آج بہت دنوں کے بعد پھنسا ہے۔ پروہت کے چہرے پر آج بشاشت تھی مگر مہاشے نے حتی الامکان افسردہ لہجے میں کہا کہ بلی مرگئی یہ تو بڑا پاپ ہوا ہم پترا پچت ہیں ایشور کرے تمھیں زیادہ پریشانی نہو۔ حالانکہ پنڈت جی چاہتے تھے کہ لالہ کو کافی پریشانی ہو۔ پنڈت جی نے ایک بوسیدہ سی پوتھی ایک پھٹے پرانے رومال سے علحدہ کی اور پترا بانچ کر ایک عجیب لہجے میں فرمایا جو بیک وقت حسرتناک اور مسرت خیز تھا کہ یہ ہتیا تو جبھی اُتر سکتی ہے کہ دس تولے سونے کی بلی بنوا کر دان کر دی جائے' یہ حکم سنکر لالہ کے طائر ہوش بقول اُن کے پران ہو گئے۔ سندر کی ماں پنڈت جی سے پردہ نہیں کرتی تھیں وہ بھی دروازے کے پاس کھڑی تھیں پروہت کا یہ حکم سنکر اُن سے تو کچھ نہ ہوسکا وہ اندر جا کر غریب سندری کو گالیاں دینے لگیں کہ کمبخت نہ جانے کون منحوس گھڑی پیدا ہوئی تھی کہ جب سے اس گھر میں قدم رکھا ہے آج تک ایک دن بھی چین سے روٹی کھانا نصیب نہ ہوا۔ یہ بدنصیب مرجاتی تو کاہے کو ہمیں آج یہ پریشانی اٹھانا پڑتی۔ سندر کی طرف دیکھ کر نکل گھر سے جا کہیں سے دس تولہ سونا بھیک مانگ کر لے آ' یہ شور و غل سنکر آس پاس

کے لوگ بھی جمع ہوگئے۔ صحن میں مردہ بلی پڑی تھی جو آتا تھا دیکھ کر رام رام کہتا ہوا اندر سے فوراً باہر چلا جاتا تھا۔ لالہ کو تو چپ لگ گئی تھی ایک تو بیٹی ہی کی شادی کی مصیبت سر پڑی تھی ہزار ڈیڑھ ہزار سے کم روپیہ لیئے بغیر کوئی شادی کرنے کو تیار ہی نہ ہوتا تھا جس کا لالہ کسی طرح انتظام ہی نہ کر سکتے تھے ابھی اس مصیبت سے نجات نہیں ملی تھی کہ یہ ایک نئی سر پڑ گئی یہ مصیبت ایسی تھی کہ اگر پروہت جی کا کہنا ایک دن میں پورا کیا گیا تو لالہ کجات کردئے جائیں گے لالہ کی حالت یہ سوچ سوچ کر قابل رحم ہو رہی تھی ادھر پنڈت جی نہایت اطمینان سے بائیں ہاتھ میں سُرتی اور چونہ مل رہے تھے۔ تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد وہ تمبا کو ایسی ہو سکی کہ پنڈت جی اُسے مُنہ میں رکھ سکیں۔ ذرا دیر میں ساری زمین پنڈت جی کے تھوکنے سے تمام بوتر ہو کر رہ گئی۔

پاس پڑوس کے لوگ لالہ کے گرد جمع تھے۔ ہر شخص لالہ کی ہمدردی کر رہا تھا لیکن دس تولہ سونے کا علاج کسی کے پاس کیا ہو سکتا تھا سب کی ہمدردی زبان ہی تک محدود تھی۔ لالہ کے گھر میں اک طوفان بدتمیزی برپا تھا۔ ہر شخص بدحواس تھا اگر کسی کے چہرے پر اطمینان ظاہر ہوتا تھا تو پنڈت جی تھے۔ جو خدا معلوم اب کاہے کے انتظار میں اپنی پوتھی کھولے ہوئے بیٹھے تھے۔ غالباً سونے کی بلی کا انتظار تھا۔ لالہ نے اس عرصے میں دو چار مہاجنوں کے یہاں آدمی بھی دوڑائے کہ ڈھائی سو روپیہ قرض دیدیں مگر سب نے صاف جواب دیا۔ سندر نے ماں باپ کو پریشان دیکھ کر بیتاب ہو کر دعا مانگی پرماتما ہمارے سر سے اس مصیبت کو ٹال دے۔ سندر کا بیان ہے کہ اس دعا مانگنے کے بعد میرے دل کو ایک ڈھارس سی بندھ گئی کہ اتنے میں ایک طرف سے آواز آئی کہ للائن بلیا کو پھنکوا ئے دو۔ مہری بلائی گئی۔ اس نے کانپتے کانپتے بلی کو اسکی دم پکڑ کر اٹھایا کہ عورتوں میں ایک ہلچل پڑ گئی اور مہری بدحواس ہو کر اپنے ہاتھ پاؤں دیکھتی ہوئی جہاں سے ذرا ذرا سا خون نکل رہا تھا چلاتی ہوئی ایک طرف بھاگی۔ کیا ہوا کیا ہوا کی ہر طرف سے آواز آئی۔ دیر کے بعد صحیح طور سے لوگوں کو معلوم ہو سکا کہ جب مہری نے بلی کی دم پکڑ کر اُٹھایا تو بلی غرا کر اُسپر جھپٹی جس سے مہری کے ہاتھ سے اُسکی دُم تو چھوٹ ہی گئی مگر اس کے پنجے کی خراش بھی کہیں کہیں آگئی۔ بلی نے چھوٹنے کے بعد ہجوم کی وجہ سے جب کہیں جانے کا راستہ نہ پایا تو ایک عورت کے سر پر کودتی ہوئی ایک طرف چلدی یہ خبر ایک سکنڈ میں اندر سے باہر پھیل گئی۔ یہ واقعہ سنکر لوگوں کے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے جب ذرا ہوش آیا تو پنڈت جی وہاں سے چل چکے تھے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ہمنے پنڈت جی کو یہ خبر سنکر پوتھی لپیٹتے دیکھا تھا جو جلدی میں کئی جگہ سے نکل بھی گئی تھی۔ گھبراہٹ میں پنڈت جی اپنی چوتے کی ڈبیہ بھی وہیں بھول گئے تھے سنتے ہیں کہ پنڈت جی کو سونے کی بلی نہ ملنے سے جو مایوسی ہوئی وہ قابل دید تھی

سندر کی شادی بھی ہو گئی۔ ماشاءاللہ اب دو لائق لڑکے بھی ہیں لیکن سندر اب بھی جب اس بات کا تذکرہ کرتی ہے تو یہی کہتی ہو کہ لوگ غلط کہتے ہیں کہ بلی مری نہیں تھی۔ مینے خود بلی کو اُٹھایا تھا اور وہ یقیناً مری ہوئی تھی یہ میری دعا کا اثر تھا جس سے بلی زندہ ہو گئی سندر سے لاکھ کہا جاتا ہے کہ بلی کے مکر مشہور ہیں وہ مری نہیں تھی مگر وہ ابتک اپنی بات پر اڑی ہوئی ہو کہ نہیں بلی مر گئی تھی صرف میری دعا سے بھگوان نے اسے زندہ کر دیا تھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سندر غلط کہتی ہے۔ یہ بھی سنا گیا ہے کہ پنڈت جی کو اُس دن سے بلی کے نام سے چڑھ ہو گئی۔

سید امتیاز احمد اشرفی۔ بی اے

یادِ ماضی

ہائے خوب تھے ÷ بچپنے کے دن ÷ کیوں گزر گئے ÷ کھیلنے کے دن

بے غم دہر اس ÷ کھیلنا مدام نے غمِ لباس ÷ نے غمِ طعام
خوشدلی سے میل ÷ خرمی سے کام کھیلنا ہی کھیل ÷ کھیلنا ہی کام
ہائے خوب تھے ÷ بچپنے کے دن کیوں گزر گئے ÷ کھیلنے کے دن

رنج بے زری ÷ عشرتِ منال زیست کی خوشی ÷ موت کا ملال
فکر خسروی ÷ خدشۂ مآل سب سے دل غنی ÷ اہ خوشا وہ حال
ہائے خوب تھے ÷ بچپنے کے دن کیوں گزر گئے ÷ کھیلنے کے دن

آہ کیا گیا ÷ عہدِ کم سنی چھن گیا مرا ÷ عہدِ خسرمی
اب نہ وہ نفسی ÷ اب نہ وہ خوشی خواب تھا کوئی ÷ آنکھ کھل گئی
ہائے خوب تھے ÷ بچپنے کے دن کیوں گزر گئے ÷ کھیلنے کے دن

..........÷.......... ....÷..........

..........÷.......... ....÷..........

..........÷..........÷..........÷..........

ہاں نہ پوچھئے ÷ خامشی کا راز ہو فن اڑا نہ دے ÷ بیخودی کا راز
غم نصیب کی ÷ سرخوشی کا راز عندلیب کی ÷ زندگی کا راز
یاد آ گیا ÷ دورۂ شباب پھر نظر پڑا ÷ جاگتے کا خواب

فصل ناز و نوش ÷ روز رنگ رنگ عہدِ خورد و نوش ÷ بانکپن کے ڈھنگ
دل میں ایک جوش ÷ جوش پُر امنگ ماورائے ہوش ÷ پاس نام و ننگ
مستیٔ شباب ÷ مستیٔ شراب کیا بلا ثواب ÷ کیا بلا عذاب

بزمِ دوستاں ÷ گفتگوئے حسن سیرِ بوستاں ÷ جستجوئے حسن
خواہش گزیں ÷ آرزوئے حسن حسن دلنشیں ÷ دل بکوئے حسن
حسنِ زندگی ÷ دورۂ شباب خواب ہی سہی ÷ خوب تھا وہ خواب

شوقِ ناشکیب ÷ دیدہ بازیاں حسنِ صد فریب ÷ دلنوازیاں
دلبری کے بعد ÷ بے نیازیاں بے بسی کے بعد ÷ جاں گدازیاں
لذتِ الم ÷ لطفِ اضطراب خواہشِ ستم ÷ طرفۂ شباب

غمزۂ جمال ÷ مرکزِ نظر جاذبِ خیال ÷ حسنِ مستتر
شرم پردہ دار ÷ شوق پردہ در وان وہ بے قرار ÷ میں تپاں ادھر
لو وہ در کھلا ÷ وہ اٹھا حجاب کام کر گیا ÷ جادوِ شباب

فصلِ نوبہار ÷ عہدِ کوہسار سیلِ آبشار ÷ رود نغمہ بار
چاندنی بہار ÷ حسن پُر نگار صحبتِ نگار ÷ چھیڑ چھاڑ پیار
اقتضائے حسن ÷ سن اجتناب یاں برائے حسن ÷ جوششِ شباب

مسکراہٹیں ÷ بات بات پر وہ لگاوٹیں ÷ چھیڑ چھیڑ کر
گدگدا دیا ÷ چپ ہوئیں اگر دستِ شوق تھا ÷ اور وہ کمر
شرم برکنار ÷ برطرف حجاب بوسہ و کنار ÷ حاصلِ شباب

جیسے قافلہ ÷ جا چکے مگر ہو ابھی بپا ÷ گردِ رہگزر
تھم چکے ہوں گو ÷ نغمہ ہائے تر پر فضا میں ہو ÷ گونج کا اثر
یاد رہ گئی ÷ جا چکا شباب کچھ کرے کوئی ÷ آ چکا شباب

اب نہ ولولے ÷ اب سیر باغ اب نہ جو چلے ÷ اب وہ دماغ
اب نہ حوصلے ÷ اب وہ فراغ دل تو ہے ہوس ÷ رشکِ نغم و داغ
آہ کچھ نہ تھا ÷ دورۂ شباب نقشِ سیمیا ÷ جلوۂ سراب

عندلیب شادانی

صحت عامہ پر زوال

(از جناب سید محمد ابراہیم صاحب معدہ وا یجی پردہ ئی)

اسلام سے پیشتر جس قدر مذاہب عام طور پر رائج تھے عام اس سے کہ وہ ایشیا میں رہے ہوں یا یورپ میں - افریقہ میں پائے جاتے ہوں یا امریکہ میں سب کی تعلیمات کا لب لباب اور اصل اصول یہ تھا کہ دین اور دنیا دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے علمی مضامین میں اس بات کو اس طرح لکھا جاتا ہے کہ روح اور مادہ مختلف اشیا ہیں اور روحانی اور مادی ترقی دونوں ایک ساتھ ناممکن ہیں اسی بنیاد پر خوب طوالت دیگر مذاہب غیر معروف سے قطع نظر کر کے ہندوستان کے بودھ مذہب میں مادہ پرستی اور یورپ کے عیسائی مذہب میں روحانیت باعث نجات خیال کئے گئے اور اگر مہاتما گوتم بدھ نے ہر جاندار اور بے جان چیز کو مخلوق جان کر ان کے ساتھ کسی قسم کا بے رحمانہ برتاؤ خالق کی مرضی کے خلاف سمجھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تمام موجودات عالم کو ہیچ خیال کر کے ان سے فائدہ اور حظ حاصل کرنا ہی خلاف عقل سمجھکر رہبانیت کی زندگی پر اس قدر زور دیا کہ جائز اور نیچرل خواہشیں بھی ناجائز قرار پائیں. نیکطرفہ سوسائٹی میں نقص پیدا ہو جانے کے علاوہ تہذیب روح میں کس قدر ناکامی رہی اس کا ذکر اسوقت ضروری نہیں اور نہ میرے اس مضمون سے متعلق ہے لیکن جسطرح قدیم زمانہ میں روح اور مادہ کے یکجا جمع نہ ہو سکنے کے باعث ہماری سوشل لائف میں عرصۂ دراز تک ایسا نقص قائم ہو گیا تھا جس کی تلافی مدتہا مدت تک نہ ہو سکی - اسیطرح بلکہ اس سے زیادہ آج کل اس عام تھیوری سے ہماری سوسائٹی پر بیحد برا اثر پڑا - ذہنی اور دماغی قابلیتیں صحت جسمانی کی منافی ہیں - بہت سے اصحاب جنہیں نئی روشنی والوں کا عنصر زیادہ ہے اُس کو پڑھکر شاید چونک پڑیں اور ممکن ہے یہ بھی کہیں کہ میں نے یہ خیال غلط قائم کیا لیکن اس سے کوئی ذی فہم انکار نہیں کر سکتا کہ گزشتہ پچاس سال کے اندر ہماری عام صحت پر ایسا کیا ایک زوال ہے اور ہماری موجودہ اور آیندہ نسلیں اس سے اس قدر جلد متاثر ہو رہی ہیں کہ کہا نہیں جاتا - انگریزی تعلیم کے خیال کے ساتھ ساتھ اگر دماغی نشو و نما کو صحت جسمانی پر ترجیح نہیں دی گئی تو اس کا کیا جواب ہے کہ تعلیم سے فارغ ہو کر جب ہمارے نوجوان اطمینان حاصل کرتے ہیں اور زندگی کی پر پیچ منازل میں قدم رکھتے ہیں تو ان میں مشکل سے پانچ فیصدی ایسے ہوتے ہیں جنکو بدرجہ مجبوری تندرست کہا جائے اور جو اپنے آپ کو آنے والی عظیم ذمہ داری کے اُٹھانے کے قابل پائیں خیر اگر اسکو طویل زمانہ تعلیم کے مشقتوں اور محنتوں پر محمول کیا جائے تو آئے دن جوان جوان موتوں اور نئی پود کی مضمحل صورت اور مردوں سے بدتر حالت کی وجہ معلوم ہونی چاہئے نا مانکہ اسباب ہماری عورتوں کی جہالت اور بچپن کے غور و پرداخت میں کمی تصور کیا جائے تو اس کا کیا علاج ہے کہ آج سے نصف صدی پیشتر سو برس میں جو اموات کا اوسط تھا اس سے اس نصف صدی میں بدرجہا زیادہ اوسط رہا -

بعض لوگوں کے رائے ہے کہ ملک میں اس بڑھتے ہوئے زوال صحت کی وجہ ہماری تعلیم کا ناقص طرز ہے مگر میں اسکو ماننے کے لئے آمادہ نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ تعلیم کا ناقص طرز بھی کسی قدر اس کا باعث ہو مگر ناقص طرز ہی کو بالکل اس کا باعث قرار دیا جائے یہ ہو نہیں سکتا یورپ کی اور درس گاہوں کو اگر چھوڑ دیا جائے تو لندن کی تعلیم گاہیں ہمارے سامنے ہیں اور وہاں کی تعلیم کے طریقہ پر ہم آسانی سے رائے زنی کر سکتے ہیں۔

تعلیم کے ناقص طرز کے دو معنے ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ نصاب ناموزوں ہے اور دوسرا تعلیم دینے کا طریقہ غیر مناسب۔ پہلا اعتراض اگرچہ کسی حد تک صحیح ہے اور میں خود کئی برس ہوئے اس پر بحث کر چکا ہوں لیکن قطعی طور پر اسوجہ سے قابل تسلیم نہیں کہ یہی مضامین جو ہمارے اسکولوں میں رائج ہیں لندن کے اسکولوں سے نقل کئے گئے ہیں مگر وہاں کے پڑھے ہوئے طالبعلم صحت کی خرابی کے لحاظ سے مورد الزام نہیں قرار پاتے۔ دوسرا الزام اب ہر جگہ معلمون کو طریقۂ تعلیم سکھانے کے اسکولوں کے اجرا کی وجہ سے زیادہ وقعت کے قابل نہیں اسلئے کوئی شک نہیں کہ ملک کے اس بڑھتے ہوئے زوال صحت کے اصلی باعث ہم خود ہیں نہ ہمارا طریقۂ تعلیم۔

زوال صحت کے اصلی باعث ہم خود ہیں یہ فقرہ ابھی مزید تصریح کا محتاج ہے۔ اور میں اسکو تفصیل سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ بے پڑھے کم پڑھے یا بے سمجھ لوگوں کا ذکر نہیں میں خود اُن لوگوں سے دریافت کرنا چاہتا ہوں جو خدا کے فضل سے ذی علم ہیں۔ تعلیم کی روشنی سے جن کے دماغ منور ہیں اور جو ہر طرح علمیت کے دلدادہ کہے جا سکتے ہیں ان میں کتنے فیصدی ایسے موجود ہیں جو صحت قائم رکھنے کے اصول تمام و کمال جانتے ہوں اور ان پر عمل کرتے ہوں یہ ممکن ہے کہ جاننے والوں کی تعداد قابل اطمینان نکل آئے لیکن عمل کرنیوالوں کی تعداد ایسی محدود ہے کہ صرف انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ آخر یہ کیوں؟ جاننا اور پھر عمل نہ کرنا کس لئے؟ محض اس لئے کہ ہماری نگاہوں میں سوشل ترقی کی لائن میں صحت کو وہ پوزیشن حاصل نہیں جو در اصل ہونا چاہئے ہم یہ جانتے ہی نہیں کہ صحت کے خراب ہونے سے بھی کوئی نقصان ہو سکتا ہے۔ ہم روزانہ اپنے ہی ہاتھوں سیکڑوں ایسے کام کرتے ہیں جن سے صحت کی جڑیں اور بنیادیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں لیکن ہمکو پتہ بھی نہیں چلتا۔ اس پر لطف یہ کہ جب قوانین حفظان صحت کے خلاف ورزی سے ہم کو سزا ملتی ہے ہماری صحت زائل ہونے لگتی ہے۔ ہمارے اعضا قبل از وقت بیکار ہو جاتے ہیں اور ہم اسکا خمیازہ انتہائی حالت تک برداشت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اس وقت بھی ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ خود ہماری ہی غلطیوں کا نتیجہ ہے بلکہ کبھی اُس کو تقدیر کے حوالے کرتے ہیں کبھی اپنی بدقسمتی کا رونا روتے ہیں اور کبھی لا یستقدمون ساعۃً ولا یستاخرون کہہ کہکر دل کو سمجھاتے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہم حق اللہ کی پرواہ نہیں کرتے سب لوگ ہمکو گنہگار سمجھتے ہیں اس لئے کہ یہ بے پرواہی مذہب کے خلاف ہے ہمکو حق العباد کی ادائگی کی فکر نہیں ہم قابل مواخذہ قرار پاتے ہیں اس لئے کہ یہ بے فکری اخلاقی جرم ہے۔ مگر ہم دیدہ و دانستہ صحت کے اصول سے قطعاً غفلت

بستے ہیں اور کوئی ہمکو مجرم نہیں سمجھتا ہم اپنی صحت کھو بیٹھتے ہیں۔ مگر کوئی ہم کو اتنا بھی نہیں کہتا کہ تو نے کیا کیا؟ ہمارے نزدیک موت بیس برس میں ہو یا تیس میں ہو یا چالیس میں ہو یا پچاس میں۔ ساٹھ میں ہو یا ستر میں سب یکساں اور برابر ہے ہمارے ایک ہی گھر میں ایک آدمی ۸۰ برس کا ہو کر مرتا ہے اور دوسرا پچیس ہی برس میں روانہ ہو جاتا ہے مگر ہم کو یہ بھی خیال نہیں ہوتا ہے کہ پہلے نے کیا اچھا کام کیا تھا جو اس نے اس قدر زیادہ عمر پائی اور دوسرے نے کیا قصور کیا تھا جو وہ عین عالم شباب ہی میں رخصت ہو گیا۔ محض انہیں سوالوں پر نہ غور کرنا اور نہ صرف انہیں دو باتوں کے وجوہ معلوم کرنے سے غفلت برتنا حقیقت میں ہمارے اس زوال صحت کا باعث ہے۔ ہمنے جو کچھ بھی قوانین حفظان صحت کی خلاف ورزی کی ہے (یہ خلاف ورزی کب سے شروع ہوئی اور اس شروع ہونے کے کیا وجوہات ہوئے۔ یہ دلچسپ بحث اگرچہ میں اسی مضمون میں لکھنا چاہتا تھا مگر افسوس ہے کہ وقت بہت کم ہے اور میں مصروف زیادہ، اس لئے مجبوری ہے۔ انشاء اللہ بشرط فرصت آئندہ پرچہ میں لکھوں گا) اُس کی سزا میں ہمکو صرف اپنی صحت ہی سے ہاتھ نہیں دھونا پڑا بلکہ صحت کے خراب ہونے سے ہمارے اخلاق۔ ہمارے خیالات سب پر بُرا اثر پڑنے لگا اور اب ہم میں نہ مستحکم ارادہ ہے نہ عالی دماغی، نہ آزاد رائے، نہ بلند ہمتی۔ ڈاکٹر اسمائلس ایک بڑا مشہور فلاسفر گزرا ہے اس نے اپنی ایک تصنیف میں یہ خوب ثابت کیا ہے کہ اگرچہ تعلیم ایک ایسا وسیع لفظ ہے جسمیں جسمانی دماغی اور اخلاقی تینوں قسم کی تعلیم شامل ہے لیکن ان تینوں میں جسمانی تعلیم بیحد ضروری ہے اس لئے کہ جب تک انسان تندرست نہیں غیر ممکن ہے کہ اُس کا دماغ صحیح رہ سکے یا اُس کو اخلاقی تعلیم سے پورا پورا فائدہ حاصل ہو۔ واقعی اس کا یہ قول آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور بحالت موجودہ اس لائق ہے کہ ہمارے ملک میں ہر نوجوان کے کمرہ میں جلی الفاظ میں لکھا ہوا ہر طرف آویزاں رہے۔

عام صحت پر اس یکایک زوال آنے کی وجہ دراصل ہمارے ملک کے اطباء کو معلوم کرنے کی کوشش کرنی ضروری تھی کیونکہ صحت عامہ کے وہ محافظ ہیں مگر ادبار کی ایک بین نشانی یہ بھی ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کو بھی بھول جائے۔ ڈاکٹروں سے تو ہمکو زیادہ شکایت نہیں اس لئے کہ وہ بیچارے اس بارہ میں بہت کچھ کوشش کرتے ہیں نئی نئی تحقیقاتوں میں سرگرم رہتے اور نئے نئے اصول و ادویات معلوم کر کے پبلک کو فائدہ پہونچانے کی سعی کرتے ہیں لیکن انگریزی اصول اول تو ہمارے مزاج کے خلاف دوسرے ہماری معاشرت ان کو قبول کرنے سے قاصر اور تیسرے اتنی استطاعت نہیں کہ ان اصول کی پابندی پورے طور پر کیجائے لہذا وہ تمام نئی تحقیقاتیں کتابوں کے اندر طاق پر رکھی رہتی ہیں ہمارے یونانی اطباء اس بارہ میں بیحد قابل الزام ہیں (میں سب سے یونانی اطباء سے اس لفظ کی معافی چاہتا ہوں مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ محض نیک نیتی اور مخلصانہ مشورہ پر مبنی ہے) کہ وہ اپنے فرائض کو قطعاً بھول گئے ہیں اور صحت عامہ کی بالکل خبر نہیں لیتے ان کو چاہئے کہ اصول صحت، زوال صحت کے وجوہ معلوم کر کے ملک و قوم کو بتائیں، پھر اس کا علاج کیا جائے۔ ہماری معاشرت میں جو مخرب صحت رواج آ گئے ہیں وہ دور کئے جائیں۔ تقریروں سے تحریروں سے

خوش آمد سے ڈانٹ کر غرض ہر طرح قوانین حفظان صحت کے خلاف ورزی سے لوگوں کو بچائیں۔ کچھ عرصہ تک تجربہ کے بعد ملک کو خود معلوم ہو جائیگا کہ ہماری صحت میں ترقی ہے یا نہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ پھر ہر شخص ان اصول کی پابندی اپنا فرض نہ سمجھے گا کیونکہ جہاں تک میرا خیال ہے اور جہاں تک میں نے دیکھا ہے بے پڑھے اور جاہل اس قدر صحت کی خرابی میں مبتلا نہیں جتنا پڑھے ہوئے اور تعلیمیافتہ لوگ

سید محمد ابراہیم

حقایق

ازل کیا ہے؟ ابد کیا ہے؟ فنا کیا ہے؟ بقا کیا ہے؟
عدم قبل از بقا کیا تھا، بقا بعد از فنا کیا ہے؟
ہماری اصل کیا ہے؟ روح کیا؟ اعجاز کیا ہے؟
بہشت و نار کیا؟ حور و ملائک کیا؟ خدا کیا ہے؟

(۲)

جہاں یہ کب سے ہے آخر جہاں سے پیشتر کیا تھا؟
اگر تھا لامکاں تو لامکاں سے پیشتر کیا تھا؟
نہ تھا کچھ بھی تو کیا تھا بے نشاں سے پیشتر کیا تھا؟
خدا کیسا خدا تھا اس جہاں سے پیشتر کیا تھا؟

(۳)

نظام آفرینش ہو اگر برہم تو کیا ہوگا؟
رہے یونہی برابر گردش عالم تو کیا ہوگا؟
اگر مٹ جائیں دنیا سے بنی آدم تو کیا ہوگا؟
نہ ہوتے ہم تو کیا ہوتا نہ ہونگے ہم تو کیا ہوگا؟

(۴)

سن اے نا آشنا! محدود علم و ادعا والے
خبر معلوم کر سکتے ہیں کیونکر مبتدا والے
نہ کر چون و چرا اس امر میں اے چون و چرا والے
ارے نادان خدا کو جان سکتے ہیں خدا والے

(۵)

جو ہیں اہل معانی کب وہ لفظوں کو پکڑتے ہیں
بقول حضرت اکبر تو یونہی ایماں بگڑتے ہیں!
جہاں ہستی ہوئی محدود، لاکھوں پیچ پڑتے ہیں
عقیدے عقل عنصر سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں

(۶)

عناصر تو نے جس سے پائی ہے ترکیب جسمانی
اوسی کی آج تک پوری حقیقت جب نہ پہچانی
تو کیونکر تو سمجھ سکتا ہے یہ اسرار روحانی
کجا تخئیل انسانی، کجا آیات ربانی

(۷)

نہ ہو جس علم میں کچھ دسترس پھر اسکی حجت کیا
کہ جسمیں عقل آرائی کریں ایسی بھی عادت کیا!
نہیں جب آشنا اس سے کہ طب کیا ہے طبابت کیا
تو کیونکر جان سکتے ہیں، مرض کیا ہے، علامت کیا

(۸)

جو ہیں نافہم وہ کب علم والوں کے برابر ہیں
بحد قابلیت علم کے درجے مقرر ہیں
یہ باتیں اسلئے اب تک سمجھ سے تیری باہر ہیں
ابھی تو عبد ہے اور یہ رموز رب اکبر ہیں!

(۹)

خدا کو مان بے دیکھے ہوئے۔ ایمان پیدا کر
پھر اس ایمان میں حسن عمل کی شان پیدا کر
تعین چھوڑ دے۔ اس علم میں امکان پیدا کر
زباں کو بند کر اور قلب میں عرفان پیدا کر

(۱۰)

فنا ہو کر رضا میں تو نے جب طاعت گزاری کی
حقیقت تجھ پہ کھل جائیگی ہر اک انہ باری کی
مگر پہلی ہدایت ہے، یہ علم کردگاری کی
ضرورت راز دانی کیلئے بھی، رازداری کی

ندانند آن کہ گوید ہر کہ داند آن نمی گوید
اگر گوید کسے اندر رموز عاشقی گوید

تسکین (سورہ دلوی)

ادبیات انگلیسی

مصنفین یورپ کے ایک علمی کلب کی روئداد

(از جناب محمد عبدالسمیع خاں صاحب نگہت شاہجہانپوری بی اے آنرز ان پرشین)

ماسکو سے ابھی میری پچھلی اطلاعات آپ کو نہ پہونچی ہونگی بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ابھی وہ ماسکو کو بھی خیرباد نہ کہہ چکی ہونگی۔ خیر میرا قلم ابھی لکھنے میں مصروف ہے۔ زرا امید ہے کہ آپ کی خدمت میں بہت سے خطوط اک دفعہ سے پہونچ جائینگے۔ ان خطوط میں آپ کو بہت سی دلچسپ چیزیں ملیں گی نہ صرف انگریزی تمدن اور آداب معاشرت کا سرسری خاکہ بلکہ انگریزی قوم کے جزئی خصائص تفصیل کے ساتھ پائے جائیں گے۔ کاش دنیا کے تمام سیاح نبی نوع انسان کی خدمت سچائی کے ساتھ انجام دیتے اور کسی قوم کے صرف عام خصوصیات کو مروجہ اصطلاحات کے اندر بیان کردینے پر اکتفا نہ کرتے۔ یہ لوگ اگر اپنی سیاحت کی سرگزشت لکھتے بھی تو اس طرح کہ سب سے پہلے اُن باتوں کو لکھتے جنھوں نے جزئی حیثیت سے ان کی ذہنیت کو متاثر کیا۔ زرا ازراسی نکتہ نوازیوں کو تشریح کے ساتھ ظاہر کرتے اور ان تفصیلی خاکوں سے علم حقیقی کے لئے یا بنی نوع انسان کی بصیرت کے واسطے اک شاہراہ بنلتے۔ ہر ملک وملت کی خصوصیت خواہ ان میں مشہور و معروف مصنفین ہوں یا دیگر عجائب وغرائب اِن کی حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے علمی تحقیق کی بے حد ضرورت ہے اس طرح نہ صرف اجنبی اقوام کے حالات اختصار وجامعیت کے ساتھ پیش نظر ہوسکیں گے۔ بلکہ مجموعۂ خیالات سے (جو بیشتر صحت کے ساتھ ذہن نشین ہوں گے) اس بات کا بھی پتہ چل جائے گا کہ سیاح نے ترتیب مقدمات میں کس جگہ غلطی کی ہے اور قیاس نے کہاں پر ٹھوکر کھائی۔ خیر

میں نے اپنے دوست کی ہمراہی میں انجمن ارباب علم یا مصنفین کے کلب کی دوبارہ زیارت کی اور اپنے خاص نقطۂ نگاہ کے مطابق (جو میں نے ابھی بیان کیا ہے) مجلس میں چاروں طرف نگاہ ڈالی کمرہ میں داخل ہوتے ہی میری آنکھوں نے عجب سماں دیکھا۔ علمی انجمن یا یورپین مشاعرہ کے شرکا و ممبر اکٹھا بیٹھے ہوئے نظر آتے تھے اور بحث و مباحثہ بڑے زور و شور کے ساتھ جاری تھا۔

شاعر موٹے جھوٹے کپڑوں میں ملبوس کاغذ کا اک قلمی نوشتہ ہاتھ میں لئے ہوئے بڑی جد وجہد کے ساتھ رفقا کو اپنی اک رزمیہ نظم سننے کے لئے برانگیختہ کررہا تھا اس بیچارہ نے یہ نظم اک دن پہلے اسی غرض سے تیار کی تھی اور اس کی دلی تمنا یہی تھی کہ اس کی طویل نظم کا پہلا حصہ خود اُسی کی زبان مبارک سے ادا ہو اور حاضرین اسی کے ذاتی ترنم سے کسی نہ کسی طرح لذت اندوز ہوں۔ لیکن قیامت یہ تھی کہ انجمن کے تمام

ممبر شاعر کی تمنا کے برخلاف بڑی سرگرمی سے صدائے احتجاج بلند کر رہے تھے یہ سب معترضانہ لہجہ میں گہر افشاں تھے اور دلیل یہ بیان کرتے تھے کہ کسی خاص ممبر کو یہ حق کس طرح پہونچتا ہے کہ کلب کے تمام ممبر اس کی نظم کو خصوصیت کے ساتھ سنیں یا ان کو کوئی شخصی نظم اس طرح سنائی جائے؟ آخر اس مراعات کے معقول وجوہ کیا ہیں؟ کیا یہ بات نظر انداز کر دینے کے قابل ہے کہ انھیں ممبروں میں بہت سے افراد ایسے تشخص مآب ہیں جنکی مطبوعہ تصانیف پر ابھی تک اک نظر بھی نہیں ڈالی گئی ہے؟ نہیں یہ ہنیں ہو سکتا۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم انجمن کے قوانین کا مطالعہ کیا جائے ان میں کوئی ایسا جزئیہ یا بائی لا نہیں ملے گا جس میں اس نوعیت کی شاعرانہ قرأت اور رفقا کی سماعت کی تصریح پائی جائے غرضکہ شاعر بیچارہ پر ہر طرف سے بوچھار ہو رہی تھی اور وہ بھی اسی بات پر تلا ہوا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اپنے ضمیر کی زبردست وکالت سے مقدمہ کو جیت لے اور اپنے زادہ ہائے معنوی کو جو ہر ذاتی کی صورت میں پیش کش ہی کر دے مگر افسوس اس کے مخاطب وہ لوگ تھے جو اس کے دعوں پر نہ کان دینا چاہتے تھے اور نہ رد و قدح کی معنویت کو کنایۃً محسوس کرتے تھے بڑی کشمکش کا عالم تھا اور فیصلہ کی کوئی صورت ہی نظر نہ آتی تھی آخر نتیجہ یہ نکلا کہ سکریٹری نے انجمن کا دستور العمل اٹھا کر الٹا پلٹا اور پھر حاضرین کو متانت کے ساتھ مخاطب کیا۔

"خواہ کوئی شاعر ہو یا خطیب۔ نقاد ہو یا مورخ اگر وہ اپنی تصنیفات سنانے کے لئے ممبران انجمن کی توجہ مبذول کرنا چاہے تو اپنی کتاب کھولنے سے پہلے چھ پنس اسکو پیشکش کرنا چاہئے اس کے بعد جتنی دیر تک وہ پڑھے یا سنائے ایک شلنگ فی گھنٹہ کے حساب سے چارج کرنا چاہئے۔ یہ شلنگ کل سامعین کو مساوی تقسیم کر دئے جائیں گے اور جو روحانی زحمت ان لوگوں نے برداشت کی ہوگی اسکا معاوضہ ہوں گے"

اساسی دستور العمل کے اس ناطق فیصلہ کو سن کر حاضرین تو خاموش ہو گئے مگر شاعر بیچارہ بڑی کشمکش میں پڑ گیا اس نے اول تو اپنی شخصی مالیات کا جائزہ لیا پھر سوچنے لگا کہ آخر کیا کرنا چاہئے۔ صرف چھ پنس عاید شدہ جرمانہ پیش کر کے قلمی نوشتہ تمامہ بند کر دینا چاہئے۔ یا قانونی حیثیت سے واجبی رقم ادا کرنے کے بعد نظم کو سنا ہی دینا چاہئے۔ اس پس و پیش میں شاعر بیچارہ حاضرین مجلس پر نگاہ ڈال رہا تھا اور چاہتا تھا کہ تذبذب کی مصیبت اتفاقی صورت اختیار کرے۔ خوش قسمتی سے اس کی نگاہیں دو اجنبی آدمیوں پر پڑیں (یعنی میں اور میرا دوست) اور یکایک اس کی مصیبت دور ہو گئی۔ اس کی عقل پر شہرت طلبی کی محبت چھا گئی اس کے ضمیر نے یہی فیصلہ کیا کہ کچھ بھی ہو نظم سنانا چاہئے اور آخر کار مسلم الثبوت قوانین کے مطابق اس نے واجبی رقم پیش کر کے اپنے حقوق کی بنا پر لب کشائی شروع کر دی تھوڑی دیر مجمع پر عالم سکوت طاری رہا اور پھر شاعر کی آواز نے (اپنی نظم کی اصولی تشریح پر) خاموش فضا کے اندر تموج پیدا کر دیا۔

"شرفائے مجلس! جو نظم میں آپ کی خدمت میں پیش کرنے والا ہوں وہ آپ ایسے مصنفین کی رزمیہ نظموں کی طرح نہیں ہے آپ کی نظمیں پریس سے نکلتے ہی ان (کاغذی) پتنگوں کی طرح اڑتی پھرتی ہیں جو موسم بہار میں فضائے آسمانی کو رونق بخشتے ہیں میری نظم سنئے اس میں آپ کی رزمیہ نظموں کی طرح سہراب و اسفندیار۔ رستم و

زال کے افسانے نہیں پائے جاتے اسکی خصوصیات کچھ اور ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صنائع قدرت یا نیچر کی رنگینی کو رزمیہ انداز میں بیان کیا ہے۔ حاضرین! میں آپ سے صرف یہی درخواست کرتا ہوں کہ اپنی روح کو میرے خیالات کے ساتھ ہم آواز ہونے کی اجازت دیجئے اور جو کچھ میں عرض کروں اُسکو اُسی سرگرمی کے ساتھ سنئے جو میرے دل و دماغ میں انشا کے وقت موجود تھی ہاں سنئے مصنف کی خوابگاہ کو ابتداً بیان کیا گیا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اُس تصویر کا خاکہ میرے ہی کمرہ میں کھینچا گیا ہے آپ شاید خود اس سے واقف ہوں گے کہ اس نظم کا ہیرو بھی میں ہی ہوں"

اتنی تقریر فرمانے کے بعد شاعر نے خودی کا جامہ زیب تن کیا اور اک اعلیٰ خطیب اور فصیح و بلیغ مقرر کے انداز بیان سے اپنے پوزیشن کو آراستہ کر کے نہایت بلند آواز اور بیحد تیز حرکات و سکنات کے ساتھ نظم میں گہر افشانی شروع کر دی۔

(شعریت منثور)

"ترنم اور موسیقی کی روح نے شاعری کی دیوی کو کہاں پایا؟ کس حالت میں؟ اور کس جگہ؟ یہ ایک شکستہ اور فرسودہ کمبل کے نیچے دراز تھی یہ ایک کنج تنہائی یا سکوت محض کے کمرہ میں مشغول راحت تھی محتسب کے خیال سے اسکو کوئی خوف نہ تھا اللہ اللہ کمرہ کا محل وقوع (کچھ نہ پوچھئے) یہ وہی جگہ تھی جہاں کہ مشہور و معروف شراب سازوں کے خم کے خم نظر پڑتے تھے۔ کہیں کاورٹس کا خم تھا کہیں پارسن کی شراب سیاہ یا شیمپین، نظر آتی تھی جن سے قوت شہوانی یا قوت نفسانی کے مجسموں میں تر و تازہ خون دوڑنے لگتا تھا جن سے اُن کے دماغ کی تفریح ہوتی تھی اور یہی وہ مقدس جگہ تھی جو ہر اجنبی کو اگر اُس کے پاس کچھ رقم ہو تو خواہ مخواہ اپنی طرف کھینچ لیتی تھی کمرے کی کھڑکی پر روشندان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک کاغذ پیوند در پیوند چپکا دیا گیا تھا اسی سے روشنی کی شعاعیں آتی تھیں اور جھلملاہٹ کے ساتھ دھندلی روشنی پیدا کر کے تاریک فضا کی کائنات کو منور کرتی تھیں نیچرل فرش ریت کا تھا جس پر پیر پڑتا تھا تو دانت کس کسانے لگتے تھے۔ دیواریں مرطوب تھیں اور اُن کی آرائش کے لئے وہ تصویریں لگا دی گئی تھیں جو علم الاخلاق سے بیر رکھتی ہیں۔ ایک طرف سیاسی کیلنڈر دکھائی دیتا تھا دوسری طرف شجاع و دلیر پرنس ولیم کی کالی بھجنگی تصویر نظر آتی تھی۔ صبح کا وقت تھا خوب سردی تھی اور مجسمۂ شاعری حسرت بھری نگاہوں سے انگیٹھی کو دیکھ رہا تھا۔ زنگ آلود آہنی حلقہ جس سے آگ کی چنگاریاں مدافعت اور مخالفت کے خلاف جنگ کرتی ہیں سامنے پڑا ہوا تھا اور آگ کا نام و نشان نہ تھا انگیٹھی کے بالائی حصہ پر دو دھ

اور شراب کے بڑے بڑے اور چھوٹے چھوٹے دھبے لعبارت نواز معلوم ہوتے تھے چینی پوڈر جسے
"سریکاری" کہنا چاہئے۔ پانچ چھ جاپے کی دہکی ہوئی پیالیاں رونق افروز تھیں اس دیوی کا لباس
بھی عجیب تھا یعنی اعزازی تاج و تمغہ کے بجائے (خواہ وہ سر پر ہو یا دوش پر) صرف ایک شبینہ کیپ
(Night cap) ابروؤں پر جھکی ہوئی محسوس ہوتی تھی اور دن بھر ایک موزہ ٹانگوں کو آراستہ و
پیراستہ رکھتا تھا"

آخری بند پر شاعر خوشی سے اس قدر پھول گیا کہ اس کی آواز بند ہو گئی اور وہ کچھ نہ کہہ سکا اور تھوڑے توقف کے بعد حاضرین کو مخاطب کرنے لگا۔

" دیکھو اور غور کرو یہی ٹوپی اور موزہ والا بند بڑے غضب کا ہے۔ فرانس کے مشہور شاعر (Rabelais)
کا آرام گاہ بھی اس کے سامنے ہیچ و پوچ بلکہ حماقت محض معلوم ہوتا ہے دیکھو ترنم، محاکات، سچائی اور
فطرت کی ترجمانی نہیں، دس لفظوں کے اندر سب ہی کچھ موجود ہے"

شاعر یہ کہہ کے خود ستائی کے دریا میں غوطہ کھانے لگا اور حسرت بھری نگاہوں سے داد طلبی کے لئے جلسہ کو دیکھنے لگا افراد مجلس پر عجب کیفیت طاری تھی۔ عالم وجد کہئے یا شان تحقیر کا بہترین سماں۔ کوئی سر ہلا رہا تھا اور نزاکت کے ساتھ گردن کو ادہر اُدہر حرکت دیتا تھا کوئی پلکیں مار رہا تھا اور آنکھوں کے اشاروں سے شاعرانہ داد دے رہا تھا کسی کے شانے رقص بسمل میں مصروف تھے اور کسی کا پوشیدہ تبسم بڑھتے بڑھتے خندۂ گلو سوز کی صورت میں جدت طرازی کا خاکہ کھینچ رہا تھا۔ شاعر کی طبیعت میں اس روح پرور نظارے سے تروتازگی کی اک لہر دوڑ گئی اور کئی کئی بار ہر ممبر کی طرف داد کی خاطر مخاطب ہوا۔ یہ سب ممبران انجمن تحسین و آفرین کے لئے بالکل تلے ہوئے بیٹھے تھے اس مخاطبہ نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا اور ہر طرف سے کلمات تحسین کی بوچھار ہونے لگی۔ کوئی قسم کھا کر واللہ باللہ کے ساتھ نظم کے عدیم المثال ہونے کی داد دے رہا تھا۔ کوئی معاذ اللہ کا ورد کر رہا تھا کوئی شخص انتہائی مسرت میں شاباش شاباش، ماشاء اللہ، سبحان اللہ پکار رہا تھا اور کوئی از خود رفتہ غضب ہے غضب، قیامت ہے قیامت، واہ وا، واہ وا کے تسلسل پیہم سے سامعین کو محظوظ کر رہا تھا ایسے شاعر کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں اور صراحی دار گردن (گردش نگاہ کے ساتھ) کبھی نیچی اور کبھی اونچی ہو جاتی تھی۔ پریسیڈنٹ یا صدر مجلس کی آواز اس ہنگامہ آرائی کی وجہ سے شاعر کی سامعہ نوازی سے مجبور رہتی۔ اس لئے سب سے آخر میں شاعر خود صدر کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھنے لگا ہاں جناب والا کی اس نظم کے متعلق کیا رائے ہے؟ صدر گرگ باران دیدہ تھا اُس نے اس اظہار رائے سے قلمی نوشتہ کو شاعر کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور تہ بہ تہ لپیٹنا شروع کر دیا ادہر تو یہ قلمی نوشتہ (یا بیش بہا نظم) کاغذی پلندہ کی صورت اختیار کرتی جاتی تھی اور اُدہر صدر مجلس جواب میں اس طرح گہر افشاں تھا۔

"وہ بھی سچ تو یہ ہے کہ میں نے آج تک ایسی نظم نہیں دیکھی ہیں اگر غلط کہتا ہوں تو جام بلوریں کی شراب مروق اچھو ہو کر میری گلوگیر ہو اور میں نوش جاں نہ کر سکوں میرا خیال تو یہ ہے کہ یہ کاغذی پولندہ (جسکو صدر مجلس نے زبردستی شاعر کی جیب میں ٹھونس دیا) جب کبھی شائع ہوگا تو عزت و افتخار کا تاج آپکے سر پر رکھدیگا میری درخواست ہے کہ آپ اس کو جیب ہی کے اندر مستور رکھیں اس بیش بہا خزانہ کا اخفا ہی اچھا ہے ہم لوگ بالکل سیر ہوگئے ہیں۔ اور آپ کی پیرا اوصاف طبیعت کو زحمت مزید نہیں دینا چاہتے"

صدر کی حوصلہ افزائی پر شاعر نے دوبارہ کوشش کی کہ یہ انکار و حوادث جیب سے باہر نکال لے اور پھر اعادہ شروع کر دے مگر صدر نے بھی اپنی روک تھام جاری رکھی۔ انجام کار شاعر نے ناگواری کے ساتھ اپنی شاعرانہ اسپیچ کو خیرباد کہا اور جس داد کی قیمت ادا کر دی گئی تھی اسی پر قانع ہو کر صف آرائے انجمن بن گیا۔

جب شعر و شاعری اور مدح سرائی کا طوفان فرو ہو گیا تو شرکائے مجلس میں سے ایک فرد نے موضوع بدلنے کی کوشش کی اول تو ان حضرت نے نقادانہ تعجب کے عجیب و غریب کرشمہ دکھلائے اور پھر خصوصیت کے ساتھ منہ بنا کر اس طرح رطب اللسان ہوئے۔

"شرفائے مجلس! آپ کا کیا خیال ہے؟ اس منحوس زمانہ میں نثر پردازی ہی کا صلہ بڑی دقتوں اور بڑی مصیبتوں کے ساتھ وصول ہوتا ہے۔ شعر و شاعری کے لئے دماغ سوزی کرنا یا نظم کے مرحلے طے کرنا اور وہ بھی خواہ مخواہ بے مزد و بے صلہ دائرۂ عقل کے اندر آتا ہے یا نہیں؟ میرا تو یہ خیال ہے کہ جب نثر ایسی چیز کی یہ قدر دانی اور ارزانی ہے تو نظم کا کیا پوچھنا غالباً اس دور میں سوائے سادہ لوح حضرات کے جنھیں خارج از عقل سمجھنا چاہئے اور کونسا عقلمند اس قسم کی سعی لاحاصل کو گوارا کر سکتا ہے ابھی پچھلے ہفتہ میں اینجانب نے سولہ مذہبی دعائیں، بارہ مذاقیہ مضامین میں اخلاقی نصائح، یا یہ تکمیل کو پہونچائے اور فی تحریر چہ بینی کے حساب سے ان کا صلہ ملا (آپ ہی حضرات سوچئے کہ ہم لوگوں پر یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟) اور پھر غضب یہ ہے کہ جس تاجر نے ان بیش بہا جواہر کو خریدا اُسکو بھی غیر معمولی نقصان اُٹھانا پڑا والله ان میں کا صرف ایک اخلاقی سبق ہی اس پایہ کا تھا کہ اگر قدردانی ہوتی تو آج میں کہیں نہیں منشی یا کلرک کی معزز پوزیشن پر کب کا مقرر ہو چکا ہوتا۔ مگر افسوس اور صد افسوس کہ ہم پہلے کی طرح غیور نہ رہے نہ ہم میں پاک دامنی ہے نہ مذاق سلیم اور نہ مزاج پسندی کم از کم میں تو یہ ارادہ کر چکا ہوں کہ اگر ابتدا اسی طرح علمی فضا کے اندر کوئی نتیجہ انگیز تغیر و تبدل نہ ہوا تو پھر میں اپنا پرانا کام شروع کر دونگا۔ پرس (مطبع) ہی پر اپنی دست بازو کو پھر متوجہ کر دوں گا ہاں یہ اور بات ہے کہ کاغذ

وزارت کسی پرلطف حماقت کا مرتکب ہو اور ہم لوگوں کے لئے ہجوگوئی کا کوئی نیا اور دلچسپ موضوع مہیا کر دیا جائے"۔

اس پرلطف تقریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام کلب متفق اللسان ہوکر زمانہ اور موسم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے لگا۔ ہر طرف سے طعن و تشنیع کیے گئے اور دورِ حاضرہ کو بدترین زمانہ خیال کرکے سب ممبروں نے اپنے دلوں کو فرداً فرداً کچھ نہ کچھ سمجھا لیا اس موقع پر ایک اور شریف آدمی نے بڑا پرلطف موضوع چھیڑ دیا اُس نے کہا کہ،

"اس دور کی اک اور خصوصیت قابلِ اظہار ہے اس زمانہ کے شرفا جس بُرے طریقہ سے چندہ دیتے ہیں اُسکے عجیب و غریب نظائر کسی دوسرے زمانہ میں نہیں پائے جاتے بدقسمتی سے چندہ تحصیل کرنے میں خود میں نے نہایت تلخ تجربہ حاصل کئے ہیں اک بار قومی کالج کا وظیفہ اور اُسکی تحصیل میرے سپرد کر دی گئی مجھے خود حیرت ہے کہ انتہائی جانفشانی اور دوادوش کے باوجود میں کیوں ناکامیاب رہا سرمایہ دار یاروں کے رشتہ دار لوگوں کا جہاں تک ہوسکا میں نے ہر جگہ اور ہر وقت پیچھا کیا مگر میں سچ کہتا ہوں کہ ایک ہفتہ کے اندر ایک شخص سے بھی میں کچھ نہ حاصل کرسکا۔ اول تو اُن اشراف صورت حضرات کے دولت خانہ میں رسائی ہی کا موقع نہیں ملتا اور اگر مل بھی جائے تو پھر وہی عالم ہوتا ہے جو آدھی رات کے وقت صوبۂ سرحدی کے مسافر کو پیش آتا ہے اُس کے دو قدم آگے اُٹھتے ہیں تو فوجی دستہ کی خطرناک فرائض کے خوف سے چار قدم پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ یقین جانئے کہ میں نے کسی امیر کا دولت کدہ ایسا نہیں دیکھا جس کا دروازہ نصف بھی کھلا ہو۔ تو اس نصف شگاف کے اندر کوئی سنتری یا کج اخلاق محافظ سرتاسر دراز استادہ نہ پایا ہو۔ ابھی کل ہی کا ذکر ہے کہ میں چندہ کی فہرست لیکر سب سے بڑے نجیب الطرفین لارڈ کے یہاں آستانہ بوسی شرف حاصل کرنے گیا تمام صبح دروازہ پر کھڑا ہی نہیں رہا بلکہ آپ کو لیٹر بکس کی طرح قائم رکھا انشاءاللہ کرکے لارڈ صاحب کی سواری باہر نکلی۔ آپ گاڑی میں سوار ہی ہو رہے تھے کہ میں نے چندہ کی فہرست لپٹی لپٹائی یونہی ذاتی خط کی صورت میں خواہ مخواہ تھما دی۔ اول تو آپ نے نگاہِ غلط انداز سے چندہ کی رقم ملاحظہ کی اور پھر انداز سے یہ بتلایا کہ آپ نے اس خط کو نہیں پہچانا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے پرسنل اسسٹنٹ کو یہ کاغذ حوالہ کر دیا یہ ذات شریف حرفوں کے بنائے گئے تھے یا نیچی ہی ہوئے تھے انھوں نے بھی اپنے آقا کے حرکات و سکنات کی بعینہٖ نقل اتاری اور سنتری کو بلا کر یہ کاغذ دیدیا۔ سنتری نے نیلی پیلی آنکھیں دکھائیں سر سے پاؤں تک میری صورت کا جائزہ لیا اور بلا کھولے ہوئے میری جیب میں اس کاغذ کو

دوبارہ ٹھونس دیا"۔

یہ سلسلۂ تقریر ابھی ختم ہی ہوا تھا کہ ایک گوشۂ مجلس سے اک اور پستہ قد مختصر جثہ کا انسان بے تحاشہ بول اٹھا اُس نے نہایت عجیب و غریب طرز ادا کے ساتھ مخاطبت کے فرائض انجام دئے اور کہنے لگا۔

اُس طبقہ کو خدا سمجھے ان لوگوں نے جن کی آپ تعریف فرما رہے ہیں ابھی حال ہی میں میرے ساتھ نہایت ذلیل برتاؤ کیا سنئے جب فلاں ڈیوک اپنی طویل سیاحت سے واپس ہوا تو میں انتہائی قربانی کرکے بیٹھ گیا اور اُس کی شان میں نہایت زوردار مدحیہ قصیدہ لکھا۔ میں نے ڈیوک کی وطنی مراجعت پر تمام ملک کی طرف سے خوش آمدید کہا اُس کی عزت افزائی کی خاطر فرانس اور اٹلی کے علمی خسارہ کو ظاہر کیا گویا کہ ان مقامات سے اُس کی واپسی نے فنون لطیفہ کی ترقی کو روک دیا پھر میرا انداز بیان ایسا کہتا ہوں اس قدر شاندار تھا کہ میرے خیال کے مطابق (بیل تو بیل) چوہے کو بھی اُسی کے بل بوتہ پر دوھ لیا جا سکتا تھا۔ مجھے یقینی اُمید تھی کہ یہ افکار اور کچھ نہیں تو کم از کم ممدوح سے بنک کا اک نوٹ تو دلوا ہی دیں گے میں نے اک سنہرے کاغذ میں اُسکو نہایت نفاست کے ساتھ تہ کیا۔ اک بھلے مانس نوکر کو آدھا کراؤن دے کر اس کی حمالی کے لئے طے کیا۔ غرضکہ اس قدر تکلفات کے ساتھ قاصد کو روانہ کیا اور اللہ اللہ کرکے وہ نامۂ زرین ڈیوک کے نازک ہاتھوں میں پہونچ گیا واللہ یہ آدھا کراؤن میرے سرمایۂ زندگی کا تتمہ تھا اور جب چار گھنٹہ گزر گئے تو کچھ نہ پوچھئے کہ خیال ناداری کے ہاتھوں سے میرے اوپر کیا گزر گئی پھر بھی امید کا بھلا ہو انتظار شدید کے بعد قاصد فرخندہ پے کی صورت نظر آئی اُس کے پاس ڈیوک کا جوابی لفافہ موجود تھا اور بظاہر میری عرضداشت یا مدحیہ قصیدہ سے چوگنا ڈبل معلوم ہوتا تھا اس اُمید افزا صورت کو دیکھ کر میری خوشی کا عالم نہ پوچھئے۔ خیال کے دریا میں مسرت کی لہریں پے در پے اُٹھتی تھیں۔ اور میں سمجھتا تھا کہ ہو نہ ہو ایک نوٹ کے بجائے اس لفافہ کے اندر معدودے چند نوٹ ہیں۔ میں نے اپنے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے بڑے اشتیاق کے ساتھ لفافہ کو وصول کیا اور تھوڑی دیر تک تو یونہی اپنے سامنے اس خزانۂ سربستہ کو بلا کھولے ہوئے پڑا رہنے دیا حسرت بھری نگاہیں خیالی ایقان کے سرور سے دل و دماغ کو طراوت پہونچاتی تھیں اور میں تازگی کا مجسمہ بنا ہوا تھا آخر اس روحانی کشمکش کے بعد میں نے لفافہ کو کھول ہی دیا۔ اور اس کے اندر میں نے جو کچھ دیکھا اس نے میرے جذبات میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا اب وہی امید بھری نگاہیں ننگ بلیتی

ہوئی نظر آتی تھیں۔ مجھ نہ پوچھئے کہ میں نے کیا دیکھا میرے قصیدہ کا صلہ مجھ کو بیشک دیا گیا مگر کس طرح
بنک کا نوٹ کوئی نہ تھا بلکہ میرے قصیدہ سے زیادہ طول طویل چھ عدد اور دوسرے شعراء کے
قصائد مجھ کو ڈیوک صاحب نے بھیج دئے تھے اور افسوس ہے کہ یہ سب اسی مراجعت کی تقریب پر لکھے
گئے تھے "

اس علمی مجلس کا موضوع ابھی تک یہی تھا یعنی طبقۂ امرا کی فیاضی یا مصنفین کی آپ بیتی موضوع کی صورت ضرور کچھ نہ کچھ
بدلتی رہتی تھی مگر اصل مرکز سے کسی کا دماغ ادھر اُدھر نہ بھٹکتا تھا۔ انجمن کے اک اور ممبر نے جو اب تک خاموش تھا اور مٹی کا پائپ
منہ میں لگائے ہوئے دھوئیں اُڑا رہا تھا اسی موضوع پر اک نئے رخ سے روشنی ڈالنا شروع کی۔

"حضرات! آج کل اک رئیس یا سرمایہ دار شریف صرف اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ ہم مصنفین کی پر مصائب
زندگی کو اور زیادہ تلخ بناتا رہے جس طرح کہ اک سپاہی بلائے بے درماں کے مانند دوسرے طبقوں کے
لئے عذاب الٰہی کا فرض ادا کرتا ہے اسی طرح یہ شریف ہستیاں ہمارے لئے کانسٹبل بن جاتی ہیں سنئے
میں آج آپ کو اک قصہ سناتا ہوں اس کی سچائی پر اسی طرح اعتماد کیجئے جس طرح اس پائپ کو (دکھا کر)
آپ مٹی کا بنا ہوا سمجھتے ہیں ہاں سنئے۔ جب میں نے اپنی پہلی تصنیف ختم کی تو میں اپنے خیاط کا مقروض تھا اک سوٹ
سلوا لیا تھا اور قیمت ادا نہ کر سکا تھا اس قسم کے واقعات ضروریات تمدن کے لحاظ سے خواہ میں ہوں یا آپ
سب ہی کو پیش آتے ہیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ یہ سوٹ کا قرضہ اک مدت دراز سے میرے گلے کا طوق تھا جب درزی
کو میری کتاب کا حال معلوم ہوا تو بہ تقاضائے بیم سے میرا ناک میں دم ہوگیا۔ اس کو یہ خبر لگی تھی کہ میری
کتاب بہت مقبول ہوئی۔ اور اسی وجہ سے قرضہ کی فوری ادائگی پر بھی اس کا اصرار غیر معمولی تھا۔
بہر نوع یونہی کشمکش میں گزر رہی تھی اور ان روایات کے برخلاف حقیقت حال کچھ اور تھی شہرت کی حیثیت
سے تو میں ضرور مالدار تھا۔ اس لئے کہ میری کتاب جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف رواں اور دواں تھی لیکن
مالی سرمایہ داری کے لحاظ سے میرے پاس اک ٹکا بھی نہ تھا، درزی کا مطالبہ مجھ سے نہ پورا ہو سکا اور نہ
میں نے پورا کیا۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ تقاضائے عقل کے مطابق میں نے اپنے کمرۂ خاص کو خود اپنے
لئے قید خانہ بنا لیا اور گھر سے باہر نکل کر یہ گوارا نہ کیا کہ خیاط کے مجوزہ قید خانہ کو اپنا مسکن بناؤں اب
کیا تھا کوتوال شہر نے بھی سر سے ایڑی تک کے زور لگائے کہ کسی نہ کسی طرح میں اُس کے پنجہ میں گرفتار ہو جاؤں
اور اپنا نشیمن یا قفس چھوڑ کر اسیر صیاد بنوں مگر میری دور بینی کے سامنے قرضدار کی چال بازیاں

اور مخاسب کو توال کی مکاریاں کچھ نہ چلیں کبھی تو میرے نام یہ پیام آتا تھا کہ فلاں جنٹلمین فلاں قہوہ خانہ میں آپ کی ملاقات کا متمنی ہے اور کبھی کسی دوست کی طرف سے یہ اطلاع وصول ہوتی تھی کہ بیجان لب ہوں اور آپ سے آخری الوداع کا خواہاں۔ میری چچی کی طرف سے جو دیہات میں رہتی تھیں حاضری کے لئے فوری احکام آتے ہیں۔ غرضکہ لطائف الحیل کی بھرمار تھی اور سمجھتا بھی میں ہی خوب تھا۔ یعنی سب کے سب جعل، فریب دہوکا، دغا، لغو جھوٹ۔ بے اصل بے بنیاد۔ ہر آواز میری قوت سامعہ سے دور رہتی تھی میں بہرا بھی بن گیا تھا۔ بے حس بھی ہوگیا تھا۔ تنگ دل بھی پایا جاتا تھا۔ اور ان سب خوبیوں کا مآل یہ تھا کہ کوتوال شہر میرا کچھ نہ کرسکتا تھا۔ اور نہ کرسکا میں تن تنہا گوشۂ تنہائی میں مقید تھا اور اپنے کمرہ کے اندر اپنی آزادی کا تحفظ کر رہا تھا غرض یہ کہ دو ہفتہ تک میں یونہی ترک دنیا کے مزے لیتا رہا ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ صبح صبح میرے ہاتھوں میں ایک نامۂ فرحت افزا ہوتا ہے اور اس کے مطالعہ سے میری باچھیں کھل جاتی ہیں۔ یہ خط ارل آف ڈومسڈے (Earl of Doomsday) کا ہے اور اس میں لکھا ہے کہ مجھکو تمھاری کتاب پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی ہر سطر سرچشمۂ حیات تھی میں نہایت اضطراب کے ساتھ تم ایسے مصنف سے ملنے کا متمنی ہوں میرے ذہن میں کچھ ایسے خیالات بھی ہیں جو تکمیل کے بعد تمھارے حق میں غیر معمولی منفعت پر مشتمل ہوں گے خط کے اس مفہوم نے مجھ پر کافی اثر کیا اور چونکہ میں خوف کا خوگر تھا۔ اس لئے پہلے یہی خیال ہوا کہ کہیں یہ بھی یار لوگوں کا گھسا نہ ہو مگر بعض قرائن نے میرے اس بے بنیاد شبہ کو دفع کر دیا۔ کارڈ کے کناروں پر سونے کا پانی پھرا ہوا تھا۔ علاوہ اس کے قاصد کے متعلق بھی اس بات کا علم ہوا کہ نہایت شریف (جنٹلمین) انسان تھا۔ بہر حال جب اس قسم کے تبہمات کی کشمکش سے نجات ہوئی تو میرے دل نے میری شخصی اہمیت کا زبردست احساس کیا میں نے مذاق زمانہ کی دل میں قدر کی اور یہ اعتقاد پیدا ہوگیا کہ کچھ ہی ہو جوہر ذاتی یا علم و عقل کی حوصلہ افزائی ہوتی ضرور ہے۔ ارل کے خط کو خوب سمجھ لینے کے بعد میں بیٹھ گیا۔ اور اک تمہیدی تقریر یا اسپیچ جو بروقت ملاقات بہت موزوں ثابت ہوتی میں نے ذہن نشین کرلی ساتھ ہی ساتھ (نہایت شاندار) پانچ اڈریس تو میں نے ارل کے لئے اور دو تنظیمیں اپنی تعریف میں فخریہ کہیں۔ اب دوسری صبح کا انتظار تھا۔ اور رہ رہ کر ارل کی فیاضی کا قبل از وقت مداح تھا۔ بہر حال انتظار کی صبح نمودار ہوئی اور وقت مقررہ پر میں بالکل چاق چوبند ہو کر روانگی کے لئے تیار ہوگیا ایک بند گاڑی جسے

شکرم کہہ سکتے ہیں فوراً منگوائی اور اسکو اپنی جلوہ گاہ بناکر ڈرائیور کو حکم دیا کہ ہاں چلو اور ارل کے لکھے ہوئے پتہ کے مطابق فلاں سڑک اور فلاں منزل کی طرف لے چلو۔ ادہر تو ڈرائیور کو یہ حکم دیا اور اُدہر احتیاطِ مزید کی خاطر گاڑی کی سب کھڑکیاں بند کردیں تاکہ کاروباری لوگوں کی سرگرمیوں سے نگاہ بھی نہ آشنا ہو واقعہ یہ ہے کہ گاڑی کی رفتار بذاتہ بہت تیز تھی مگر ساتھ ہی ساتھ میری زبردست امیدوں میں بھی بلا کا تلاطم تھا میں گاڑی کو سُست رفتار ہی خیال کرتا رہا۔ اور ناگاہاً منزلِ مقصود پر پہونچ کر گاڑی رک گئی۔ میں تو پہلے ہی سے تُلا بیٹھا ہوا تھا۔ ذہن کی بلند پروازی کے مطابق میزبان کی کوٹھی کے دلکش مناظر اور عالیشان عمارت پر نظر ڈالنے کے شوق میں دلی مسرت کے بل بوتے پر شکرم سے یک لخت اتر پڑا چاروں طرف نگاہ کو گردش دی اور حیرت ناک تماشا دیکھ کر دل پر مایوسی کی بجلی گر پڑی کیا دیکھتا ہوں !!!!!!!!! جیل خانہ میری نگاہوں کے سامنے ہے !!!!!! نہایت نفیس اور آراستہ سڑک کے بجائے خراب اور گندہ گلی میں استادہ ہوں نہ عالیشان محل ہے نہ ڈیوک یا لارڈ کا ایوان نظر آتا ہے سامنے کوتوال یا (Bailiff) کے قید خانہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور وہی گاڑی کا ڈرائیور جو مجھ کو ارل کے ہاں لے جارہا تھا جیل خانہ کے دروازہ پہ لے جا چکا ہے !!!!! دوسری طرف اک اور کریہ صورت شیطان سیرت انسان نظر آتا ہے جس کو کوتوال یا (Bailiff) کہنا چاہئے یہ شخص مجھ کو اپنے حلقۂ حفاظت میں لے لیتا ہے اور میری تمام اُمیدوں پر پانی پھر جاتا ہے "!!

(مصنفین کے کلب کی کارروائی لکھنے کے بعد اب دو چار اور مفید باتیں عرض کرتا ہوں) دیکھو جزئی حالات کتنے ہی معمولی کیوں نہ ہوں مگر اک فلسفی کی نظر میں ان کی اہمیت لامحدود ہوتی ہے وہ اُنھیں سرسری واقعات سے درسِ عبرت حاصل کرتا ہے اور اُنھیں مذاقیہ چٹکلوں کو تاریخ کا بنیادی اصول سمجھتا ہے عام لوگوں کی نگاہ میں یہ سب مزخرفات اور لایعنی کے دائرہ پر مشتمل خیال کیا جاتا ہے مگر حقیقتاً اس سرتاسر یقینی ہے کہ اس کے مطالعہ سے بہت سی نتیجہ خیز خصوصیات کا علم ہو جائیگا میں معذرت خواہ ہوں کہ پرحماقت اور مضحکہ انگیز احوال کو لکھ کر اتنے دور دراز کے رہنے والوں کے لئے بھیج رہا ہوں مگر یہ بات بھی قابل اظہار ہے کہ جن واقعات کی بنیادی اصول نہایت عمیق اور غیر سطحی ہیں میرا خیال ہے کہ اس قوم اور اس ملک یورپ کی ایسی سچی خصوصیات جن کا یہ عریضہ مظہر اتم ہے نہ تاریخوں کے اوراق میں ملیں گی نہ پبلک کے رسائل میں نہ عدالت کی مثلوں میں ان کا پتہ چلے گا۔ اور شعرا و سفرا کی خط و کتابت میں ہاں یہ اور بات ہے کہ انسان پڑھے اور مطالعہ کرے اپنا سر پھرائے لیکن نہ سمجھنے کی کوشش کرے نہ سمجھے اور نہ پڑھنے کے بعد کوئی نتیجہ پیدا کرسکے ؎ حیف بر چشمیکہ مژگانش نقاب آرا شود * جلوہ ہا آئینہ گشت آئینہ ہا شد بے نقاب

(ماخوذ)

(افسانہ)

(از جناب شوکت تھانوی)

نعیم نے اپنی زندگی جس شان سے گزاری وہ مسلمانوں کے نزدیک کوئی نئی بات نہ تھی، یعنی ہمیشہ اُس کا خرچ اُس کی آمدنی سے زیادہ رہا ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ اُسکو قرضدار بھی رہنا پڑا ہوگا اور وہ کچھ جمع نہ کر سکا ہوگا کاش اسوقت جبکہ وہ اپنی ضعیفی میں آنکھ بند کر کے روپیہ ٹھیکریوں کی طرح فضول خرچی میں اُڑا رہا تھا اُس کو یہ خیال آیا ہوتا کہ میری آنکھ بند ہوتے ہی میری بیوی اور میرا صغیر سن بچہ دنیا میں بے یار و مددگار رہ جائیں گے ان کے لئے کچھ جمع کروں تاکہ میرے بعد یہ روپیہ اُن کی مشکلات کو حل کرے، لیکن وہ دل و دماغ جنمیں اس قسم کے خیالات آیا کرتے ہیں فطرت ان کو پہلے ہی سے ایسا نہیں بناتی کہ وہ اپنے دماغ میں ان خیالوں کے آنے کے منتظر رہیں بلکہ یہ خیالات ہمیشہ سے ان کے دماغوں میں موجود ہی ہوتے ہیں اور جن کے دماغ ان خیالات سے خالی ہوتے ہیں وہ بمشکل سے ان خیالات کو دماغ میں جگہ دیتے ہیں بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اُن کے دماغ میں اس قسم کے خیالات کبھی آتے ہی نہیں۔

وجہ یہ ہے ان خیالات سے اور ان کی رفتار ذہنی سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی بلکہ ایک زبردست تضاد ہوتا ہے چنانچہ نعیم بیچارہ جس کو فطرت کی طرف سے ایک ایسا ذہن ملا تھا جسمیں مستقبل پر غور کرنے کی گنجائش نہیں تھی یقیناً مجبور تھا اور یہی ہوا کہ نعیم تو کافی عمر عیش و عشرت میں گزار کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگیا لیکن اُس کی بیوی اور اس کے بارہ سالہ بچے کی حالت واقعی قابلِ رحم تھی جن کا دنیا میں اب کوئی ہمدرد نہ تھا اور نہ اُن کے پاس روپیہ تھا کہ بےفکری سے زندگی بسر کریں نتیجہ یہ ہوا کہ پیٹ پالنے کے لئے گھر کا ایک ایک برتن ایک ایک کپڑا بکنے لگا لیکن آخر یہ کب تک ہوتا ایک دن وہ بھی آیا جب اُن کے گھر میں کوئی کپڑا اور کوئی برتن باقی نہ رہا اور مجبوراً نعیم کی بیوی نے اپنے پیارے بچے سے کہا کہ سلیم تم اپنی بکری فروخت کردو۔ سلیم نے ضد کی مگر پھر سمجھ گیا اور بکری بھی بیچ ڈالی لیکن اب پھر وہی منظر تھا کہ فاقے ہو رہے تھے اور شرافت کسی کے آگے دست سوال بھی پھیلانے نہیں دیتی تھی۔ سلیم تو بچہ تھا وہ کیا سوچتا جبکہ اماں کی سمجھ میں بھی نہ آتا تھا کہ آخر کیا کیا جائے۔ آخر اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ سلیم کو اس کے باپ کے دوست لالہ اندر پرشاد کے پاس بھیجے شاید وہ اس کو ایسے کام سے لگا دیں کہ جسمیں صرف ایک ہی وقت کا کھانا مل سکے یہی کچھ سہارا ہو جائے سلیم کو خوب اچھی طرح سمجھا بجھا کر اس نے بھیجا۔ سلیم ماں کے حکم کی تعمیل میں چلا تو گیا لیکن جیسے [illegible]

«مرقع»

عکس تحریر دست و قلم خاص جناب مرزا محمد ہادی صاحب بی اے
رکن دارالترجمہ حیدرآباد دکن

سر ہے میں ہیں شب غم کی بلائیں کیونکر
بے صدا ہوتی ہیں مقبول دعائیں کیونکر

دیکھو دیکھو مرے رونے کا تماشا دیکھو
اور ساون میں برستی ہیں گھٹائیں کیونکر

نہ سہی عشق مروت بھی ہے آخر کوئی شے
رسم برتی جائے کسی سے تو گھٹائیں کیونکر

سب پھول چن کے لائے ہم داغ لیکے آئے
ہم سے تو کوئی یہ سمجھے تم کیوں گئے چمن میں

مرزا محمد ہادی عفی عنہ

بمقام لکھنؤ ۱۶ نومبر ۱۹۲۶ء حیدرآباد دکن [illegible]

عکس تحریر دست و قلم خاص جناب بیخود دہلوی ارشد تلامذۂ جناب داغ دہلوی مرحوم

(خط جناب بیخود دہلوی، بنام وصل بلگرامی ایڈیٹر "مرقع" لکھنو)

دلی مٹیا محل

مورخہ ۱۶ ر نومبر ۱۹۲۵ء

مکرمی جناب وصل صاحب۔ آپکا کارڈ ملا۔ آپ دریافت فرماتے ہیں کہ دلی میں "ہوا لہک رہی ہے" محاورہ ہے یا نہیں یہ محاورہ صحیح ہے لیکن اسوقت مجھے کوئی ~~سند~~ تمثیل یاد نہیں فقط

بیخود دہلوی

لکھنؤ۔ نظیر آباد

بخدمت جناب سید مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی

کی دوکان کے قریب پہونچا اُس کے پیر یکبارگی رک گئے اور اس نے سوچنا شروع کیا۔

"کیا میں لالہ سے جاکر یہ کہوں گا کہ میں غریب ہوں بیکس ہوں، مجھکو کوئی ایسا کام دو جس سے کم از کم ایک ہی وقت کے کھانے کا سہارا ہوجائے؟ ——— میں تو یہ ہرگز نہ کہوں گا، اور مجھ سے کہا کیسے جائیگا؟" ابھی کل کی بات ہے جب میں ابا کے ساتھ لالہ کی دوکان پر آتا تھا تو وہ مجھکو مٹھائی کھلاتے تھے۔ پیار کرتے تھے۔ اور مجھکو اچھی طرح یاد ہے کہ جب کبھی ہمارے گھر کے خرچ کا ذکر ابا کرتے تھے تو لالہ یہی کہتے تھے کہ ہاں صاحب بڑے آدمیوں کے بڑے کارخانے ہم غریب آپ کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں" ——— "ہاں تو میں یعنی وہ جسکو کل تک لالہ بڑے آدمی کا لڑکا سمجھتے تھے آج خود اپنے منہ سے کہوں کہ میں غریب ہوں مجھکو کوئی کام امداد کے طریقہ پر دو ——— ہرگز نہیں میں مجبور ہوں مجھ سے نہ کہا جائیگا ——— مگر اماں پھر خفا ہوں گی ——— لیکن کیوں خفا ہوں گی؟ میں بھی ابا کی طرح لالہ سے روپیہ لے لوں گا اور کہدوں گا کہ کھاتے میں لکھ لو ——— ہاں بس یہی ٹھیک ہے۔"

سلیم اندر پرشاد کی دوکان پر پہونچا اور سلام کرکے ایک طرف بیٹھ گیا، اندر پرشاد اسوقت کچھ غصہ میں تھے اپنے لڑکے پر خفا ہو رہے تھے اور لڑکا گردن جھکائے بیٹھا تھا۔ یہ نہیں معلوم کہ اندر پرشاد کس بات پر ناراض ہو رہے تھے لیکن بار بار غصہ میں کہہ رہے تھے۔

"آدمی کام کرنے پر آئے تو کیا روپیہ اور کیا کچھ خدا اس مرے ہوئے چوہے کے ذریعہ سے جو میری دوکان میں پڑا ہے ذریعۂ معاش پیدا کر سکتا ہے مگر جب ہاتھ پاؤں چلیں تو سونا بھی مٹی کے برابر ہے"

اندر پرشاد دیر تک اپنے لڑکے پر خفا ہوتا رہا آخر غصہ دھیما ہوا اور وہ سلیم کی طرف متوجہ ہوا۔

"کہئے میاں سلیم! کیسے آنا ہوا بھاوج تو اچھی ہیں۔؟"

سلیم - جی ہاں آپ کی دعا سے اچھی ہیں آپ کو سلام کہا ہے اور مجھکو بھیجا ہے کہ چچا سے مل آؤ۔"

اندر پرشاد - سلیم میاں تم کچھ پڑھ رہے ہو؟

سلیم - جی ہاں مدرسہ جاتا ہوں۔ درجۂ سوم میں ہوں ابکی امتحان پاس کرکے چہارم میں جاؤں گا۔

اندر پرشاد - پھر کیا ارادے ہیں، اب تو تم کوئی تجارت کرلو اور ساتھ ہی ساتھ تھوڑا تھوڑا پڑھتے بھی رہو۔

سلیم - جی ہاں میں بھی کچھ سوچ رہا ہوں انشاءاللہ بہت جلد کوئی کام شروع کروں گا۔ اسی قسم کی باتیں دیر تک ہوتی رہیں جب سلیم چلنے لگا تو اندر پرشاد نے کہا۔

"لالہ یہ چوہا مجھکو دیدو اور کھاتے میں لکھ لو"
اندر پرشاد نے ایک قہقہہ لگایا اور پوچھا کہ آخر تم اس کو کیا کروگے لیکن سلیم یہی کہتا رہا کہ آپ مجھکو دیدیں میرا جوجی چاہیگا کروں گا آپ کھاتے میں لکھکر مجھکو دیدیں سلیم کے بار بار کہنے پر اندر پرشاد نے کہا کہ چوہا لے جاؤ مگر کھاتے میں کیوں لکھواتے ہو لیکن سلیم اس پر بھی راضی نہ ہوا اور کہا کہ میں بغیر کھاتے میں لکھوائے نہ لوں گا۔ مجبوراً اندر پرشاد نے کھاتے میں سلیم کے نام چوہا لکھا اور سلیم چوہا لے کر رخصت ہوئے۔
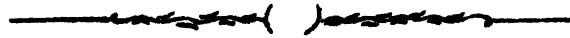
اندر پرشاد کا یہ جملہ کہ "خدا اس مرے ہوئے چوہے سے ذریعۂ معاش پیدا کر سکتا ہے" سلیم کے دماغ میں گونج رہا تھا اور وہ چوہے کی دُم پکڑے انھیں خیالات میں مستغرق مکان واپس جارہا تھا وہ اپنے خیالات میں اس قدر محو تھا کہ اس کو راستہ میں گزرنے والے واقعات کی مطلق خبر نہ تھی یہاں تک کہ "اے میاں لڑکے۔ اے میاں لڑکے" کی بہت سی آوازوں نے بمشکل اسکو اپنی طرف متوجہ کیا وہ کھڑا ہوگیا اور گھوم کر دیکھا کہ قصبہ کے رئیس رائے بہادر لالہ ہرگوبند اپنے کتوں کو لئے اس کی طرف آرہے ہیں اور وہی اسکو آواز دے رہے تھے وہ کھڑا رہا۔ لالہ ہرگوبند نے قریب آکر کہا۔ تم اس چوہے کو کیا کروگے اس کو پھینک دو ہمارے کتے کھالیں گے!!
سلیم۔ حضور یہ مرا ہوا چوہا میرا ذریعۂ معاش ہے میں اس کے ذریعہ سے اپنا پیٹ پالوں گا یہ وہ چوہا نہیں ہے جس کو میں پھینک دوں اور آپ کے کتے کھالیں۔
لالہ ہرگوبند کو سلیم کے بھولے پن پر ہنسی آگئی اور کچھ اس کی مفلسی پر افسوس ہوا اس نے ہنسکر سلیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پوچھا چوہا تم کو کس طرح فائدہ پہونچا سکتا ہے اس چوہے سے ذریعۂ معاش کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟
سلیم۔ کیا خدا کی قدرت سے یہ بعید ہے کہ چوہا میرے لئے ذریعۂ معاش پیدا کردے؟
لالہ ہرگوبند۔ ہاں بیشک اسکی قدرت سے تو بعید نہیں۔ اچھا میاں صاحبزادے میں پانچ روپے میں تمھارا چوہا خریدے لیتا ہوں بولو منظور ہے۔
سلیم۔ جی ہاں منظور ہے یہ کہکر سلیم نے پانچ روپے لالہ ہرگوبند سے لئے اور چوہا کتوں کے آگے پھینک دیا اور ہنسکر کہا:۔
دیکھئے حضور چوہا ذریعۂ معاش بنا یا نہیں؟"
سلیم پانچ روپے لیکر خوش خوش ماں کے پاس گیا ماں نے بے صبری سے تمام حال پوچھا اور سلیم نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان خوش ہوکر تمام قصہ بیان کیا سلیم کی حرکتوں پر ماں کو ہنسی بھی آتی تھی اور غصہ بھی آرہا تھا کہ بجائے اس کے کہ لالہ اندر پرشاد سے کوئی مستقل کام لیتا ایک مرا ہوا چوہا لے آیا لیکن سلیم نے یہ کہکر ٹال دیا کہ اماں خدا پر بھروسہ رکھو اس نے مرے ہوئے چوہے سے ہمارا ذریعۂ معاش پیدا کیا ہے۔ اب میں ان روپیوں سے ایک دوکان رکھتا ہوں۔ کچھ پینے کا تمباکو کچھ کتھا کچھ چھالیا اور حقہ خرید کر یہاں سے قریب

ایک باغ ہے جو کٹ رہا ہے اور جسمیں لوگ دن دن بھر کام کرتے ہیں وہاں میں بیٹھونگا لوگوں کو حقہ پلاؤں گا اور پانی پلاؤں گا کہو تو کچھ چنے بھی رکھ لوں تاکہ بھوکے مزدور چنے بھی مجھ سے خریدیں۔

ماں نے اس کو بھی بچپن کی بکواس سمجھکر ٹال دیا لیکن دوسرے دن صبح تڑکے سلیم اٹھا اور ماں کو جگا کر دو روپئے طلب کئے تاکہ اپنا کام شروع کر دے۔ ماں نے بہت روکا لیکن سلیم نے ایک نہ مانی روپئے لے ہی لئے اور ایک ٹاٹ کی بوری مکان سے لیتا گیا اُس نے ایک حقہ خریدا کچھ کوئلے اور کچھ پینے کا تمبا کو خریدا کچھ چنے لئے اور دو گھڑے خریدے یہ سب سامان لیکر باغ میں اپنی چھوٹی سی دُکان رکھ لی باغ کے مزدوروں کی ایک بہت بڑی ضرورت پوری ہوگئی اس لئے کہ نہ تو اُس باغ میں پانی آسانی سے مل سکتا تھا کہ وہ پئیں نہ قریب کوئی ایسی جگہ تھی کہ کچھ چبینا مل سکے نہ حقہ کا کوئی انتظام تھا سلیم کی دوکان سے یہ سب ضرورتیں پوری ہونے لگیں سلیم بھی خوش تھا کہ اُس کو چھ سات آنے روز منافع میں ملنے لگے اور مزدور لکڑیاں الگ دیتے تھے جو وہ فروخت کرتا تھا سلیم نے اپنی دکان میں ترقی دینا شروع کی اور روز بروز ترقی دیتا گیا یہاں تک کہ اب اس کی ایک اچھی خاصی لکڑیوں کی ٹھیکی ہوگئی اور اس نے ایک چھپر بھی ڈلوالیا جسمیں اس نے پانی، حقہ، اور کچھ کھانے کی چیزوں کا انتظام کیا اس کی دکان برابر چلتی رہی، وہ اور اس کی ماں دونوں وقت کھانا بھی کھانے لگے اور کچھ بچنے بھی لگا سلیم نے صرف چھ برس میں اپنے اوپر مصیبتیں ڈال کر اور جان توڑ کوشش کر کے اتنا جمع کر لیا کہ باغ کے ٹھیکہ میں جو چوتھائی حصہ اُس نے بھی خرید لیا اور آخرکار اس میں بھی اُسکا فائدہ ہوا اور دوسری مرتبہ اس نے باغ کے ٹھیکے کا آدھا حصہ لیا اور اسی طرح رفتہ رفتہ سلیم باغ کا ٹھیکہ دار ہوگیا۔ لیکن اُس نے اپنی دوکان نہیں چھوڑی اور نہ محنت میں کمی کی بلکہ گویا اس کی ترقی اس کی محنت میں بھی اضافے کر رہی تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ اس قدر جلد حیرت انگیز ترقی کر رہا تھا اس نے باغ کے ٹھیکے کے علاوہ ایک شاخ شہر میں چوب عمارتی کی کھولدی اور اپنے اوپر مشکلات برداشت کر کے اپنے اس کارخانے کو چلاتا رہا اس میں ہمت تھی، اس کے ارادوں میں استقلال تھا اسکی محنتوں کو تھکنا نہیں آتا تھا اس لئے وہ برابر ترقی کرتا رہا اس نے مکانات بنوائے اور کرایہ پر دیدئے، خود اپنے لئے کوٹھی بنوائی اپنے کارخانے کے لئے عمارت بنوائی اور اب وہ شہر کے کامیاب تاجروں کی صف میں تھا مگر سب سے زیادہ ایماندار اور سب سے زیادہ محنتی، سب سے زیادہ ہمت والا اور سب سے زیادہ جفاکش تھا اُس کو کبھی اس کی پروا نہیں ہوئی کہ میں پھٹا ہوا کرتہ پہنے ہوں اور میرا پاجامہ میلا ہے، وہ جانتا تھا کہ اگر میں نفیس لباس پہنوں تو لکڑیوں کا گٹھا مزدور کے سر پر رکھواتے وقت مجھکو یہ خیال ہوگا کہ کہیں میری قمیص خراب نہ ہو جائے وہ اپنے مشغول دماغ کو اس قسم کے بیکار خیالات سے بھرنا ہی نہیں چاہتا تھا وہ کہتا تھا کہ موجودہ زمانہ میں پوزیشن روپیہ ہے اور روپیہ پوزیشن اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ غرضکہ سلیم کی نہ پست ہونے والی ہمت اور نہ تھکنے والی کوششوں نے آج اُس کو لکھ پتی سوداگر بنا دیا اس کی ماں صرف اس کی وجہ سے اس ضعیفی میں گویا جوان تھی اور سلیم کی

ترقی کو دیکھ دیکھ کر گویا اس میں ایک تازہ روح سما جاتی تھی اور پھولی نہ سماتی تھی۔

ایک دن سلیم دن بھر کام کرنے کے بعد جب شام کو گھر آیا تو اس کی ماں نے کھانا لاکر رکھدیا اور خود بھی وہیں بیٹھ گئی سلیم کھانا کھانے لگا اس کی ماں نے کہا سلیم! دیکھو خدا کو انساں کے دن پھیرتے کچھ دیر نہیں لگتی ابھی کل کی بات ہو کہ تم ایک دن کھانے کے لئے روئے لیکن گھر میں ایک دانہ نہ تھا میں نے تم کو بہلا کر سلا دیا لیکن اُس رات مجھکو نیند مطلق نہیں آئی رات بھر روئی کی میرے دل پر چوٹ لگی تھی کہ میرا بچہ فاقہ سے سو رہا ہے خدا نے میری وہ دعائیں سن لیں اور شکر ہے کہ آج ہم لاکھوں سے اچھا کھاتے ہیں اور لاکھوں سے اچھا پہنتے ہیں ہر قسم کی نعمت خدا نے دی ہے کیا اب سے بارہ برس پہلے یہ گوشت یہ پلنگ یہ مچھلی ہم کو خواب میں بھی دکھائی دیتی تھی؟

سلیم۔ نہیں اماں ہم تو خواب میں وہی جوار کی سوکھی روٹی دیکھتے تھے لیکن خدا نے تمھاری دعا سے آج ہکو ہر ایک نعمت بخشی ہے لیکن اماں میں اب تک قرضدار ہوں۔

ماں۔ (گھبرا کر) قرضدار! ــــــ قرض کیسا؟

سلیم۔ ہاں اماں میں قرضدار ہوں لیکن انشاء اللہ کل ہی وہ قرض ادا کر دوں گا۔

ماں۔ مگر بیٹا کچھ معلوم تو ہو کہ تم نے کیا قرض لیا ہے کس کے قرضدار ہو کیا معاملہ ہے۔

سلیم میں نے بارہ سال ہوئے لالہ اندر پرشاد سے ایک چوہا قرض لیا تھا اور اس کو کھاتے پر لکھوا کر لیا تھا اور اسی دن کی امید پر لیا تھا اُسی چوہے کو میں نے پانچ روپئے کو بیچا اور آخر اسی سے آج میں اس قابل ہوا ہوں کہ وہ قرض اس طرح ادا کروں کہ ایک سونے کا چوہا بنوا کر لالہ اندر پرشاد کو دیدوں چنانچہ میں نے چوہا بنوا لیا ہے اور کل جاکر کھاتے سے اپنا نام کٹواؤں گا

ماں ہنسنے لگی اور سلیم کو دعائیں دیتی ہوئی اپنی خوابگاہ میں چلی گئی۔ سلیم بھی سو رہا۔ دوسرے روز صبح ہی سلیم موٹر پر سوار ہوکر اندر پرشاد کی دکان پر گیا۔ نہایت ادب کے ساتھ سلام کیا، اور پوچھا "کیا آپ مجھکو پہچان گئے"؟

اندر پرشاد۔ جی نہیں میں نے تو نہیں پہچانا۔

سلیم۔ میں آپ کا بھتیجا ہوں۔ سلیم میرا نام ہے آپنے بہت جلد مجھکو بھلا دیا۔

اندر پرشاد نے سلیم کو گلے سے لگا لیا اور بہت اعزاز کے ساتھ اپنے پاس بٹھالیا۔ سلیم نے اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے اندر پرشاد سے کہا کہ میں نے ایک چوہا کھاتے پر لکھوایا تھا۔ اسکو میرے نام سے کاٹ دیجئے میں چوہا لایا ہوں یہ کہکر اس نے سونے کا چوہا اندر پرشاد کو دیدیا

اندر پرشاد نے حیرت سے سلیم کو اور سونے کے چوہے کو دیکھا سلیم نے کل قصہ شروع سے آخر تک بیان کیا اندر پرشاد کے لڑکے نے گردن پھیرا کر تبہ بارہ برس کے بعد جھکائی اور اندر پرشاد نے سلیم کو گلے سے لگا لیا۔

شوکت تھانوی

میر
اور
حقیقتِ دل

(از جناب خان صاحب مرزا جعفر علی خاں صاحب بی اے اثر لکھنوی)

ہنگامہ گرم کن جو دلِ ناصبور تھا — پیدا ہر ایک نالہ سے شورِ نشور تھا

آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم — یک شعلہ برقِ خرمنِ صد کوہِ طور تھا

اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا — دیکھا اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا

سنہ خون ہوا آنکھوں سے بہا ٹک ہوا داغ — اپنا تو یہ دل میرؔ کسو کام نہ آیا

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے — دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

دل بہم پہونچا بدن میں تب سے سارا تن جلا — آپڑی یہ ایسی چنگاری کہ پیراہن جلا

اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار — یادِ ایام جب تحمل تھا

شاید کسو کے دل کو لگی اس گلی میں چوٹ — میری بغل میں شیشۂ دل چور ہوگیا

شہرِ دل ایک مدت اجڑا بسا غموں سے — آخر اجاڑ دینا اس کا قرار پایا

ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا — دلِ ستم زدہ کو ہمنے تھام تھام لیا

کیر قابل ہے دل صد پارہ اُس نخچیر کا — جسکے ہر ٹکڑے میں ہو پیوست پیکاں تیر کا

سب کھلا باغ جہاں الّا یہ حیران و خفا — جسکو دل سمجھے تھے ہم سو غنچہ تھا تصویر کا

دل جو نہ تھا تو رات زخود رفتگی میں میرؔ — گہ انتظار تھا گاہ مجھے اضطراب تھا

دل نے ہمکو مثالِ آئینہ — ایک عالم کا روشناس کیا

جو سنا ہشیار اس میخانے میں تھا بے خبر — شوق ہی باقی رہا ہمکو دلِ آگاہ کا

گو کٹے سر کہ سوزِ دل جوں شمع — اب تو میری زبان سے نکلا

تڑپ کے مرنے سے دل کی کہ مغفرت ہو اسے — جہاں میں کچھ تو رہا نام بیقراروں کا

اک قطرہ خون ہو کے پلک سے ٹپک پڑا — قصہ یہ کچھ ہوا دلِ غفران پناہ کا

سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں — لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا

کئی دن سلوکِ وداع کا مرے درپئے دلِ زار تھا — کبھو درد تھا کبھو داغ تھا کبھو زخم تھا کبھو وا تھا

دل خستہ جو لہو ہو گیا تو بھلا ہوا کہ کہاں تلک — کبھو سوزِ سینہ سے داغ تھا کبھو درد و غم سے فگار تھا

نہیں تازہ دل کی شکستگی یہی درد تھا یہی خستگی — اُسے جب سے ذوقِ شکار تھا اسے زخم سے سروکار تھا

دل کی آبادی کی اس حد ہے خرابی کہ نہ پوچھ — جانا جاتا ہے کہ اس راہ سے لشکر نکلا

پھیرا سا ساری رات جو کبھار ہیگا دل — تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جائے گا

مت رنجہ کر کسی کو کہ اپنے تو اعتقاد — دل ڈھائے کر جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا

دل جو تھا اک آبلہ پھوٹا گیا — رات کو سینہ بہت کوٹا گیا

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے — یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

عالم میں کوئی دل کا طلبگار نہ پایا — اس جنس کا یاں ہمنے خریدار نہ پایا

خواہ مجھ سے لڑ گیا وہ خواہ مجھ سے مل گیا — کیا کہوں اے ہمنشیں میں تجھ سے حاصل دل گیا

دل سے آنکھوں میں لہو آتا ہے شاید آنکو — کشمکش میں بیقراری کی یہ پھوڑا اچھل گیا

کافر ہماری دل کی نہ پوچھ اپنے عشق میں — بیت الحرام تھا سو وہ بیت الصنم ہوا

بتاں کے عشق نے بے اختیار کر ڈالا — وہ دل کہ جسکا خدائی میں اختیار رہا

وہ دل کہ شام و سحر جیسے پکا پھوڑا تھا — وہ دل کہ جس سے ہمیشہ جگر فگار رہا

تمام عمر گئی اُس پہ ہاتھ رکھتے ہمیں — وہ دردناک علی الرغم بیقرار رہا

ستم میں غم میں سرانجام اُسکا کیا کہئے — ہزاروں حسرتیں تھیں تسپہ جی کو مار رہا

بہا تو خون ہو آنکھوں کی راہ بہ نکلا — رہا جو سینۂ سوزاں میں داغدار رہا

سو اسکو ہم بھی فراموش کاریوں سے گئے — کہ اُس سے قطرۂ خوں بھی نہ یادگار رہا

دل کے تئیں آتشِ ہجراں سے بچایا نہ گیا — گھر جلا سامنے پر ہم سے بجھایا نہ گیا

دل میں رہ دل میں کہ معمارِ قضا سے اب تک — ایسا مطبوع مکاں ایک بنایا نہ گیا

شہرِ دل آہ عجب جائے تھی پر اسکے گئے — ایسا اجڑا کہ کسی طرح بسایا نہ گیا

سحر گہ عید میں دورِ سبو تھا — پر اپنے جام میں تجھ بن لہو تھا

چمن کی وضع نے ہمکو کیا داغ — کہ ہر غنچہ دلِ پر آرزو تھا

سبز ہوتی ہی نہیں یہ سرزمیں — تخمِ خواہش دل میں تو بوتا ہے کیا

وصل و ہجراں یہ جو دو منزل ہیں راہِ عشق کی — دلِ غریب اُن میں خدا جانے کہاں مارا گیا

دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش — گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا

قدر رکھتی نہ تھی متاعِ دل — سارے عالم میں میں دکھا لایا

دل کہ یک قطرہ خوں نہیں ہے بیش — ایک عالم کے سر بلا لایا

یہ دل کہ خون ہوئے پر جانہ تھا وگرنہ — وہ کون سی جگہ تھی اسکو جہاں نہ پایا

منزل اس مہ کی رہا جو مدتوں اے ہمنشیں — اب وہ دل گویا کہ اک مدت کا ماتم خانہ تھا

روز و شب گزرے ہے پیچ و تاب میں رہتے تجھے — اے دلِ صد چاک کسکی زلف کا تو شانہ تھا

کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث — برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالا

دیر و حرم سے گزرے اب دل ہے گھر ہمارا — ہے ختم اس آبلے پر سیر و سفر ہمارا

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا — دل کے جانے کا نہایت غم رہا

دل نہ پہونچا گوشۂ داماں تلک — قطرۂ خوں تھا مژہ پر جم رہا

دل کی کچھ قدر کرتے رہنا تم — یہ ہمارا بھی نازپرور تھا

گر ہے یہ بیقراری تو رہ چکا بغل میں — دو روز دل ہمارا مہماں ہے ہمارا

ہیں اس خراب دل سے مشہور شہر خوباں — اس ساری بستی میں گھر ویراں ہے ہمارا

ماہیت دو عالم کھاتی پھرے ہے غوطے — اک قطرہ خون دل یہ طوفاں ہے ہمارا

ہے کتنا یہ دل سے ہے۔ اثر

کرتا ہے کام وہ دل جو عقل میں نہ آوے — گھر کا مشیر کتنا ناداں ہے ہمارا

کب مصیبت زدہ دل مائلِ آزار نہ تھا — کون سے درد و ستم کا یہ طرفدار نہ تھا

جدا جو پہلو سے وہ دلبر یگانہ ہوا — تپش کی یاں تئیں دل نے کہ دردِ شانہ ہوا

خلش نہیں کسی خواہش کی رات سے شاید — سرشکِ یاس کے پردے میں دل روانہ ہوا

کثرتِ داغ سے دل رشکِ گلستاں نہ ہوا — میرا دل خواہ جو کچھ تھا وہ کبھی یاں نہ ہوا

سنگ مجھ بجاں قبول اس کے عوض ہزار بار — تا بکجا یہ اضطرابِ دل نہ ہوا ستم ہوا

خرابی دل کی اس حد ہے کہ یہ سمجھا نہیں جاتا — کہ آبادی بھی یاں تھی یا کہ ویرانہ ہے مدت کا

دل عشق کا ہمیشہ حریفِ نبرد تھا — اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں آگے درد تھا

دل کی شکستگی نے ڈرائے رکھا ہمیں — وا چیں جبیں پر آئی یہاں رنگ زرد تھا

مانند حرف صفحۂ ہستی سے اُٹھ گیا — دل بھی مرا جریدۂ عالم میں فرد تھا

پوشیدہ رازِ عشق چلا جائے تھا سو آج — بے طاقتی نے دل کی وہ پردہ اٹھا دیا

اس صحن پر یہ وسعت اللہ ری تری صنعت — معمار نے قضا کے دل کیا مکاں بنایا

کل میں کہا وہ طور کا شعلہ کہاں گرا — دل نے جگر کی طرف اشارہ کی، یاں گرا

سینے میں شوقِ میر کے سب درد ہو گیا — دل پر رکھا تھا ہاتھ سو منہ زرد ہو گیا

تھا نزع میں دستِ میر دل پر — شاید غم کا یہی محل تھا

دل اگر کہتا ہوں تو کہتا ہے وہ یہ دل ہے کیا — ایسے ناداں دلربا سے ملنے کا حاصل ہے کیا

چوٹ میرے دل میں ایسی ہے کہ ہو نہیں مرہم پذیر — وہ کشندہ یوں ہی کہتا ہے کہ تو گھائل ہے کیا

ایکی جو گل کی فصل میں ہمکو جنوں ہوا — وہ دل کہ جس پہ اپنا بھروسا تھا خوں ہوا

دل نے کیا کیا نہ رات درد دئے — جیسے پکتا رہے کوئی پھوڑا ہو

کیا کہے حال کہیں دل زدہ جا کر اپنا — دل نہ اپنا ہے محبت میں نہ دلبر اپنا

دل عجب شہر تھا خیالوں کا — لوٹا مارا ہے حسن والوں کا

دل کو گل کہتے تھے درد و غم سے مرجھا یا گیا — جی کو جہاں سنتے تھے جہاں سا آیا گیا

جانسوز آہ و نالہ سمجھتا نہیں ہوں میں — اک شعلہ میرے دل سے اٹھا تھا جلا گیا

عشق گیا سر دین گیا ایماں گیا اسلام گیا
دل نے ایسا کام کیا جس سے میں ناکام گیا

ثبات قصر و در و بام وحشت گل کتنا
عمارت دل درویش کی رکھو بنیاد

گزرتی ہے کیا میر دل پر ترے
تو ہر لحظہ ہوتا ہے کچھ زرد زرد

تقدیس دل تو دیکھ ہوئی جسکو اس سے راہ
سر دے ہیں لوگ اسکے قدم کے نشان پر

دل کی حقیقت عرش کی عظمت سب ہے معلوم نہیں
سیر رہی ہے اکثر اپنی اُن پاکیزہ مکانوں کی

ٹک واشد ہوئی جب سے لگا دل
اکبی غنچہ ہے پژمردہ یا دل

کھنچتا ہے اُس طرف ہی کو بے اختیار دل
دیوانہ دل بلا زدہ دل بیقرار دل

سمجھا بھی تو کہ دل کسے کہتے ہیں دل ہو کیا
آتا ہے جو زباں پہ تری بار بار دل

طریق عشق میں ہے رہنما دل تو
پیمبر دل ہے قبلہ دل خدا دل

اس طرح دل گیا کہ ہم اب تک
بیٹھے روتے ہیں ہاتھ ملتے ہیں

متصل روتے ہی رہیے تو بجھے آتش دل
ایک دو آنسو تو اور آگ لگا جاتے ہیں

یہ جو سر کھینچے تو قیامت ہے
دل کو ہم پائمال رکھتے ہیں تو

لیتے ہیں سانس یوں ہم جوں تار کھینچتے ہیں
اب دل گرفتگی سے آزار کھینچتے ہیں

کاش کے دل دو تو ہوتے عشق میں
ایک رہتا ایک کھوتے عشق میں

تڑپے ہے متصل وہ کہاں ایسی روز و شب
ہے فرق میر برق و دل بیقرار میں

ضعف دماغ سے کیا پوچھو ہو اب تو ہم میں حال نہیں
اتنا ہے کہ تپش سے دل کی سر پر وہ دہمال نہیں

دل کے گئے بیدل کہلائے آگے دیکھیے کیا کیا ہو
گھر دل ہو دیں مفتوں ہو دیں مجنوں ہو دیں سو ہو

کچھ ڈر نہیں جو داغ جنوں ہو گئے سیاہ
ڈر دل کے التہاب کا ہے اس بہار میں

زبان نوحہ گر ہوں میں قضانے کیا ملایا تھا
مری طینت میں یارب سودۂ دلہائے نالاں کو

آرام ہو چکا مرے جسم نزار کو
رکھے خدا جہاں میں دل بیقرار کو

وقت قتل آرزو دے دل جو لگی پوچھنے لوگ
میں اشارہ کی اُدھر اُن نے کہا مت پوچھ

عنایت ازلی سے جو دل ملا مجھکو
محل شکر ہے آتا نہیں گلہ مجھکو

بار دل کی آہ و زاری ہو وے قبول کیونکر
اُن کی زباں پہ کچھ ہے دل میں ہے کچھ دعا کچھ

خانۂ دل سے زینہار نہ جا
کوئی ایسے مکاں سے اُٹھتا ہے

دل کس قدر شکستہ ہوا تھا کہ رات میر
آئی جو بات لب پہ سو فریاد ہو گئی

حرم کو جایئے یا دیر میں بسر کریئے
تری تلاش میں اک دل کدھر کدھر کریئے

نہ پوچھو کہ احوال ناگفتہ بہ ہے
مصیبت کے مارے ہوئے دل کا اپنے

برنگ بوئے غنچہ عمر ایک ہی رنگ میں گزرے
میسر میر صاحب گر دل بے مدعا آئے

رونا آتا ہے دمبدم شاید
کسو حسرت کی دل سے رخصت ہے

دل پر خوں کی اک گلابی سے
عمر بھر ہم رہے شرابی سے

ہمنے دیکھا کہ محبت نے ادا کیا کیا کی
ایک دل قطرۂ خوں تس پہ جفا کیا کیا کی

تپش سے رنگ اُڑا جاوے قلق سے جان گھبراوے
دیا ہے دل الٰہی ہم کو یا کوئی بلا دی ہے

ہوسے ہیں دل کی محویت سے یکساں یاں غم و راحت
نہ ماتم مرنے کا ہے میر نے جینے کی شادی ہے

دل بتیاب آفت ہے بلا ہے
جگر سب کھا گیا اب کیا رہا ہے

تنگ گریباں میں سر کو ڈال کے دیکھ
دل بھی دامن وسیع صحرا ہے

کیا جانئے کہ عشق میں خوں ہو گیا کہ داغ
چھاتی میں اب تو دل کی جگہ ایک درد ہے

گو وقت سے جاں لب پہ آئی ہے
ہمنے کیسا چوٹ دل پہ کھائی ہے

دیدنی ہے شکستگی دل کی
کیسا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

کعبے سو بار وہ گیا تو کیا
جس نے یاں ایک دل میں راہ نہ کی

ظلم سہے ہیں داغ ہوئے ہیں رنج اٹھائے ہیں دکھ کھینچے
اب وہ دل میں تاب نہیں جو لب تک آہ سرد کھینچے

دل گیا رسوا ہوئے آخر کو سودا ہو گیا
اس دو روزہ زیست میں ہی ہمکو کیا کیا ہو گیا

اثر لکھنوی

کبوتر اور سلسلۂ پیام رسانی

(از جناب مولوی مسعود الرحمٰن خاں صاحب ندوی رئیس پیلی بھیت)

تاریخ سے ہم کو کافی طور پر اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کبوتروں کے ذریعۂ خبر رسانی اور ڈاک کی ابتدا کس وقت سے ہوئی۔ مسلمانوں کے عروج و اقبال کے وقت سب سے پہلے سلطان نورالدین محمود زنگی نے اس طرف توجہ مبذول کی۔

۵۶۷ھ میں سلطان نورالدین نے اپنی وسیع قلمرو کو صلیبی لُیٹروں کی تاخت سے محفوظ رکھنے کے لئے موصل کے باہر کبوتروں کی جنکو مناسیب کہتے تھے ڈاک مقرر کی اور ملک کے اکثر مشہور حصوں میں اُن کی چوکیاں مقرر کیں اور ہر چوکی کے منشی یا نگران کو حکم تھا کہ جب کوئی غنیم اس کی چوکی کے حدود ارضی میں حملہ آور ہو یا کوئی ضروری و اہم واقعہ پیش آئے تو فوراً ایک کاغذ کے پرزے پر اس خبر کو لکھکر اگلی چوکی کے کبوتر کے بازو میں جو اس غرض و منشاء سے اکثر اس کے پاس محفوظ رہتے تھے باندھ کر چھوڑ دے۔ یہ پیغام رساں کبوتر نہایت تیزی سے اُڑ کر اگلی منزل یا چوکی پر پہونچ جاتا تھا اور وہاں اس چوکی کا منتظم اس کے بازو سے وہ پرچہ کھول کر دوسرے کبوتر کے بازو میں باندھ کر اُڑا دیتا تھا۔ اسی طرح سلسلہ بہ سلسلہ نورالدین زنگی کو نہایت تیزی سے اس کا علم ہو جاتا تھا کہ غنیم ملک کے کسی حصہ پر حملہ آور ہو رہا ہے جس کی مدافعت کی فوری تدابیر عمل میں لائی جاتی تھیں۔ اس عجیب و غریب طریقۂ اطلاع پر غنیم کو بہت سخت ندامت و پریشانی کا سامنا ہوتا تھا۔

مصر میں خلفاے فاطمئین نے بھی اس ضروری شعبہ کی طرف اپنی خاص توجہ سے کام لیا

نامہ بر کبوتروں کے پالنے اور ان کے غور و پرداخت کے لئے ایک مستقل محکمہ قائم کیا تھا۔ اور اس محکمے میں ایک خاص دفتر تھا جسمیں کبوتروں کے نسب نامے لکھے جاتے تھے۔ ناصرالدین اللہ عباسی نے ۵۹۱ھ میں پیغام رساں کبوتروں کے لئے ایک وسیع محکمہ قائم کیا تھا اور اپنی تمام قلمرو میں اخبار نویس پھیلا دیتے تھے۔ ان کا یہ خبر رساں محکمہ بہترین اور بہت باضابطہ محکمہ تھا۔ اعلیٰ نسل کے کبوتر نہایت تحقیق و تلاش کے بعد خریدے جاتے تھے۔ اور ان کے نسب نامے لکھنے میں خاص اہتمام ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ اعلیٰ نسل کبوتروں کی قیمت ایک ہزار دینار تک دیجاتی تھی۔

ناصرالدین اللہ کی اس کوشش اور خبر رسانی کے اس عجیب و غریب طریقے سے تمام مملکت عباسیہ میں ایک سرے سے دوسرے تک کوئی جدید واقعہ ایسا نہ تھا جس کی فوری اطلاع خلیفہ کو نہ ہوتی ہو۔ مراکش و سندھ میں بھی لوگ اس کی ہیبت سے ترساں و لرزاں رہتے تھے جس طرح خود دارالخلافہ بغداد میں۔

قاضی محی الدین ابن عبد الظاہر نے ایک مستقل تصنیف کبوتروں کے حالات پر لکھی ہے جس کا نام "تمام الطائر" ہے جسمیں نامہ بر کبوتروں کے نسب نامے اور ان کے عادات وخصائل پیغام رسانی اور پیغام نویسی کے طریقے اور اُن کے متعلق بہت سے دلچسپ واقعات بیان کئے ہیں۔

علامۂ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب "حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ" میں متعدد دلچسپ باتیں اس کتاب سے نقل کی ہیں جن کا اقتباس ضروری ذیل میں درج ہے:۔

علامہ لکھتے ہیں۔ کہ خبر جس کاغذ پر لکھی جاتی تھی اُس کو کبوتر کے بازو میں اس لئے باندھتے تھے کہ بارش سے محفوظ رہے۔ اور یہ امر آئین سلطنت میں داخل تھا کہ جسوقت کبوتر آسمان سے آستانۂ خلافت پر اُترے فوراً خلیفہ کو اطلاع کر دی جاوے خلیفہ بہ نفس نفیس اس پیغام رسان کبوتر کے بازو سے پرزہ کاغذ کو کھول کر پڑھتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تھوڑی سی غفلت وتساہل سے مہمات میں تغیر واقع ہو جاتا ہے ایسے وقت اگر خلیفہ کھانے پر بھی بیٹھ جاتا تو فوراً دسترخوان چھوڑ دیتا کبوتر اس کے سامنے لایا جاتا اور اس کے بازو میں سے وہ کاغذ کھولکر فوراً پڑھتا۔ خبر اس خاص قسم کے کاغذ پر لکھی جاتی تھی جسکو "ورق الطیر" کہتے تھے۔ خبر لکھنے کے وقت کاغذ پر حاشیہ نہیں چھوڑا جاتا تھا عموماً خبر کے وقت بسم اللہ نہیں لکھی جاتی تھی۔ اور مخاطب کے لئے کوئی القاب وخطاب کا ایراد نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ صاف وسادہ طرز تخاطب کافی سمجھتا تھا۔ عبارت کے اخیر میں بطور فال نیک کے حسبنا اللہ ونعم الوکیل لکھدیا جاتا تھا۔ اگر دو کبوتر ایک ساتھ چھوڑ دئے جاتے تھے تو اشارتاً ایک کا دوسرے میں ذکر ہوتا تھا۔ اگر ان میں سے کوئی کبوتر وقت پر نہ پہونچے تو اس کے آنے کا انتظار کیا جائے

ابو محمد قیروانی نے متعدد نظمیں ان کبوتروں کے حالات پر بہت دلچسپ لکھی ہیں۔ کبوتروں کی ڈاک مصر اور شام میں نور الدین زنگی کے وقت سے حاکم بامر اللہ کے زمانے تک برابر جاری رہی۔

اب ذیل میں ہم ایک ایسا نقشہ پیش کرتے ہیں جس سے کبوتروں کی منزلوں کا اندازہ بخوبی ہو سکیگا:۔

قاہرہ سے اسکندریہ تک۔ قاہرہ سے دمیاط تک۔ قاہرہ سے سویز تک۔ قاہرہ سے بلبیس[1] تک۔ بلبیس سے صالحہ[2] تک۔ صالحہ سے قطیا[3] تک قطیا سے وادہ تک۔ وادہ سے غزہ[4] تک۔ غزہ سے بلد الخلیل تک۔ غزہ سے بیت المقدس تک۔ غزہ سے نابلس[5] تک۔ غزہ سے لد[6] تک لد سے قاقون[7] تک۔ جنین سے صفد[8] تک جنین سے بسیان[9] تک

[1] بلبیس مصر میں ایک شہر ہے جو شام کے راستہ پر قسطاط سے تیس میل کے فاصلہ سے ہے۔ [2] صالحہ فرات دو جلہ کے دو آبہ میں واقع ہے۔ ۱۲
[3] قطیا مصر کی راہ میں ایک قصبہ ہے جو ریگستان میں واقع ہے۔ [4] غزہ شام کی انتہائی سرحد پر ہے جو مصر سے ملتی ہے۔ ۱۲
[5] نابلس بیت المقدس سے ۳۰ میل پر ہے۔ [6] لد بیت المقدس کے قریب ایک قصبہ ہے ۱۲
[7] قاقون فلسطین میں رملہ کے قریب ایک قلعہ ہے ۱۲
[8] صفد حمص کے قریب ایک پہاڑی قصبہ ہے ۱۲
[9] بسیان صوبہ اردن کا ایک شہر ہے۔

لد سے طفلس تک ۔طفلس سے ضمین[1] تک ۔ضمین سے دمشق تک ۔ینہال سے اذرعان تک ۔طفلس سے اذرعان تک ۔دمشق سے بعلبک تک دمشق سے قازا تک ۔ دمشق سے قرتبین تک ۔حمص سے حماۃ تک حماۃ سے معرۃ[2] تک ۔معرۃ سے حلب تک ۔حلب سے بیرۃ[3] تک حلب سے قلعتہ المسلمین تک ۔حلب سے بہنسی[4] تک ۔قرتبین سے تدمر[5] تک ۔تدمر سے سخنہ[6] تک ۔

مصر و شام میں کبوتروں کی پیام رسانی کا باضابطہ کام ابن فضل اللہ کے زمانے تک لیا جاتا رہا لیکن فضل اللہ کے بعد کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کب تک کبوتروں سے پیام رسانی کا کام لیا جاتا رہا اور کب اور کس دور میں اس سلسلہ کو منقطع کیا گیا ۔

مسعود الرحمٰن خان ندوی

---

[1] ضمین دمشق سے دو میل کے فاصلہ پر ہے
[2] معرۃ حلب کے نواح میں ۱۵ میل کے فاصلہ پر ہے ۔
[3] بیرہ حلب کے قریب ایک قلعہ ہے
[4] بہنسی ایک قلعہ ہے جو دریائے فرات کے مغربی کنارہ پر سمیاط کے قریب واقع ہے
[5] تدمر حلب سے ۵ یوم کی راہ پر ایک قدیم شہر ہے
[6] سخنہ تدمر کے قریب ہے ۔

حدیقۂ خوش نمائے اُردُو

۱۳۴۵ھ

عرصہ ہوا "مرقع" میں راقم نے مولانا حسینی مرحوم کا کچھ تذکرہ کرکے ناظرین کو اُن کے کلام سے روشناس کرادیا ہے۔ اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دیوان کی خصوصیتوں کو یکے بعد دیگرے بشرط فرصت و صحت پیشکش کرتا جاؤں اُن کی سوانح عمری بھی کسی وقت زیب سطر ہوگی۔ سردست وہ خاص طرز جو مولانا نے غزل نویسی میں اختیار کیا ہے اُس کی نسبت گزارش ہے کہ تمام غزلیات بلحاظ مضامین اپنے اپنے رنگ میں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔ پہلے نمونہ کی چند غزلیں جو خاص تصوف کے عطر میں ڈوبی ہوئی ہیں ملاحظہ ہوں:-

کلام صوفیانہ

ایک ہے اپنی ذات کیا کہنا　　سب ہے اُس کی صفات کیا کہنا
شوخ سنتا ہے بات کیا کہنا　　مُنہ سے لطف نبات کیا کہنا[1]
ہے جلال و جمال کفر و دین تو　　دیر کعبہ کی گھات کیا کہنا
قدر معراج ہر نمازی کو　　روز ہے شب برات کیا کہنا
عرش اعظم سے تا بہ تحت ثریٰ　　اپنی ہے کائنات کیا کہنا
خود کی پہچان کو عدم سے آ　　کھو دیئے ہم حیات کیا کہنا
لامکاں کا بیاں حسینی نے　　ساکنِ شش جہات کیا کہنا

ہو حسب و نسب میں تو کوئی نام میں خود　　عشق ہمکو کیا زلف کے لا دام میں خود
فرصت دی زمانہ تو کوئی پوچھے کسو کو　　ہر ایک یہاں اپنے ہی ہے کام میں خود
بلبل ہے ہوا گل کا تو پروانہ شمع کا　　ساقی دگو کیں ہے کوئی جام میں خود
اک ذات صفات ہو کے گئی ہو نمودار　　اظہر ہے من الشمس الف لام میں خود
جا سکتے نہیں حشر میں ہمراہ حسینی　　ہیں دیکھیے کب تک سحر اور شام میں خود

ڈھونڈتے تھے جسکو پائے کھو دیئے پر آپ کو　　مہر سے رکھتے ہیں ذرّہ جیسے اختر آپ کو
دیکھ لیتی ہیں بلندی پر جو اُڑکر آپ کو　　اب بتا دینا کہیں ہم کیسے ہیں پر آپ کو
دیکھتے ہیں موندنے سے آنکھ کے آپ ہی آپ　　جاتی ہے جس جا نظر پاتے ہیں واں پر آپکو
کہہ دیا تھا رب ہی موسیٰ لن ترانی سنتے تھے　　طور کے شعلے پہ غش تھے پاکے ششدر آپکو
پہنچے روح اللہ جا کر اوج سے بالائے چرخ　　فسخ ہو پایا یہودا قید اندر آپ کو
عرش سے تا فرش کل ارض و سما اختر ملک　　ابن آدم بیچ دل دکھلایا دلبر آپ کو
رائی کا پربت بنا ادھیں ہے تنکے کہ پہاڑ　　گاہ کرہم تنگ پائے گہ سمندر آپکو
دی حسینی نے اڑی ہے جگو موج باد و آب　　دشت و دریا کا سمجھ کاہ محقر آپ کو

کلام عاشقانہ

جاتا اس جاناں کی جانب ہے جانا مشکل　　زور قسمت سے جو پہنچے تو پھر آنا مشکل
دیکھ آیا جو وہ انوار تو گو نگاہی بنا　　سن قہقہہ کے شور کا ہے سنانا مشکل
ہمتو کہتے تھے بتوں سے تو نہ ملیو اتنا　　جان ہے زلف کے پیچوں سے چھڑانا مشکل
بات برداشت کسو کی تو ہے کرنا معلوم　　پاس اپنے ہی سخن کی ہے نبھانا مشکل

---

[1] بات اور نبات کی لفظی و معنوی خوبی ملاحظہ ہو۔
[2] اعراب و حرکت کا بگاڑنا قدیم اردو میں معیوب تھا
[3] دکھنی اردو میں بھنے مانند جیسا مستعمل تھا۔
[4] بات برداشت کرنا سخن کا پاس کس قدر لطف آمیز ہے۔

روتے روتے تو حسینی ہوے غرقابِ سخن　　سیل دریا کو کوئی ڈھب سے رُکانا مشکل

عشق سے روشن ہوئیں جب پیرتن کی ہڈیاں　　طور سے سرمہ نہیں ساری بدن کی ہڈیاں
لیلی عشق سے مجنوں پھرا کاسن صحرا کے بیچ　　الفت شیریں نے پھونکیں کوہ کن کی ہڈیاں
شمع سے پروانہ کر جاں کا ہوا روشن پتنگ　　جل گئیں ایسی اسیر و ملدمن کی ہڈیاں
ایکدم کی دید میں بھپکا اُٹھا جب شعلہ خیز　　ہو کے خاکستر اُڑیں کل ذی بدن کی ہڈیاں
ابتدا سے انتہا تک خوب دیکھو غور سا تھ　　ایک پل میں اف جلیں کیتی قرن کی ہڈیاں
دیکھکر اس بیشک بت کو مجھپہ دل سو مہرباں　　جلتی ہیں دن رات دیکھو برہمن کی ہڈیاں
سب تو جل برباد ہوگئے یہ حسینی خوب جاں　　حشر تک روشن رہیں اہل سخن کی ہڈیاں

بعد مدت مجھے اس بت ذکیا دوش بدوش　　شکر باری ہے کہ ملوا تو دیا دوش بدوش
زندگی میں وہی اک ہو دیگا بس میکدن　　سو دی ہاتھوں سو مجھے میر لیا دوش بدوش
جاگتے دیکھوں ہوں میں یا کہ اسی خواب کے بیچ　　آملے مجھ سو مری جی کا جیا دوش بدوش
پہنچے گا حسن حقیقت کو یہی قبح مجاز　　ہم نے پھرتے ہیں ملبوس ریا دوش بدوش

گفتم او از پے تو چمن آیم چہ شود　　گفت بگزار خودی را دبیا دوش بدوش
شربت وصل حسینی کو دیا با صفا نذ　　لب بلب سینہ بسینہ و ہلیا دوش بدوش

ہوگا ابو البشر سا کس کا بڑا کلیجا　　بار امانتی کو۔ لینا بڑا کلیجا
ہے افسر ظلوما۔ تسپر بنا جہولاً　　صد آفرین ای خاکی۔ تیرا بڑا کلیجا
اول سے تا بہ آخر۔ ہے سوختنا بہا ہی　　سکو نگل کے بیٹھا کتنا بڑا کلیجا
منصور بن انا الحق سولی پہ چڑھ گیا تو　　حق بات تو ہے اسکو۔ کتنا بڑا کلیجا
میراث جد کی اپنے۔ پایا عدو دل حکمی　　تیرا بھی ہے حسینی۔ ویسا بڑا کلیجا

تیرا ہے جیسا دل گردہ　　کس کا ہے ایسا دل گردہ
لاؤ خودی کا مارنے دم　　صاحب ہے سا دل گردہ
کھونے کو اپنا جاہ و مال　　چاہئے کیسا دل گردہ
راہ خدا میں پیدا کر　　حاتم طے سا دل گردہ
پایا حسینی لاکھوں میں ایک　　صاحب پیسا دل گردہ

الحاصل نمونہ کے طور پر دیوان حسینی سے چند غزلیں ناظرین "مرقع" کی تفریح طبع کے لئے پیش کی ہیں۔ ان غزلیات سے صوفیانہ رنگ اور عاشقانہ رنگ دونوں ظاہر ہیں۔ انشاء اللہ آئندہ وہ غزلیں پیش ہوں گی جنمیں ایک ہی فن کے آلات و اسماء کو جمع کرکے شاعر نے ہر غزل کو اپنی یادگار رہنا کے اُس زمانہ کی یاد دلائی ہے جب رنگ سخن کی جھلک کچھ اور ہی تھی میوہ جات۔ جواہرات۔ سواریاں۔ پاپوش۔ رنگ۔ سازہائے موسیقی وغیرہ جسقدر رائج و موجود تھے ان کے اندراج سے ہر غزل کو عجائب خانہ بنا دیا ہے۔ کلام ناصحانہ بھی دیکھنے اور سننے کے قابل ہے میاں نظیر اکبرآبادی کی طرح مخمسات و مسدسات کا بھی عجیب انبار لگا دیا ہے افسوس کہ ان جواہرات کو جمع کرنے کے لئے راقم کے ہاتھ بالکل ناکافی تھے

---

۵۱ کے بیچ قدیم دکنی اردو میں بیچ میں اندر کے ہیں۔ ۵۲ غور کے ساتھ غور سے۔
۵۳ جدید اردو میں "ہوگا"
۵۴ بن کے
۵۵ × ان چاروں غزلوں کی طرح ہر عضو معشوق کی ردیف قائم کرکے غزلیں کہی ہیں مثلاً ناک، گوش۔ کہنی گھٹنا۔ کمر وغیرہ وغیرہ

اور نہ اس شہر میں کوئی ہاتھ بٹانے والا موجود ہے جس کی امداد سے یہ بڑا کام انجام پا سکے اسی بزرگ روح کا تصرف ہے جس نے اس ننگ خاندان کو اتنی بھی توفیق دی جو تحریر کی صورت میں مرقع کے اوراق پر اسوقت نمایاں ہو رہی ہے۔ جدید اور قدیم اردو میں جو فرق بیّن ہے اس سے قطع نظر کرکے ناظرین تخیل اور آمد مضامین کو ملاحظہ فرمائیں۔

سید بشیر الدین احمد نقوی گلشن آبادی

عطیۂ غزل مولینا حسینی گلشن آبادی رحمۃ اللہ علیہ

جو اتفاقاً دیوانِ حسینی میں مطالعۂ راقم سے گزری ہے گویا آج سے ایک صدی بیشتر خاص "مرقع" لکھنؤ ہی کے لئے بطور پیشینگوئی اشاعت پر موزون کی گئی تھی۔ لہذا یہ فقیر (نبیرۂ حسینی) اس کو تحفتہً مکرمی سید مقبول حسین وصل کی نذر کرتا ہے۔

مصوّر جو بیٹھا مودّب مربّع — عجب کلکِ صنعت سے کھینچا "مرقع"
کیا خوب اسکو منقش مرسّم — مطلاّ مجلاّ معلاّ مقطّع
سراپا نزاکت مجسم نفاست — مہذّب مرتّب مذہب مرصّع
موقّر مفخّر معطّر منوّر — مطہّر معنبر مقرّر مسجّع
حسینی بعینی یقینی ببینی — مُوشّح مشرّح مفرّح مخلّع

سید بشیر الدین احمد نقوی گلشن آبادی

افاضاتِ اشرف

(از جناب مولوی سید شاہ امتیاز احمد صاحب بی اے اشرف کچھوچھوی علیگ)

مری کفن کو گریباں کا تار بھی نہ ملا — مری لحد کو چراغ مزار بھی نہ ملا
بُرا ہوا آبلہ پائی کا بڑھ گئے ساتھی — کچھ ایسا قافلہ چھوٹا غبار بھی نہ ملا
مری تلاش مری جستجو کا کیا کہنا — وطن بھی چھوٹ گیا کوئے یار بھی نہ ملا
پروں کو توڑ کے صیاد نے کیا آزاد — رہا نہ جبر مگر اختیار بھی نہ ملا
چراغِ بزم نے بس رات بھر کا ساتھ دیا — تمام عمر میں اک غمگسار بھی نہ ملا
بتائیں کیا تمہیں انجامِ جستجو کیا ہے — ہم آپ کھوئے گئے اور یار بھی نہ ملا
کسی کے واسطے دیکھو تو فرشِ راہ تھی آنکھ — کسی کو آپ کی محفل میں بار بھی نہ ملا
بس ایک زخم ہرے دے کے یادگار یہاں — ہمارا دل ہی گیا تیرِ یار بھی نہ ملا
عدم سے آئے تھے جسکی تلاش میں اشرف — وہ یار بھی نہ ملا وہ دیار بھی نہ ملا

استفسار نمبر ۲ مندرجہ "مرقع" ماہ ستمبر ۱۹۲۷ء
کا
جواب

(از خامۂ فیض شمامۂ استاذی حضرت حمد مدظلہ)

استفسار نمبر ۲ یہ ہے (ظاہر ہے کہ جن بحور میں زحاف ہوتا ہے اُن کو مزاحف کہتے ہیں اور جن میں کوئی زحاف نہیں ہوتا وہ سالم کہلاتی ہیں۔ بہت سے بحور مزاحف مستعمل ہیں اور کچھ سالم بھی مستعمل ہیں۔ مثلاً بحر ہزج سالم جس میں وزیر مرحوم کا مشہور شعر یہ ہے ؎

چلا ہے او دلِ راحت طلب کیا شادماں ہو کر　　زمینِ کوئے جاناں رنج دیگی آسماں ہو کر

اسی غزل میں ان کے تین شعر ہیں جنمیں تسبیغ موجود ہے۔ ایسی حالت میں ایک ہی شعر کا ایک مصرع مسبغ اور ایک مصرع سالم ہو گیا اور بقیہ تمام شعر وزن سالم میں ہیں تو سوال یہ ہے کہ تسبیغ کی حالت میں بحر سالم کی قید سے نکل گئی اور اگر نہیں نکلی تو باوجود مسبغ ہونے کے سالم کیونکر کہی جا سکتی ہے جس جس مصرع میں تسبیغ ہوئی ہے منجملہ اُن تین شعروں کے ایک شعر یہ ہے ؎

لبِ بام آکے گر دیکھو تماشا تم کو دکھلا دوں　　کمند آسا چڑھوں تارِ نگہ پر ناتواں ہو کر

اگر کسی مبتدی کا شعر ہوتا تو یہ کہنا آسان تھا کہ غلط ہے۔ لیکن یہ شعر مسلم الثبوت استاد کا ہے ایسی حالت میں کیا کہا جا سکتا ہے۔)

(**جواب**) میرے نزدیک یہ شعر تو مسلم الثبوت اُستاد کا ہے لیکن اگر کسی مبتدی کا ہوتا تو بھی اسکو غلط کہنا آسان نہ تھا بلکہ بالکل صحیح تھا۔ خواجہ وزیر مرحوم کا شعر مسطور الصدر اس غلط فہمی کی وجہ سے مورد اعتراض خیال کیا گیا ہے کہ جناب مستفسر صاحب "مزاحف" اور "سالم" بحور کی صفتیں سمجھ رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ خیال بھی جا ہوا ہے کہ کسی بحر کے سالم الارکان اوزان کیساتھ کسی رکن مزاحف کا استعمال گناہ ہے جیسا کہ استفسار میں اُنھوں نے اپنا خیال صاف ظاہر کر دیا ہے لیکن ایسا نہیں۔ مزاحف اور سالم ارکان ہوتے ہیں نہ کہ بحور۔ بحور کی صفت مزاحف الارکان اور سالم الارکان ہے۔ اور نہ اوزان سالم الارکان کیساتھ کسی رکن مزاحف کا استعمال ناجائز ہے۔ ہاں اگر شاعر اپنی کسی ایک نظم خاص میں کل ارکان سالم رہنے کا التزام کرے تو وہ بحر سالم الارکان کہی جائیگی یا بخیر سالم کہلے۔ ورنہ مزاحف الارکان۔

خواجہ وزیر مرحوم نے جو بحر ہزج مثمن میں غزل کہی وہ بالتزام ارکان سالم نہیں کہی جو خواہ مخواہ اس کی بحر کا نام سالم

رکھ لیا جائے۔ بلکہ مزاحف الارکان ہے کیونکہ زحاف تسبیغ اس میں کئی جگہ موجود ہے اور جن اشعار میں عروض مسبغ ہے اُن میں وزن حقیقی و مجازی کا اجتماع ہے جو حسب قرارداد اہل فن درست ہے۔ علاوہ اس کے اذالہ و تسبیغ ایسے زحاف ہیں جو کسی بحر کے وزن حقیقی کے ساتھ برابر مستعمل ہوتے ہیں۔ لہذا خواجہ وزیر کی غزل بحر کو سالم اور اُس کے کسی رکن کے مسبغ ہوجانے کو ناجائز سمجھنا بھی غلط فہمی ہے۔

اب ملاحظہ ہو کہ زحاف اذالہ و تسبیغ کن کن بحروں کے وزن حقیقی کے ساتھ مستعمل ہوتے ہیں۔ بحر رجز۔ کامل متدارک مدید بسیط۔ میں اذالہ۔ اور بحر ہزج۔ رمل۔ وافر۔ متقارب۔ طویل۔ قریب۔ خفیف میں تسبیغ کا دخل وزن حقیقی کے ساتھ ہوجاتا ہے۔ چنانچہ خواجہ وزیر مرحوم کی غزل بحر ہزج مثمن کے وزن حقیقی "ارکان سالم" مفاعیلن مفاعیلن دوبار کے ساتھ شعر مسطور الصدر میں باقاعدہ عروض مسبغ ہے چونکہ زیر بحث صرف بحر ہزج مثمن اور زحاف تسبیغ ہے لہذا اسی کے مطابق اردو اور فارسی میں اساتذۂ مسلم الثبوت کی مثالیں پیش کیجاتی ہیں۔

اردو میں ناسخ مغفور کی غزل جس کا مطلع ہے ؎

اسی سے رنگ ہے گل کا اُسی سے نشہ ہے مل کا — وہی نالہ ہے بلبل کا وہی نغمہ ہے قلقل کا

اس میں منجملہ نو اشعار کے صرف ایک اس شعر میں عروض مسبغ ہے ؎

فرشتے بھول کر مجھکو اٹھائیں گے یہ محشر میں — کہ ہوں کشتہ میں وقاتل تری تیغ تغافل کا

"محشر میں مفاعیلان" مسبغ باقی آٹھوں اشعار کے اوزان سالم الارکان مفاعیلن۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن دوبار ہیں

فارسی میں خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی کی غزل جس کا مطلع ہے ؎

مدام مست میدارد نسیم جعد گیسویت — خرابم میکند ہر دم فریب چشم جادویت

اسمیں بھی منجملہ نو اشعار کے ایک اس شعر میں عروض مسبغ ہے ؎

من از لطف صبا دارم سپاس نکہت جاناں — وگرنہ کو گزر بودی سحرگاہاں زمیں سویت

"ہت جاناں مفاعیلان" مسبغ۔ باقی آٹھوں اشعار کے اوزان سالم الارکان۔

ملاحظہ ہو کہ ان مثالوں کی حالت اور ان میں تسبیغ بنون غنہ بالکل خواجہ وزیر مرحوم کی غزل کے مطابق ہے ایسی تسبیغ چونکہ ناگوار خاطر نہیں لہذا اردو فارسی جس اُستاد کا کلام بحر ہزج میں دیکھا جائے ہر غزل اور قصیدے وغیرہ منجملہ کل اشعار سالم الارکان کے دو ایک شعر ایسے نظر آئیں گے جن میں تسبیغ بنون غنہ مثل غزل خواجہ وزیر کے موجود ہوگی اور تسبیغ بلاغنہ جو ناگوار اور ثقیل ہے وہ بھی اردو میں کمتر اور فارسی میں بیشتر کلام اساتذہ میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو خواجہ حافظ شیرازی کی غزل

جس کا مشہور مطلع ہے ؂

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل ما را　　بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

اس غزل میں منجملہ نو اشعار کے ان چار شعروں میں تسبیغ بلا غنہ ہے ؂

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت　　کنار آب رکناباد و گلگشت مصلا را

"نخواہی یاف مفاعیلان" مسبغ بلا غنہ ؂

فغان کین لولیان شوخ شیرین کار شہر آشوب　　چنان بردند صبر از دل کہ ترکان خوان یغما را

"رشہر آشوب مفاعیلان" مسبغ بلا غنہ ؂

ز عشق نا تمام ما جمال یار مستغنی ست　　بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روی زیبا را

"رمستغنیس مفاعیلان" مسبغ بلا غنہ ؂

نصیحت گوش کن جانا کہ از جان دوست تر دارند　　جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

"مستر دارند مفاعیلان" مسبغ بلا غنہ۔

جائے انصاف ہے کہ جب تسبیغ بلا غنہ جو ناگوار خاطر اور ثقیل ہے وہ تک کلام اساتذۂ مسلم الثبوت میں ارکان سالم کے ساتھ موجود ہے تو تسبیغ بنون غنہ جو نہ ناگوار ہے نہ ثقیل اور برابر کثرت سے کلام اساتذۂ اردو و فارسی میں ارکان سالم کے ساتھ مستعمل ہے وہ اگر بیچارے خواجہ وزیر کے کلام میں ہو تو قباحت کیا ہے۔ خدانخواستہ یہ غلط ہے تو قواعد علم عروض بھی غلط اور ایک خواجہ وزیر نہیں بلکہ تمام اساتذۂ فارسی و اردو کا کلام بھی مہمل جنھوں نے ایسا کیا۔

مجھے عبارت استفسار کے اس فقرے سے بڑی حیرت ہے (تو سوال یہ ہے کہ تسبیغ کی حالت میں بحر سالم کی قید سے نکل گئی اور اگر نہیں نکلی تو باوجود مسبغ ہونے کے سالم کیونکر کہی جا سکتی ہے) اس سوال کے جواب میں سوال یہ ہے کہ تسبیغ کی حالت میں بحر کو سالم کی قید میں ڈالا کس نے جو سالم کی قید سے نکل گئی؟ کیا خواجہ وزیر مرحوم کی کوئی تحریر یا ان کی طرف سے کوئی ثبوت اس امر کا موجود ہے کہ اس غزل میں انھوں نے بحر کے کل ارکان سالم رہنے کا التزام کر لیا اور ہدایت کر دی کہ یہ سالم ضرور کہی جائے اگر ایسا ہے تو بیشک خواجہ وزیر نے دھوکا کھایا اور ان کے التزام میں فرق آ گیا۔ ورنہ گستاخی معاف جناب مستفسر صاحب کی عروض دانی کا قصور ہے اور خواجہ وزیر کی غزل کی بحر بالکل علم عروض کے قاعدے اور استعمال اساتذہ کے موافق ہے جیسا کہ اوپر بخوبی ثابت کر دیا گیا۔

ہیچمیرز
حمد

نقد و تبصرہ

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

کی

چار مرسلہ کتب

اور

رسالۂ اردو

میری علالت اور دیگر اہم مصروفیتوں نے اب تک مجھے اس کا موقع نہیں دیا کہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) کی چار مرسلہ کتب اور اس کے مشہور و موقر سہ ماہی رسالۂ اردو پر نقد و تبصرہ کی خدمات کو انجام دیتا۔ یا اور بہت سی کتابیں جو بغرض ریویو موصول ہوئی ہیں اُن سب پر کچھ لکھ سکتا اب میں ان تمام موصولہ کتابوں پر رفتہ رفتہ ریویو کرتا جاؤں گا۔ آج ذیل کی کتابوں پر اس تاخیر کی معذرت کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔

(۱) رسالۂ "اردو" میرے پاس جولائی ۱۹۲۶ء کا رسالہ بغرض ریویو آیا تھا لیکن اس کے بعد مجھے اپریل ۱۹۲۷ء اور جولائی ۱۹۲۷ء کے دو اور نمبر ایک دوست کے ذریعے سے دیکھنے کو مل گئے جو اس وقت پیش نظر ہیں۔

یہ "انجمن ترقی اردو" اورنگ آباد (دکن) کا سہ ماہی رسالہ ہے جو اس کے معزز و فاضل سکریٹری محترمی جناب مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے کی ادارت میں ہمیشہ جنوری، اپریل، جولائی، اور اکتوبر کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوا کرتا ہے اور غالباً اس کے اجراء کا اب ساتواں سال ہے۔ جو اکتوبر ۱۹۲۷ء میں ختم ہو جائیگا۔

جناب مولوی عبدالحق صاحب کی قابلیت، تبحر، ادبی خدمات اور علمی کارناموں سے کون ایسا ہے جو واقف نہیں، میری خیال میں تمام ملک کو آپ کے ان اوصاف کا معترف ہونا پڑے گا۔ آپ کی ذات انجمن کے لئے روح رواں، اور رسالہ کے لئے خصوصیت کے ساتھ نعمت غیر مترقبہ ہے، آپ کی توجہ اور آپ کی سعی سے انجمن نے وہ خدمتیں کیں جن کے لئے دنیائے ادب ہمیشہ رہین منت رہے گی۔ بڑی بڑی نادر تالیفات و تصنیفات اس کے ذریعہ سے فراہم ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ کچھ شائع بھی ہو چکیں اور کوشش کی جا رہی ہے کہ برابر شائع ہوتی رہیں اور ملک کے لئے مفید و کارآمد ثابت ہوں۔ مولوی عبدالحق صاحب کی خدمات اور احسانات سے

انجمن تو انجمن تمام ادبی دنیا کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

رسالہ "اردو" آپ ہی کی سعی بلیغ کا کارنامہ ہے اور اس کو بغور مطالعہ کے بعد مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ مجموعی حیثیت سے یہ رسالہ اپنے رنگ میں آپ ہی اپنی نظیر ہے" اور سچ تو یہ ہے کہ جس رسالہ کی عنان ادارت ایسی قابل فاضل ہستی کے ہاتھوں میں ہو اُس کا کہنا ہی کیا۔

یہ رسالہ ۲۰/۳۰ ۱/۸ کی تقطیع پر کم از کم ایکسو صفحوں پر شائع ہوتا ہے، کاغذ بھی اچھا اور طباعت بھی صاف ہے، ٹائیٹل پیج ایسا ہے کہ رسالہ کی جلد بندی کی ضرورت نہیں پڑتی اور فوراً مطالعہ کرنے سے رسالہ کی ظاہری حیثیت میں کوئی فرق آسکتا ہے بلکہ ایک مجلد کتاب معلوم ہوتی ہے جس کے سرورق پر نمبر وغیرہ کے علاوہ نستعلیق حرفوں میں "اُردو" کا لفظ اپنی زینت و خصوصیت دکھا رہا ہے جس کے نیچے کسی قلعہ کا نقشہ اُسکی معنوی شکری شان کو دوبالا کر رہا ہے نقشہ کے بعد نستعلیق حرفوں ہی میں انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن) کا سہ ماہی رسالہ طبع ہے اور جس قدر عبارت ہے نسخ و نستعلیق سب ٹائپ کی چھپی ہوئی ہے۔ لیتھو کی طباعت سے جن کو سابقہ رہا ہے یا رہتا ہے وہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس میں کیا کیا دشواریاں اور پریشانیاں ہوتی ہیں ہم جناب مولوی عبدالحق صاحب کو مبارکباد دینگے کہ اُنھوں نے لیتھوگرافی کی دقتوں سے اپنے آپ کو بچا لیا اور اپنے یہاں اردو ٹائپ کا پورا انتظام کر لیا اس میں شک نہیں کہ ابھی عام طور سے اردو ٹائپ کے حروف میں پڑھنے کے لوگ عادی نہیں لیکن متواتر پڑھنے اور کثرت مطالعہ کے بعد یہ مساوات ہو جائیگی۔ اور جو طبیعت کو گرانی اور آنکھوں کو بار معلوم ہوتا ہے وہ نہ ہوگا اور ہر ایک۔ ن کو دلچسپی سے پڑھنے کا عادی بنجائیگا۔

اس ٹائپ اور طباعت وغیرہ کے انتظام میں میرے محترم بزرگ جناب مولانا مولوی محمد عبدالحلیم شررؔ مرحوم و مغفور کے صاحبزادے مولوی محمد صدیق حسن صاحب کی محنت و جانفشانی بہی قابل ستائش ہے جنھوں نے نہایت خوبی و خوش اصلوبی سے لیتھوگرافک کو چھوڑ کر اردو ٹائپ کی طباعت میں قابل قدر ترقی کی اور کر رہے ہیں۔ اردو پریس اورنگ آباد دکن کا انتظام آپ ہی کے [illegible]

لیکن اتنا میں ضرور عرض کروں گا کہ باوجود بہت سی آسانیوں کے موجود ہونے اور ٹائپ کے ساماں کے فراہم ہونے کے بھی اگر مصور مضامین "اردو" میں شائع نہیں ہوئے تو "اُردو" پر یہ ایک الزام ہے جس کی طرف ہمارے قابل و فاضل مدیر و سکریٹری انجمن کو جلد اپنی توجہ مبذول کرنا چاہیئے۔

حُسن ترتیب تو مولوی صاحب ممدوح کا خاص حصہ ہے اس کی نسبت لکھنا بیکار ہے اب صرف مضامین کی حیثیت اور نوعیت کا سوال باقی رہتا ہے جس کے لئے یہ کہنا ہرگز بیجا نہ ہو گا کہ رسالہ اپنے بیش بہا مضامین کے لئے اردو رسائل میں ہمیشہ ممتاز رہا اور اُس کی یہ خصوصیت پیش نظر نمبروں سے بھی ظاہر ہے۔

مضامین کے انتخاب میں اس کے مدیر کی قابلیت ہر طرح تحسین و آفرین ہے۔ جولائی سنہ ۱۹۲۶ء کے نمبر میں "اردو شاعری پر اعتراض

کی نظر اور تحقیق کی نگاہ" کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا ہے وہ ہمارے قابل کرمفرما جناب مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی ایم اے لکچرار لکھنؤ یونیورسٹی کے زور قلم اور زود رطبع کا بہترین نمونہ ہے۔ اس مضمون کو ہم "اردو" میں شائع ہونے سے پہلے "مسلم کلب لکھنؤ" کے جلسہ میں خود صاحب مضمون کی زبان سے بغور سن چکے ہیں، یہ مضمون کلب کے ممبران نے بہت کچھ پسند کیا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جس خوبی سے ہمارے محترم لکچرار صاحب نے اعتراضات کے جوابات دئے ہیں وہ انھیں کا کام تھا، لیکن اگر اس مضمون پر حقیقی معنی میں رائے زنی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ مضمون کافی اصلاح کا محتاج ہے اور یہ کہنا پڑے گا کہ جو جوابات دئے ہیں وہ اس قدر کافی نہیں ہیں جتنے سمجھے گئے ہیں، بس اتنا ضرور ہے کہ :۔

دل کے خوش کرنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

لیکن یہ مضمون بہت ہی محنت سے لکھا گیا ہے جس کی اگر داد نہ دی جائے تو سخت حق تلفی ہے۔ اگر رسالۂ اردو میں ایک مستقل عنوان "شذرات" یا "مضامین رسالۂ اردو پر نقد و تبصرہ" کے عنوان سے قائم ہوتا تو زبان اُردو میں ایک قابل قدر اضافہ ہو جاتا اور دنیائے ادب جناب مولوی عبد الحق صاحب کے مفید خیالات اور تحقیق و تدقیق سے بہرہ مند ہو کر بہت کچھ ترقی کرتی اس کمی کا دور کرنا میرے خیال میں نہایت لازمی اور ضروری ہے۔ ہر مضمون کو شائع کر دینا بغیر کسی رائے زنی کے یہ ایسے قابل مدیر کے لئے ہرگز درست نہیں ہے۔

مین اس کی مثال میں اسی جولائی نمبر کے "احساس شباب" والی نظم کو پیش کرتا ہوں، غالباً یہ نظم بغور مطالعہ کے بعد شائع نہیں ہوئی ذیل کے خط کشیدہ الفاظ کو ملاحظہ فرمایئے اور دیکھئے کہ کہاں تک کہ یہ الفاظ زبان اور محاورے کے صحیح معیار پر اُتر سکتے ہیں۔

میرے دل میں حشر بھرا نہ تھا۔ مجھے یہ کدھر کی بلا لگی — مری آنکھ سرخ پڑی ہے کیوں۔ میرے دل میں ایک چبھن سی ہے۔ اس کے علاوہ اگر معناً غور کیا جائے تو بہت سے مصرعے اور شعر بیکار ثابت ہوں گے۔

جناب پنڈت برجموہن وتاتریہ صاحب کیفی کی نظم "روپ جالیسا" عمدہ نظم ہے حسن نطرت کی عجیب عجیب گلکاریاں دکھائی ہیں جناب محوی کی نظم "نوید شباب" بھی اُردو شاعری کا پُر کیف نغمہ ہے۔

جناب حسن شاہد صاحب (سہروردی) کا مضمون "ادبی بات چیت" ۳۔ "روش خاص" کاوش اور تحقیق کا شاہد ہے۔

۱۹۲۶ء کے اپریل نمبر میں جناب حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری کا مضمون "شاہ نامہ کا دیباچۂ قدیم" اور مسٹر ڈی۔ بی کامت صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی کا مضمون مرہٹی لٹریچر میں سوانح عمریاں" اُردو ادبیات میں مفید اضافہ ہیں، جناب مولوی سید ہاشمی صاحب کی نظم "کالی ناگن" اور جناب آزاد عظیم آبادی کی نظم اپنی اپنی جگہ پہ نہایت لطیف و دلچسپ ہیں۔ مضمون "اساتذہ کی اصلاحیں" جس میں جناب صفدر مرزاپوری نے اساتذہ کی اصلاحیں جمع کی ہیں جو اُن کی خاص جانکاہی اور محنت شاقہ کا نتیجہ ہیں ہر طرح قابل تعریف ہے۔

جناب مدیر کے دو مضامین قدیم اُردو اور بادۂ کہن، یہ بھی دلچسپی سے پڑھنے کے قابل اور وسعت معلومات کے لئے ضروری ہیں۔

۱۹۳۲ء کے جولائی نمبر میں جناب نواب مسعود جنگ بہادر کا "ترجمۂ خطبات گارساں" د تاسی" اور مرزا فتح اللہ بیگ صاحب بی اے کا مضمون "ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ اُن کی زبانی" ہر طرح قابل مطالعہ ہیں۔ اس نمبر میں بھی اساتذہ کی اصطلاحیں مکرمی جناب صفدر مرزاپوری کی درج ہیں جن کی نسبت میں اس سے پیشتر اظہار خیال کر چکا ہوں لیکن اس نمبر میں جو اصطلاحیں درج ہیں اُن کی نسبت انشاء اللہ بوقت فرصت خصوصیت کے ساتھ کچھ عرض کروں گا اور جناب مدیر کو چند خاص امور کی طرف توجہ دلاؤں گا۔ لیکن جناب صفدر کی سعی بلیغ سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ ہر شخص کو اُنکی جد و جہد، محنت شاقہ اور تلاش و جستجو کا معترف ہونا پڑیگا۔

بہ حال ہندوستان میں یہ موقر رسالہ "اردو" بہترین حسن اور اعلیٰ خوبیوں سے آراستہ ہے اور اس قابل ہے کہ ہر علمی اور ادبی ذوق رکھنے والا اس کے مطالعہ سے فائدہ حاصل کرے اور ہمارے محترم جناب مولوی عبد الحق صاحب بی اے مدیر رسالہ کی انتھک کوششوں کی دل سے داد دے رسالہ کی قیمت مع محصول ڈاک سات روپے سالانہ ہے۔

(۲) فرہنگ اصطلاحات علمیہ

یہ کتاب انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) کی اُن مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے جس کے لئے اُردو ادب ہمیشہ انجمن کا رہین منت رہیگا۔ انجمن نے اس کتاب کو شائع کرکے اپنی اُن تمام ترقیوں اور کوششوں کا بہترین کارنامہ پیش کیا ہے جو اُس نے ابتدا سے لیکر اسوقت تک نہایت مستعدی، ہمت اور استقلال کے ساتھ علمی حیثیت سے دکھائیں۔

اس کا دیباچہ جو انجمن کے معزز سکریٹری جناب مولوی عبد الحق صاحب بی اے نے تحریر فرمایا ہے، بہت خوبی سے ترتیب دیا گیا ہے، جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ اپنا بیش قیمت وقت صاحب دیباچہ نے اس کی ترتیب و تدوین، صحت و تحقیق اور عام ضروری نظم و نسق میں جو اس کے لئے ضروری تھے صرف کیا ہے۔ جناب حاجی عبد الرحمٰن خان صاحب فرسٹ اسسٹنٹ امپیریل ایکونامک بوٹنسٹ پوسا نے ہیئت و نباتیات کی اصطلاحوں کی ترتیب میں کافی امداد فرمائی، مولوی عنایت اللہ صاحب بی اے ناظم شعبۂ تالیفات و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد (دکن) نے بھی اصطلاحیں بھیجیں اور اورنگ آباد کالج کے پروفیسر محمد ابراہیم صاحب ایم اے، پروفیسر وہاج الدین صاحب بی اے۔ بی۔ ٹی۔ پروفیسر کریم احمد صاحب بی اے۔ ایم۔ ٹی، پروفیسر عزیز الرحمٰن صاحب۔ ایم ایس۔ سی۔ اور سید غلام ربانی صاحب نے اسکی ترتیب و تصحیح وغیرہ میں سکریٹری کا ہاتھ بٹایا۔ غرضکہ اس طرح پر یہ مجموعہ نہایت کوشش و جانفشانی کے ساتھ مرتب ہو کر شائع ہوا۔

دیباچہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اصطلاحات کے وضع کرتے وقت کون سے اصول پیش نظر رکھے گئے۔ بعض اصطلاحیں جو رائج ہو گئیں تھیں لیکن صحیح نہیں تھیں یا جن سے اشتقاق و ترکیب کی رُو سے آگے لفظ نہیں بن سکتے تھے انہیں ترک کر دیا ہے اور اُن کے بجائے دوسرے الفاظ وضع کر لئے گئے ہیں ان اصطلاحات میں انگریزی کی تقلید نہیں کی گئی ہے بلکہ ایسے الفاظ تجویز کئے گئے ہیں جو جدید تحقیقات کی رو سے صحیح مفہوم ادا کرتے ہیں گویا ایک طرح یہ اصطلاحات زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ اس طرح جو اصول قائم کئے گئے ہیں اور جن کا کتاب کے پڑھنے سے پہلے معلوم کر لینا ضروری تھا اُن سب کا اظہار کر دیا گیا ہے۔ آخر میں یہ بھی لکھدیا ہے کہ جو اصول ہمنے قائم کئے ہیں اُن پر ہم بعض اوقات عمل نہیں کر سکے ہمیں اس کا اعتراف ہے

یہ پہلا مرحلہ اور ابتدائی کوشش ہے لیکن ہمیں توی امید ہے کہ جو داغ بیل ہمنے ڈالی ہے آئندہ چلنے والے اُسے زیادہ ہموار اور صاف بنائینگے۔
اس دیباچہ میں یہ امید بھی دلائی گئی ہے کہ یہ کتاب کی پہلی جلد ہے۔ باقی علوم کی اصطلاحات بھی تیار ہو رہی ہیں۔ وہ بعد ازاں شائع ہوں گی۔
اس جلد میں بعض اصطلاحات مکمل نہیں ہیں اس کی تکمیل پھر کسی وقت جب کتاب دوسری بار طبع ہو گی تو کر دی جائیگی" وغیرہ وغیرہ
یہ خلاصہ ہے اُس دیباچہ کے اہم امور کا جو سولہ صفحوں میں ختم ہوا ہے اُس کے بعد ۴۹۶ صفحوں میں اصطلاحات ہیں اور ۴۹۷ سے ۵۹۲ صفحہ تک ضمیمہ اور ۴ صفحوں میں صحت نامۂ کتاب ہے۔

شروع میں فہرست مضامین کے عنوان کے تحت میں اُن بیس علوم کے نام انگریزی میں درج ہیں جن کی اصطلاحات اس کتاب میں درج ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ان علوم کا کوئی ترجمہ درج نہیں ہے اور اگر تمام کتاب کو اُلٹ ڈالئے تو صرف علم ہیئت و نباتیات کے سوا اور کسی علم کا ترجمہ شاید ہی کہیں مل سکے یہ ایک بہت بڑا نقص باقی رہگیا ہے امید ہے کہ اس کے دوسرے اڈیشن میں اسکا خیال رکھا جائیگا۔

اصطلاحوں کا ترجمہ نہایت مشکل اور اہم کام ہے اور مترجمہ اصطلاحوں پر خاص و عام کا اتفاق اس سے بھی زیادہ دشوار ہے ایک طبقہ غیر اصطلاحوں کو اُردو میں لینے کے لئے بالکل تیار ہے اُس کے نقطۂ نظر سے انجمن کی اس سعی کا کچھ حاصل نہیں۔ لیکن چونکہ انجمن مذکور ہندوستان میں (Lingua Franca) کا مرتبہ دینا چاہتی ہے اس بنا پر اس کی کوشش ہے کہ فارسی اور ہندی کی عام فہم اصطلاحات کا رواج جہاں تک ممکن ہو اردو زبان میں ہو لیکن اس کا کیا علاج کہ کچھ لوگ اصطلاحات کو عام فہم کرنا ہی پسند نہیں کرتے ترجمۂ اصطلاحات میں اختلاف ہے اور رہیگا اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے آسان صورت یہ ہے کہ اُنہیں عام طور سے رائج کر دیا جائے بعض بعض جگہ ترجمہ میں تغیر و تبدل اور اصلاح کی ضرورت ہے اور جو ترجمہ کیا گیا ہے اس سے بہتر ترجمہ ہو سکتا تھا مثلاً "Socialism" کا ترجمہ "اشتراکیت" کیا گیا ہے ہمارے خیال میں "اجتماعیت" زیادہ موزون ہو گا علاوہ بریں Communism کا ترجمہ "اشتراکیت" رائج بھی ہو چکا ہے جو غلط نہیں ہے۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ آئندہ نظر ثانی کے وقت یہ سب خامیاں رفع ہو جائینگی یا جن علوم کی ضروری اصطلاحیں رہ گئی ہیں وہ پوری کر دی جائینگی اور جہاں ایک ہی لفظ کے دو دو یا کئی ترجمے کئے گئے ہیں اُن پر بھی مزید غور کر لیا جائیگا۔

اسوقت تک اس کتاب پر بہت سے نقد و تبصرہ ہوئے ہوں گے بعض بعض نے اتفاق اور بہت سے لوگوں نے اختلاف کیا ہو گا لیکن انجمن کو ان اختلافات سے کوئی بُرا اثر نہ لینا چاہئے نہ بددل ہونا چاہئے لیکن اپنے معیار و منشا کو مد نظر رکھکر اپنی سعی کو جاری رکھنا چاہئے اور جس قدر اختلافات ہوئے ہیں اُن کو پڑھ کر صحیح نتیجہ نکالنے کی کوشش کرنا چاہئے جس سے طبع ثانی کے وقت بہت کچھ مدد ملیگی اور اس کا دوسرا اڈیشن بہت سی مزید کامیابیوں کے ساتھ شائع ہو گا۔ ہر چیز کی وضع کے وقت اختلافات زیادہ ہوتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ جب لوگ عادی ہو جاتے ہیں تو یہی اختلاف اتفاق سے بدل جاتے ہیں اور اختلاف کرنے والے وضع کرنے والوں کے ساتھی اور اس کے ممد و معاون ہو جاتے ہیں۔ انجمن نے نیک نیتی سے ایک مفید اور مفید تر کام کا آغاز کیا ہے اُسکو اپنی کوششوں کو برابر جاری رکھنا چاہئے بلکہ اُس کو اور ترقی دینا چاہئے انشاء اللہ ایک روز

یہی کتاب ہر خاص و عام میں مقبول ہوگی اور انجمن کے وضع کردہ اصطلاحات عام طور سے رائج ہوجائیں گی - ہم انجمن کی اس بے بہا تالیف پر دلی مبارکباد دیتے ہیں -

اس کتاب کی چھپائی بہت صاف ہے کاغذ بھی سفید گندہ ہے کتاب کی قیمت بھی چھ روپیہ کسی طرح زائد نہیں - ملنے کا پتہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ہے

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق

فخر ملک و ملت جناب نواب مسعود جنگ بہادر سید راس مسعود صاحب بی اے (آکسن) آئی-ای-ایس ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیمات حیدرآباد دکن مولف انتخاب زرین کی مشہور انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے جسکو جناب محمد عنایت اللہ صاحب بی اے ناظم شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے سلیس اردو میں کیا ہے -

زیر نظر کتاب جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے- جاپان کی مختصر تاریخ اور اس کے ادارۂ تعلیمات کے مبسوط حالات پر مشتمل ہے - اس کتاب میں چھ صفحہ کا دیباچہ سید راس مسعود صاحب کا لکھا ہوا ہے جسمیں انھوں نے جاپان میں ساڑھے تین مہینے دیگر اپنی مصروفیوں کا ذکر کیا ہے اور اس کتاب کی تالیف میں جس جس طرح انھوں نے اپنا وقت صرف کیا ہے اس کا مختصر بیان اور اس کتاب کے لکھنے سے جو اُن کی غرض و غایت ہے اس کا اظہار ہے -

یہ کتاب گویا ساڑھے تین مہینے کی کاوش و جد و جہد سے مرتب کی گئی ہے- لیکن درحقیقت یہ ایسی کتاب ہے جو برسوں کی سعی کے بعد بھی مشکل سے لکھی جا سکتی تھی-

ہندوستان کے ہر فرد بشر کو نواب مسعود جنگ بہادر کا ممنون منت ہونا اور آپ کی جانفشانی کی دل سے داد دینا چاہئے - دیباچہ کی طرح اس کتاب کے تین باب ہیں جسمیں جاپان اور اہل جاپان کے خصائل سے لیکر تعلیم و صنعت و حرفت پر اُس کو ختم کیا ہے چوبیسویں باب میں نتیجہ ہے اور ۵۰۲ صفحہ سے لیکر ۲۴۲ صفحہ تک نقشہ ہے جاپان کی تعلیمی ترقی کو سمجھنے کے لئے اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ وہاں کے حالات سے کم از کم مختصر طور ہی پر واقفیت حاصل کی جائے جس کی روشنی میں ہم یہ صاف طور پر دیکھ سکیں کہ ابھی علمی ترقی کن کن مدارج سے گزر چکی ہے ہماری نظروں میں جاپان کے تعلیمی نظم و نسق کے حالات اُس سے زیادہ اہم ہیں جتنے امریکہ جرمنی یا فرانس کے ہوسکتے ہیں کیونکہ جاپان ایک ایشیائی ملک ہے اسپر بھی ایک زمانہ میں وہ دور گزر چکا ہے یا گزرنے والا ہی تھا جو آج ہم پر گزر رہا ہے - زیر نظر کتاب پر تبصرہ کرنے والے کو بھی وہی دقت محسوس ہو رہی ہے جو مرتب کتاب کو ہوئی تھی یعنی یہ کہ وہ بھی ایشیائی ہے- اُس دل بھی جاپان کی ترقیوں کو دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہوجاتا ہے اُس کی نظری ہمدردی جاپانیوں کے عیوب کو اسکی نظروں سے اگر کچھ نہیں تو پوشیدہ کر رہی ہے -

کتاب مذکور سے ہندوستان بہت کچھ مستفید ہو سکتا ہے جاپان کی موجودہ ترقی بہت کچھ اس حقیقت کی رہین منت ہے کہ اُس نے ابتدا میں باوجود کم مائگی کے اپنی ہی زبان کو ادنیٰ و اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنایا- ہندوستان اسوقت تک کبھی ترقی نہیں کر سکتا جب تک کسی ملکی زبان کو عام طور پر ذریعۂ تعلیم نہ بنایا جائے- جو لوگ کسی سلسلے میں ہندوستانی زبانوں کی کم مائگی کا رونا روتے ہیں انہیں جاپان کی مثال سے بصیرت حاصل کرنا چاہئے - اور اُن کی ایسی تقلید کو اپنا شعار بنانا چاہئے جاپان کی یہ مختصر تاریخ اس کی علمی ترقیوں کے رموز و اسرار کو منکشف کرنے میں مدد و معاون ہوگی اور ممکن ہے کہ اُسکی تقلید ایک دن ہندوستان کی تمام ترقیوں کا باعث ہوجائے اس کتاب ترجمے میں اصل کتاب کا پورا زور اور لطف موجود ہے- ہماری رائے ہے کہ ہر محب وطن کو جو ہندوستان کی ترقی اور کامیابی کا حامی ہے اس کتاب کا ایک بار ضرور مطالعہ کرنا چاہئے- یہ کتاب مسلم یونیورسٹی انسٹیٹیوٹ پریس علی گڑھ میں طبع ہوئی ہے- کتاب کا سائز $\frac{۲۰}{۲۶}$ $\frac{۱}{۸}$ ہے لکھائی چھپائی اچھی ہے اور کاغذ بھی عمدہ ہے- قیمت فی جلد ۳ ر ملنے کا پتہ :- انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ہے -

حقیقت اسلام۔ ترجمہ نوٹس آن اسلام یہ کتاب عالیجناب نواب سر محمد حسن خاں صاحب امین جنگ بہادر بالقابہ نے اپنے صاحبزادوں کی واقفیت کی غرض سے انگریزی میں لکھی تھی جو ایک زمانے میں انگلستان میں تعلیم پا رہے تھے۔ اب مولوی علی بشیر صاحب مصنف تحقیق حق وغیرہ نے اس کا اردو میں عام فہم ترجمہ کیا ہے۔ جناب مترجم نے کتاب مذکور کے دیباچے میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک پادری صاحب نے ان طلباء کی مذہبی کم علمی سے فائدہ اٹھا کر خواہ مخواہ رہ رہ کر مذہبی بحثیں چھیڑ دیا کرتے تھے طلباء نے اپنے والد صاحب نواب سر امین جنگ بہادر کی خدمت میں وہ اعتراضات پیش کئے جو پادری صاحب وقتاً فوقتاً اسلام پر کیا کرتے تھے۔ جناب نواب صاحب ممدوح نے اسلام کے بہترین مذہب ہونے کے ثبوت میں چند یادداشتیں لکھکر اپنے ہفتہ وار خطوط کے ساتھ منسلک کرکے اپنے بچوں کے پاس انگلستان بھیجدیں اور یہی خطوط مرتب ہو کر ایک کتاب کی صورت میں نوٹس آن اسلام کے نام سے موسوم ہوئے اور اس کے مسودوں کو دیکھکر بہت سے ذی علم حضرات نے اس مجموعہ کو پسند کیا۔ کتاب کی شان نزول صاف بتا رہی ہے کہ اس میں اسلام کی حقانیت کو دلائل و براہین سے ثابت کیا ہوگا کتاب گو مختصر ہے مگر اُن خیالات کے لحاظ سے جن کی بنا پر یہ کتاب مدون کی گئی ہے جامع ہے۔ کتاب کا موضوع جیسا اُس کے نام اور شان نزول سے ظاہر ہے "موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اسکی صداقت کا بیان ہے"

یہ کتاب اُن لوگوں کے لئے ضرور مفید ہے جو اسلام کی صداقت اور حقانیت کو انگریزی تعلیم کے اثر سے سائنس کی میزان پر تولنا چاہتے ہیں جب ذیل ابواب ان خیالات سے مملو ہیں جنسے بڑی حد تک اس جماعت کو استفادہ حاصل ہو سکتا ہے۔ مذہب کیا ہے؟ حقیقی اسلام کیا ہے؟ وہ جو اسلام نہیں ہے؟ اسلام اور غیر اسلام؟ اسلام کیوں بہترین مذہب ہے؟ کتاب انجمن ترقی اردو پریس اورنگ آباد دکن میں ٹائپ میں نہایت صاف اور اچھے کاغذ پر چھپی ہے اور اس قابل ہے کہ نوجوان مقلد مغرب مسلم کی نظر میں کافی وسعت پیدا کردے۔ ظاہر ہے کہ کتاب مذکور کے عقاید اور (Orthodox muslim Sunni) کے عقاید میں بعض مقاموں پر بین اختلاف ہوگا لیکن کتاب کو اس نظر سے دیکھنا چاہئے کہ جس نقطۂ نظر سے یہ لکھی گئی ہے اور ضرورت ہے کہ اسلام کو وسیع النظری سے دیکھا جائے "اسوقت عقاید یا قرآن اور حدیث و فقہ کی کسوٹیوں پر ہم اسکے ایک ایک لفظ کو جانچنے کیلئے بیٹھے ہیں بلکہ منشائے تصنیف کو ہمیں ظاہر کر دینا ہے اور نیت کا اظہار ہماری غرض ہے اور ان دونوں امور کے لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ منشائے تصنیف ضرور سائنس کے ذریعہ سے اسلام کی حقانیت کو دلائل و براہین سے ثابت کرنا ہے اور نیت کا نیک ہونا ہر طرح ثابت ہے مصنف نے اپنے بچوں کیلئے ان شکوک و شبہات کو جو اسلام کی نسبت ہو سکتے تھے دور کیا۔ عربی عبارتوں میں بہ ظاہر غلطیاں نمایاں ہیں۔ جناب مترجم نے تو کمال ہی کیا ہے صفحہ ۹ میں وہ لکھ گئے ہیں کہ اللہ جمیل ویحب الجمال آیت قرآنی ہے ان امور میں احتیاط لازم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ دوسرے ایڈیشن کے وقت ایسی فاش غلطیاں ضرور رفع کر دی جائیں گی۔ یہ کتاب اُن لوگوں کو ضرور بغور مطالعہ کرنا چاہئے جو سائنس کے ذریعہ سے اسلام کی صداقت و حقانیت کا ثبوت مانگتے ہیں۔ اس لحاظ سے ایسی بہتر کتاب اُن کو شاید ہی کوئی اور مل سکے۔ اس کتاب کا حجم ٹائپ کے چھپے ہوئے ۵۰ صفحات کا ہے اور قیمت بہت ہی کم ہے یعنی صرف بارہ آنے (۱۲ ر) انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) کے پتہ سے مل سکتی ہے۔

سرگزشت حیات یا آپ بیتی (حصہ اول) مطبوعہ مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹیٹیوٹ علی گڑھ مولفہ نظیر حسین صاحب فاروقی قیمت ۸ ملنے کا پتہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن اردو زبان کی ترقی میں دکن نے جو حصہ لیا ہے اس کا اندازہ اس عہد میں کرنا مشکل ہے خصوصیت کے ساتھ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) کے مساعی اس بارہ میں بہت ہی قابل قدر ہیں۔ کتاب "سرگزشت حیات یا آپ بیتی" (حصہ اول) جو اسوقت ہمارے پیش نظر ہے اور جس کی اشاعت کا فخر بھی انجمن ترقی اردو کو حاصل ہے اردو زبان میں اپنی موضوع پر شاید پہلی کتاب ہے بقول مؤلف اس کتاب میں چیستان حیات کو حل کرنے کی کوشش کی جائے گی اور ہمارا خیال ہے کہ اگر چیستان حیات حل ہو سکتی ہے تو جناب مولف ایک گونہ اُس کے حل کرنے میں ضرور کامیاب ہوئے ہیں اس کتاب کے ۲۵ باب اور ۳۱۲ عنوانات ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں کتاب کا کاغذ بہت عمدہ، اور لکھائی چھپائی دیدہ زیب ہے جس کے لئے مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹیٹیوٹ علی گڑھ کا نام ہی ضامن ہے اس کتاب کے مطالعہ سے معلومات میں بہت کچھ اضافہ حاصل ہو سکتا ہے اور اس بنا پر یہ کہنا ہرگز بیجا نہ ہوگا کہ یہ کتاب مفید ہی ہے۔

وصل بلگرامی

دو روپے تولہ سونا
جرمنی کی حیرت انگیز ایجاد
سونے کی نہایت خوبصورت نازک منقش چوڑیاں جرمنی سے بن کر آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا
ہے ان کے اندر رنگین ریشمی چوڑیاں آجاتی ہیں، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زبرجد اور یاقوت کے نگینے جڑ دئے گئے ہیں
برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ و رونق میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی دیتا ہے
صنف نازک کیلئے بہترین تحفہ
ڈھائی روپیہ میں پانچ سو روپیہ کا کام نکالا جا سکتا ہے۔ ہر سائز کی موجود
ہے سیکڑوں کی تعداد میں روزانہ فروخت ہوتی ہیں۔ جلد منگوائیے تاکہ
اسٹاک ختم نہ ہو جائے۔ آٹھ چوڑیوں کی قیمت ڈھائی روپے جن کا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ ۲۴ چوڑیوں کی قیمت (۶)
نو ایجاد گلے کا ہار
یہ ہار بھی حال ہی میں جرمن سے بن کر آئے ہیں جو اس قدر خوبصورت ہیں۔ کہ صرف دیکھنے ہی سے
تعلق رکھتے ہیں جس گھر میں ایک ہار جاتا ہے۔ درجنوں کی وہاں سے مانگ آتی ہے۔ قیمت
ایک ہار کے لئے دو روپے (۲) تین ہار کے لئے پانچ روپے (۵)
انگوٹھیاں
نگدار نہایت خوبصورت حال ہی میں جرمن سے بنکر آئی ہیں۔ ایک انگلی میں یہ انگوٹھی پہنئے اور ایک میں خالص سونے کی
اگر کوئی شخص پہچان سکے تو ہمارا ذمہ قیمت فی انگوٹھی ۸ ر بارہ عدد کے لئے پانچ روپے (۵)
کانوں کے بندے
یہ بندے نہایت نازک خوبصورت اور پائدار ابھی جرمنی سے تیار ہو کر آئے ہیں۔ بالکل نئی چیز ہے آپ نے ایسے
خوبصورت بندے آج تک کبھی نہ دیکھے ہوں گے قیمت فی جوڑہ ۱۲ تین جوڑی کے لئے ڈھائی روپے (۲۸)
سنہرے گلوبند
تین روپیہ میں تین سو روپیہ کا کام نکالا جا سکتا ہے دن رات سونا پہننے والی معزز خواتین یہ گلوبند پہن کر ہی میں
انکو دیکھکر زرگر صراف دھوکہ کھاتے ہیں قیمت فی عدد تین روپیہ تین کے لئے آٹھ روپیہ (۸)
ملنے کا پتہ:۔
منیجر گولڈن سٹور پوسٹ بکس نمبر ۴ لاہور

تار کا پتہ "اشتہار لکھنؤ"
ٹیلیفون نمبر ۲۱۵
گراموفون کمپنی کے ایجنٹ لکھنؤ مین
سلطان کمپنی نمبر ۴۰ (چالیس) امین آباد پارک مین ہین۔
جو ہر قسم کے
گراموفون نئے نئے گانون کا عمدہ اسٹاک رکھتے ہین
ایک مرتبہ ضرور تشریف لاکر فہرست منگاکر سرفراز فرمائیے
ڈاکٹر سرور حسین ایچ۔ ایل۔ ایم۔ ایس۔ مشہور ہومیوپیتھ دندان و عینک ساز نمبر ۳ و ۴۔ امین الدولہ پارک لکھنؤ۔

(مطبوعہ … پریس نظیرآباد لکھنؤ - باہتمام … بلگرامی)

مرتبہ

وصل بلگرامی

مرقع کے قواعد و ضوابط

۱- مرقع حتی الامکان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ تک شایع ہوا کریگا۔

۲- مرقع کی قیمت عام خریداروں کے لئے پانچ روپیہ سالانہ مع محصولڈاک مقرر ہے جو پیشگی وصول ہونا چاہیے۔

۳- مرقع کا نمونہ بغیر ۸/ نقد وصول ہوے روانہ نہین ہو سکتا۔

۴- مرقع کی قیمت روسا و دیگر معزز اصحاب اور اس کے مربیون سے اُن کی ہمت افزائی پر منحصر ہے۔

۵- جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ کا آنا لازمی ہے۔

۶- خط و کتابت کے سلسلے مین خریداری کا نمبر لکھنا ضروری ہے

۷- رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۲۵ تاریخ تک آجانا چاہیے۔

۸- کوئی مضمون ایسا شایع نہ ہوگا جو مخرب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کر سکے۔

۹- تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظم و نثر درج ہون گے جو اپنی خوبیوں کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ سے نہایت خوشگوار ہون گے۔

۱۰- مرقع کو موجودہ پالٹیکس یا مذہبی مباحث سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

۱۱- تنقیدی مضامین بھی اسمین شایع ہون گے۔ گر وہی جنمین خلوص ہوگا۔ باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی رنج کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا۔

۱۲- ایسے مضامین جنمین کسی شخص پر چوٹ کی گئی ہو یا اسمین ایسے الفاظ ہون جن سے دوسرے کو رنج کا خدشہ بھی پیدا ہو ہرگز شایع نہ ہونگے

۱۳- جس نظم و نثر کے مضمون مین زبان لغت یا فن کی غلطیان ہون گی اسوقت تک شایع نہ ہوگا جب تک اسکی مناسب ترمیم اطلاع پانے پر خود صاحب مضمون نہ کر دین۔

۱۴- مرقع کا مسلک صلح کل ہے وہ انشاء اللہ کبھی دل آزار یا متعصب ثابت نہ ہوگا۔

۱۵- مرقع کو ذاتیات سے کبھی تعلق نہ ہوگا۔ وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جرائد ہون یا اہل اخبار اتفاق اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریگا۔ اور انشاء اللہ وہ ہمیشہ اسمین ثابت قدم رہیگا

مدیر "مرقع" لکھنؤ

مرقع مین اشتہارات بھیجتے وقت

(ذیل کا نرخ ملاحظہ فرمائیے)

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
ایک سال کے لئے	سعہ/	صعہ/	عسہ/
چھ ماہ کے لئے	صعہ/	عسہ/	عسہ/
تین ماہ کے لئے	عسہ/	صعہ/	سے/
ایک ماہ کے لئے	سے/	صہ/	سے/

ضروری نوٹ

ٹائیٹل پیج کے صفحہ ۲ و ۳ و ۴ کی اجرت کا نرخ اس کے علاوہ ہے جو خط و کتابت سے طے ہو سکتا ہے۔ اجرت کا پیشگی آنا ضروری ہے

مینیجر "مرقع" لکھنؤ

ڈاکٹر سرور حسین۔ ایچ۔ ایل۔ ایم۔ ایس۔ مشہور ہومیوپیتھ و دندان ساز و عینک ساز نمبر ۳ و ۴۔ امین آباد پارک لکھنؤ

قیمت سالانہ مع محصولڈاک
پانچروپیہ

فہرست مضامین

نمونے کا پرچہ
آٹھ آنے

دسمبر ۱۹۲۷ عیسوی

دسمبر کا مرقع میری چند اہم مجبوریوں کی وجہ سے تاخیر کے ساتھ شائع ہو رہا ہے جس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں، یہ نمبر سنہ ۱۹۲۷ء یا مرقع کے دوسرے سال کا آخری نمبر ہے، مرقع نے ابتک اردو ادب کی جو خدمت کی ہے وہ مرقع کے دو سال کے کارناموں سے ظاہر ہے، اس نے التزام کے ساتھ شعبۂ ادب کو اپنا امتیاز خصوصی رکھا اور فن تنقید کو اردو میں ترقی دی اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں کہ معاصرین اور ارباب صحافت نے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی، اور یہ عرض کرنا بیجا و بے موقع نہ ہوگا کہ جو مقاصد مقدم اول مرقع کے پیش نظر تھے اُن کے کامیاب بنانے میں اس نے کمی نہیں کی اور اس کو بہت کچھ کامیابی حاصل ہوئی،

مرقع نے جن خصوصیات اور مقاصد کے ساتھ ابتک اپنی اشاعت کو جاری رکھا وہ اس کی سفارشی ہیں کہ ان دو سال کے عرصہ میں کسی مجبوری سے اگر ادب اردو کی خدمت کرنے میں کوئی فرو گذاشت ہو گئی ہو تو اُس کو آپ نظر عفو سے دیکھیں اور ساتھ ہی ساتھ اس پر بھی لحاظ فرمائیں کہ مشکلات نے مرقع کی ہمتوں کو اور بلند کر دیا ہے، اس کا اندازہ کسی حد تک اُس جذبۂ خدمت اور حسن اہتمام سے ہو سکتا ہے جو مرقع نے اردو ادب کی ترقی کے لئے ابتک ملحوظ رکھے، خدا کا ہزار ہزار شکر اور احسان ہے کہ مرقع نے دو سال اپنی زندگی کے بخیر و خوبی ختم کئے،

مرقع کو جو کامیابی اب تک حاصل ہے اس کے اندر ان معاونین کا بڑا حصہ ہے جنہوں نے اس کی ادبی شہرت اور اشاعت عامہ میں اپنے قلم اور اثر سے کام لیکر اس کو اس درجہ مقبول، ہر دلعزیز اور کامیاب بنایا، میں مرقع کے حلقۂ ادب کے مضامین نگاروں، دردمندوں، ہمت دلانے والوں معاونت کرنے والوں اور ہمدردی رکھنے والوں کا تہ دل سے شکر گزار ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی مرقع کے ادبی عروج میں ایسی ہی دلچسپی لیں گے۔

جنوری سنہ ۱۹۲۸ء کا مرقع جو "افسانہ نمبر" کے نام سے موسوم ہے، خاص اہتمام اور کوشش سے تیار ہو رہا ہے اس کی ضخامت معمولی اشاعت سے دو گنی سے کم نہ ہوگی۔ ہندوستان کے ادبی حلقے کے بہترین ادیبوں اور افسانہ نویسوں نے مضامین جو بصورت افسانہ لکھے گئے ہیں اس میں یکجا کئے جا رہے ہیں، گویا ہندوستان کے مشاہیر کے خیالات کے زندہ نقش و نگار ہیں جو افسانوں میں سیاسیات، معاشیات، تاریخ اور فنون لطیفہ پر روشنی ڈالتے ہوئے زبان اور تخیل کی تجلیات سے کم نہیں ہیں افسانہ نگاروں کی رنگا رنگ دلچسپیاں جو مرقع میں نظر آئیں گی خود اس بات کی شاہد ہونگی کہ اس کا دائرۂ قبول کتنا وسیع ہے اور اس نے صرف ایشائی ذوق فکر مغربی افسانوں کے نمونہ کا بھی لحاظ رکھا ہے اگر اردو کے موجودہ مشاہیر کے خیالات کا اسکو مرقع کہا جائے جو مبالغہ نہ ہوگا۔ ہمنے یہ بھی اہتمام کیا ہے کہ اُس کی زاید کاپیاں محفوظ رہیں کہ آپ اپنے احباب کو اس کا تحفۂ سال نو بھیج سکیں قیمت فی کاپی ۸/

جن حضرات کا سالانہ چندہ دسمبر سنہ ۱۹۲۷ء میں پورا ہو گیا ہے وہ تیار رہیں کہ جنوری سنہ ۱۹۲۸ء کا پرچہ "افسانہ نمبر" انکی خدمت میں ایک سال کے چندہ کی قیمت طلب (وی پی) روانہ کیا جائیگا اور دسمبر سنہ ۱۹۲۸ء تک انشاء اللہ برابر پابندی کے ساتھ پہونچتا رہیگا، یقین ہے کہ معاونین ادب مرقع کے قدردان اصحاب اس کی زندگی کے نئے سال کے شروع ہونے پر اس کی ہمت کو اور بڑھائیں گے اور مرقع کی اشاعت میں اپنی کوشش سے مرقع کو رہین منت بنائیں گے،

دسمبر نمبر میں جو مضمون مولانا عنایت رسول مرحوم چریا کوٹی کا درج ہے وہ علمی حیثیت سے بہت خوب ہے، اس کا عنوان اللہو و اللعب ہے، مولانا مغفور کا نام اور اُن کا تبحر علمی کسی تعریف کا محتاج نہیں، اس کو ایک علمی تبرک سمجھنا چاہئے مبتدا ہر زمانہ نے مولانا کے وقت سے اس وقت تک اردو ادب کی شان انشاء میں بہت فرق پیدا کر دیا ہے لیکن اس فرق کو قطع نظر کرتے ہوئے یہ کہنا پڑیگا کہ نفس مضمون نہایت مفید، کار آمد اور پسندیدہ ہے۔

"کلام بخت" کے زیر عنوان جو دو غزلیں جناب کنور بخت بہادر صاحب بخت کی درج ہیں وہ ہمارے ضلع ہردوئی کے مشہور قصبہ سندیلہ کے نہایت نامور اور صاحب علم و فضل رئیس جناب راجہ درگا پرشاد صاحب مہر آنجہانی کے فرزند ارجمند کی علمی قابلیت اور ادبی ذوق کی شاہد ہیں آپ کو ادب اردو سے بہت شغف ہے ملجاب بخت کو حضرت مہر سے ورثہ شاعری پہونچا ہے، "لائق باپ کے لائق بیٹے" ایک انگریزی مثل ہے جو آپ پر بالکل صادق آتی ہے۔ اگر آپ کی مشق سخن جاری رہی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ اردو شاعری میں خاص امتیاز حاصل کر لیں گے۔

جناب جلیل قدوائی بی اے علیگ کو خصوصیت کے ساتھ دنیائے افسانہ نگاری میں جو شہرت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں، آپ کے افسانوں کا مجموعہ "تیر گل" افسانوں کے لحاظ سے اردو ادب میں ایک بہترین اضافہ ہے، اس نمبر میں آپ نے "تین ملاقاتیں" ایک افسانہ دیا ہے جو ترجمہ ہے، مگر ترجمہ میں اصل خیال اور زبان کی رنگینیت اسی طرح تمام و کمال موجود ہے جس طرح آپ ہمیشہ اور افسانوں میں اس نہج سے کامیاب رہے ہیں

اس نمبر میں نظم کا حصہ زیادہ ہے جو منتخب اور پسندیدہ کہے جانے کا مستحق ہے،

حسب معمول دو تحریروں کے عکس بھی دیئے گئے ہیں ایک مولانا ظفر علی خان صاحب مالک روزنامہ زمیندار لاہور کی تحریر کا عکس ہے جو نومبر ۱۹۲۶ء میں مولانا نے دفتر مرقع میں اتفاق سے اپنے لکھنؤ کی آمد میں لکھی تھی، مولانا کا نام نامی اور اوصاف کے ساتھ ساتھ اردو ادب کے آسمان پر جیسا روشن ہے ظاہر ہے، دوسرا عکس جناب حکیم یوسف حسن صاحب اڈیٹر نیرنگ خیال لاہور کی ایک مکرمت نامہ کی تحریر کا ہے جو آپ نے اپنے خلوص و محبت کی بنا پر عرصہ ہوا مجھے تحریر فرمایا تھا جس میں دنیائے ادب کے حسن اتفاق کا اظہار خصوصیت سے کیا تھا، جناب حکیم صاحب نے جس وقت یہ خط لکھا تھا اس وقت رسالہ مخزن لاہور کا اجرا نہیں ہوا تھا اور اب جناب حکیم صاحب نے اطلاع دی ہے کہ "اس اتحاد میں مخزن کو بھی شامل سمجھنا چاہئے"

نیرنگ خیال، ہمایوں، اور مرقع کا اتحاد میں چھ ماہ سے مخزن کا بھی اضافہ ہو گیا ہے اور اب اس کو اردو رسائل کا اتحاد اربعہ کہنا چاہئے"

مجھی سید مشاہد علی صاحب بی اے سکریٹری مسلم ہوسٹل یونین الہ آباد کی اُن مساعی جمیلہ اور مخلصانہ خدمات کا اگر ہم اظہار نہ کریں جو مسلم ہوسٹل کے مشاعرے کے کامیاب بنانے میں اُنھوں نے کیں تو بہت نامناسب ہوگا ۱۹ نومبر ۱۹۲۷ء کا یہ مشاعرہ اس بات کا ایک ادبی مظاہرہ تھا کہ اردو شاعری کی ایک صنف غزل کس قدر لوگوں کو مرغوب ہے، کس طرح اس میں سوز و گداز ہے اور یہ بہترین خیالات کے ظاہر کرنے کا کیسا جامع طریقہ ہے، صدر مشاعرہ جناب جسٹس لال گوپال مکرجی نے اپنی سخن سنجی سے ملک کی ایک ہر دلعزیز زبان کی ترقی و اشاعت میں حصہ لینے کا کافی ثبوت دیا ہم صدق دل سے اس کے کہنے پر مجبور ہیں کہ جناب پروفیسر میر ضامن حسین صاحب بی اے نے باہر سے آئے ہوئے شعراء کے وقار اور نظم مشاعرہ کے قائم رکھنے میں جس خلوص و محبت اور لطف و خوبی سے کام لیا وہ ہمیشہ مہمانوں کے قلوب پر ایک بہترین اثر بنکر یادرہے گا، مشاعرے سے پہلے شعراء کے علاوہ شہر کے روسا، اور حکام کو ایک پر تکلف ڈنر دیا گیا، ہر انتظام اپنی جگہ پر خوب تھا، شعراء اور سامعین کی کثرت اور کلام کی گوناگون امتیازی حالت سے مسلم ہوسٹل کا یہ مشاعرہ الہ آباد کا ایک یادگار مجمع تھا، جناب سائل، جناب محشر، جناب شفیق، جناب جگر مرادآبادی، جناب یاس عظیم آبادی، جناب صفدر مرزاپوری، جناب قمر بدایونی، جناب آسی، جناب امین، جناب شوکت، جناب صادق دہلوی، جناب ہادی مچھلی شہری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ مشاعرہ میں جناب ماجد اور جناب ضامن نے اپنے کلام سے باہر کے شاعروں کی جو ادبی ضیافت کی وہ کبھی نہیں بھول سکتی،

طلبا میں لسان العصر حضرت اسیر مرحوم کے پوتے عقیل صاحب اور جناب سلمان اور جناب حسن عبد اللہ کی غزلیں بہت مقبول ہوئیں، جناب پروفیسر ضامن صاحب کے نوعمر بھتیجے سید سلمہ نے اپنی غزل اس موثر اور دلکش ترنم کے ساتھ پڑھی کہ تمام مشاعرہ پر ایک وجدانہ کیفیت طاری ہو گئی، غزل بھی اچھی تھی اس غزل پر سید مشاہد علی صاحب بی اے سکریٹری مسلم ہوسٹل نے ایک طلائی تمغہ عطا کیا، غرض یہ مشاعرہ ہر طرح کامیاب اور پر لطف رہا۔ سید مشاہد علی صاحب سکریٹری کے ساتھ ہم سید اعجاز حسین صاحب بی اے اور دیگر مہمان نواز طلبا کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

جناب حشمت سلیمان صاحب کو بھی ادب اردو سے جس قدر ذوق اور محبت ہے وہ بیان نہیں کیا جا سکتا، آپ کے والد ماجد جناب مولوی محمد عثمان مرحوم و مغفور جو ایک نہایت کامیاب مقنن ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین شاعر بھی تھے اور فدائی تخلص کرتے تھے۔ ذوق ادب آپکو اپنے والد ماجد سے بطور ورثہ ملا ہے، آپ شعر کو خوب سمجھتے اور اسی کے مطابق اس کی صحیح داد دیتے ہیں اس مشاعرے میں آپ ختم مشاعرہ تک شرکت فرماتے اور چونکہ شاعروں کی چند غزلوں کے سننے سے سیری نہیں ہوئی تو اپنے دولتکدہ پر دوسرے ان معززین شہر اپنے خاص احباب اور شعراء کو چائے کی پر تکلف دعوت دی اور اس طرح آپ کے یہاں اچھا خاصہ اور نہایت منتخب شعراء اور اہل علم کا مجمع ہو گیا باہر کے شعراء کے کلام کی بہترین داد ملی اور یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ ایک دوسرے مشاعرہ کا صحیح لطف یہاں حاصل ہوا

وصل بلگرامی

اللھو واللعب

(از حکیم العصر حضرت مولانا عنایت رسول چڑیاکوٹی رحمۃ اللہ علیہ)

مکرمی جناب وصل صاحب زاد لطفہٗ تسلیم۔ آپ کے "مرقع" کی تدریجی ترقی پر مبارکباد دیتا ہوں، فی الحال "مرقع" کے لئے عم محترم حضرت مولانا عنایت رسول چڑیاکوٹی رحمۃ اللہ علیہ اُستاد سر سید احمد خان مرحوم کا ایک مضمون "اللھو واللعب" کے عنوان سے آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں، یہ مضمون حضرت عم محترم کے قلم سے سر سید کی فرمائش سے اُن کے رسالہ تہذیب الاخلاق کے لئے لکھا گیا تھا، جو اب تک مکمل طور سے شائع نہیں ہوا، "العلم" میں اس کا کچھ سلسلہ شروع کیا گیا تھا لیکن اُس کے بند ہو جانے سے منقطع ہو گیا۔

یہ مضمون بحیثیت رسالہ ترتیب دیا گیا تھا لہٰذا حسب ترتیب، جن ابواب اور جن عنوانات کے ساتھ لکھا گیا ہے اُسی طرح شائع فرما دیجئے تاکہ اسکی اصلی شکل و صورت میں فرق نہ آسکے

میں آئندہ ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔

کیفی چڑیاکوٹی

مقدمۂ اولیٰ

لہو و لعب عربی میں کھیلنے و کھیل کو کہتے ہیں کھیل اُن افعال کا نام ہے جو تسکین خاطر و قرار دل کے لئے بلالحاظ مفاد آخرت و انتفاع مکاسب زندگی کئے جائیں، کبھی انسان کو کثرتِ مشاغل سے کلال یا استیلائے بعض کیفیات نفسانی سے اندوہ ملال عارض ہوتا ہے تو وہ طبیعت کے پھیرنے کی نظر سے ایسے افعال کو کام میں لاتا ہے۔ فقط

مقدمۂ ثانیہ

افراط و تفریط ہر امر میں مذموم ہے اختیار وسط فضیلت انسان ہے جیسا کتب اخلاق میں مسطور و خیر الامور اوسطہا مشہور ہے فقط

باب اول

قال اللہ تعالیٰ "من الناس من یشتری لہو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم و یتخذہا ہزوا اولئک لہم عذاب مہین"۔ ترجمہ: لوگوں میں سے جو بیہودہ بات خریدتا ہے کہ بے بوجھے خدا کی راہ سے بھٹکائے اُس کے لئے سخت عذاب ہے۔ مقصود آیت میں اختلاف ہے جبلی

اور مقاتل کا یہ بیان ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے نضر بن حارث کی شان میں وہ حیرہ میں تجارت کرتا تھا وہاں اخبار عجم خریدتا تھا اور اُسے قریش سے بیان کرتا تھا اور کہتا تھا کہ محمدؐ تم کو عاد و ثمود کا قصہ سناتے ہیں میں تم کو رستم و اسفندیار و اکاسرہ کا حال سناتا ہوں تو عرب اس کی بات کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور قرآن کا سننا چھوڑ دیتے تھے بس یہ آیت نازل ہوئی۔ انتہیٰ۔ یشتری لہو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ۔ اس بیان کے موافق ہے لیکن اولٰئک لہم عذاب مہین اُس کی مخالف ہے کیونکہ جمعیت ایک شخص کی منافی ہے۔ عبد اللہ ابن مسعود اور ابن عباس اور حسن اور عکرمہ اور سعید ابن جبیر کہتے ہیں کہ لہو الحدیث سے مقصود غنا یعنی گیت اور راگ ہے اسی بارہ میں یہ آیت نازل ہے اگرچہ لہو کے معنی ایسے ہیں جو غنا کو شامل ہیں تاہم چند احادیث ہم پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ لہو سے مقصود کبھی غنا ہوتا ہے محمد بن حاطب سے روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصل ما بین الحلال والحرام الدف والصوت فی النکاح رواہ الخمسۃ الا ابا داؤد یعنی ضرب دف در فع صورت نکاح میں عامر بن سعد سے روایت ہے قال دخلت علیٰ قرظہ بن کعب وابی مسعود الانصاری فی عرس واذا جواریٍ یغنین فقلت ای صاحبی رسول اللہ صلعم اہل بدر یفعل ہذا عندکم فقالا اجلس ان شئت فاسمع معنا وان شئت فاذہب فانہ قد رخص لنا اللہو عند العرس اخرجہ النسائی والحاکم۔ ترجمہ عامر بن سعد نے کہا میں گیا قرظہ بن کعب اور ابو مسعود انصاری کے پاس ایک شادی میں وہاں چھوکریاں گا رہی تھیں میں نے کہا اے رسول اللہؐ کے دونوں بدری صحابی یہ بھی تمھارے یہاں ہوتا ہے اُن لوگوں نے کہا اگر تم چاہو تو بیٹھو اور سنو اور نہیں تو چلے جاؤ پیغمبر نے ہم کو شادی میں لہو کی اجازت دی ہے چھوکریاں گا رہی تھیں اسی کو ابو مسعود انصاری اور قرظہ بن کعب نے لہو کہا حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے کہا اعلنوا ہذا النکاح واضربوا علیہ بالغربال رواہ ابن ماجہ ترجمہ اس نکاح کا اعلان کرو اسمیں غربال ٹھونکو (یعنی دف) حضرت عائشہ سے روایت ہے انہا زفت امرأۃ الیٰ رجل من الانصار فقال النبی صلعم یا عائشہ معکم ما کان معکم من لہو فان الانصار یعجبہم اللہو رواہ احمد و بخاری۔ ترجمہ ایک عورت مرد انصاری کے پاس پہونچائی گئی تو پیغمبر خدا نے کہا اے عائشہ تمھارے پاس کوئی چیز دل بستگی کی نہ تھی انصار کو لہو بھاتا ہے شریک نے اس حدیث کی روایت یوں کی ہے فہل بعثتم ضاربۃ تضرب بالدف وتغنی قلت القول اتیناکم فحیانا وحیاکم ولولا الذہب الاحمر ما حلت بوادیکم ولولا الحنطۃ السمراء ما سمنت عذاریکم ان دونوں روایت کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ بجانا گانا لہو ہے روایت ہے عمرو بن یحییٰ مازنی سے اپنے دادا ابی حسن سے کہ پیغمبر خدا چپکے نکاح کو مکروہ جانتے تھے یہاں تک کہ دف بجے اور کہا جائے اتیناکم فحیونا نحییکم روایت کے اس حدیث کی احمد نے مسند میں ان احادیث سے ثابت ہے کہ لہو کا اطلاق گانے پر ہوتا ہے الغرض مقصود آیت میں اختلاف ہے سیاق کلام سے وہی نکلتا ہے جو مقاتل کہتے ہیں: قال اللہ تعالیٰ: افمن ہذا الحدیث تعجبون وتضحکون ولا تبکون وانتم سامدون ترجمہ کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو ٹھٹھا مارتے ہو روتے نہیں تم لوگ کھیلتے ہو معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ سمود غفلت

و کھیل ہے کہتے ہیں دع عنا سمودک ای لہوک یہ ایک روایت ہے ابن عباس سے اور عکرمہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں
کہ سمود غنا ہے بلغت اہل یمن قریش جب قرآن سنتے تو کھلواڑ کرتے یہ معنی ہے کلبی اور مقاتل کے بیان کی جو آیت گزشتہ
میں گزرا تو ہذا الحدیث سے اشارہ قیامت کی طرف ہو سکتا ہے جو قریب ہے ایک حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ
نے کہا ہے ان اللہ تعالےٰ حرم القینۃ وبیعہا وتعلیمہا - ترجمہ خدا نے حرام کیا کسبی کو اور اس کی بیع کو اور اس کی تعلیم کو - ایک
حدیث جابر سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کان ابلیس اول من ناح واول من تغنی، پہلے پہل ابلیس نے نوحہ کیا اور
پہلے گیت گایا ایک حدیث ابو امامہ سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کہ ما رفع احد صوتہ بغناء الا بعث اللہ الیہ شیطانین
علی منکبیہ یضربان باعقابہما علی صدرہ حتی یمسک - ترجمہ جو شخص اپنی آواز بلند کرتا ہے گانے میں تو خدا اس کے کندھے
پر دو شیطان بھیجتا ہے کہ وے اپنی ایڑی اس کے سینہ پر مارتے رہیں یہاں تک کہ چپ ہو جائے - ایک حدیث عقبہ بن عامر
سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کل شئ یلھو بہ الرجل فھو باطل الا تادیبہ فرسہ ورمیہ بقوسہ وملاعبتہ لامرأتہ ترجمہ جو چیز
انسان اوسے کھیلتا ہے وہ باطل ہے مگر تادیب فرس اور تیر اندازی اور اپنی جورو سے ملاعبت، ایک حدیث مروی ہے ابو مالک
اشعری سے ابو عامر سے کہ پیغمبر خدا فرماتے تھے لیکونن من امتی قوم یستحلون الجر والخنزیر والخمر والمعازف اخرجہ البخاری
ضبط کیا ہے ابن ناصر نے حرز کو حاء مہملہ مکسورہ اور راء خفیفہ سے بمعنی فرج ابن یمین نے کہا ہے کہ وہ بخاری کے نزدیک بمعجمتین
ہے (خز) ابن عربی نے کہا بمعجمتین غلط ہے اس کی روایت بمہملتین ہے اور وہ فرج ہے اور معنی یہ ہیں کہ یستحلون الزنا یعنی زنا
حلال سمجھتے ہیں اس کے موافق ہے جسے ابن مبارک نے اخراج کیا علی سے مرفوع یوشک ان یستحل امتی فروج النساء والحریر
قریب ہے کہ حلال کرے مری اُمت فروج نساء اور حریر معازف بعین مہملہ اور زاء معجمہ یہ جمع ہے معزفہ بفتح زاء یہ آلات
لہو ہیں اور قرطبی نے جوہری سے نقل کیا ہے کہ معازف غناء ہے اور صحاح میں ہے کہ معازف لہو ہے ترجمہ میری امت ایسی
ہو جائے گی کہ حلال کریگی زنا اور ساٹن اور شراب اور لہو ایک حدیث نافع سے مروی ہے ان ابن عمر سمع صوت زمارۃ راع
فوضع اصبعیہ فی اذنیہ وعدل راحلتہ عن الطریق وھو یقول یا نافع اتسمع فاقول نعم فیمضی حتی قلت لا فرفع یدہ وعدل راحلتہ الی
الطریق وقال رایت رسول اللہ صلعم سمع زمارۃ راع فصنع مثل ہذا رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ زمارہ بالفتح بانسری
ترجمہ ابن عمر نے سنی آواز بانسری تو اپنی انگلیاں دونوں کانوں میں دیں اور اپنی سواری راہ سے پھیری اور کہتے
تھے اے نافع تو سنتا ہے میں کہتا تھا ہاں تو چلے جاتے یہاں تک کہ میں نے کہا نہیں تو اپنا ہاتھ اٹھا لیا اور پھیر اپنی سواری راہ کی
طرف اور کہا میں نے دیکھا رسول اللہ کو کہ بانسری کی آواز سنی اور ایسا ہی کیا ایک حدیث عبد اللہ ابن عمر سے روایت ہے
ان النبی صلعم قال ان اللہ حرم الخمر والمیسر والکوبۃ والغبیراء وکل مسکر حرام میسر قمار یعنی جوا کوبہ یعنی طبل وغبیراء اس کی تفسیر میں

اختلاف ہے بعض نے طنبور بتایا ہے اور بعض نے بین اور بعض نے بربط یعنی سرود ترجمہ پیغمبر نے کہا کہ اللہ نے حرام کیا شراب اور جوا اور طبل یعنی ڈھول اور طنبورا اور ہر مسکر حرام ہے اور ایسی ہی روایت ابن عباس سے بھی ہے ایک حدیث ابوامامہ سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے تبیت طائفۃ من امتی علیٰ اکل وشرب ولہو ولعب ثم یصبحون قردۃ وخنازیر وتبعث علی احیاء من احیائہم ریح فتنسفہم کما نسف من کان قبلکم باستحلالہم الخمر وضربہم بالدفوف واتخاذہم القینات رواہ احمد ترجمہ رات گزاران کرے گی ہماری امت کی ایک گروہ کھانے پینے لہو ولعب میں ہو جائیگی وہ بندرا ور سورا ور ان کے بعض زندوں پر ہوا چلے گی تو ان کو اکھیڑ ڈالے گی جیسا اکھیڑ ڈالا تم سے پہلوں کو بوجہ اس کے حلال جانا انھوں نے شراب کو اور بجایا انھوں نے دف اور گیونکے استعمال سے ایک حدیث اور ابوامامہ سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا ان اللہ بعثنی رحمۃ وہدی للعالمین وامرنی ان امحق المزامیر والکبارات یعنی البربط والمعازف والاوثان التی کانت تعبد فی الجاہلیۃ رواہ احمد کبار یعنی طبل ترجمہ خدا نے مجھے بھیجا ہے رحمت اور دنیا کا ہادی اور مجھے حکم دیا ہے کہ مٹا دوں مزامیر اور کبارات یعنی بربط اور معازف اور بت جس کا پوجا جاتا تھا جاہلیت میں ایک حدیث ابو امامہ سے اور مروی ہے ان النبی صلعم قال لاتبیعوا القینات ولاتشتروہن ولاتعلموہن ولاخیر فی تجارۃ فیہن وثمنہن حرام فی مثل ہذا نزلت ہذہ الآیۃ ومن الناس من یشتری لہو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ الی آخر الآیۃ رواہ الترمذی ترجمہ پیغمبر خدا نے فرمایا مت بیچو تم کسبیاں اور نہ ان کو مول لو اور نہ ان کی تعلیم کرو انکی تجارت میں خیر نہیں اور ان کی قیمت حرام ہے اسی بات کے لئے نازل ہوئی آیت ومن الناس من یشتری لہو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ آخر آیت تک ایک حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے سابقنی رسول اللہ صلعم فسبقتہ فلبثنا حتی ارہقنی اللحم فسبقنی رواہ احمد وابوداؤد ترجمہ دوڑائی کرتے تھے رسول اللہ تو میں آگے نکل جاتی تھی کچھ دن بعد جب میں موٹی ہوئی اور دوڑائی ہوئی تو پیغمبر آگے نکل جاتے۔ ایک حدیث محمد بن علی بن رکانہ سے مروی ہے کہ رکانہ نے کشتی کی پیغمبر خدا سے تو پیغمبر نے ٹپک دیا اسے رواہ ابوداؤد واضح ہو کہ رکانہ سے تین مرتبہ آپ نے کشتی کی اور ہر مرتبہ ٹپکا۔ ایک حدیث ابو ہریرہ سے مروی ہے بینا الحبشۃ یلعبون عند النبی صلعم بحرابہم دخل عمر فاہوی الی الحصا فحصبہم بہا فقال رسول اللہ صلعم دعہم یا عمر متفق علیہ ترجمہ اس عرصہ میں حبشہ پیغمبر کے پاس نیزہ بازی کا تماشا کر رہے تھے کہ آگئے عمر اور انہوں نے روڑوں سے ان کو مارا تو آپ نے فرمایا جانے دو یا عمر۔ ایک حدیث ابوہریرہ سے مروی ہے ان النبی صلعم رای رجلا یتبع حمامۃ فقال شیطان یتبع شیطانۃ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ ترجمہ پیغمبر خدا نے دیکھا ایک مرد کو کہ ایک کبوتری کے پیچھے جا رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ایک شیطان ایک چڑیل کے پیچھے لگا ہے قال اللہ تعالیٰ یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس واثمہما اکبر من نفعہما میسر یعنی قمار یعنی جوا ترجمہ تجھ سے شراب وقمار کے بارہ میں پوچھتے ہیں کہدے ان دونوں میں بڑی گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منفعت ہے اس کی گناہ نفع سے زیادہ ہے عرب میں دستور تھا کہ گوشت لیکر اس کے دس حصہ کر لیتے تھے اور اسپر گوٹنے ڈالتے تھے دس گوٹیاں مقرر کئے تھے

ہر ایک کا نام کیے تھے اس کے لئے حصہ قائم کئے تھے اول فذ اسپر ایک حصہ قائم تھا دوسرا توام اسپر دو حصہ تیسرا رقیب اسکے لئے تین حصہ چوتھا حلس اس کے لئے چار حصہ پانچواں نافس اس کے لئے پانچ حصہ چھٹا مسبل اس کے لئے چھ ساتواں معلی اسکے سات حصہ تین گوٹیاں سفیح دمنیح ووغد جاج تھیں اونپر کوئی حصہ قائم نہ تھا اُن گوٹیوں کو ازلام و اقلام کہتے تھے ان گوٹیوں کو ایک تھیلی جسے ابابہ کہتے رکھتے تھے وہ تھیلی ایک شخص کے ہاتھ میں دیتے تھے جسے مجیل ومفیض کہتے تھے وہ شخص ایک گوٹی ایک آدمی کے نام پر نکالتا تھا جس شخص کے نام جو گوٹی نکلتے اُتنا ہی حصہ پاتا اور جس کے نام پر خالی گوٹی نکلتے وہ کچھ نہیں پاتا تھا یہ عرب کا ایک قسم کا قمار یعنی جوا تھا لیکن آیت میں مطلق جوا مراد ہے اس آیت سے حرمت قمار ثابت ہے پھر سورۂ مائدہ میں ہے یا ایہا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فہل انتم منتہون ترجمہ اے مومنو بالضرور شراب وجوا اور بت اور قداح نجس شیطانی کام ہیں اس سے احتراز کرو شیطان کا مقصود ہے کہ تم میں بذریعہ قمار کے عداوت وکینہ ڈالے اور تم کو خدا کی یاد اور نماز سے روکے تم اس سے کنارہ ہو میسر کے معنی جتنے سابقاً لکھے ہیں لیکن میسر سے مراد قمار ہے یعنی جو کھیل بازی لگا کر کھیلا جائے قمار کی تفسیر حضرت علی سے مروی ہے اذا کان بحیث لایخلو احد اللاعبین من غنم او غرم فہو القمار ترجمہ جو کھیل ایسا ہو کہ نہ خالی ہو دو کھیلنے والوں میں سے مفت مال پانے سے یا وجوب ادا سے ایک حدیث ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے من حلف فقال فی حلفہ باللات والعزی فلیقل لا الہ الا اللہ ومن قال لصاحبہ تعال اقامرک فلیصدق ترجمہ جو شخص لات وعزیٰ کی قسم کھائے تو لا الہ الا اللہ پڑھے اور جو شخص اپنے ساتھی سے کہے آؤ جوا کھیلیں تو وہ صدقہ دے۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ لات وعزیٰ کی قسم کھانا کفر ہے چونکہ جوا کھیلنے والوں کو صدقہ دینے کا حکم ہے جو کفارہ ہے تو حدیث دلالت کرتی ہے منع قمار پر۔ ایک حدیث بریدہ سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا من لعب بالنردشیر فکانما صبغ یدہ فی لحم خنزیر ودمہ رواہ احمد ومسلم وابوداؤد ترجمہ جس شخص نے نردشیر کھیلا گویا اپنا ہاتھ سور کے گوشت اور خون میں آلودہ کیا۔ نردشیر اس لئے کہلاتا ہے کہ اردشیر بابکان کی ایجاد ہے نردشیر کی تفسیر میں کسی قدر اختلاف ہے امام شافعی اور جمہور کی حدیث یہ ہے کہ نردشیر کھیلنا حرام ہے اسحٰق مروزی کہتا ہے کہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔ ایک حدیث ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ پیغمبر نے فرمایا من لعب بالنرد فقد عصی اللہ ورسولہ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ۔ ترجمہ جس شخص نے نرد کھیلا تو اس نے خدا اور رسول کا گناہ کیا۔ ایک حدیث اور ابوموسیٰ سے مروی ہے من لعب بالکعاب فقد عصی اللہ ورسولہ رواہ احمد۔ ترجمہ جس شخص نے کعاب کھیلا اس نے خدا اور رسول کی نافرمانی کی ایک حدیث بریدہ سے مروی ہے خرج رسول اللہ صلعم فی بعض مغازیہ فلما انصرف جاءت جاریۃ سوداء فقالت یا رسول اللہ انی کنت نذرت ان ردک اللہ صالحاً ان اضرب بین یدیک بالدف واتغنی فقال لہا ان کنت نذرت فاضربی والا فلا فجعلت تضرب فدخل ابوبکر وہی تضرب ثم دخل علی وہی تضرب ثم

دخل عثمان وہی تضرب ثم دخل عمر فالقت الدف تحت استہا ثم قعدت علیہ فقال رسول اللہ صلعم ان الشیطان لیخاف منک یا عمر انی کنت جالساً وہی تضرب فدخل ابوبکر وہی تضرب ثم دخل علی وہی تضرب ثم دخل عثمان وہی تضرب فلما دخلت انت یا عمر القت الدف رواہ احمد والترمذی۔ ترجمہ پیغمبر خدا کسی غزوہ میں نکلے جب لوٹے تو ایک عورت سیہ فام آئی اور کہا اے رسول اللہ میں نے نذر کی تھی کہ اگر خدا آپ کو صحیح و سالم لوٹائے گا تو آپ کے سامنے رباناً بجا کر گاؤں گی پیغمبر نے فرمایا اگر تونے نذر کی تھی تو بجاؤ اور نہیں تو نہیں تو وہ بجانے لگی کہ آئے ابوبکر اور وہ بجاتی رہی پھر آئے علی اور وہ بجاتی رہی پھر آئے عثمان اور وہ بجاتی رہی پھر آئے عمر تو وہ ربانا چوتڑ تلے رکھکر بیٹھ گئی تو فرمایا رسول اللہ نے اے عمر شیطان تجھ سے ڈرتا ہے میں بیٹھا تھا اور وہ بجاتی رہی کہ آئے ابوبکر اور وہ بجاتی رہی پھر آئے علی اور وہ بجاتی رہی پھر آئے عثمان اور وہ بجاتی رہی جب تو آیا تو اس نے ربانا ڈال دیا۔ ایک حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ ان ابا بکر الصدیق دخل علیہا وعندہا جاریتان فی ایام منی تغنیان وتضربان ورسول اللہ صلعم مسجی بثوبہ فانتہرہما ابوبکر فکشف رسول اللہ صلعم عنہ وقال دعہما یا ابا بکر فانہا ایام عید متفق علیہ۔ ترجمہ ابوبکر صدیق عائشہ کے پاس آئے اس کے پاس دو چھوکریاں تھیں ایام منیٰ میں گاتی تھیں اور بجاتی تھیں اور پیغمبر خدا کپڑا اوڑھے تھے اُن کو ابوبکر نے ڈانٹا تب رسول اللہ نے کپڑا اٹھایا اور کہا ان کو چھوڑ دو ابوبکر کہ یہ روز عید ہے قال اللہ تعالیٰ ما الحیوۃ الدنیا الا لہو ولعب۔ ترجمہ دنیا کی زندگانی نہیں ہے مگر کھیل تماشا۔ جو چیزیں قلیل المنفعت اور قصیر القیام ہوں اُن کو لہو ولعب سے تعبیر کرتے ہیں۔

باب دویم

بموجب اس قاعدہ شرعی کے جملہ افعال بنظر اپنی ذات کے مباح ہیں ظاہر ہے کہ خدا نے اُن کے اصدار کی قوت و اختیار انسان کو دیا ہے پھر وے حرام یا مکروہ یا واجب یا مستحب بحکم شارع ہوتے ہیں اس لئے جملہ لہو ولعب مباح ہیں ہاں جن کی ممانعت منصوص ہے وے ممنوع ہیں اور جن کی اباحت نص یا فعل شارع سے ثابت ہو ان کے مباح ہونے میں جائے گفتگو نہیں بعض کھیل ایسے ہیں جنہیں ترویح قلب کے سوا بعض مصلحت دینی یا دنیاوی مکنون ہوتی ہے وہ اباحت کے درجہ کو طے کرکے استحباب کے موقع میں جاتے ہیں یہاں مجھکو کچھ تفصیل کرنا ضرور ہے کھیلوں میں قمار کی حرمت قطعی ہے جیسا آیات نمبر ا و نمبر ۲ اور حدیث نمبر ۳ سے ثابت ہے چونکہ قمار میں بازی لگی رہتی ہے تو کھیلنے والے بوجہ طمع و خوف بہت کوشش کرتے ہیں کہ بازی ہمارے ہاتھ میں رہے اس لئے بڑی مشغولی رہتی۔ اور نیز اس میں بڑی بربادی کسی نہ کسی کی ہوتی ہے اس لئے خدا نے اُسے حرام کردیا اور آیت نمبر ۲ کے اخیر میں خدا نے اس کی حرمت کی علت بیان کردی کہ یہ کھیل مجر بعید الوقت ہوتا ہے اور خدا کے ذکر اور نماز سے باز رکھتا ہے پس اسکو یاد رکھنا چاہئے کہ جو کھیل بنظر ذات یا بوجہ کثرت مشغولی کے خدا کے ذکر اور نماز سے باز رکھے وہ حرام ہوگا جب حد اعتدال کھیل میں

نامرعی رہیگا تو یہ مفاسد ضرور پیدا ہوں گے اور نتیجہ حرمت ہوں گے نقطہ چونکہ گانا نہایت دلفریب ہر چھوٹے بڑے کو بناتا ہے اور زمانہ انعکاس ہو تو خدا کے ذکر و نماز سے روکتا ہے اور شہوت و کامرانی کا خیال دل میں جماتا ہے اور اہل دل اور صلحا کو خدا کی طرف متوجہ کرتا ہے اور قوت فکری کو ترقی دیتا ہے اور حزین کا تسکین بخش ہے ؎ باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ؎ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس ؎ بنظر وجوہ مرقومہ بالا گانے کی حرمت حلت میں علماء اختلاف کرتے ہیں ایک گروہ اسکی حرمت کا قائل ہے یہ گروہ اپنی مدعا پر چند دلیل قائم کرتے ہیں اول آیت نمبرا چونکہ اسمیں وعید ہے تو نتیجہ حرمت نکالتے ہیں مگر یہ حجت ناتمام ہے کلبی اور مقاتل کی راے بموجب جب لہو الحدیث کے معنی غنا نہیں ہیں تو یہ آیت کسی طرح حجت نہیں ہوسکتی اور اگر عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن مسعود اور حسن بصری اور نخعی کی رائے کو تسلیم کریں کہ لہو الحدیث سے مراد غنا ہے تو بھی مطلقاً گانا حرام نہیں ہوسکتا کیونکہ آیت میں قید لیضل بہ عن سبیل اللہ لگی ہوئی ہے تو جب تک اُس سے اضلال مقصود نہ ہو تو منشار آیت سے باہر ہوگا وہ گانا جسمیں ہجو اسلام ہو وہ ضرور حرام ہوگا لہذا یہ آیت مطلقاً گانے کی حرمت پر دلالت نہیں کرتی اور آیت افمن ہذا الحدیث تعجبون وتضحکون ولاتبکون وانتم سامدون یہ آیت بھی حجت نہیں ہوسکتی۔ ابن عباس کی پہلی روایت بموجب ظاہر ہے دوسری روایت بموجب بھی حجت نہیں ہے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اسپر بحث کی ہے الغرض قرآن سے حرمت غنا مطلقاً ثابت نہیں ہے اب میں اُن احادیث سے بحث کرتا ہوں جنھیں حرمت غنا پر دلیل لاتے ہیں حدیث نمبر ۷ سے حرمت غنا پر استدلال کرتے ہیں۔ اور اسی مضمون کی حدیث نمبر ۱۵ بھی ہے قینہ عربی میں بیشتر جاریہ مغنیہ کو کہتے ہیں غزالی کہتے ہیں کہ مراد اس سے وے چھوکریاں ہیں جو مجالس رجال میں گانے کے لئے تعلیم کی جاتی ہیں پس حدیث سے ان چھوکریوں کے گانے کی حرمت نکلتی ہے جو اس غرض سے تعلیم پائیں یعنی کسبیاں کیونکہ چھوکریوں کا گانا پیغمبر خدا نے بھی سُنا ہے اس لئے اس سے مطلق عورتوں کا گانا بھی حرام نہیں ثابت ہوتا نہ کہ مطلق گانا۔ حدیث نمبر ۷ سے بھی استدلال کرتے ہیں یہ حجت بھی ناتمام ہے اولاً یہ حکایت ہے اس سے حرمت نکلتی نہیں علاوہ برین حضرت داؤد گاتے تھے تو اُن کا گانا مستثنیٰ ہوگا لہذا عموماً مفید حرمت نہیں ہے حدیث نمبر ۸ سے حجت لاتے ہیں امام غزالی نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ نازل ہے اس غنا کے بارہ میں جو مراد شیطان کے موافق ہو یعنی دل کو حرکت دے شہوت و عشق مخلوق کی طرف کیونکہ فعل رسول اللہ کا مانع عموم ہے اس حدیث کے ثبوت میں بھی وقت ہے ظاہر ہے کہ اگر رفع صوت بالغنا حرام و مذموم ہے تو شیطان اس سے خوش ہوگا اسپر لات کیوں مارے گا حدیث نمبر ۹ سے بھی حجت لاتے ہیں غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ یہ حدیث حجت نہیں ہے کیونکہ باطل کے معنی حرام نہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ اس میں فائدہ نہیں اس سے اباحت باطل نہیں ہوتی ہم بھی کہتے ہیں کہ جو چیزیں قلیل المنفعت قصیر القیام ہوں ان پر اطلاق باطل کا آتا ہے الا کل شی ما خلا اللہ باطل کو لحاظ کرو اس میں مشتبہ نہیں کہ لہو و لعب قلیل المنفعت ہے۔ ابن رشد نے قرآن سے استدلال کیا ہے اذا سمعوا اللغو اعرضوا عنہ ترجمہ جب

تم بیہودہ بات سنو اُس سے منہ پھیر لو۔ یہ آیت نازل ہوئی ان یہود کی شان میں جو مسلمان ہوگئے تھے اور یہود گالیاں ان کو دیتے
تھے تو اسی سے وے اعتراض کرتے تھے پس اس آیت سے کیونکر حجت ہو سکتی ہے کجا غوانی کجا ابن رشد قال اللہ تعالیٰ لا یواخذکم اللہ
باللغو فی ایمانکم اسکے معنی کو لحاظ کرو حدیث نمبر ۱۰ سے بھی استدلال کرتے ہیں ابن حزم نے کہا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے درمیان بخاری
اور ہشام کے یہ حدیث حضرت علی سے یوں مروی ہے یوشک ان یستحل امتی فروج النساء والحریر اسمیں خمر اور معازف نہیں ہے۔ بظاہر یستحل
سے مراد کثرت استعمال ہے اس حدیث میں چند گفتگو ہے اول یہ کہ اس کے رواۃ میں صدقہ بن خالد بھی حکایت کرتے ہیں ابن جنید یحییٰ بن معین
سے کہ وہ غیر معتبر ہے روایت کیا ہے منزی نے احمد۔ مگر کہ اس کی روایت درست نہیں اور یہ بیان کہ وہ رجال صحیح سے ہے کافی نہیں
دوم یہ کہ حدیث مضطرب ہے کیونکہ راوی کو صحابی کے نام میں تردد ہے کہ ابن سرا ابو عامر نے کہا یا ابو مالک نے اور نیز بعض روایت
یستحلون ہے اور بعض میں نہیں اور روایت جو احمد اور ابن ابی شیبہ سے ہے اسمیں لیشربن اناس من امتی الخمر اور بعض تعبات
میں حر ہے اور بعض میں خز ہے گو اسکا جواب دیتے ہیں لیکن ضعف سے خالی نہیں سوم یہ کہ لفظ معازف جو محل استدلال ہے
ابو داؤد میں نہیں ہے اس کا جواب دیتے ہیں کہ دوسری صحیح روایت میں ہے اور زیادتی عادل سے مقبول ہے چہارم یہ کہتے ہیں
کہ یہ روایت بچند وجوہ تحریم پر دلالت نہیں کرتی ابوبکر بن عربی نے کہا ہے کہ یستحلون کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ اسکی حلت کا اعتقاد کرتے ہیں
انتہیٰ یہ معنی ضرور حرمت پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ اگر وے حلال ہیں تو ان کو حلال اعتقاد کرنا بیجا کیا ہے دوسرے معنی یہ کہا کہ ان امور
کے استعمال میں خوگر ہو جاتے ہیں یہ اخیر معنی سے حرمت نہیں نکلتی اس کا جواب دیتے ہیں کہ حقیقت سے خروج کی کوئی وجہ نہیں لیکن
پیغمبر کا گانا سننا وجہ میں ہے فقط حدیث نمبر ۱۱ سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ ابو داؤد سے منقول ہے کہ وہ حدیث منکر ہے اور نیز
اگر اس کا سننا حرام ہوتا تو پیغمبر اسے ابن عمر کے لئے مباح نکرتے نہ ابن عمر نافع کے لئے بلکہ منع کرتے اور آلہ کے توڑ دینے کا حکم
دیتے باقی رہا پیغمبر نے جو کان میں انگلی دی تو آپ اکثر مباحات سے اجتناب کرتے تھے اگر کوئی کہے کہ پیغمبر خدا کا راعی سے
مزاحمت نکرنا شاید بوجہ عدم قدرت ہو تو ضعیف ہے کیونکہ ابن عمر پیغمبر کے ساتھ قوت اسلام کیوقت میں تھے تو عدم مزاحمت راعی
سے دلیل عدم تحریم ہے حدیث نمبر ۱۲ کو بھی حجت میں پیش کرتے ہیں لیکن اس کی رواۃ میں ولید ہیں جو مجہول ہیں الغرض یہ حدیث ضعیف
ہے مدری نے حدیث کو معلول لکھا ہے حدیث نمبر ۱۳ و ۱۴ سے بھی استدلال کرتے ہیں لیکن اس میں بعض علماء حدیث نے گفتگو کی ہے رواۃ
میں سے علی بن یزید ضعیف ہیں اور حدیث نمبر ۱۵ میں بھی گفتگو ہے۔ واضح ہو کہ اس بارہ میں احادیث بہت ہیں جن کو بعض اہل علم نے
اکٹھا کیا ہے مگر بعض اہل علم نے سب کو ضعیف کہا ہے ابن حزم نے لکھا ہے کہ اس بارہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے سب موضوع ہیں
جمہور علماء حرمت غنا کے قائل ہیں دلائل گزشتہ سے اور اہل مدینہ اور بہت علماء ظاہر اور اکثر صوفیہ اسے جائز سمجھتے ہیں گو باجے
کے ساتھ ہو ابو منصور بغدادی شافعی نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن جعفر اسے مباح کہتے تھے اور اپنی جواری سے گانا سنتے تھے۔

تابرپر زمان علی ابن ابیطالب استاد مذکور اسکے اباحت نقل کرتے ہیں قاضی شریح اور سعید ابن مسیب اور عطاء بن ابی رباح اور
زہری اور شعبی سے امام الحرمین نے نہایہ میں کہا ہے مورخین لکھتے ہیں کہ عبد اللہ ابن زبیر کے پاس چھوکریاں ہیں بجانے والی
تھیں ابن عمر ان کے پاس گئے ابن زبیر کے پاس عود لینی بین رکھی تھی انھوں نے ابن عمر سے پوچھا کہ رسول اللہ کے ساتھی یہ کیا ہے انھوں نے
سنکر تامل کیا اور کہا یہ شامی ترازو ہے ابن زبیر نے کہا اس سے عقول وزن کیجاتی ہیں حافظ ابن محمد بن حزم اپنے رسالہ میں
ابن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص مدینہ میں آیا اس کے پاس کچھ چھوکریاں تھیں وہ عبد اللہ ابن عمر کے پاس ٹھہرا اسمیں
ایک چھوکری بجاتی تھی اس کے خریدکی کسی نے خواہش نہ کی تب عبد اللہ ابن عمر نے کہا تو عبد اللہ بن جعفر کے پاس جا وہ لیلیگا
وہ ان کے پاس گیا اُن کو پیش کیا انھوں نے انمیں سے کسی چھوکری سے کہا بین لے اُس نے بین لیکر گایا تب عبد اللہ بن جعفر نے اُسے
خریدا تب اُسنے ابن عمر سے لوٹ کے سب قصہ بیان کیا۔ علامہ ابو عمر اندلسی نے روایت کی ہے کہ عبد اللہ ابن عمر گئے ابو جعفر کے پاس
وہاں ایک چھوکری کو دیکھا اس کی گود میں ایک بین ہے ان نے ابن عمر سے پوچھا آپ کے نزدیک اس میں کچھ مضائقہ ہے کہا نہیں۔
حکایت کیا ہے ماوردی نے کہ معاویہ اور عمرو ابن عاص نے عود ابن جعفر کے پاس سنا ہے ابو الفرح اصبہانی نے روایت کی ہے کہ
حسان بن ثابت نے گانا سنا ہے بزہر پر اپنا کوئی شعر بزہر د عود ہما ابو العباس مبرد نے بھی ایسا ہی ذکر کیا ہے ابن سمعانی نے طاؤس سے
اباحت نقل کی ہے اور ابن قتیبہ اور صاحب امتاع نے نقل کی ہے اباحت سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن زہری قاضی مدینہ
سے اور نقل کیا ہے ایسا ہی ابو یعلی حنبلی نے عبد العزیز بن سلمہ مفتی مدینہ سے اور حکایت کی ہے رومانی نے قفال سے کہ مذہب
مالک ابن انس کا اباحت غنا ہے بالمعازف اور حکایت کی ہے استاد ابو المنصور خوراقی نے مالک سے جواز عود اور ذکر کیا ابوطالب
مکی نے کہ معہ نے طنبور سنا ہے ایک محدث مشہور کے مکان پر اور حکایت کیا ہے ابو الفضل بن طاہر نے کہ اہل مدینہ میں اباحت
عود میں کچھ اختلاف نہیں باقی رہا مجرد غنا بلا آلہ غزالی نے اس کے حل پر اتفاق نقل کیا ہے اور ابن طاہر نے اسپر اجماع صحابہ
وتابعین نقل کیا اور تماج مراری اور ابن قتیبہ نے اتفاق اہل حرمین اسپر نقل کیا ہے۔ اور نقل کیا ہے ابن طاہر اور ابن عیینہ نے
اتفاق اہل مدینہ کا اُسپر ابن نحوی نے لکھا ہے کہ غنا اور اس کا سماع ایک جماعت صحابہ اور تابعین سے منقول ہے صحابہ میں سے
ابن عمر جیسا کہ روایت کرتے ہیں ابن عبد البر وغیرہ اور عثمان جیسا کہ نقل کیا ہے ماوردی اور صاحب البیان نے اور رافعی نے
اور عبد الرحمٰن بن عوف نے جیسا کہ روایت کیا ہے ابن ابی شیبہ نے اور ابو عبیدہ بن الجراح جیسا کہ بیہقی روایت کرتے
ہیں اور سعد بن ابی وقاص جیسا کہ ابن قتیبہ روایت کرتے ہیں اور ابو مسعود انصاری جیسا کہ بیہقی نے روایت کی ہے اور بلال
اور عبد اللہ بن ارقم اور اسامہ بن زید جیسا کہ بیہقی روایت کرتے ہیں اور حمزہ جیسا کہ صحیح میں ہے اور ابن عمر جیسا کہ ابن طاہر
نے روایت کی ہے اور براء بن مالک جیسا کہ ابو نعیم روایت کرتے ہیں اور عبد اللہ بن جعفر جیسا ابن عبد البر روایت کرتے ہیں اور

عبد اللہ بن زبیر جیسا ابو طالب مکی نے نقل کیا ہے اور حسان جیسا ابو الفرج اصبہانی روایت کرتے ہیں اور عبد اللہ بن عمر جیسا کہ زبیر بن بکار نقل کرتے ہیں اور قرظہ بن کعب جیسا کہ ابن قتیبہ نے روایت کی ہے اور مغیرہ بن سعد جیسا ابو طالب مکی حکایت کرتے ہیں اور عمرو بن عاص جیسا ماوردی حکایت کرتے ہیں اور عائشہ اور ربیع جیسا صحیح بخاری وغیرہ میں ہے اور تابعین سے ہیں سعید بن مسیب و سالم بن عمر و ابن حسان و خارجہ بن زید و شریح قاضی و سعید بن جبیر و عامر شعبی و عبد اللہ بن ابی عتیق و عطاء بن رباح و محمد بن شہاب زہری و عمر بن عبد العزیز و سعد بن ابراہیم زہری؛ اور تبع تابعین سے بہت سے ہیں انھیں سے ائمہ اربعہ اور ابن عبید اور جمہور شافعیہ ہیں؛ اور ایک گروہ جو غنا کو حلال و مباح رکھتا ہے اور اسی مدعا پر چند دلیل پیش کرتا ہے۔ قرآن سے قال اللہ تعالیٰ یحل لہم الطیبات و یحرم علیہم الخبائث؛ طیب کے تین معنی ہیں ایک لذیذ و دلچسپ یہ معنی متبادر الی الفہم ہیں اگر قرینہ ہو دوسرے معنی ہیں طاہر تیسرے معنی ہیں حلال معنی ثالث مراد نہیں ہو سکتے بقرینہ لفظ احل چونکہ طیبات معرف باللام ہے اس لئے اسکی جملہ افراد مستغرق ہوں گے تو جملہ افراد لذیذ و طاہر کو شامل ہوگا اور اگر عام کے بعض افراد مراد ہوں تو جو معنی متبادر الی الفہم ہونگے وہی مقصود ہونگے متبادر الفہم لذیذ۔ ابن عبد السلام نے تصریح کی ہے کہ آیت میں طیبات سے مراد لذائذ ہیں اور احادیث سے دلیل لاتے ہیں مثلاً حدیث نمبر ۲۳ و ۲۵ جس میں مصرح ہے کہ پیغمبر خدا نے گانا سنا ہے اور احادیث نمبر ۲ و ۳ و ۴ و ۵ سے استدلال کرتے ہیں پس غنا حرام ہوتا تو نہ پیغمبر سنتے اور نہ اجازت دیتے ایک حدیث ربیع بنت معوذ سے مروی ہے قالت دخل علی النبی صلعم غداۃ بنی علی فجلس علی فراشی کمجلسک منی و جویرات یضربن بالدف یندبن من قتل من آبائی یوم بدر حتی قالت احداھن۔ وفینا نبی یعلم ما فی غد فقال النبی صلعم لا تقولی ھکذا وقولی کما کنت تقولین رواہ الجماعۃ الا مسلماً و النسائی ترجمہ ربیع بنت معوذ نے کہا میرے پاس آئے پیغمبر خدا اس صبح کو جب میرا نکاح ہوا اور میرے بچھونے پر بیٹھ گئے اور چھوکریاں دف پر گاتی تھیں یہاں تک کہ ایک نے گایا کہ ہم میں نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے آپ نے فرمایا یہ مت گا جو پہلے گاتی تھی گا۔ اس حدیث سے آپ کا گانا سننا اور اسکی اجازت دینا بخوبی ثابت ہے گو نکاح میں تھا اور مجوزین کہتے ہیں کہ اگر ہم لہو کو من حیث اللہو حرام کہیں تو جتنے امور دنیا میں ہیں حرام ہو جائیں گے کیونکہ خدا کہتا ہے انما الحیوٰۃ الدنیا لہو و لعب گروہ مقابل جواب دیتے ہیں کہ ہم سب لہو کو حرام نہیں کہتے بلکہ لہو خاص کو یعنی لہو الحدیث کو جو منصوص ہے قرآن میں لیکن جب آیت میں لیضل عن سبیل اللہ سے تعلیل کی گئی ہے تو یسی دلیل مدعا پر نہیں لا سکتے جب میں حجج فریقین کو لکھ چکا تو کہتا ہوں کہ گانا ہر مذہب میں عبادت ہے بڑے بڑے مرتاضوں نے گایا ہے اور گاتے ہیں۔ حضرت داؤد حضرت سلیمان کا گانا بخوبی ثابت ہے اور حضرت یعقوب کے بیٹے بھی ان کو بین پر گانا سناتے تھے۔ گانا امورات طیبہ سے ہے وہ مطلقاً ممنوع ہو نہیں سکتا جو گانا خدا کی طرف متوجہ کرنے اور دنیا سے اجتناب کی غرض سے ہوتا ہے وہ ضرور مستحب ہوگا کبھی محزون استیلائی غم سے

بہت بےچین ہوتا ہے اکثر کاموں سے معطل ہوجاتا ہے عمدہ افکار سے دماغ خالی ہوجاتا ہے ایسی حالت میں گانا مفید ہوتا ہے یہ گانا
بنظر تداوی ہے حرام کیسے ہوسکتا ہے فن موسیقی علوم حکمتہ سے ہے ہاں وہ گانا جو فسق و فجور کی طرف مائل کرے حرام ہوگا جب
پیغمبر نے اور صحابہ نے گانا سنا ہے تو اسے حرام نہیں کہہ سکتے گو وہ بنظر لذت ہو الغرض گانا لہو و لعب میں سے ایسا ہے جسمیں علماء
نے اختلاف کیا ہے اور حدیث نمبر ۸ میں جو ابو امامہ بیان کرتے ہیں اگر ثابت ہو تو غالباً آپ نے بہ نسبت اس گانے کے فرمایا ہو
جو بتوں کے سامنے بیقرینہ چلاتے ہیں جن سے دماغ سامعین پریشان ہوتا ہے کیونکہ غنا بے رفع صوت ہوتا نہیں لہذا مقصود
رفع صوت بے موقع ہوگا ؎ رہیقم در گوش کن تا نشنوم ؛ یا درے بکشائی تا بیرون ادم ؛ حدیث نمبر ۱۱ میں جو لکھا کہ پیغمبر خدا نے
بانسری کی آواز سنکے کان میں اونگلی رکھی اس کی علت نہیں معلوم ہوئی کہ آپ نے کان میں اونگلی کیوں دی اگر کہیں کہ
نسبت حرمت کی تو یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ آپ نے خود باجا سنا ہے غالباً وہ راعی دیوتاؤں کی خوشنودی کی غرض سے
بانسری بجاتا تھا یا اس کی آواز مکروہ تھی جیسے سنکھ کی آواز ہوتی ہے پس یہ حدیث مطلقاً حجت نہیں ہوسکتی حدیث نمبر ۱۲
جسمیں لکھا ہے کہ پیغمبر نے فرمایا ان اللہ حرم الخمر والمیسر والکوبۃ والغبیراء کوبہ کے معنی نرد ہیں یہ مناسب ہے میسر کی اور غبیراء
ایک قسم کی شراب ہے یہ مناسب ہے خمر کے خدا نے ان چیزوں کو حرام کہا ہے اور غبیراء کی تفسیر باجے سے صحیح نہیں ہاں کوبہ کے
معنی کبھی طبل کے آئے ہیں لیکن قبا دراور کیثر بمعنی نرد ہے حدیث نمبر ۱۳ میں کوئی حکم نہیں - بیان ہوا ہے بلکہ ایک پیشین گوئی ہے اور
بنی اسرائیل میں سے بعض اشخاص کا حال بیان ہوا ہے البتہ اشارہ ہے منع کثرت ملاہی کی طرف حدیث نمبر ۱۴ کا ماحصل یہ ہے کہ
میری بعثت بت پرستی مٹانے کی لئے ہے چنانچہ اس میں بڑی کوشش رہی صدہا قتال ہوے اور مزامیر اور کبارات کے مٹانے کا
جو ذکر ہے اس سے مقصود وہی باجے ہیں جو بتوں کے سامنے بجتے ہیں التی کانت تعبد فی الجاہلیۃ مزامیر اور کبارات وادتان سبکے
ساتھ ملتا فافہم جب ثابت ہے کہ پیغمبر نے اور صحابہ نے گانا باجے کے ساتھ سنا ہے تو اس کو مطلقاً حرام کہنا سوء ادب ہے ہاں اگر
گانا سننا حبت الکثرۃ حد سے متجاوز ہو اور خدا کے ذکر اور ضروری کاموں سے روکے تو ضرور حرمت کے حد کو پہونچ جائیگا اس سے
احتیاطاً و احتراز چاہیئے ورنہ گانا دوا قلب ہے ہاں کسبیوں کا گانا حرام ہے جیسا حدیث نمبر ۱۵ سے ثابت ہے الغرض ملاہی
سے مراد گانا ہو اس کی حرمت قطعی نہیں ہے مختلف فیہ ہے فقط حدیث نمبر ۲۱ میں نردشیر کھیلنے کی ممانعت ہے علت اس کی حرمت
کی بھی بیان ہوئی ہے کہ اس میں نشانات اوضاع فلکی بنے ہوتے ہیں جس سے احکام نکالتے ہیں حدیث نمبر ۲۲ سے بھی مطلق نرد کھیلنے
کی ممانعت نکلی ہے حدیث نمبر ۱۹ سے کبوتر بازی کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اس حدیث کی رواۃ میں محمد بن عمرو بن علقمہ بھی ہیں
اسمیں علماء حدیث نے اختلاف کیا ہے لعب بالحمامہ اکثر علماء کے نزدیک مکروہ ہے اور ظاہر حدیث سے اس کی حرمت نکلتی ہے
لیکن اس سے صرف بلفظہ کی حرمت نہیں نکلتی قندیریہ ملاہی ہیں جنکی حرمت یا کراہت کا بیان ہے حدیث نمبر ۹ سے اباحت شہسواری

وتیراندازی وملاعبت بالازواج کے نکلتی ہے حدیث نمبر ۱۶ سے دوڑ کا کھیل مباح نکلتا ہے حدیث نمبر ۱۷ سے اباحت مصارعت ظاہر ہے حدیث نمبر ۱۸ سے سپہ گری تماشا مباح نکلتا ہے الغرض کوئی کھیل اس حیثیت سے کہ وہ کھیل ہے حرام نہیں جب تک کہ وہ حد اعتدال سے متجاوز نہو اور ضروری کاموں سے باز نہ رکھے یا نص صریح سے اس کی حرمت ثابت نہ ہو فقط -

باب سوم

شطرنج کی حرمت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے لہذا وہ اپنی اصل اباحت پر ہے تاوقتیکہ حد سے متجاوز نہ ہو اگر وہ خدا کے ذکر اور نماز سے نہ روکے مباح ہے اور اگر کارہائے ضروری میں اس سے نقص واقع ہو تو وہ مذموم و مکروہ ہوگا فقط اب میں علماء کے مباحث کو ذکر کرتا ہوں امام نووی نے لکھا ہے کہ ہمارے مذہب (یعنی مذہب شافعیہ) میں مکروہ ہے حرام نہیں ایسا ہی مروی ہے ایک جماعت تابعین سے امام مالک واحمد اسے حرام کہتے ہیں وے لوگ نرد پر قیاس کرکے کہتے ہونگے ابن کثیر نے ارشاد میں لکھا ہے کہ اول ظہور شطرنج صحابہ کی زمانہ میں ہوا ایک شخص ہندی نے ایجاد کیا روایت کیا بیہقی نے کہ علی نے شطرنج کے بارہ میں کہا ہے کہ وہ قمار سے ہے ابن کثیر نے کہا کہ حدیث منقطع ہے روایت کی گئی ہے ابن عباس و ابن عمر اور ابو موسی اشعری اور ابوسعید اور عائشہ سے اسکی کراہت اور ایک روایت ابن عمر سے ہے کہ وہ نرد سے بُرا ہے جیسا مالک کہتے ہیں یہ روایت بھی حرمت تک نہیں پہونچاتی اور حکایت کی گئی ہے ابن عباس و ابوہریرہ اور ابن سیرین اور ہشام بن عروہ بن زبیر اور سعید ابن مسیب اور ابن جبیر سے اسکی اباحت، چند احادیث اسکی تحریم میں دیلمی نے اخراج کی ہے ان اللہ فی کل یوم ثلثمائۃ نظرۃ لا ینظر فیہا الی صاحب الشاہ و فی لفظ یرحم بہا عبادہ لیس لاہل الشاہ فیہا نصیب یعنی شطرنج ترجمہ خدا ہر روز تین سو مرتبہ توجہ کرتا ہے اسمیں شاہ والے کی طرف توجہ نہیں کرتا اور یوں بھی ہے رحم کرتا ہی اوسمیں اپنے بندوں پر شاہ والوں کے لئے اوسمیں نصیب نہیں ہے یعنی شطرنج ایک حدیث ابن عباس سے اخراج کیا ہے الا ان اصحاب الشاہ فی النار الذین یقولون قتلت واللہ شاہک ترجمہ دیکھو شاہ والے دوزخ میں ہوں گے جو کہتے ہیں قتل کیا میں نے تیرے شاہ کو ایک حدیث دیلمی نے انس سے اخراج کی ہے ملعون من لعب بالشطرنج ترجمہ ملعون ہو جس نے شطرنج کھیلا ایک حدیث ابن حزم نے روایت کی ہے ملعون من لعب بالشطرنج والناظر الیہم کالآکل لحم الخنزیر ترجمہ ملعون ہے جس نے شطرنج کھیلا جس نے ان کو دیکھا گویا سور کا گوشت کھایا دیلمی نے ایک حدیث علی سے مرفوع روایت کی ہے یاتی علی الناس زمان ملعون بہا ولا یلعب بہا الاکل جبار والجبار فی النار ترجمہ لوگوں پر ایک وقت آئیگا کہ شطرنج کھیلیں گے وہ نہیں کھیلتا مگر ظالم اور ظالم آگ میں پڑیگا اخراج کیا ہے ابن ابی شیبہ اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت علی سے کہ انھوں نے کہا نرد اور شطرنج جوا ہے اخراج کیا ہے عبد بن حمید حضرت علی سے کہ شطرنج عجم کا جوا ہے اور ابن عساکر نے حضرت علی سے روایت کی ہے لا تسلم علی اصحاب نرد بیرد الشطرنج ترجمہ سلام نہ کیا جائے اصحاب نردشیر اور شطرنج باز ابن کثیر نے

کہا ہے کہ کوئی حدیث اس میں صحیح نہیں ہے مجوزین لکھتے ہیں اسمیں فائدہ بھی ہے یعنی معرفت تدبیر حرب اور اس کی داؤ گھات تو وہ مشابہ تیر اندازی وغیرہ کے ہے فقط الغرض، شطرنج ان کھیلوں میں نہیں ہے جس کی حرمت یا کراہت کے بارہ میں کوئی نص ہو تو اس کی اباحت باطل نہیں ہوتی شطرنج سے بہتر کوئی کھیل نہیں قوت فکری کی تیزی میں بہت کارآمد ہے ایسے ایسے نقشہ اس کے ہیں جسمیں عقل چکر کھاتی ہے جبر و مقابلہ کے سوالات سے اس کی فصیحات کم نہیں ہاں حد سے زیادہ انہماک مکروہ ہے اور اگر ذکر الٰہی اور نماز سے باز رکھے تو حرام بھی ہو جائیگا۔

کلام بخت

(از سنہات انور بخت بہادر صاحب متخلص بہ بخت خلف حباب راجہ درگا پرشاد تنجا ابن رئیس سندیلہ ضلع ہردوئی)

جام مے قلقلوں سے دیں بھر کے تو پیمانہ　　آباد رہے ساقی دائم ترا میخانہ

بیہوش ہوا کوئی کوئی ہوا دیوانہ　　کیا تیری نگاہیں ہیں اے نرگس مستانہ

موسیٰ کو نہ تاب آئی بیخود ہوئے غش کھا کر　　جس وقت نظر آیا وہ جلوۂ جانانہ

یہ آرزو ہے میری پہلو میں مرے تم ہو　　دور اب چلے ساغر کا گردش میں ہو پیمانہ

ساغر کے لئے کیوں تم تکلیف اٹھاتے ہو　　بوتل کو جو توڑو تم بنجائے گا پیمانہ

یہ حسن کے غمزے ہیں الفت کو کرشمے ہیں　　پگھلا نہ دل شمع اور جلتا رہا پروانہ

آرام رہی جب تک غمخوار ہمارے تھے　　ہنگام مصیبت میں سب ہو گئے بیگانہ

شاہان جہاں کیا کیا غائب ہوئے دنیا سے　　نے تاج شہی سر پر نے پوشش شاہانہ

اب دیکھئے کس کس کی شامت نہ وہاں آئے　　آئینہ منگاتے ہیں کرتے ہیں طلب شانہ

جو مالک آدم ہے جو خالق عالم ہے　　میں جان و جگر سے ہوں اس شمع کا پروانہ

اے بخت اثر کچھ تو آہوں نے یہ دکھلایا
غمناک ہوئے سنکر وہ بھی مرا افسانہ

رنگ رخ عالم کچھ بگڑا نظر آتا ہے　　دیکھو جسے وہ دشمن اپنا نظر آتا ہے

بت خانہ و کعبہ میں جس سمت نظر کیجے　　محبوب دو عالم کا جلوا نظر آتا ہے

ہو جاتا ہوں میں بیخود موسیٰ کی طرح ایجاں　　وہ چاند سا جب تیرا مکھڑا نظر آتا ہے

اب خیر کرے خالق بچنا ہے محال ہمدم　　قاتل کا غضب آگیں چہرا نظر آتا ہے

کیا شکل تجھے پیاری خالق نے عطا کی ہے　　دیکھو جسے وہ شیدا نظر آتا ہے

اک جام مے عشرت ساقی تو عطا کرنا　　بادل سوئے میخانہ اٹھتا نظر آتا ہے

وہ عیش کہاں حاصل وہ لطف کہاں باقی　　شیرازۂ جمعیت بکھرا نظر آتا ہے

خالق کا کرم ہوگا اور عفو خطا ہوگی　　امنڈا ہوا رحمت کا دریا نظر آتا ہے

میخواروں کا مجمع ہے مصروف قدح نوشی　　دوکان پہ ساقی کے میلا نظر آتا ہے

ہر دل میں تری الفت ہر لب پہ تری رحمت　　تیرا ہی ہر اک سر میں سودا نظر آتا ہے

شمس و قمر و گل میں ہر برگ و ہر اک بر میں　　پرتو تری قدرت کا پھیلا نظر آتا ہے

وہ پوچھتے ہیں مجھ سے اے بخت ہو کیوں پرغم　　چہرہ یہ تمھارا کیوں اترا نظر آتا ہے

تین ملاقاتیں

(روسی افسانہ نگار ٹرگنیف کی ایک کہانی)

مترجمہ جناب جلیل احمد صاحب جلیل قدوائی بی اے علیگ

مصنف «ٹرگنیف»

کوہ و صحرا میں جو وہ رشکِ قمر ساتھ رہے[1] ۔۔۔ لطف آمیز ہو پھر رنج بھی تنہائی کا
آ، مرے دل میں بصد شوق اُتر آ، پیارے ۔۔۔ میں خریدار ہوں ارمانِ خود آرائی کا

(۱)

گرمی کے موسم میں شکار کھیلنے کی غرض سے میں اکثر گلی نائے جایا کرتا تھا یہ گاؤں میرے شہر سے کوئی پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے اور ضلع بھر میں شاید سب سے زیادہ شکار یہاں ہے، آس پاس کی تمام جھاڑیوں کو دیکھ بھال کر، قریب کے کھیتوں اور باغوں میں گھوم پھر کر پاس ہی ایک دلدل سے میں وہاں چلا جاتا تھا اور کچھ دیر وہاں وقت گزار کر قریب قیام اپنے کشادہ دل میزبان کے پاس پہونچ جاتا تھا۔

دلدل سے گلی نائے کا فاصلہ ڈیڑھ میل سے زیادہ نہیں ہے، راستہ ایک وادی سے ہو کر گیا ہے درمیان میں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر چڑھنا ہوتا ہے، اس پہاڑی کی چوٹی پر ایک چار دیواری کے اندر ایک خوشنما باغ اور ایک غیر آباد مکان ہے شام کے وقت کہ میں اکثر ہی اس طرف سے گزرا ہوں اور مجھے یاد ہے کہ اس مکان اور اس کی بند کھڑکیوں کو دیکھ کر مجھے ایک بڈھا یاد آتا تھا جو ان کھڑکیوں کے نیچے کبھی کبھی دھوپ کھانے کی غرض سے یہاں بیٹھا رہتا تھا۔ وہ اندھا تھا سورج کی روشنی اس کے لئے تاریکی میں تبدیل ہو چکی تھی، وہ اس کی گرمی اپنے چہرے اور گالوں پر محسوس کر سکتا تھا۔ اس گھر میں برسوں سے کوئی نہیں رہتا تھا۔ باغ کی ایک کوٹھری میں صرف ایک بڈھا نوکر تھا۔ اس کا قد لانبا تھا کمر جھک گئی تھی۔ سر کے بال سفید ہو گئے تھے اور اس کے چہرے پر روکھا پن تھا۔ وہ ہر وقت مکان کی دیوار کے تلے ایک تپائی ڈالے بیٹھا رہتا تھا اپنی آنکھیں نیم وا کئے دور نظر گاڑے رکھتا، مجھے دیکھ کر وہ پہلو بدلتا اور اپنا سر ایک خودداری کی آن لئے خم کرتا اس کے انداز میں ایک ایسی خودداری تھی جو ہمارے بزرگوں اور بڑھوں میں پائی جاتی تھی۔

---

[1] اصل گانا اطالی کی زبان میں ہے جس کا یہ اردو قالب ہے، اس کہانی میں جگہ جگہ اس گانے کا ذکر آیا ہے میں نے آسانی کے لئے اردو شعر میں اسے ڈھالنے کی کوشش کی ہے ترجمہ کے لینے میں اپنے شفیق دوست پروفیسر [illegible] کا ممنون ہوں۔ مترجم

مین اُس سے بات کرنا مگر گفتگو اُسے زیادہ پسند نہ تھی، مجھے اُس سے صرف اس قدر معلوم ہو سکا کہ جس مکان کا وہ نگران ہی وہ اُس کے مالک کی پوتی کا ہی؛ وہ اب بیوہ ہی، اُس کی ایک چھوٹی بہن بھی ہی، وہ دونون سمندر پار کہین رہتی ہین اور مکان پر کبھی نہین آتین، بڈھا اپنی موت کے انتظار مین زندگی کے دن کاٹ رہا تھا کیونکہ «انسان اتنے عرصہ سے کہار ہا ہی کہ کھاتے کھاتے تھک گیا ہی»، اس کا نام نوکیا آئی تھا۔

ایک دن کسی سبب سے مجھے کھیتون مین دیر ہو گئی، مین نے کافی شکار کھیلا تھا، وہ دن شکار کے لئے بہت ہی مناسب تھا صبح سے۔ پُرسکون بھیگی بھیگی گویا شام کی خواہشات امن سے بھری ہوئی تھی۔ شام تک مین باغون اور میدانون مین گھومتا رہا یہان تک چارون طرف تاریکی نہین چاندنی پھیل گئی اور رات نے آسمان پر اپنی چادر پھیلا دی، مین مکان دیر مین پہونچا، مجھے باغ کی چاردیواری کی طرف سے گزرنا پڑا ……

چارون طرف کامل خاموشی چھائی ہوئی تھی ………

مین نے شاہراہ کو چھوڑ دیا اور خاردار جھاڑیون سے اپنے دامن کو بچاتا ہوا باغ کی چاردیواری تک آیا اور اُس کی نیچی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ مختصر، خوبصورت باغ خوشبو اور روشنی کا ایک وسیع خطہ تھا، شبنم کی لطیف خنکی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی، خاموشی ہر چیز پر حاوی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاند کی روپہلی ٹھنڈی روشنی تھپک تھپک کر، لوری دے دے کر باغ مین ہر سمت پیغام راحت پہونچا رہی ہی۔ درمیان مین پرانی وضع کا ایک چوڑا تختہ زمین تھا، آڑے ترچھے راستے ایک پھولون بھری کیاری کے گرد آکر ملتے تھے۔ چارون طرف برابر برابر سے لیمون کی جھاڑیان تھین۔ ایک سمت کوئی چودہ فٹ چوڑا ایک کشادہ راستہ تھا۔ درختون کی آڑ سے مین نے مکان کو دیکھا اور یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس کی دو کھڑکیان روشن تھیں، سبزہ کے اوپر کہین کہین چھوٹے چھوٹے سیب کے درخت تھے۔ انکی شاخون سے ملا ہوا، پتون پر جھکا ہوا صاف شفاف آسمان ایسا نظر آتا تھا جیسے چاندنی نے اُسے نہلایا ہو، ہر سیب کے درخت کے سامنے دھندلے سبزی مائل فرش پر اُس کا دھوپ چھاؤن سا سایہ بچھا تھا۔ باغ کی ایک جانب لیمون کی جھاڑیان تھین جو سکون آمیز چاندنی کے سیلاب سے بھورے ہلکے سبز رنگ کے بڑے بڑے دھبے معلوم ہوتی تھیں، اُن کے اندر سے کبھی کبھی ایک پُراسرار، دبی ہوئی دھیمی سنسناہٹ نکلتی تھی۔

آسمان پر تارے چمکتے تھے، اُنکی ہلکی [illegible] ایک [illegible] تھی، [illegible] ہم تک پہونچتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان والے دنیا والون کو ایک نسیم بیداری کے [illegible] کبھی کبھی [illegible] ٹکڑے چاند کو چھپا دیتے تھے اور تھوڑی دیر کے لئے اُس کی [illegible] چاندنی کو ایک مبہم غبار، ایک مدھم اور ہلکے [illegible] مین تبدیل کر دیتے ….. ہر چیز سو رہی تھی، ہوا گرم اور خوشبودار ہوا رُک چکی تھی، کبھی کبھی اُس مین ایک لطیف تموج پیدا ہو جاتا جیسے کسی چھوٹے چٹان سے ٹکراتے وقت پانی مین خفیف لرزش آ جاتی ہی۔ فضا مین ایک سکون کی خواہش تھی، ایک نرمی، ایک راحت طلبی کی تمنا ….. دیوار پر اپنی کہنی ٹیک کر مین جھک گیا۔ ایک سرخ پوستہ اپنے سیدھے اور مضبوط ڈنٹھل کے سہارے گھاس کی سطح سے کچھ بلند میرے پاس ہی کھڑا تھا اور رات کی شبنم کا ایک بڑا قطرہ اُس کی کٹوری مین تاریک

چمک پیدا کر رہا تھا، ہر چیز سو رہی تھی، آرام سے پڑے پڑے اوپر کو تک رہی تھی چُپ چاپ بغیر کسی حرکت کے انتظار کر رہی تھی۔ . . . . یہ گرم نیم پیلی رات کس کا انتظار کر رہی تھی؟

کسی آواز کا انتظار کر رہی تھی، کوئی زندہ آواز ایک جان دار آہٹ۔ بلبلیں عرصہ ہوا چپ ہو گئی تھیں اور لیموں کی جھاڑیوں کے تالاب کے پاس اور اس کے اندر مچھلیوں کی ڈبکیاں، خوف زدہ طائروں کے خوف زدہ پھڑپھڑاہٹ، دُور کے کھیتوں میں مدھم آوازیں۔ اتنی دُور کی آوازیں کہ کانوں کو ان کا امتیاز مشکل تھا۔ سڑک پر چلنے والے جانوروں کے قدم کی چاپ۔ یہ تمام نیم مُردہ، نیم جان دار حرکتیں خاموشی کو اور بڑھا رہی تھیں۔ . . . . میرا دل ایک لطیف حس سے مرتعش تھا جیسے مجھے کوئی گزری ہوئی گھڑی یاد آ رہی ہو یا کسی مسرت کا انتظار رہو، میں ہلنے کی ہمت نہ کر سکتا تھا۔ میں غیر متحرک باغ کے سامنے جم کر رہ گیا، چاندنی اور شبنم مجھے بھگو رہی تھیں، میں نہیں جانتا کیوں میں نے اُن دو کھڑکیوں پر نظر گاڑ دی تھی جن سے چھنکر دھیمی سُرخ روشنی نکل رہی تھی، اتنے میں اس مکان کے اندر سے ایک لطیف نغمہ بلند ہوا، پیانو کی رس بھری تان۔ ساز کے چھیڑتے ہی جیسے ساری فضا جاگ اُٹھی، ایک لہر کی طرح یہ صدا ہر طرف پھیل گئی . . . . ایک آواز بازگشت بن کر یہ نازک و پُر لطف تان میرے کان سے ٹکرا کر رک گئی، میں چونک پڑا،

ساز کی آواز کے ساتھ ایک عورت کی آواز سنائی دی . . . . . . میں نے حریصانہ اُسے سُنا۔ اور . . . . . اپنی حیرت کس طرح ظاہر کروں؟
دو سال پہلے اٹلی میں سورنٹو کے مقام پر یہی گانا میں نے سنا تھا . . . . . ہاں، . . . . . یہی گانا . . . .

"کوہ و صحرا میں جو وہ رشکِ قمر ساتھ رہے"

یہی گیت تھا مجھے خوب یاد ہے، اس کا واقعہ یوں ہے، ایک رات ساحلِ بحر پر ٹہلتے ٹہلتے میں واپس ہوا، سڑک پر تیز قدم میں نے چلنا شروع کئے. رات ڈھل چکی تھی، جنوب کی نشہ آور اور حسین رات، ہمارے ہاں کی راتوں کی سی مغموم اور نڈھال رات نہیں بلکہ روشن و پُر بہار اس کنواری لڑکی کی طرح جو زیبائش و لطافت کا مجسمہ ہو، ایسی رات! چاند چمک رہا تھا، گہرے نیلے آسمان پر تارے تڑپ رہے تھے، آہستہ آہستہ بے کس رکھ تھے، سیاہ لانبے درختوں کے سایے ہوا کی چھیڑ سے چاندنی کے فرش پر پڑے کانپ رہے تھے، سڑک کے چاروں طرف باغوں کی سنگین دیواریں تھیں، نارنگی کے درخت اپنی شاخیں ڈالیوں کے سہارے پھیلائے ہوئے تھے، پھلوں کے سُنہرے چھلکے پتوں کی آڑ میں چاندنی کے سینوں سے عجیب رنگ و روپ کے معلوم ہوتے تھے، بہت سے درختوں پر اب تک نزاکت بھری پھولوں کی سفیدی تھی۔ ہوا خوشبو سے مہک رہی تھی۔ طاقت دار تیز وزنی خوشبو سے بسی ہوئی ناقابل بیان مہک خرام ہوا۔

میں چلتا رہا اور میں اقبال کرتا ہوں کہ ان مناظر کا عادی ہو جانے کی وجہ سے میرے دل میں اس وقت بہ ہوش پہنچ [illegible] کوئی طلسم خیال نہیں گذرا۔ یکایک راستہ کے اُس طرف سے جدھر سے میں آ رہا تھا دیوار کے قریب ایک مکان سے عورت کی آواز آئی . . . یہ گیت تھا جسے میں نہیں جانتا تھا، آواز اس قدر اثر آفرین اس قدر دلچسپ تھی کہ مجھے گھوم کر دیکھنے کے لئے مجبور ہونا پڑا، مکان میں . . .

کھڑکیاں تھیں لیکن دونوں بند تھیں اور اُن کے دروازوں سے صرف ہلکی ہلکی روشنی چھن چھن کر نکل رہی تھی، دو مرتبہ

"آ، مرے دل میں بعد شوق اُتر آ......"

کی تان لگا کر یہ آواز رک گئی، میں نے تاروں کی ایک مضطرب جھنکار سُنی جیسے ستار زمین پر پھینک دیا گیا ہو، اس کے بعد کپڑوں کی ہلکی سرسراہٹ پھر قدموں کی چاپ،

ایک کھڑکی کی روشنی پر سایہ سا آگیا...... شائد اندر سے کوئی آکر لیمپ پر جھک پڑا، میں دو قدم پیچھے ہٹا، یکایک کھڑکیوں کی چول سے آواز پیدا ہوئی اور کھڑکی کھل گئیں، ایک دل آویز خاتون نے جو ایک سفید سادہ لباس زیب تن کئے تھی اپنا سر کھڑکی سے باہر نکالا اور اپنے بازو میری طرف کشادہ کئے۔ بازو کشادہ کئے اور بولی "آگئے؟..... پیارے!"..... میں ڈر گیا میں نہیں سمجھ سکا کہ کیا کہوں، لیکن ایک آن میں وہ نامعلوم سینہ ہٹ گئی، کھڑکی بند کر لی گئی اور کمرے کی روشنی آہستہ آہستہ کم ہو گئی، شاید روشنی دوسرے کمرے میں چلی گئی، میں بے حس و حرکت کھڑا تھا اور دیر کے بعد ہوش میں آیا، یہ عورت جو اس طرح یکایک مجھے دیکھتے کو مل گئی بلا کی حسین تھی، میں نے اُسے تھوڑی ہی دیر دیکھا تھا اس لئے اُس کے نقشہ کے جزئیات کو سامنے لانا مشکل تھا لیکن مجموعی حیثیت سے اُس نے میرے دل پر ایک گہرا نقش چھوڑا تھا..... مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میں زندگی بھر اِس چہرے کو نہ بھولوں گا۔

مکان کی دیوار پر اور اُس کھڑکی پر جس سے اُس نے مجھے اپنا جلوہ دکھایا تھا چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور اس نور کے سمندر میں اسکی سیاہ آنکھیں کس قدر چمکدار نظر آئی تھیں، اس کے بھرے بھرے خوبصورت بازو اور اُس کے شانوں پر اس کے کھلے ہوئے لانبے سیاہ بال کس طرح لہرائے تھے، اس کی کمر کی لچک کس قدر پُرعیش اور نزاکت آفرین تھی۔ اُس کی پُرترنم آواز کیسی سُریلی اور رسیلی تھی اُس جگہ کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد میں ہٹ کر دوسری دیوار کے سایہ کے تلے چلا گیا۔ اور اُس مکان کی طرف بہت دیر شوق نظروں سے گھورا کیا، میں نے سنا..... توجہ اور اشتیاق سے سنا..... مجھے افسوس سا ہوا کہ کوئی اُس تاریک کھڑکی سے لگا سانس لے رہا ہے، اُس کے بعد سرسراہٹ، پھر ایک قہقہہ کی جھنکار آخر دور سے قدموں کی چاپ سُنائی دی..... آواز قریب آگئی، ایک آدمی میرے قد کے برابر سڑک پر نظر آیا اور ایک چھوٹے پھاٹک تک جلدی جلدی وہ گیا۔ پھاٹک کو اب تک میں نے نہ دیکھا تھا۔ اُس شخص نے لوہے کے دروازوں پر آہستہ دستک دی، کچھ دیر انتظار کیا اور پھر دستک دی آہستہ آہستہ گنگنانے لگا؛

"میں خریدار ہوں......... "

پھاٹک کھل گیا..... وہ آہستہ اندر داخل ہوا۔ میں ٹھٹکا، میں نے اپنی گردن ہلائی اور ایک حیرانی کی حس اپنے دل میں لئے غمگین غمگین اپنے راستہ پر ہو لیا۔ دوسرے دن دھوپ کی تمازت کے باوجود میں نے اس مکان کے کتنے ہی چکر لگائے لیکن بیکار، اُسی دن شام کو میں نے سوز کو چھوڑ دیا۔

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس آواز کو دوبارہ سُن کر مجھے کتنی بے چینی اور حیرت ہوئی، وہی راگ، وہی سحرکار اور ترنم آفرین نغمہ جو روس کے ایک اسٹیشن

غیرآباد حصہ مین مین نے سنا، وہی رات کا وقت، اسی طرح ایک نیم روشنی، نامعلوم مکان سے آواز آ رہی تھی، اسی طرح میری تنہائی، میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، یہ خواب تو نہین ہے؟ مین نے اپنے دل سے کہا اور پھر مین نے۔

"آ، مرے دل مین بعد شوق اُتر آ......"

کی ایک تان سنی، کیا کھڑکی کھلیلی؟ کیا وہ نظر فریب حسینہ پھر طلوع ہو گی؟ کھڑکی کھلی، ایک نظر فریب حسینہ پھر طلوع ہو گئی، میرے اُس کے درمیان کوئی پچاس قدم کا فاصلہ تھا اور چاند پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی آ گیا تھا تاہم مین نے اُسے پہچان لیا، وہی تھی، وہی میری سوز شوالی نامعلوم حسینہ، لیکن پہلے کی طرح اُسنے اپنی عریان بانہین کھڑکی سے باہر نہین نکالین، اُسنے آہستہ سے اُنھین کھڑکی کی چوکھٹ پر ٹیک دیا اور اُس کے سہارے بالکل غیر متحرک کھڑی کھڑی وہ پُر لطف رات کا منظر دیکھتی تھی، ہان، وہی تھی، اس کا نقشہ مین کس طرح بھول سکتا ہون۔ اب مجھے یاد آنے لگا وہی خد و خال، وہی دلفریب چمکیلی آنکھین پہلے کی طرح اس کے جسم پر باریک سفید پوشاک تھی، صرف پہلے کی برنسبت اب وہ گداز زیادہ تھی، اس کے گرد ہر شے ایک احساس محبت سے بیدار تھی، ایک متیقن جذبہ عشق مین ڈوبی ہوئی تھی حسن کی فتح، ایک ایسی فتح جس پر محبت و مسرت سایہ ڈالتی ہین، ہر چیز کو شاداب کر رہی تھی، بہت دیر تک وہ بےحس و حرکت کھڑی رہی، اُس کے بعد اُس نے اپنے کمرے کی طرف دیکھا افسردگی کے لہجہ مین تین دفعہ "الوداع!" کہا، شیرین و رقصان آواز خاموش فضا مین دیر تک گونجی، پھیلی، دیر تک اس کے لہجہ کی موسیقی ہوا میں تیری، لہرائی، آہستہ آہستہ باغ کے اُس سمت جہان لیمو کے جھنڈ تھے کب یہ نہین معلوم بالآخر وہ آواز جذب ہو گئی، رُک گئی، کچھ دیر تک میرے لئے تمام کائنات اس آواز کے نشہ مین جھومنے لگی، اُس کے سحر آفرین ترنم مین ڈوبنے لگی، ہر چیز اُس آواز سے بیدار ہو گئی، اُس آواز کے ساتھ ساتھ گانے لگی، جھومنے لگی۔

کھڑکی بند کر دی گئی اور کچھ دیر بعد روشنی گل کر دی گئی۔

جب مین اپنے ہوش مین آیا اور مین اقبال کرتا ہون کہ ایسا جلد نہین ہوا ــ مین آہستہ آہستہ باغ کی نیچے نیچے اس مکان کی طرف گیا بند پھاٹک پر پہونچکر مین نے اندر کی طرف نظر دوڑائی، صحن مین کوئی غیر معمولی چیز نظر نہ آئی ــ ایک سائبان کے نیچے ایک گوشہ مین ایک گاڑی کھڑی تھی، دالان کا اگلا حصہ جس مین مٹی کی لیس تھی چاندنی مین سفید نظر آتا تھا، پہلے کی طرح دروازون کی کنڈیان بند تھین، آدھ گھنٹہ سے زیادہ حیرانی و پریشانی کی حالت مین اُس پھاٹک پر مین ٹہلتا رہا، آخر ایک پالو کتے کی توجہ مجھ پر مبذول ہوئی وہ بھونکا نہین بلکہ میرے قریب آ کر اپنی نیم بیدار آنکھون سے مجھے گھور گھور کر شاید میرا مضحکہ اُڑاتا رہا...... مین وہان سے چلدیا لیکن آدھ میل نہ پہونچا تھا کہ اپنے پیچھے مجھے گھوڑے کے ٹاپون کی آواز سنائی دی...... کچھ دیر بعد ایک نوجوان سوار میرے پاس سے ہو کر گزرا، عجلت مین مجھے دیکھ کر اس طرح کہ مین صرف اس کی لمبی ناک. خوب صورت مونچھین اور اس کی ٹوپی جو سر کی پیشانی پر آ گئی تھی دیکھ سکا وہ راستہ کے داہنی جانب مُڑ کر جنگل مین غائب ہو گیا۔

"یہ تو وہی ہے!" میں نے خیال کیا اور میرا دل ایک عجیب احساس سے دھڑکا۔ "اسے تو میں جانتا ہوں"، میں نے کہا، اس کی شکل دیکھ کر مجھے یاد آ گیا جو سوز تھو میں باغ کے پھاٹک کے اندر داخل ہوا تھا...... آدھ گھنٹے کے بعد میں گلی نمبر پہونچا، اپنے میزبان کو جگا کر سب سے پہلا سوال میں نے یہ کیا کہ اس جگہ کون لوگ آئے ہوئے تھے۔

"وہ کون ہیں؟" میں نے بے صبری سے پوچھا،

"کون ہیں؟ عورتیں ہیں اور کون!" اس نے بے پروائی سے جواب دیا،

"کس طرح کی عورتیں؟"

"مکان کی مالک..... جیسی عورتیں ہوتی ہیں!"

"روسی؟"

"ہاں، روسی!"

"کہیں اور کی تو نہیں ہیں؟"

"خوب!"

"انھیں آئے ہوئے بہت دن ہوئے؟"

"یہ کیا معلوم!"

"مالدار ہیں؟"

"میں کہہ نہیں سکتا، ممکن ہے......"

"ان کے ساتھ کوئی مرد ہے؟"

"ایک!"

"ہاں، ایک!" میں نے اپنے دل میں خیال کیا،

میرے میزبان نے مطمئن ہو کر ایک لمبی سانس لی۔

"تو یہ!" اس نے انگڑائی لیکر کہا......" نہ..... نہیں..... مرد..... کوئی مرد نہیں..... میں ٹھیک کہہ نہیں سکتا"،

"پڑوسی کون ہیں؟"

"کون؟ خوب! ہر طرح کے پڑوسی"

"ہر طرح کے؟ — اور ان کے نام کیا ہیں؟"

"کن کے؟ عورتوں کے یا پریوں کے؟"

"عورتوں کے!"

میزبان نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"نام کیا ہیں؟" اُسنے دہرایا "خدا جانے کیا نام ہیں! بڑی کا نام میں سمجھتا ہوں انا فیوڈورونا ہے" اور دوسری کا۔۔۔۔۔ دوسری کا نہیں معلوم"

"جوان ہیں؟"

"جوان؟ نہیں جوان نہیں"

"کیا؟"

"چھوٹی کی عمر کوئی ۴۰ برس سے اوپر ہوگی"

"جھوٹ"

میزبان تھوڑی دیر کے لئے چپ ہوگیا۔

"تم سب جانتے ہو، مجھ سے پوچھنا بیکار ہے!"

"خفا نہو" میں نے بے انتہا تنگ آکر کہا، اور اس تجربہ کی بنا پر کہ جب کوئی روسی اس قسم کے اُلٹے سیدھے جواب دینے لگے سمجھ لو کہ اس سے مطلب برآری ہونا مشکل ہے علاوہ اس کے میرے میزبان کی کچھ ہی دیر پہلے آنکھ لگی تھی اور ہر جواب کے بعد وہ اونگھ جاتا تھا یا بچوں کی طرح اپنی آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگتا تھا یا جس جواب کے لئے اپنے لب کھولتا جیسے پہلی میٹھی نیند کی مٹھاس سے اُس کے لب چپک گئے ہیں، میں نے اُس سے پھر کوئی سوال نہ کیا اور کھانے سے انکار کرکے میں سونے چلا گیا۔

دیر تک میں جاگتا رہا، "آخر وہ کون ہے؟" میں بار بار اپنے دل سے یہ سوال کرتا رہا "کوئی روسی ہے؟ اگر روسی ہے تو اطالی زبان کیوں بولتی ہے؟۔۔۔۔۔ میزبان کہتا ہے کہ وہ جوان نہیں ہے۔۔۔۔۔ مگر وہ جھوٹ بولتا ہے۔۔۔۔۔ اور وہ خوش نصیب آدمی کون ہے؟۔۔۔۔۔ آخر یہ کیا ہے۔۔۔۔۔ کیا یہ ممکن ہے کہ دو مرتبہ ایسا ہی طلسمی منظر دیکھنے کو ملے اور پھر بھی وہ راز ہی رہے۔۔۔۔۔ کچھ بھی ہو، میں نے ارادہ کیا کہ کل ضرور معلوم کروں کہ وہ کون ہے اور یہاں کیوں آئی ہے۔۔۔۔۔" ان پریشان اور غیر مسلسل خیالات کی وجہ سے مجھے نیند دیر میں آئی اور میں نے عجیب خواب دیکھے۔۔۔۔۔ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ دوپہر کا وقت ہے تیز دھوپ، میں کسی جنگل میں ہوں۔ تپتی ہوئی جلتی ہوئی ریت پر میں نے اپنے سامنے ایک سایہ دیکھا۔۔۔۔۔ میں نے سر اٹھایا۔۔۔۔۔ وہ میری جوان نازنین ہوا میں اُڑ رہی تھی، میں اُس کے پیچھے لپکا مگر وہ جلدی جلدی اوپر اُٹھتی جاتی تھی اور میں زمین سے ہل نہ سکتا تھا اور اپنی پُرشوق آغوش بیکار میں نے پھیلائی۔ "الوداع!" وہ مجھ سے کہنے لگی "الوداع!" اور چاروں طرف مجھے یہی آواز سنائی دی ناگاہ

ور سے ہی راگ الاپنے لگے۔ . . . میں اُسے ڈھونڈھنے لگا مگر اب وہ ایک بادل بن گئی اور سورج کی طرف اُٹھنے لگی، سورج کانپنے لگا، تھرتھرانے لگا، مسکرایا اور اپنی لانبی سنہری کرنیں اس سے ملنے کے لئے اس نے پھیلا دیں۔

پھر میں نے دیکھا کہ میں ایک پہاڑ کے نشیب سے گذر رہا ہوں۔ . . . میں بھاگ رہا ہوں، مجھے کہیں جلد پہنچنا ہے، کہیں مجھے : بڑی خوشی نصیب ہوگی، یکایک ایک بڑی چٹان میری راہ میں آگئی میں راستہ ڈھونڈھنے لگا، ادھر جاتا ہوں، اُدھر جاتا ہوں۔ نکلنے کا کہیں راستہ ہی نہیں ہے اتنے میں چٹان کی پشت سے ایک سُریلی آواز میرے کانوں میں آئی! "کوہ و صحرا میں۔ . . . کوہ و صحرا میں۔ . . . یہ آواز مجھے پکار رہی تھی، اس کا دردمند لہجہ میرے دل میں اُترنے لگا، میں متحیر و مشتاق چاروں طرف دوڑتا ہوں کہ کوئی نظر آئے مگر افسوس، چٹان سخت ہے اور نکلنے کو کوئی راستہ نہیں ہے۔ . . . . افسوس، افسوس! کوہ و صحرا . . . کوہ و صحرا . . . . "کے جادو بھری تان چھڑ کوئی چھیڑ رہا ہے . . . . رے میرا دل تڑپتا ہے میں مرجاؤں گا . . . . میں تیورا کے چٹان سے لپٹ گیا اور میرے جوتے کی کیلوں کے نشان اُس میں پڑ گئے۔ اتنے میں چٹان کی تہ میں ایک تاریک سُرنگ سی مجھے نظر پڑی۔ . . . حیران و مست میں اس کے اندر گھسنے لگا۔

"جنبلی،" کسی نے مجھے کہا "کہاں جاؤگے . . . . "میں نے نظر اٹھائی تو بڈھے لوکیانی کو اپنے سامنے پایا، اپنا ہاتھ اٹھا کر وہ مجھے روک رہا تھا اور دھمکا رہا تھا، جلدی سے میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا میں اُسے رشوت دینا چاہتا تھا لیکن جیب میں مجھے کچھ نہ ملا . . . . "لوکیانی" میں نے اُس سے کہا، "مجھے جانے دے، مجھے جانے دے . . . . میں تجھے خوش کروں گا"

"آپنے غلط سمجھا" لوکیانی نے جواب دیا اور اُس کے چہرے کا رنگ عجیب ہوگیا "میں نوکر نہیں ہوں، مجھے غور سے دیکھو، میں ڈان کو ٹلکسوئی ڈے لا مانچا ہوں، مشہور سیاح و سردار، زندگی بھر میں نے ڈلسنی کو ڈھونڈا مگر نہ پایا اور میں نہیں دیکھ سکتا کہ آپ اپنی . . . . "

"کوہ و صحرا، کوہ و صحرا . . . . " سسکتی ہوئی آواز پھر سنائی دی "دور ہو" میں نے غصہ میں آکر کہا اور قریب تھا کہ میں ڈان کو ٹلکسوئی کو دھکا دیکر گرا دوں کہ اس کی چھری میرے سینہ میں گھپ گئی . . . . میں ایک جسد بے جان ہوکر گر گیا . . . . پیٹھ کے بل میں پڑا تھا اور میں ہل نہ سکا اتنے میں اُسے . . . اُسے میں نے ہاتھ میں ایک چراغ لئے اپنے پاس آتے دیکھا، چاروں طرف تاریکی کو دیکھتی اُسے چیرتی ہوئی وہ، ہاں وہ میرے پاس آگئی اور وہ مجھ پر جھک پڑی . . . . "اوہو . . . . آپ ہیں، بیکار . . . . بیکار آپ مجھے معلوم کرنا چاہتے ہیں، میرے پیچھے ہیں" اس نے تیزی سے مجھ سے کہا اور اُس کے چراغ سے گرم گرم تیل میرے سینہ کے زخم پر ٹپک پڑا اور مجھے تڑپانے لگا . . . . "آہ!" میں نے بہت کوشش کرکے کہا اور میری آنکھ کھل گئی . . . .

اُس رات میں بہت بُری طرح سویا اور ابھی روشنی اچھی طرح پھیلی بھی نہ تھی کہ میں بستر سے باہر نکل آیا، جلدی جلدی اپنے کپڑے پہن کر میں نے بندوق اٹھائی اور اُس گھر کی طرف چل دیا، بے صبری، بیہوشی، اور غفلت کے صدقے میں جب وہاں پہونچا تو مجھے معلوم ہوا کہ ابھی سورج بھی نہیں نکلا ہے، چڑیاں ہر طرف چہچہا رہی تھیں، کوے شور مچاتے پھرتے تھے مگر اس گھر کی ہر چیز پر صبح کی گہری میٹھی نیند طاری تھی، گھاس تک

ابھی دیوار سے لگا خراٹے لے رہا تھا۔ انتظار کی تکلیف سے اب مجھے غصہ آ رہا تھا اور برداشتہ خاطر ہو کر میں شبنمی گھاس پر ٹہلتا رہا اور اس چھوٹے مکان کو دیکھتا رہا جس میں یہ عجیب غریب مخلوق قیام پذیر تھی، تھوڑی دیر میں پھاٹک کے دروازوں سے آواز ہوئی اور وہ کھل گئے، توکیانی ایک چھوٹا کوٹ پہنے ملا، مجھے دیکھ کر وہ دروازہ بند کرنے لگا۔

"ٹھہرنا" میں نے جلدی سے کہا۔

"صبح صبح آپ کیا چاہتے ہیں؟" آہستہ ایک بے فکری کے انداز میں اُس نے جواب دیا۔

"ایک بات بتانا، میں نے سنا ہے کہ تمھارے گھر میں کچھ لوگ آئے ہیں؟"

توکیانی ایک لمحے کے لئے خاموش رہا۔

"ہاں، آئے تو ہیں؟"

"بیگم صاحبہ؟"

"......ہاں"

"دیکھی؟"

"اُنکی بہن بھی ہیں"

"کل کسی سے ملاقات کی تھی؟"

"نہیں"

اور اُس نے پھر دروازہ بند کرنا چاہا۔

"ٹھہرنا، ٹھہرنا......ایک کام ہے"

توکیانی کھانسنے لگا اور وہ سردی کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔

"کام؟......کیا کام؟"

"ایک بات پوچھوں...... تمھاری بیگم کی کیا عمر ہے؟"

توکیانی نے مشتبہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

"عمر کیا ہے؟...... مجھے نہیں معلوم، چالیس برس سے زیادہ ہوں گی"

"چالیس برس!......اور اُن کی بہن؟"

"اس سے کچھ کم"

"غلط.... صورت شکل مین کیسی ہین؟"

"کون؟ — اُن کی بہن؟"

"ہان"

بڈھے کو ہنسی آگئی

"کیا خبر.... یہ تو اپنی اپنی نظر ہے۔ میرے خیال مین تو حسین نہین ہین"

"یہ نہین ہوسکتا!"

"کوئی خاص بات تو ہے نہین، چہرہ دُبلا پتلا ہے"

"سچ کہتے ہوگے..... اور کوئی بھی آیا ہے؟"

"اور کوئی نہین کون آسکتا ہی!"

"مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے، کل مین نے..."

"خیر... یہ باتین تو کبھی ختم نہ ہون گی"، بڈھے نے پریشان ہوکر کہا "بڑی سردی ہی، مجھے معاف کیجئے"

"ارے سُن تو.... یہ...." اور مین نے ایک چونی جو مین دیر سے اپنے ہاتھ مین لیئے تھا اُسے دکھائی، وہ دروازہ بند کرنے لگا تو مین نے اُسے اس کی طرف پھینکا مگر وہ پھاٹک بند کرچکا تھا اور چونی دروازے سے ٹکراکر زمین پر لڑھکتی ہوئی میرے پاؤن کے پاس آکر رُک گئی۔

"وہ تو سہی"، مین نے آپ ہی آپ کہا، "معلوم ہوتا ہی باتین کرنے کو بھی منع کردیا گیا ہی...... دیکھون گا..... مجھ سے بچنا مشکل ہی.."

مین نے قسم کھائی کہ جب تک اس معمہ کو حل نہ کرلون گا چین سے نہ بیٹھون گا، آدھ گھنٹہ تک مین ٹہلتا رہا۔ سمجھ ہی مین نہین آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ پھر مین نے سوچا کہ اس گاؤن مین جاکر لوگون سے پتہ چلانا چاہئے اس کے بعد یہان آکر دریافت کرون گا اور جب تک صاف صاف حال معلوم نہو اس خیال خام سے باز نہ آؤن گا۔ وہ نازنین آخر باغ مین ٹہلنے ضرور ہی آئے گی، روشنی مین اچھی طرح مین اُسے ضرور ہی کھُو نگا قریب سے دیکھون گا اور رات کی طرح ایک غیر متحرک تصویر نہین بلکہ جیتی جاگتی عورت..... گاؤن ایک میل سے کم فاصلہ پر تھا اور اسی طرف آہستہ آہستہ مین چل دیا۔ میرے خون مین ایک عجیب طرح کی حرارت تھی۔ مجھے غصہ آنے لگا تھا۔

جو کچھ مجھے پوچھنا تھا مین نے گاؤن مین دو کسانون سے بالتفصیل پوچھ لیا۔ اس گاؤن کا نام جس مین یہ مکان واقع تھا تھا آلو سکوئی تھا اس مکان کی مالکہ ایک فوجی افسر کی بیوہ انا فیوڈورونا ہی۔ اس کی ایک ناکتخدا بہن بھی ہی جس کا نام پلیگیا فیوڈورونا ہی۔ وہ دونون بہت مالدار ہین اور اپنے گھر کبھی نہین آتین، باہر ٹھہری رہتی ہین۔ اُنکے یہان سوائے ایک بڈھے اور دو باورچیون کے اور کوئی نوکر نہین ہے۔ فیوڈورونا صرف اپنی بہن کے کچھ روز ہوئے ماسکو سے یہان آئی ہوئی ہے۔ اس آخری خبر نے کہ اُس کے ساتھ اس کی بہن کے علاوہ کوئی عورت نہین ہے مجھے تشویش مین

ڈالا، میں یہ کیسے فرض کر سکتا تھا کہ کسانوں کو بھی تمام حال بتانے سے روک دیا گیا ہے، پھر اُن کے بیان کو غلط سمجھنے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر یہ یقین
کرنا کہ فیوڈوروناؔ، ایک پینتالیس سال کی بیوہ اور میری رات والی مہ لقا نازنین ایک ہی ہستی ہیں ناممکن تھا۔ ہاں کسی ہن کی نسبت سو گاؤں والوں
سے یہ معلوم کر کے کہ اُس میں کوئی دلکشی نہیں ہے یہ قیاس ہی ہو سکتا تھا کہ وہ ہو گی، پھر آخر میں نے کسے دیکھا تھا ..... اپنی ان آنکھوں سے
کس دل رُبا نازنین کو دیکھا تھا ..... پریشان ہو کر، دل میں پیچ و تاب لاتے ہوئے میں باغ کی طرف واپس ہونے لگا .... لیکن میں نے اپنی
گھڑی کی طرف دیکھا، ابھی چھ بھی نہیں بجے تھے، میں نے سوچا کچھ دیر اور ٹھہر جاؤں وہاں شاید اب تک سو رہے ہوں ...... اور اس وقت
کسی قسم کی تفتیش سے شاید کوئی شبہ پیدا ہو، میں نے یہ سوچ کر شکار کھیلنے کی ٹھانی ... میں دیانتداری سے کہتا ہوں کہ میرے دل میں جو پُر تموّج
احساس تھا اور میرے دماغ میں جو ہیجان خیال تھا اس نے میرے شکار کے شریف جذبہ کو ذرا بھی ضرب نہ پہونچائی تھی، "ممکن ہے" میں نے سوچا،
"مجھے کچھ چڑیاں مل جائیں کچھ نہیں تو وقت ہی کٹ جائے گا" میں ایک جھنڈ کی طرف ہو لیا لیکن سچ کہو تو مجھے اس وقت شکار کے فن کا بالکل خیال
نہیں تھا، میں بہت بے پروا بے فکر چل رہا تھا اور مجھے اپنے کتے کا بھی خیال نہ تھا۔ میں نے کوئی جھاڑی ہی اس اُمید پر کھٹکھٹائی کہ کوئی چڑیا
اس میں سے اُڑ کر نکلے، اور میں نے اپنی گھڑی دیکھی۔ آخر کار نو بجنے کو آئے "اب چلنا چاہیے" میں نے خیال کیا اور میں چلنے ہی کو تھا کہ ایک بن کوا
مجھ سے کوئی دو گز کے فاصلہ پر لانبی لانبی گھانس میں پھڑ پھڑایا میں نے فوراً بندوق چلائی گولی اُس کے بازو میں لگی اور وہ اُسی جگہ رہ گیا، اُس نے
کوشش کی کہ بازوؤں میں سکت ہو تو پاس کے درخت پر جا کر بیٹھ رہے لیکن خون بہنے کی وجہ سے وہ کمزور ہو گیا اور جھاڑی میں گر گیا۔ ایسے شکار کو چھوڑنا
ایک ناقابل معافی جرم تھا۔ میں فوراً ہی اُس کے پاس گیا، جھاڑی میں گھسا اور اپنے کتے کو اشارہ کیا تھوڑی دیر میں میں نے پھڑ پھڑاہٹ سنی شکار میرے
کتے کے قبضہ میں آچکا تھا، میں نے اُسے اٹھا کر اپنے شکار کے تھیلے میں رکھ لیا اور ادھر اُدھر دیکھا۔ میں ششدر رہ گیا جیسے کسی نے اُس جگہ مجھے باندھ
دیا ہو..........

یہ جھاڑی اس قدر گھنی اور پیچ دار تھی کہ میں دشواری سے یہاں تک پہونچا تھا مگر یہاں سے تھوڑی دور پر ایک کچا راستہ تھا اور اُس راستہ
پر میری حسین نازنین گھوڑے پر سوار خراماں خراماں چلی جا رہی تھی، اس کے ساتھ وہ جوان تھا جو مجھے رات کو ملا تھا، میں نے اس کی مونچھوں سے
اُسے پہچان لیا اور دونوں چپ چاپ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جا رہے تھے۔ گھوڑے اسقدر آہستہ آہستہ چل رہے تھے کہ بمشکل چلتے
ہوئے معلوم ہوتے، اُن کی لانبی گردنیں کبھی کبھی ادھر ادھر ہلتی تھیں یا سارس کی گردن کی طرح اوپر اُٹھتی تھیں۔ جب میں اپنے پہلے خوف سے بیدار
ہوا ...... ہاں، خوف۔ میں احساس کو جو یکدم میرے دل پر چھا گیا سوائے خوف کے اور کسی نام سے تعبیر نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنی مشتاق
نگاہیں اُس کے چہرے پر جما دیں۔ وہ کس قدر دلکش تھی! تمام سبزہ زار اُس کے جادو بھرے حسن سے جگمگانے لگا، کس دلربائی کے ساتھ اُس نے اپنے
خوبصورت جسم کو مجھے دیکھنے کے لئے موڑا تھا! اُس پر۔ اس کے لانبے بھورے ملبوس پر، اُس کی صراحی دار کسیقدر جھکی ہوئی گردن پر، اُس کے صاف
گلابی چہرے پر، اُس کے چمکیلے سیاہ بالوں پر جن کے گچھے اُس کی ٹوپی کے نیچے لہرا رہے تھے، نرم، نازک اور ہلکے ہلکے سائے ہلتے تھے، لیکن میں اُس پُر شوق

اور کمل افزا روپ کو کس طرح ظاہر کروں جو اُس کے اعضا اور تمام جسم پر ساری تھا! اس کا سر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس بافراغت و مطمئن جسم کے بار سے جھکا جارہا ہو۔ رقیق اور نرم سونے کی کرنیں اُس کی سیاہ آنکھوں سے جن پر پلکیں سایہ ڈالے تھیں بہی نکلتی تھیں، وہ کسی خاص طرف نہیں دیکھ رہی تھیں وہ بشاش و خوش باش نظریں! اور اُن پر گھنی بھویں سایہ ڈالتی تہیں۔ ایک مبہم پھولوں کی سی مسکراہٹ عمیق خوشی اور فراغت و یکسوئی کی مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیل رہی تھی؛ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فراوانی عیش کے بوجھ سے وہ نازنین جھکی جارہی تھی جیسے ایک شگفتہ اور شاداب پھول کبھی اپنے ڈنٹھل کو جھکا دیتا ہو۔ اُس کے دونوں ہاتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک اس جوان کے ہاتھ میں جو اُس کے ساتھ تھا اور دوسرا گھوڑے کے ایال پر۔ میں اس کو اچھی طرح دیکھ سکا۔ اور اُسے بھی...... وہ ایک خوبصورت جوان تھا جس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی دوسرے ملک کا ہے، وہ اس نازنین پر بے دھڑک نظر جمائے تھا اور خوش تھا، جہاں تک میں اندازہ لگا سکتا ہوں وہ اُسے ایک افتخار آمیز دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ فخریہ! دیکھ رہا تھا اور مطمئن تھا اور اثر نہیں لے رہا تھا، اُس حسن کے احسان کا شکریہ نہیں ادا کر رہا تھا۔ ہاں، اسی کی کمی تھی...... اور واقعی مرد کب اس قدر احسان کر سکتا ہے مرد کس طرح ایک مقدس و باتکریم جذبۂ احسان کو دل میں اُٹھا سکتا ہے۔ شریف سے شریف مرد بھی شاید دوسرے کے لئے کوئی کام ایسا نہیں کر سکتا جس سے دوسرے کے دل میں ایسا بے لوث و پُر حرمت احسان مندی کا جذبۂ شریف پیدا ہو؟...... مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ میں اُس جوان پر رشک کر رہا تھا...... اس اثنا میں وہ دونوں میرے برابر آ گئے...... میرا کتا کھیت سے ایک چھلانگ مار کر باہر نکلا اور بھونکا، میری نامعلوم خاتون چونکی جلدی سے چاروں طرف دیکھا اور مجھے دیکھ کر گھوڑے کو ایک چابک لگائی، گھوڑا چونکا اور سرپٹ بھاگ نکلا...... جوان نے بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور کچھ منٹ بعد جب میں کھیت سے برآمد ہوا میں نے دونوں کو دور اُفق پر دو داغوں کی طرح جاتے ہوئے دیکھا اور وہ گھر کی طرف نہیں جا رہے تھے ....

میں انہیں دیکھتا رہا...... وہ جلد ہی ایک پہاڑی پر غائب ہو گئے جہاں سورج کی ہلکی کرنیں ہلکے ہلکے پڑ رہی تہیں، میں کھڑا ہو گیا اور ٹھہر رہا، آہستہ آہستہ میدان میں چلتا رہا اور پھر ایک راستہ کے کنارے بیٹھ گیا، میں نے اپنی آنکھیں دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیں۔

میں نے دیکھا ہے کہ کسی اجنبی سے ملو اور آنکھوں کے سامنے اُس کا نقشہ لانا چاہو تو صرف اپنی آنکھیں بند کر لو! ہر شخص میرے اس بیان کا تجربہ کر سکتا ہے۔ جتنا زیادہ عزیز چہرہ ہو گا اتنا ہی زیادہ دشوار اُس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے لانا ہو گا؛ چہرہ یاد ہے مگر نظروں کے سامنے نہیں آتا ہے...... اور اپنا چہرہ تو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا...... صورت و نقشہ کتنا ہی کم سہی مگر یاد ہے لیکن ایک ایک جزو کو تصور میں لانا چاہو اور اس سے ایک دلکش چہرہ بنا لینا چاہو، ناممکن، اور بس میں اپنی آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا۔ اور فوراً میں نے اپنی نامعلوم حسینہ، اس کے ساتھی اُن کے گھوڑے، ہر چیز کو دیکھ لیا...... اس جوان کا بشاش چہرہ خاص طور پر میری نظر کے سامنے آیا، میں اُسے غور سے دیکھنے لگا...... مگر وہ پگھلنے لگا، غائب ہونے لگا اور اُس نازنین کا چہرہ بھی تاریکی کے سمندر میں بہتا ہوا میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا، اور باوجود کوشش کے دوبارہ نہ نظر آیا۔

میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ "بہر حال،" میں نے خیال کیا، "میں نے انھیں دیکھ تو لیا ہے، اچھی طرح پہچان لیا...... مجھے صرف اُن کے نام معلوم کرنا ہیں"

کوشش کرنا اور اُن کے نام معلوم کرنا! کیسی زرا سی معمولی تشویش، لیکن میں قسم کھاتا ہوں میرے دل میں تشویش نہیں پیدا ہوئی تھی اور اصل یہ مجھے ناممکن معلوم ہوتا تھا کہ کم از کم یہ نہ معلوم کروں کہ وہ کون ہیں جنھیں قدرت نے اس عجیب اور پُر راز طریقہ سے میری راہ میں لا ڈالا تھا، اور ایک دفعہ نہیں، بار بار، متواتر...... خیر، مجھے پہلی کی طرح پریشانی اور ایک متصل بے چینی تو نہیں رہی، اس کے بجائے ایک عجیب ناقابل بیان افسردگی سی مجھ پر چھا گئی جس سے میں کسیقدر شرمسار بھی ہوں........ میں حسد کرتا تھا......

میں نے گھر جانے میں جلدی نہیں کی، میں اعتراف کروں گا کہ مجھے شرم سی آنے لگی جب میں نے سوچا کہ میں دوسروں کے راز کو جاننے کی کوشش میں ہوں، علاوہ اس کے عشق کے اس جوڑے کو دن میں، دھوپ اور روشنی میں گو غیر متوقع طور پر تاہم میں پھر کہتا ہوں عجیب طریقہ پر دیکھ کر میں مطمئن ہی نہیں ٹھنڈا بھی ہو گیا تھا، مجھے اس تمام افسانے میں اب کوئی غیر معمولی، پُر طلسم اور نافہم بات نہ معلوم ہوتی تھی...... یہ کوئی طلسمی اور ناقابل قیاس معمہ نہ رہا تھا..........

میں نے پہلے کی بہ نسبت زیادہ توجہ اور شوق سے شکار کھیلنا شروع کیا، تاہم مجھے کوئی بڑی دلچسپی نہ پیدا ہوئی، میں ایک کھیت میں پہونچا جہاں مجھے ڈیڑھ گھنٹہ لگا........ میرا کتا نہ معلوم کہاں تھا اور باوجود سیٹیاں بجانے کے اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

سورج بہت بلند ہو چکا تھا میری گھڑی بارہ بجا رہی تھی میں اُس پرانے مکان کے باغ کی طرف چلا، میں نے چلنے میں تیزی نہیں کی، جب میں نے پہاڑی پر سے اُس چھوٹے نیچے مکان پر نظر ڈالی اور اُس کی جھلک مجھے نظر آئی....... میرا دل پھر کانپنے لگا، میں قریب آ گیا........ اور مجھے لوکیانی کو وہاں دیکھ کر ایک قسم کا پوشیدہ اطمینان ہوا پہلے کی طرح وہ ایک تپائی پر بے حس و حرکت بیٹھا تھا، دروازے اور کھڑکیاں بند تھیں۔

"تسلیم!" میں نے کچھ فاصلہ سے کہنا شروع کیا "کیا دھوپ کھانے نکلے ہو؟"

لوکیانی نے اپنا چہرہ اٹھا کر مجھے دیکھا اور ٹوپی اُٹھائی، میں اُس کے پاس گیا۔

"مزاج اچھے ہیں؟ بڑے میاں" میں نے پھر کہا تاکہ وہ مجھ سے کھل جائے اور خوش ہو "یہ کیا" میں نے کہا، میری چونی اب تک زمین پر پڑی تھی "تم نے اُسے دیکھا نہیں؟"

اور میں نے چاندی کے اُس ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا جو سبزہ میں نصف چھپا ہوا تھا۔

"ہاں، دیکھ تو لیا تھا"

"پھر یہ کیا، تم نے اُسے اُٹھایا نہیں؟"

"میرا پیسہ نہیں ہے، بس میں نے نہیں اُٹھایا"

"کیسے آدمی ہو، بڑے میاں!" کسیقدر گھبراہٹ سے میں نے کہا اور وہ چونی اٹھا کر میں نے اسے پھر دکھائی "اسے لو، چائے پینا"

"بس، مجھے بہت ہے" لوکیانی نے ایک فراغت کی مُسکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھے بہت ملتا ہے مجھے ضرورت نہیں ہے آپکی مہربانی ہے!"

"لیکن مین خوشی سے تھین اور دیتا ہون" مین نے گھبراہٹ مین کہا۔

"کیا کرنا ہے؟ بیکار کی تکلیف حضور کی مہربانی ہے حضور اچھے رہین، ہمین کسی بات کی کمی نہین ہے، ہمین کھانے سے زیادہ ملتا ہے"

اور وہ اٹھا اور پھاٹک بند کرنے چلا۔

"ٹھہرو، بڈھے میان،" مین نے مایوس سا ہو کر کہا، "آج تم باتین کیون نہین کرتے....... بھاگتے کیون ہو، اتنا تو خیر بتاہی دو بیگم صاحبہ — تمھاری بیگم سو چکین؟"

"ہان"

"اور......... گھر ہی مین ہین؟"

"نہین، بیگم صاحبہ گھر پر نہین ہین"

"کسی سے ملنے گئی ہین؟"

"نہین جناب، وہ ماسکو چلی گئین"

"ماسکو! لیکن صبح تو یہین تھین؟"

"ہان"

"اور رات کو یہین رہین؟"

"ہان"

"اور ابھی تو وہ آئی تھین؟"

"بے شک"

"بڈھے میان: پھر کیسے؟ ابھی آئین ابھی چلی گئین، مکان پر ٹھہرین نہین؟"

"نہین، ابھی ایک گھنٹہ گذرا ہوگا، ہماری بیگم صاحبہ پھر ماسکو تشریف لیگئین"

"ماسکو؟"

مین لوکیانی کو مبہوت اور ششدر تکنے لگا، مجھے اس کا گمان بھی نہ تھا کہ ماسکو چلی گئین.............

اور لوکیانی نے مجھے دیکھا، بڑھاپے کی ہنسی سے اس کے ہونٹ بدنما طور پر کھل گئے اور ایک مسکراہٹ اس کی غمگین آنکھون مین چمکی۔

"اور ان کی بہن بھی ان کے ساتھ ہی گئین؟" مین نے بالآخر پوچھا۔

"ہان"

"یعنی اب مکان میں کوئی نہیں ہے؟"

"کوئی نہیں.........."

"بڈہا مجھے دہوکہ دے رہا ہے" میرے ذہن میں گزرا" یہ ضرور بطلسمی بیکار نہیں ہو"

"سنو، لوکیانی"، میں نے زور سے کہا، "ایک کام کروگے؟"

"جو حکم ہو" اس نے آہستہ کہا، معلوم ایسا ہوتا تھا کہ وہ میرے سوالوں سے تھک گیا ہو۔

"تم کہتے ہو مکان میں کوئی نہیں ہے، مجھے مکان دکھاؤ گے؟"

"یعنی؟ آپ کمرے دیکھنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں، کمرے"

ذرا دیر تک لوکیانی چپ کچھ سوچتا رہا۔

"ضرور" بالآخر اُسنے کہا، "آئیے!"

اور جھک کر اُسنے چھوٹے دروازے کی دہلیز پر قدم رکھا۔ میں اس کے پیچھے ہولیا۔ مختصر صحن کو طے کرکے ہم زینہ پر چڑہنے لگے، بڈھے نے دھکا دیکر دروازہ کھولا۔ اُس میں کوئی قفل نہ تھا.......... ہم مکان کے اندر داخل ہوے۔ پانچ چھ نیچی چھت کے کمرے تھے اور ہلکی روشنی میں جو کھڑکیوں کے دروازوں سے آرہی تھی جہاں تک میں اندازہ لگا سکا کمروں کا فرنیچر نہایت سادہ اور پرانا تھا۔ انمیں سے ایک میں جس کی کھڑکی باغ میں کھلتی تھی، ایک چھوٹا پرانا پیانو رکھا تھا.......... میں نے اُس کا ڈھکنا اُٹھایا اور کنجی دبائی! ایک خفیف سہمی ہوئی آواز جیسے ہوا کا ایک سرکھنا زیادہ موزوں ہوگا اُس میں سے نکلی اور آہستہ آہستہ گویا میری بدتمیزی کا رونا روتی ہوئی مرگئی! وہاں کوئی ایسی علامت نہ تھی جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ اس کے رہنے والے ابھی ابھی مکان خالی کرگئے ہیں۔ وہاں نمی اور خنکی تھی اور ہوا میں ایک عجیب طرح کی برساتی بوتھی جیسے کہ اکثر خالی غیر آباد مکانوں میں ہوتی ہے۔ صرف کچھ کاغذ کے ٹکڑوں سے جو ایک کمرے میں بکھرے پڑے تھے اور سفید تھے یہ پتہ چل سکتا تھا کہ کچھ دیر پہلے یہاں آدمی تھے۔ میں نے ایک ٹکڑا اٹھاکر دیکھا، اُس پر کچھ لکھا تھا، کئی ٹکڑے میں نے اٹھائے اور صرف اتنا پتہ چل سکا کہ وہ زنانی تحریر ہے اور شاید کوئی خط ہو...... ایک چھوٹی گول میز پر کھڑکی کے پاس ایک گلدستہ رکھا تھا جس کے پھول سوکھ چلے تھے اور ایک سبز فیتہ اُس کے چاروں طرف لپٹا تھا...

اس چھوٹے فیتہ کو میں نے بطور یادگار رکھ لیا۔ لوکیانی نے ایک تنگ دروازہ کھولا جو دیوار کی طرح کاغذ میں لپٹا ہوا تھا۔

"بس" اُس نے اپنے ہاتھ پھیلاکر کہا، "یہ ایک سونے کا کمرہ ہے اور اس کے اُس طرف ایک خادمہ کی کوٹھری ہے اور کوئی کمرے نہیں ہیں"

ہم واپس ہوے "اور یہ کون کمرہ ہے؟" ایک سفید دروازہ کو دیکھ کر جس میں قفل لگا ہوا تھا میں نے کہا،

"یہ" لوکیانی نے ایک خالی خالی انداز سے کہا، "یہ کچھ نہیں ہے"

"کیا مطلب؟"

"کیا ہے، کچھ نہین...... یہ کباڑ خانہ ہے" وہ ہال کی طرف جانے لگا۔

"کباڑ خانہ؟ اسے بھی دکھاؤ؟"

"آخر آپ اسے دیکھ کر کرین گے کیا"، لوکیانی نے کسیقدر ناخوش ہو کر کہا، "اُس مین آپکے دیکھنے کے لئے کیا رکھا ہے؟ صندوق، پُرانے برتن، اور اسیطرح کا تمام کوڑا کرکٹ، یہ کباڑ خانہ ہے اور کچھ نہین ہے........

"یہی سہی، مگر بڑے میان، آپ مجھے یہ بھی دکھا ہی دیجئیے"، مین نے اُسے پھُسلانے کو کہا گو دل مین اپنی حماقت اور بدتمیزی پر مین شرمندہ ہو رہا تھا، "بھائی.......... مین چاہتا ہون.......... بالکل اسی طرح کا ایک چھوٹا مکان گاؤن مین بنواؤن" مجھے شرم آنے لگی اور چپ ہو جانا پڑا۔

لوکیانی اپنا بڈھا سر اپنے سینہ پر جھکائے ہوے کھڑا رہا اور اپنی آنکھون سے عجیب طرح مجھے گھورتا رہا۔

"دکھا بھی دو"، مین نے کہا۔

"اجی لو، یہ بھی دیکھ لو"، آخر اُس نے کہا، کنجی نکالی اور قفل کھولا۔

مین نے کباڑ خانہ مین نظر ڈالی۔ واقعی اس مین کوئی خاص چیز نہ تھی۔ دیوارون پر پُرانی تصویرین لٹک رہی تھین جن کے چہرے سیاہ ہو گئے تھے اور جن کی آنکھون مین خفگی پیدا ہو گئی تھی۔ فرش پر ہر طرح کا کوڑا کرکٹ بے ترتیبی سے پڑا تھا۔

"دیکھ چکے"، لوکیانی نے مجھ سے پوچھا۔

"ہان، بہت خوب" مین نے جلدی سے جواب دیا۔

اُس نے دروازہ بند کیا۔ مین ہال مین گیا اُس کے بعد دالان مین۔

لوکیانی مجھے پھاٹک تک پہونچانے آیا، سلام کیا اور اپنی کوٹھری کی طرف جانے لگا۔

"اور رات کون عورت یہان آکر ٹھہری تھی؟ مین نے آج اُسے کھیتون مین دیکھا تھا" مین نے اُسے روکتے ہوے جلدی سے پوچھا۔ مین نے یہ سوال کر کے یہ سوچا تھا کہ اُس کو سوچنے کا وقت نہ ملے گا اور جلدی مین شائد اُس کی زبان سے کوئی بات نکل جائے جو مجھے مطمئن کر سکے۔ لیکن بڈھا صرف ایک بے صدا و بے معنی ہنسی ہنسا اور اپنے مکان کو جاتے ہوے دروازہ بند کرتا گیا۔

"نہین"، مین نے دل مین سوچا، "معلوم ہوتا ہے مین اس معمہ کی تہ تک نہ پہونچون گا۔ دور بھی کرو، مین اب اسے دل سے بھُلا ہی دون گا"۔ ایک گھنٹہ بعد مین اپنی گاڑی پر سوار اس شکارگاہ کو چھوڑ کر اپنے مکان کی طرف جا رہا تھا۔ میرے دل مین غصہ تھا اور میرا مزاج ٹھکانے نہین تھا۔

ایک ہفتہ گزر گیا - باوجود میری کوشش کے کہ میری نامعلوم حسینہ اُس کے ساتھی، اُن سے اپنی ملاقات، ان سب کا خیال دل سے نکال ڈالوں
وہ اُس مکھی کی طرح جو کھانے کے بعد مسلسل بھنبھنا بھنبھنا کر گرمیوں مین دق کرتی رہتی ہے مجھے حیران ہی کرتا رہا ...... لوکیانی بھی مجھے بار بار
یاد آتا تھا - اور اُس کی ٹھہری ٹھہری گفتگو، سوچ سوچ کر بند بند باتین بتانا - اُسکی ہنسی سب مجھے یاد آتی رہین، وہ مکان تک جب مین اُس کا
نقشہ نظر کے سامنے لاتا تھا، وہ مکان تک مجھے حقارت اور شرمندہ کرنے والی نظر سے دیکھتا ہوا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنی کچھ کھلی کچھ بند کھڑکیون
سے کہہ رہا ہو یقین کچھ معلوم نہ ہوسکا، "آخر کار مین ضبط نہ کرسکا اور ایک دن مین گلی تانگے کی طرف پھر روانہ ہوگیا اور گلی تانگے سے پیدل چل نکلا،
کہان؟ ناظرین خود سمجھ سکتے ہین ....

مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ جب مین اس عجیب باغ کے قریب پہونچا میرے جسم مین ایک طرح کی لرزش اور بیداری پیدا تھی، مکان
کی ظاہری قطع مین کوئی فرق نہ تھا؛ وہی بند کھڑکیان، وہی غیر آباد درخم ہوا، صرف لوکیانی کے بجائے ایک جوان لڑکا ایک سرخ قمیص اور
ڈھیلا لانبا کوٹ پہنے مکان کے سامنے تپائی پر بیٹھا تھا -

"کہو میان لڑکے، اچھے ہو؟"، مین نے زور سے کہا -

وہ جلدی سے چونک پڑا اور بہوت نظرین میرے اوپر گاڑ دین، اُس کی آنکھین کھل کر رہ گیئن -

"میان لڑکے، اچھے ہو؟ مین نے پھر کہا "بڈھا کہان ہے؟"

"کون بڈھا؟ لڑکے نے آہستہ سے کہا -

"لوکیانی"

"اوہ، لوکیانی!" اُسنے دوسری طرف منہ کر لیا، "آپ لوکیانی کو پوچھتے ہین؟"

"ہان لوکیانی کو، کیا وہ گھر پر ہے؟"

"نہ، نہین"، لڑکے نے ٹھہر ٹھہر کر کہا، "وہ .... وہ تو ...... کیسے بتاؤن؟ ...."

"کیا وہ اچھا نہین ہے یا کیا؟"

"نہین"

"پھر کیا ہے؟"

"کیا! وہ یہان بالکل نہین ہے"

"یہان نہین ہے؟"

"نہین، اُس کا برا وقت آگیا ...."

"کیا وہ مر گیا؟" مین نے تحیر سے پوچھا،

"اُس نے اپنا گلا گھونٹ لیا"

"گلا گھونٹ لیا!" مین نے خوف مین کہا اور اپنی مٹھیان بند کین۔

ہم دونون بغیر کچھ کہے ہوے ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھتے رہے۔

"بہت دن ہوے؟" مین نے بالآخر پوچھا۔

"بس پانچ دن ہوے کل ہی تو وہ دفن ہوا ہے"

"مگر اُس نے کیون گلا گھونٹ لیا؟"

"خدا جانے کیون! وہ آزاد آدمی تھا اور اُسے تنخواہ ملتی تھی، اُسے کسی چیز کی کمی نہ تھی، بیگم تو اس کی ایسی خبر رکھتی تھین جیسے کوئی اپنا عزیز ہو، ہم سب کو بہت چاہتی ہین خدا انہین اچھا رکھے۔ سمجھ ہی مین نہین آتا کہ اُسے کیا ہو گیا تھا شیطان نے اُسے بہکا دیا ہوگا"

"لیکن کیسے گھونٹ لیا؟"

"کیسے! ہمین کیا ہو، بس اُس نے گھونٹ لیا، دم سادھ لیا"

"پہلے سے تمہین کوئی آثار اس قسم کے تھے؟"

"کیسے کہون؟...... کچھ نہین...... خشک اور بدمزہ تو وہ شروع ہی سے تھا! ہر وقت ٹھنڈی سانس بھرا کرتا یا چلا آتا تھا میرا جی بہت گھبرا تا ہے، یہ وہ کہتا تھا، اور پھر اس کا بڑا پاپا بھی تھا کچھ دنون سے واقعی وہ کچھ سوچتا رہتا تھا اور چپ چپ رہتا کبھی کبھی گاؤن مین وہ ہم سب سے ملنے چلا آیا کرتا تھا اور مین اُس کا بھتیجا ہون، سمجھے آپ؟ میان، وہ مجھ سے کہتا، رات کو ذرا میرے پاس ساتھ رہ جایا کرو، کیون چچا؟ کچھ نہین، مجھے ان دنون آپ ہی آپ کچھ ڈر لگتا ہے...... خیر، مین آجایا کرتا تھا، وہ صحن مین نکل آتا اور اس طرح گھر کو دیکھتا رہتا اپنا سر ہلاتا اور ٹھنڈی سانس بھرتا.... جس رات اُس نے اپنا دم گھونٹا ہے وہ ہم سب سے ملنے آیا اور مجھ سے کہا کہ اُس کے ساتھ چلا آؤن خیر مین چلا آیا، اور جب ہم مکان آ گئے وہ تھوڑی دیر تپائی پر بیٹھا، اور اس کے بعد اٹھا اور اُٹھ کر کہین چلنے لگا، مین اُس کے پیچھے پیچھے لپکا، چچا، چچا، ارے او چچا! چچا بولتے ہی نہین ہین، مین نے سوچا آخر کہان جائین گے، گھر تو گئے نہین! اور مین مکان کے اندر آیا، شام ہو چکی تھی، جب مین کباڑ خانہ کی طرف پہونچا تو کسی چیز کے کھرچنے کی آواز میرے کان مین آئی، مین رک گیا اور دروازہ کھولا اور وہان چچا ایک کھڑکی سے لگے بیٹھے کچھ کر رہے تھے، یہان کیا کر رہے ہو چچا؟ مین نے کہا، وہ گھوم پڑے اور خوب چلائے اور آنکھین بلی کی طرح چمک رہی تھین، کیا مطلب ہے؟ دیکھتے نہین مین خط بنا رہا ہون؟"

اور اُن کی آواز میں خوف معلوم ہوتا تھا، میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور نہ معلوم کیوں مجھے ڈر لگنے لگا ...... اس وقت تک اس کے گرد بہت آ چکے ہونگے، اندھیرے میں خط بنا رہے ہو؟" میں نے کہا اور میرے گھٹنے کانپنے لگے، سب اندھیرا ہی ہو، اس نے کہا، بھاگ جاؤ، میں چلا گیا اور وہ کباڑ خانے سے نکل آئے اور اس میں قفل ڈال دیا، ہم دونوں وہاں سے ساتھ ساتھ اپنی کوٹھری تک آئے اور میرا خوف جاتا رہا، کباڑ خانہ میں کیا کر رہے تھے چچا، میں نے کہا، اُسے غصہ آنے لگا، چپ رہ، اُس نے کہا اور اپنے بستر پر چلا گیا، میں نے سوچا اس وقت خاموش ہی ہو جانا اچھا ہے ان کی طبیعت آج شاید ٹھیک نہیں ہے، بس میں بھی بستر پر لیٹ رہا، ایک کنارے پر چراغ جلتا رہا، لیٹا تو میں سو گیا ...... یکدم میں نے کواڑ کے کھلنے کی آواز سنی اور دروازے ذرا سے کھلے اور چچا اُن کی آڑ سے نکل رہے تھے، اور آپ کو یاد ہو گا وہ ذرا اونچا بھی سنتے تھے۔ مگر وہ یکدم اُچھل پڑے ...... کون پکار رہا ہے، ارے کون مجھے پکار رہا ہے؟ اور بغیر ٹوپی دیے وہ صحن میں چلے گئے ...... میں سمجھا نہیں آخر بات کیا ہے اور پھر ایک پاپی کی طرح مجھے نیند نے ڈس لیا، جب صبح میں اٹھا تو کوئی وہاں تھا نہیں، میں کوٹھری سے نکلا اور آواز دینا شروع کی۔ مگر وہ کہیں نہ ملا، پھر ڈرا سے پوچھا، چچا کو جاتے تو نہیں دیکھا، نہیں، میں کیا جانوں، اُس نے کہا، سچ میں نہ آیا کہاں ڈھونڈیں چلو ڈھونڈ رہا اُسے ڈھونڈھ تو ڈالیں، میں نے باورچی سے کہا، اچھا، اس نے کہا اور اُس کا رنگ مٹی کی طرح سیاہ ہو گیا، جب میں کباڑ خانہ کی طرف سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ کھلا ہوا تالا کنڈی لٹک رہا ہے، میں نے دروازہ میں دھکا دیا مگر وہ اندر سے بند تھا ...
فیلڈ وسیچ گھوم کر کھڑکی کی طرف گیا اور چلایا یہاں تو ٹانگیں لٹک رہی ہیں، میں کھڑکی کی طرف گیا اور ٹانگیں چچا کی تھیں لوکیائی کی .... کمرے کے بیچوں بیچ میں اُس نے اپنے گلے میں پھانسی لٹکائی تھی ..... کیا ہو سکتا تھا، ہم نے پولیس کو بلایا، انھوں نے اتارا، رسی میں بارہ گرہیں پڑی تھیں"

"عدالت نے کیا طے کیا؟"

طے کیا کرتے، کچھ نہیں، سوچتے رہے، سوچتے رہے کوئی سبب ہی نہیں تھا، بس انھوں نے یہی طے کیا کہ اُسکا دماغ خراب تھا، کچھ دنوں سے اس کے سر میں درد رہتا تھا، سر کی وہ کبھی کبھی شکایت بھی کیا کرتا تھا"

میں آدھ گھنٹے تک اور اُس لڑکے سے باتیں کرتا رہا اور کافی پریشان ہو کر وہاں سے چلا آیا۔ مجھے اُس مکان میں کسی آسیب یا بھوت پریت کا شک ہونے لگا .... ایک مہینہ بعد میں اُس گاؤں سے چلا آیا اور رفتہ رفتہ یہ تمام خوف، اور یہ عجیب و غریب ملاقاتیں میرے دماغ سے محو ہو گئیں۔

(۲)

تین سال گزر چکے تھے، اس عرصہ میں زیادہ تر میں پیٹرس برگ رہا یا باہر رہا۔ اگر گھر گیا بھی تو کچھ دنوں کے لئے اور مجھے

ایک دفعہ بھی گلی نالے یا تھانلوسکوئی جانے کا اتفاق نہیں ہوا، نہ میں اپنی نامعلوم حسینہ اور اُس کے ساتھی کو دیکھ سکا، ایک دن تیسرے سال کے ختم پر مجھے ایک پارٹی میں جو میری ایک دوست خاتون نے دی تھی ایک عورت میڈیم شیلکو اور اُس کی بہن بیلا گیا باداپو سے وہی پیلگیا جسے اب تک میں نے ایک پُراسرار اور عجیب عورت سمجھا تھا۔ ملنے کا اتفاق ہوا۔

دونوں عورتیں جوان نہیں تھیں مگر اُن کا رنگ کھلتا ہوا تھا۔ اُن کی گفتگو میں زندہ دلی اور خوش مذاقی پائی جاتی تھی، وہ بہت سفر کرچکی تھیں اور اپنے سفر سے کافی فائدہ دونوں نے اٹھایا تھا۔ اُن کے برتاؤ میں ایک پاکیزہ اور مناسب رکھ رکھاؤ تھا لیکن اُن میں اور میری نامعلوم خاتون میں کوئی شباہت نہ تھی۔ میرا اُن سے تعارف کرایا گیا، میں میڈیم شیلکو سے باتیں کرتا رہا اُس کی بہن کی توجہ ایک ممتاز سائنس کے طالب علم پر مبذول تھی جو وہاں مدعو تھا، میں نے اُس سے کہا کہ مجھے اُن کی جائداد کے قریب رہنے کی وجہ سے اُن کی ہمسائگی کا فخر حاصل ہے۔

"ہاں، میرے وہاں دو ایک گاؤں ہیں" اُس نے کہا، "گلی نالے کے قریب"۔

"ہاں، ہاں، میں جانتا ہوں" میں نے جواب دیا، "میں آپ کے تھانلوسکوئی بھی جا چکا ہوں، آپ وہاں کبھی قیام بھی کرتی ہیں؟"

"بہت کم"

"تین سال گزرے آپ کبھی وہاں گئی تھیں؟"

"ایک منٹ ٹھہرئیے، مجھے خیال ہے کہ ہاں، ہاں میں شاید گئی تھی۔"

"تنہا یا اپنی بہن کے ہمراہ؟"

اُس نے مجھے غور سے دیکھا۔

"بہن کے ساتھ ہم اپنے کاروبار کے سلسلہ میں وہاں ایک ہفتہ کے لئے گئے تھے لیکن ہم کسی سے ملے نہیں۔"

"صحیح ہے، میں یقین کرتا ہوں کہ آپ کے ہمسایہ بہت کم ہیں؟"

"ہاں، کم ہیں، اور میں اُن سے ملنے کی زیادہ شوقین بھی نہیں ہوں۔"

"کیا آپ بتائیں گی؟" میں نے کہا، "اُس سال ایک خطرناک واقعہ پیش آیا تھا۔ لوکیانی............"

میڈیم شیلکو کی آنکھوں میں فوراً آنسو بھر آئے۔

"آپ اُسے جانتے تھے؟" اُس نے اشتیاق سے پوچھا، "عجیب دردناک سانحہ تھا، وہ بڑا ہی وفادار اور نیک آدمی تھا...... اور ذرا خیال کیجئے کوئی بات نہیں تھی۔"

"ہاں، ہاں" میں نے کہا، "عجیب دردناک سانحہ تھا........"

اُس کی بہن ہمارے پاس آگئی، شاید وہ اس طالب علم کی علمی گفتگو سے جو دریائے والگا پر پل بنانے کے سلسلہ مین اُس نے شروع کی تھک کر چلی آئی۔

"پالائن، تم نے سنا،" میڈیم شکیلو نے کہا، "آپ لوکیانی کو جانتے ہین!"

" واقعی؟ افسوس لوکیانی کی موت تو عجیب حادثہ ہے"،

"جس زمانہ مین آپ وہان تھین مین ماٹلوسکوئی کئی مرتبہ شکار کھیلنے کی غرض سے گیا تھا،" مین نے کہا۔

"مین؟" پلیگیا نے کسیقدر تعجب سے کہا۔

"ہان، ہان،" اس کی بہن نے جلدی سے کہا، "تمھین یاد نہین؟" اور اُس نے اُسے آنکھون ہی آنکھون مین کچھ اشارہ کیا۔

"بےشک، بےشک.....!" پلیگیا نے فوراً جواب دیا۔

"اے پیاری نازنین!" مین نے اپنے دل سے کہا، "مجھے اس مین شبہ ہے کہ تم وہان گئی تھین"

"پلیگیا فیوڈورونا! آپ اس وقت ہمین کوئی گانا سنائین گی؟" ایک لانبے آدمی نے جس کے سر کے بال چمکدار تھے اور شکرین آنکھین تھین اس کے پاس آکر اس سے کہا۔

"کیا سناؤن؟" اُس نے جواب دیا۔

"آپ گانا جانتی ہین؟" مین نے بے چینی سے پوچھا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا، "خدا کے لئے، خدا کے لئے کوئی چیز سنائیے۔"

"ہان، ہان، مگر مین کیا سناؤن؟"

"کیا سناؤن!" مین نے اس سے کہا اور اس کی انتہائی کوشش کی کہ بالکل لاقید اور بے پروا نظر آؤن، "آپ کو وہ یاد ہے، ایک اٹلی کا گیت! وہ یون شروع ہوتا ہے..... کوہ وصحرا مین........؟"

"ہان، مجھے یاد ہے،" پلیگیا نے بالکل معصومیت سے کہا، "کیا واقعی آپ سنین گے؟ ضرور سناؤن گی"

اور وہ پیانو کے سامنے آگئی، مین نے ہملٹ کی طرح اپنی آنکھین میڈیم شکیلو پر جمادین۔ مجھے شبہ ہوا کہ شروع مین وہ کچھ جھجکی، مگر آخر تک وہ نہایت مطمئن اور پُر ترنم لہجہ مین گاتی رہی، پلیگیا بہت اچھا گاتی تھی، گانا ختم ہوا اور رسمی تعریفین شروع ہوئین، لوگون نے اُس سے کچھ اور گانے کی فرمایش کی لیکن بہنون مین اشارہ اشارہ مین کچھ باتین ہوئین اور تھوڑی دیر بعد انھون نے رخصت چاہی، وہ کمرے سے باہر جارہی تھین کہ مین نے انکی آپس کی گفتگو مین "دھوکے" کا لفظ سُن لیا۔

"آواز مین بھی عجیب طلسم ہے" مین نے خیال کیا اور اس کے بعد پھر مین اُن سے نہ مل سکا۔

ایک سال اور گزر گیا، مین پٹیرسبرگ مین قیام کرنے لگا تھا، جاڑے آگئے اور ماسکو بال شروع ہوئے رقص خانے آباد ہوئے، ایک رات ۱۱ بجے

کے قریب اپنے ایک دوست کے گھر سے آتے ہوئے میں اسقدر افسردہ ہو رہا تھا کہ میں نے سوچا آج ہال آف نوبلٹی میں چل کر ناچ سے لطف اٹھاؤں بہت دیر تک میں ستونوں اور آئینوں کے قریب ٹہلتا رہا اور پھر بہت دیر تک اپنے چہرے پر ایک بال ٹرنی آن[1] لئے جو میں نے دیکھا ہے ایسے موقعوں پر خدا جانے کس طرح بڑے بڑے تمیزدار شریف لوگوں میں بھی آجاتی ہے میں نقاب پوش نازنینوں سے شانے ملاتا رہا یا اُن کے میلے دستانے اُتارتا رہا یا خود کبھی اُن سے باتوں میں لگ گیا، بہت دیر تک میں ڈھول اور بانسری کی آوازوں سے دل بہلاتا رہا، آخر میری اُداسی اور وحشت ختم ہوئی اور جی بھر کے پریشان ہو کر اور سر میں درد لیکر میں نے گھر واپس چلنے کی ٹھان لی...... اور...... اور میں رُکا رہا...... میں نے ایک خاتون کو جو سیاہ برقع پہنے تھی ایک کھمبے سے لگا ہوا کھڑا دیکھا، میں نے اُسے دیکھا اور ٹھٹکا، اُس کے پاس گیا۔ اور...... ناظرین میرا یقین کرینگے ؟...... وہی تھی، میں نے اُسے پہچان لیا، میری نامعلوم حسینہ۔ میں نے اُسے کس طرح پہچانا ۔ کیا اُس نگاہ سے جو اُس نے زیر نقاب بے پروائی سے کے ساتھ مجھ پر ڈالی یا اسکے سڈول جسم اور گداز شانوں سے یا اُس کے تمام وجود کے چاروں طرف جو ایک خاص شوکت بزرگی تھی اُس سے یا کسی پوشیدہ قوت سے جس نے چپکے سے میرے دل میں کہدیا میں نہیں کہہ سکتا... لیکن میں نے پہچان لیا، دل میں شکر کرتے ہوئے میں نے اُس کے پاس دو تین چکر لگائے۔ وہ اپنی جگہ سے ذرا نہ ہلی، اُس کے انداز میں ایک عجب قسم کی دردمندی اور غمگینی پائی جاتی تھی جس نے میرے دل میں اُسکے لئے رحم کا جذبہ اُبھارا، میں اُس ستون کے پاس ٹہلتا رہا جس سے لگی ہوئی وہ کھڑی تھی اور اس کے قریب جا کر آہستہ سے میں گنگنایا:

"کوہ و صحرا میں..............."

وہ تمام جسم سے کانپ گئی اور جلدی سے میری طرف مڑی، اُس نے نقاب کے اندر سے غور سے مجھے دیکھا، ہماری آنکھیں اسقدر قریب ملیں کہ میں نے دیکھ لیا اُس کی پتلیاں خوف کی وجہ سے کیسی پھڑک رہی ہیں، اُس نے ایک بیمار کی طرح اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔

"۲۲ مئی سنہ ۱۸۴۲ء دس بجے رات، سورنٹو میں، دایا ڈے لا کروس کے مقام پر،" میں نے بغیر اپنی آنکھیں اُس کے چہرے پر سے ہٹائے ہوئے کہا۔ "اس کے بعد روس میں ضلع کے کے گاؤں جہاں ملوسلوئی میں ۱۲۔ جولائی ۱۸۴۸ کو —"

میں نے یہ سب فرنچ میں کہا، وہ دو قدم پیچھے ہٹی، سر سے پیر تک مجھے بغور دیکھ کر پُر استعجاب آنکھوں سے اُس نے مجھ سے،، زرا زحمت ہو گی،، کہا اور رقص خانہ سے باہر نکل گئی، میں اُس کے پیچھے ہو لیا۔

ہم خاموشی سے چلے، میں اُس وقت کے جذبات نہیں بیان کرونگا جب میں اُس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا، ایک خوبصورت اور مبہم خیال جو یکدم واقعیت میں تبدیل ہو جائے.... میں اپنے حواس پر اعتبار نہ کرتا تھا، میں بمشکل سانس لے رہا تھا، ہم متعدد کمروں کو طے کرتے ہوئے آخر ایک کمرے میں ٹھہر گئے، وہ کھڑکی کے پاس ایک صوفے پر جا کر بیٹھ گئی، میں اُس کے پاس ہی بیٹھ گیا، وہ آہستہ سے اپنا چہرہ میرے پاس لائی اور اُسنے مجھے غور سے دیکھا۔

"کیا آپ.... کیا آپ اُس کے پاس سے آئے ہیں ؟" اُس نے کہا، اُس کی آواز نحیف اور غیر متیقن تھی۔

اُس کا سوال میرے لئے کسی حد تک تشویش کن تھا۔

"نہیں....... اُس کے پاس سے نہیں،، میں نے کہا۔ آپ اسے جانتے ہیں۔

---

[1] ماسک ایک قسم کا ناچ ہے جسمیں سانگ و ہیئت بدلکر شریک ہوتے ہیں عورتیں مرد بنتی ہیں، مرد عورتیں بنتے ہیں جوان بڈھے بنتے ہیں، بڈھے جوان اور پاؤڈر آہ، سفید و گلرنگ پاؤڈر کی تہیں بالوں پر، چہرہ پر، لباس پر، دل و دماغ پر خواب و خیال کی طرح حاوی رہتی ہیں۔ مترجم

[2] لارڈ بائرن کا اثر نہ صرف لٹریچر اور زبان پر گہرا اور پائدار پڑا ہے بلکہ انگریزی ہیئت اجتماعیہ نے اُس کی زندگی، آن بان، ٹھاٹھ، لباس حتیٰ کہ اُس کی گردن کے ایک خاص قسم کے دلربا خم تک کو، اُس کی چال کو بھی احتراماً اس سے اخذ کر لیا اور اپنے سوسائٹی کی روح رواں بنایا۔ بائرنی آن سے یہاں یہ مطلب ہے کہ چہرہ پر کی ایک خاص طرح کی رنگت یا مثلاً آنکھوں میں چمک جس سے شوق و حرص ظاہر ہوتا ہے۔ وغیرہ، مترجم

"ہاں"، میں نے ایک خاص شان کے ساتھ کہا، میں اپنا وقار اس پر قائم کرنا چاہتا تھا "میں اُسے جانتا ہوں"

اُس نے بے اعتباری کی نظر سے مجھے دیکھا، کچھ مجھ سے کہتی مگر گردن جھکالی۔

"آپ سورنٹو میں اُس کا انتظار کر رہی تھیں"، میں نے کہنا شروع کیا، "آپ اس سے ھاٹلوسکوئی میں ملیں، آپ اُس کے ساتھ گھوڑے پر تفریح کو نکلی تھیں........"

"آپ کو کس طرح ......"، وہ کہنے چلی،

"مجھے معلوم ہے، مجھے سب معلوم ہے"

"کسی نہ کسی طرح آپ کا چہرہ تو مجھے ضرور یاد آتا ہو" وہ کہا کی "لیکن نہیں......."

"نہیں آپ مجھے نہیں جانتیں"،

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"۔

"میں جانتا ہوں.. ......"، میں نے کہا،

میں اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس اچھے پیرایۂ آغاز سے مجھے فائدہ اٹھانا چاہئے اور میں کُل حال دریافت کرلیتا اگر میرے متواتر جواب "مجھے سب معلوم ہو، میں سب جانتا ہوں" کسیقدر غیر موزوں مگر میں کیا کرتا، اس عجیب ملاقات نے مجھے اس قدر حیرت میں ڈالا تھا، میں اسقدر بدحواس ہو رہا تھا کہ اور کوئی جواب میری سمجھ میں نہ آتا تھا، اور مجھے معلوم ہی کیا تھا!... کچھ نہیں مجھے محسوس ہوا کہ میں بیوقوفی کی باتیں کر رہا ہوں کہ میں ایک آسمانی طلسمی او برگزیدہ شخصیت سے جیسا کہ اس خاتون نے پہلے مجھے سمجھا ہوگا اب ایک خبطی کی حیثیت پر اُتر آیا ہوں..... مگر میں کیا کر سکتا تھا۔

"ہاں مجھے سب معلوم ہو۔ ایک مرتبہ پھر میری زبان سے نکل گیا۔

اُس نے مجھے دیکھا، جلدی سے اُٹھی اور جانے کو تھی،

لیکن یہ ناقابل برداشت ہوتا، میں نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا، "خدا کے لئے"، میں نے بیتاب ہو کر کہا "ذرا بیٹھ جائیے اور میری بات سُنئے........"

اُس نے کچھ دیر غور کیا اور بیٹھ گئی،

"میں نے ابھی آپ سے کہا ہو" میں نے تیزی میں کہنا شروع کیا "کہ میں سب جانتا ہوں۔ یہ غلط ہو۔ مجھے کچھ نہیں معلوم قطعی خبر نہیں، میں نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں یا وہ کون ہو، میں نے آپکو کچھ یاد دلا کر آپکو مغالطہ میں ڈالا، یہ عجیب اتفاق ہو، ایک عجیب ناقابل فہم اتفاق جس نے دو مرتبہ مجھے آپکے راستہ میں لا ڈالا اور قریب قریب ایک ہی حالات میں حتی کہ مجھے کچھ کچھ ان باتوں کی خبر ہو گئی جنھیں آپ شاید پردۂ راز میں رکھنا چاہتی تھیں......"

اور اسی جگہ، بلاکم و کاست میں نے اُسے تمام قصہ سنایا، میری اس کی سورنٹو کی ملاقات، پھر روس میں اُسے دیکھا، ھاٹلوسکوئی میں اس کی بابت میری سراغرسانی یہانتک کہ اسکو میں میری اور میڈیم شلیکو اور اسکی بہن کی جو گفتگو ہوئی تھی وہ بھی میں نے اُسے بتادی،

"اب آپکو سب معلوم ہو" میں نے اپنا قصہ ختم کرکے اُس سے کہا، "میں آپسے نہیں بتاؤنگا کہ کس قدر گہرا، کتنا پائدار، کس قدر دیرپا اثر آپنے میرے دل پر چھوڑا ہے آپکو دیکھنا اور آپکے حسن سے مسحور نہ ہونا ناممکن ہی، خود ہی غور کیجئے کس حال میں دونوں مرتبہ میں نے آپکو دیکھا، یقین کیجئے، میں تیار نہیں ہوں کہ اپنے کو موہوم امیدوں کیلئے وقف کردوں لیکن آپ اُس ناقابل بیان کیفیت کا بھی اندازہ کریں جو آج آپکو یکایک دیکھ لینے سے میرے اوپر طاری ہی اور مجھے معاف کردیں اگر گو تھوڑی ہی دیر کے لئے سہی آپکو روکنے کی خاطر میں نے ایک بے تکی اور کسیقدر غیر شریفانہ ترکیب نکالی......" اُسنے میرے بے سر و پا بیانات کو بغیر سر اُٹھائے ہوئے سُنا۔

"آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" اُس نے ایک مرتبہ پھر کہا،

کیا چاہتی ہیں؟ میں کچھ نہیں چاہتا..... میں جس حال میں ہوں خوش ہوں..... مجھے دوسروں کے رازوں کی بکانی سے زیادہ حرمت وتکریم ہے"

"واقعی؟ لیکن بظاہر آپ اتنے..... مگر خیر" وہ کہاکی "میں آپکو شرمسار نہیں کرنا چاہتی، آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا وہ بھی یہی کرتا، علاوہ اس کے یہ اتفاق ہی ہے کہ ہم دونوں اس طرح ایک دوسرے سے ملتے رہے، یہ غیبی اشارہ گویا آپکو میرے اوپر ایک طرح کا استحقاق بخشتا ہے، سنئے! میں اُن قابل رحم اور ناسمجھ عورتوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی مصیبت ہر شخص سے بیان کرنے لگتی ہیں، جو ایسے دوں کی تلاش میں رہتی جو اُن سے ہمدردی کر سکیں..... مجھے کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے، میرا دل آپ مر گیا ہے اور آج میں یہاں اسے ہمیشہ کے لئے دفن کرنے آئی ہوں"

اُس نے اپنا رومال اپنے لبوں پر رکھ لیا۔ "مجھے امید ہے" اس نے کوشش کر کے کہا "آپ میری باتوں کو غلط نہ سمجھیں گے، آپکو معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے اب اس قسم کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے....." اُس کی آواز میں رقت تھی۔

"میں روسی ہوں" اُس نے روسی زبان میں کہا۔ ابتک وہ فرانسیسی بول رہی تھی "لیکن میں روس میں بہت کم رہی..... میرا نام معلوم کرنا آپ کے لئے بیکار ہے، اناقیہ ڈورونا میری پرانی سہیلی ہے، میں مانٹلو سکوئی اُس کی بہن کے نام سے گئی تھی، اُس وقت میرے لئے اس سے کھلم کھلا ملنا ناممکن تھا..... اور لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوتی تھیں..... اُس وقت راہ میں مشکلات تھیں، وہ آزاد نہ تھا..... لیکن وہ آدمی جیسے میرا ہونا چاہئے تھا، جسے آپ نے میرے ساتھ دیکھا تھا اُس نے اب مجھے چھوڑ دیا ہے"

وہ آگے نہ بڑھ سکی اور ٹھہر گئی، "آپ واقعی اسے نہیں جانتے، آپ اُس سے نہیں ملے؟" "ایک مرتبہ بھی نہیں" "اس اثنا میں وہ قریب قریب تمام عمر باہر رہا، لیکن آج کل وہ یہاں ہے..... یہ میرا قصہ ہے" اُس نے کہا، "آپ دیکھتے ہیں ہمیں کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے" "اور سورنٹو میں" میں نے بزدلی سے کہا۔

"میری اُس کی راہ و رسم سورنٹو میں شروع ہوئی تھی" اُس نے آہستہ سے کہا اور وہ چپ ہو گئی۔ ہم دونوں چپ تھے میں عجیب طرح کی تکلیف میں تھا، میں اُس کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اُس عورت کے پاس جو مجھے خوابوں میں حیران کر چکی تھی جو میرے خیالوں میں رہ چکی تھی جس کی یاد نے مجھے آشفتہ پریشان کیا تھا، میں اُس کے پاس بیٹھا تھا اور میرے دل میں ایک چبھن میرے قلب پر ایک گرانی تھی، میں جانتا تھا کہ اس ملاقات کا حاصل کچھ نہیں ہے کہ میرے اور اُس کے درمیان ایک وسیع و عمیق خلیج ہے، کہ جب ہم جدا ہوں گے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہوں گے، اپنا سر جھکائے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے وہ بیٹھی تھی اور بالکل بے حس معلوم ہوتی تھی، میں اُس بے حسی کو جانتا ہوں جو لاعلاج اور بیدلی کا نتیجہ ہوتی ہے..... اُس کا کوئی علاج نہیں ہے!

نقاب پوش چہرے ہمارے پاس سے گذر کر چلے جاتے تھے، ساز کے دو دیوانہ اور پر تعطیل نغمے کبھی تو بہت سنائی دیتے اور کبھی بالکل دور سے، خوش آیند گانوں نے مجھے افسردہ اور نڈھال بنا دیا "یہ وہی عورت ہے" میں سوچ رہا تھا "جو اُس دور دراز مقام پر اُس رات مجھے حسن کے تمام آرائشوں میں بکھیر غرق نظر آئی تھی؟"..... تاہم ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمانے نے اُسے ابھی ہاتھ تک نہیں لگایا ہے، اُس کے چہرہ کا حصۂ زیرین جو اسکی نقاب سے ڈھکا نہیں تھا بالکل معصوموں کے چہروں کی طرح نازک تھا لیکن نزاکت کے ساتھ اُس میں ایک طرح کا انجماد بھی تھا جیسا پتھر کی مورت میں ہوتا ہے یکایک وہ اُٹھ کھڑی ہوئی "دوسرے کی طرف دیکھا اور چلنے کو ہوئی" "ذرا مجھے اپنا سہارا دیجئے" اُس نے مجھ سے کہا "جلدی کیجئے ہمیں چلنا چاہئے جلدی کیجئے"

ہم رقص خانہ میں واپس گئے وہ اسقدر تیز چل رہی تھی کہ اُس کا ساتھ دینا مشکل تھا وہ ایک ستون کے پاس کھڑی ہو گئی "یہاں ٹھہر جائیے" اُس نے چپکے سے کہا۔

"آپ کسی کا انتظار کر رہی ہیں" میں نے کہا، لیکن اُس نے میری طرف توجہ کی اُس کی آنکھیں مجمع پر جمی ہوئی تھیں، اُس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں ایک اشتیاق آمیز نگاہ سے سیاہ مخمل کے اندر سے دیکھ رہی تھیں، جدھر وہ دیکھ رہی تھی اُدھر میں نے دیکھا، اس درمیانی راستہ سے جو کھمبوں اور دیوار سے مل کر بنا تھا میں نے اُس جوان کو دیکھا جو مجھے اس خاتون کے ساتھ ملا تھا، میں نے اُسے فوراً پہچان لیا وہ ذرا بھی نہ بدلا تھا، اُسکی چمکدار مونچھیں خوبصورت اور پُرکار تھیں، اُس کی بھوری آنکھیں پہلے کی طرح ایک اطمینان خیز نظر سے دیکھتی تھیں، وہ آہستہ آہستہ آرہا تھا اور اُس کا لانبا قد ایک برقع پوش عورت پر جو اُس کی بغل میں تھی جھکا ہوا تھا، وہ ہمارے پاس پہونچا تو اُس نے اپنا سر اٹھایا پہلے مجھے دیکھا پھر میری حسینہ کو جس کے ساتھ میں کھڑا تھا اور بظاہر اُسے پہچان لیا اُس نے اپنی آنکھیں موڑ لیں اُسکے لبوں پر ایک غیر محسوس مگر پُر استہزا زہر خند آگیا، وہ اپنی معشوقہ پر جھک گیا اور اُس کے کان میں اُس نے کچھ کہا وہ فوراً گھوم کر دیکھنے لگی وہ اپنی چھوٹی نیلی آنکھوں سے ہم دونوں کو دیکھ کر مسکرائی، اُس نے آہستہ سے اپنے شانے ہلائے اور ایک مجبوبانہ استغنا و انداز سے اس جوان کی بغل سے پیوست ہو گئی..... میں اپنی خاتون کی طرف پھرا وہ اُس جوڑے کو غور سے دیکھ رہی تھی، یکایک میری بغل سے اپنا ہاتھ چھڑا کر وہ دروازے کی طرف چلی، میں اُس کے ساتھ لپکا مگر اُس نے مڑ کر ایسی نظر سے مجھے دیکھا کہ میں نے اپنا سر جھکا لیا اور جہاں تھا وہیں رہ گیا، میں نے محسوس کیا اس کا پیچھا کرنا حماقت تھی "میاں زروا بتاؤ" یون گھنٹہ بعد میں نے اپنے ایک جاننے والے سے جو پیٹرسبرگ میں ہر شخص کو جاننے کا دعویٰ کرتا تھا پوچھا "یہ لانبا خوبصورت لڑکا اور مونچھوں والا شخص کون ہے؟" "یہ؟..... یہ کوئی باہری ہے ایک عجیب

عکس تحریر دست و قلم خاص جناب مولانا ظفر علیخان صاحب

اڈیٹر روزنامہ "زمیندار" لاہور

(~~خط جناب مولانا ظفر علی خان صاحب بنام جوش بلگرامی اڈیٹر "مرقع" لکھنو~~)

قل ان نسکی وصلاتی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین

ظفر علیخاں

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہیں تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو

اس محفل شہود کی رونق تمہیں سے ہے
اس محمل نمود کی لیلا تمہیں تو ہو

اٹھ اٹھ کے لے رہی ہو جو پہلو میں چٹکیاں
وہ درد دل میں کر گئے پیدا تمہیں تو ہو

بیتابیاں سنا سنا کے تمہارا رسوا کئے
ہم بیکسان ہند کے ملجا تمہیں تو ہو

ظفر علیخاں

دفتر مرقع لکھنو

۱۱/ نومبر ۱۹۲۶ء

(از حضرت سیف مظاہر جہانپوری یادگار جناب جلال مرحوم لکھنوی)

جور خزاں کا رونا کیا ہے ان باتوں کو جانے دو
خوب بہاریں لوٹیں گے پھر موسم گل آنے دو

ہوش و خرد کی قید سے آزاد ہو دیوانہ ہو جانے دو
ہاں رندو تم واعظ کو بھی باتوں پر بہلانے دو

مجھ سے چھپتے ہیں دیکھو پھر میرا بھی دل دیکھو گا
رفتہ رفتہ وہم دوئی کا پردہ اٹھ تو جانے دو

حال نہ پوچھو یوں مجھ سے تم میرے دل الجھن کا
اپنی الجھی زلفوں کو پہلے مجھکو سلجھانے دو

قصد جو ہوا حضرت واعظ پیر مغاں کی بیعت کا
داغ ریا کو پیشانی سے پہلے مٹ تو جانے دو

ہم سے پختہ مغزوں کو اے رند کیا سمجھائیگا
واعظ خام جو میخانے میں آتا ہے تو آنے دو

اُن کے جلووں کی بجلی چمکے گی دل کے سینا پر
شوق دید کی آگ بجھو اے موسیٰ تم بھڑکانے دو

حال کہوں کیونکر تم سے میں ہجری کی فرقت کا
تم دل از خود رفتہ کو کچھ ہوش میں آ جانے دو

ٹوٹ کے زنجیریں دیوانے زنداں سے باہر نکلیں گے
فصل بہاری کا مژدہ تم باد صبا کو لانے دو

تنگ اگر ہوتا ہو پیدا یوں ہیں آہ و زاری میں
دل کے خرمن صبر و سکوں میں آگ لگانے دو

کب تک راز عشق چھپاؤں کب تک میں خاموش رہوں
جوش جنوں کا ہے یہ تقاضا پردہ اب اٹھ جانے دو

ہجر مریض فرقت کو وہ بیدیا اگر دیکھے گا
تیل زرا ڈھل جانے دو اور آنکھیں تو پتھرانے دو

دیر و حرم میں ہاتھ نہ آئی عشق کی اک چنگاری ہی
دل کے وادی ایمن میں اے سیف ہمیں اب جانے دو

مشہور مصنفوں کی مشہور کتابیں

مضامین رومانی تہذیب　　　مرذبل امسار...

پر اسرار دلہن ۳۲ صفحہ ۲ر	خریف بدمعاش ۳۴ صفحہ ۱ر	خونی داروغہ ۹۲ صفحہ ۳ر
ترکی دلہن ۱۰۸ " ۳ر	خریف چور ۱۸۰ " ۱ر	جورو کا غلام ۵۲ " ۲ر
محل خانہ شاہی ۱۶۸ " ۲ر	تانا صاحب کی لوٹ ۱۰۲ " ۱ر	غمنواز بیوی ۲۰ " ۱ر
اسرار امریکہ ۱۱۶ " ۳ر	کرشمۂ رقابت ۱۲۰ " ۲ر	حسن بن صباح ۵۲ " ۲ر
انگریز ڈاکو ۱۳۲ " ۲ر	زرپرست ۱۱۲ " ۳ر	بچھڑی دلہن ۱۰۰ " ۳ر
سونے کی چڑیا کامل ۴۴ " ۳ر	انوکھا فقیر ۱۳۶ " ۱ر	عاشق شوہر وفادار بیوی ۲ر
عیاشی کا خفیہ راز ۱۴۴ " ۲ر	حیات شیخ چلی ۶۸ " ۲ر	قاتل کا قاتل ۷۶ " ۲ر
نوابی دربار ۹۲ " ۲ر	ہوائی بندوق ۲۸ " ۱ر	خونی بیوی ۱۶۴ " ۳ر
دو جورو کا شوہر ۶۸ " ۲ر	بچھڑوں کا ملاپ ۵۲ " ۲ر	حسینوں کا مذاق باتصویر ۳۰ " ۱ر
انوکھی معشوقہ ۴۸ " ۲ر	خونی آغا ۹۸ " ۲ر	دیوان چرکین ۳۶ " ۱ر
انقلاب فرانس ۱۹۶ " ۲ر	بہرام کی واپسی ۳۶ " ۱ر	دیوان جان صاحب ۱۰۳ " ۳ر
وفادار دلہن ۱۰۴ " ۲ر	شوقین لڑکا ۵۲ " ۲ر	مثنوی زہر عشق باتصویر ۳۶ " ۲ر
ترکی حرم سرا ۴۸ " ۲ر	خونی ساحر ۱۲۴ " ۴ر	عاشقانہ خط و کتابت ۳۶ " ۱ر

نوٹ:- اس کے علاوہ دو روپے یا اس سے زائد پر ایک آنہ تین روپے یا اس سے زائد پر پانچ پیسہ یا اس سے زائد پر دس روپے تک ۲ر فی روپیہ کا کمیشن بھی دیا جاتا ہے اور فہرست کتب مفت۔

المشتہر: مینیجر مفید عام بک ڈپو لکھنؤ

روحِ سخن

از جناب منشی واحد علی صاحب اختر قدوائی

جلا دی آتشِ کو بیخودیِ عشقِ کامل نے
دکھائی وادیِ ایمن کی صورت ہر گوشۂ دل نے

کئے طے مرحلے دشواریوں کے عشقِ کامل نے
رہِ دشتِ فنا دکھلائی مجھکو خضرِ منزل نے

رہا تمہید ہا ہستی میں بحرِ غم کا ڈوبنے والا
جگہ دل میں نہ پیدا کی کبھی اُمیدِ ساحل نے

اثر کشتہ میں اسکو مرتے مرتے کی جگہ پیدا
اُتر کر دل میں قاتل کے نگاہِ یاس بسمل نے

جنونِ عشق میں آباد کی دنیا سے ناکامی
اُمیدِ خوں شدہ سے پرورش پائی ہوئی دل نے

یہ قسمت تھی اثر جذبِ محبت کا نہ کام آیا
غبارِ قیس کی جانب کیا رخ بھی محمل نے

گلہ بزمِ عدو کا کیا کہوں دشمن بھی تو کسکو
جلایا دل کو میرے دوست کی گرمیِ محفل نے

دکھا کر شکل ناکامی مرا تارِ نفس توڑا
مری پھوٹی ہوئی قسمت مری ٹوٹی ہوئی دل نے

خلش اسکی مذاقِ عشق غم پرور شایاں تھی
جدا ہونا نہ چاہا نوکِ نشتر سے رگِ دل نے

رہی اے اختر دنیائے وفا میں اس سی بہتر
گلے مل کر جو کچھ سمجھا دیا ہے تیغِ قاتل نے

از جناب خان صاحب مرزا جعفر علی خان صاحب بی اے اثر لکھنوی

جدا منزل سے بیگانہ کیا سودائے منزل نے
ہزاروں مشکلیں آسان کر دیں ایک مشکل نے

نہ جانے زیرِ لب کیا کہہ دیا بیدردِ قاتل نے
تماشا رقصِ بسمل کا دکھایا خونِ بسمل نے

تقاضائے گرمیِ اضطراب شوق میں دل نے
جمالِ یار دیکھا ذرۂ خورشیدِ منزل نے

تقاضا ہے قیامت تک یونہی پردہ بھیجا جائے
مزے لوٹے ہیں ایسے حسرتِ دیدار کے دل نے

کوئی بیدل نظر آیا نہ صاحبدل نظر آیا
کنارہ کر لیا محفل سے آخر میرِ محفل نے

تڑپنے کی اجازت دی کہ یوں ہو کام تو پہنچے
دکھایا آئینہ رخسار کا بسمل کو قاتل نے

اگر ہے جذبِ دل کامل نوا سنج خموشی ہو
کیا ہر گوشِ گل کو تنگ فریادِ عنادل نے

کہاں تک اف تمکین تاکجا پندارِ یکتائی
تکلف بر طرف لیلےٰ بنایا مجھکو محمل نے

غبارِ ہستیِ فانی سپندِ محفلِ جاناں
کہاں سے مجھکو پہونچایا کہاں بیتابیِ دل نے

کوئی آسان ہے بحرِ محبت سے گذر جانا
کیا ہے غرق اکثر اہلِ دل کو بیمِ ساحل نے

شبِ غم سیل گریہ نے جب ایک آنسو نہیں چھوڑا
جلایا شمع کے مانند اثر کو آتشِ دل نے

از جناب فرخ بنارسی

بیکار ہے کعبہ میں یہ طوف بیکدا ہے
جو مرکزِ طاعت ہے اس سے کہیں بالا ہے

سُن لیجئے دو باتیں قصہ ہی مرا کیا ہے
کچھ دل کی شکایت ہے کچھ درد کا شکوا ہے

سو بار اُسے دیکھا ہوں جیسے نہیں دیکھا
اے حیرتِ نظارہ یہ کیسا تماشا ہے

برباد کرو دل کو لیکن یہ سمجھ رکھو
ہر خون کے قطرے میں طوفانِ تمنا ہے

ہر رُخ سے نظر ڈالو عالم کے مرقع پر
اس خاک کے پردے میں اک دہر ہی پنہاں ہے

نہ دشمنِ ستاروں میں پہلو تہی فرزندی میں
دیکھے تو کوئی کیا کیا اک حسن کا جلوا ہے

اک نقشِ تصور پر اے قیس یہ محویت
محمل میں کوئی ہے بھی یا پردہ ہی پردا ہے

جب ایک ہی دونوں کا مقصود ہی حاصل ہے
پھر شیخ و برہمن میں کس واسطے جھگڑا ہے

ہر روز نئی شکلیں بن بن کے بگڑتی ہیں
ہستی کے مرقع کا جو نقش ہے دھوکا ہے

تکمیل فرائض پر نازاں ہے عبث غافل
اے عقل کہ دیوانے یہ نفس کا دھوکا ہے

فرخ دلِ زخمی کو اب ڈھونڈھ کے کیا حاصل
ناوک پہ ستمگر کے اک خون کا دھبا ہے

از جناب اخگر لکھنوی

آغاز مرا میرے انجام کا ساماں ہے — مسکن بھی بیاباں ہے مدفن بھی بیاباں ہے

کچھ مٹتے ہوئے کتبے کچھ ٹوٹی ہوئی لوحیں — وہ نام غریباں ہے یہ شام غریباں ہے

میں صبح کا بیگانہ دل غم کا تمنائی — جس رخ نظر اٹھتی ہے دور شب ہجراں ہے

خوں رو کے بھی تسکین خاطر نہیں ہوتی ہے — کس طرح کا اے خالق میرا غم پنہاں ہے

اس دست جنوں نے بھی کیا وضع نکالی ہے — کل تک جو گریباں تھا اب نام گریباں ہے

اے نشتر غم ہاں ہاں بچھ اور ذرا جنبش — ابتک تو رگ دل تھی اب آگے رگ جاں ہے

وہ آگ جو وادی ایمن میں بھڑک اٹھی
اخگر وہ فقیروں کی کملی میں بھی پنہاں ہے

جناب شیخ باقر حسین صاحب وفا جونپوری از اناؤ

غارا نزدہ کو رشک گل و ریحاں کرنا — ہم کو آتا ہے قفس اپنا گلستاں کرنا

عاشقی سچ ہے یہ راحت کو ہو قرباں کرنا — دل کو وقف الم و حسرت و حرماں کرنا

معجزہ ہے یہ تری مست نظر کا ساقی — مجھسے کافر کو تھا سہل مسلماں کرنا

نشکو آباد ہی کرنے کی ضرورت کیا تھی — تم کو منظور تھا اک دن جسے ویراں کرنا

ہے اسیروں کے خیالات میں وسعت جبتک — بے سبب ہے گلۂ تنگی زنداں کرنا

ابتدا جوش جنوں کی مجھے یاد آتی ہے — وہ مرا پہلے پہل چاک گریباں کرنا

مقصد زیست یہی ہے یہی سامان حیات — جستجو تیری باندازۂ امکاں کرنا

خودنمائی کی تری شان ہو دنیا سے جدا — رہکے پردے میں بھی حسن اپنا نمایاں کرنا

عاشقی نام ہے دنیا سے گزر جانے کا — زندگی وقف رضا جوئی جاناں کرنا

میرے مالک میں تری بندہ نوازی کے نثار — مشکلیں راہ محبت کی بھی آساں کرنا

مضطرب سوز غم عشق سے ہوتا نہ وفا
دل کو پروانۂ شمع رخ جاناں کرنا

از جناب اقدس حیدرآبادی

تجھے پردے سے باہر آشنا لا ہی نہیں سکتے — تری گمنامیوں کا راز سمجھا ہی نہیں سکتے

نہاں رگ رگ میں ہے جو کیف آکر کیونکر کریں ظاہر — متاع درد وہ شے ہے کہ دکھلا ہی نہیں سکتے

انھیں فتنے قیامت کے اٹھے ٹوٹے آسماں سر پر — مصیبت کے جو خوگر ہیں وہ گھبرا ہی نہیں سکتے

غلط انداز نظروں سے اگر دیکھا تو کیا دیکھا — کلیجے کو تو ایسے تیر برما ہی نہیں سکتے

گل داغ تمنا آسماں غم کے تارے ہیں — خزاں آئے اٹھے آندھی یہ مرجھا ہی نہیں سکتے

سہے ہیں مدتوں جو قید ہستی کی کشاکش میں — ہجوم یاس وہ دل مجھ سے گھبرا ہی نہیں سکتے

سپر اپنا خضر کے ساتھ کیوں پھرتا ہے اے اقدس
یہ میدان عمل کی راہ بتلا ہی نہیں سکتے

از جناب شاکر کانپوری

ہر چند سمجھتا ہوں سمجھیں گے وہ دیوانہ — کہتا ہوں مگر ان سے روز ایک ہی افسانہ

جنت ہو کہ بتخانہ کعبہ ہو کہ بت خانہ — لفظیں ہیں جداگانہ ہے ایک ہی افسانہ

محدود نہیں جلوہ تا کعبہ و بت خانہ — بڑھ اور ذرا آگے اے ہمت مردانہ

ڈھونڈیں گے تجھے ہر جا بستی ہو کہ ویرانہ — ہم جلوے کے عاشق ہیں کعبہ ہو کہ بتخانہ

کیوں بھر کے نظر دیکھا تونے مرا پیمانہ — واعظ تری آنکھوں میں خاک در میخانہ

ہر دل میں محبت کا ہے رنگ جداگانہ — دنیا کی زبانیں ہیں اور ایک ہی افسانہ

ہر ذرہ کا یہ دعویٰ خورشید کا ہے جوبن — یہ تیرا کرشمہ ہے اے جلوۂ جانانہ

دل دادہ ہیں اب کس سے اس سوز محبت کی — خود شمع ہوں میں اپنی اور آپ ہی پروانہ

کس طرح توجہ ہو محفل کی غم دل پر — کچھ ساز نہیں رکھتا سوز پر پروانہ

مجھ رند کی یہ قسمت ہر وقت کھلا ہی ہے — اک سمت در توبہ اک رخ در میخانہ

تھا عالم بدمستی جب توبہ پہ توبہ تھی — اب ہوش کی یہ حالت میخانہ پہ میخانہ

پابندیٔ زنداں کی کچھ فکر نہیں لیکن
برباد نہ ہو جائے شاکر مرا ویرانہ

رشحات بسمل

از جناب مولوی سید امین الحسن صاحب بسمل رضوی موہانی

دل تڑپتا ہے فغاں کیلئے شیون کیلئے
لاؤ ساماں قفس میرے نشیمن کیلئے

باغ باغ آپ نہو جائیں تو میرا ذمہ
پھول ہیں شک مرے آپکے دامن کیلئے

باغباں ہیں کہ ہوں پروردہ ارماں یہاں
مختصر صحن چمن ہو مرے مدفن کیلئے

حرم و دیر کا اس دور میں مفہوم ہے ایک
حضرت شیخ دعا گو ہیں برہمن کیلئے

اس ستمگر سے کوئی جا کے کہے اے بسمل
دشمنی دوست سے زیبا نہیں دشمن کیلئے

افکار ناظم

(از جناب امیر الانشا دبیر الملک مولوی سید علی اصغر صاحب ناظم ٹونک)

اب نہ ملنے کا کچھ گلا نہ رہا
نہ وہ ہم تم، نہ وہ زمانہ رہا

ہائے ناکامیاں محبت کی
دل لگانے کا حوصلہ نہ رہا

حسن خود پردہ دار حسن ہوا
ہوش نظارہ ہی بجا نہ رہا

کب ہوا دل کو آرزو سے فراغ؟
شوق کب تفتۂ التجا نہ رہا؟

حوصلہ بس تھا یہ شکایت کا
اس نے پوچھا تو کچھ گلا نہ رہا

شوق کی ہرزہ کاریاں وہ کہاں
کہ محبت میں کچھ مزا نہ رہا

آنکھ ہو تو نہیں حجاب انھیں
کھل گیا یہ، تو کچھ چھپا نہ رہا

شورش انگیز اب نہیں وہ خیال
کھل گیا یہ، تو کچھ چھپا نہ رہا

کیف الفت نے کر دیا بیخود
مدعا یہ - کہ مدعا نہ رہا

اس خوشی نے بھلا دیا سب کچھ
مل گئے تم، کوئی گلا نہ رہا

دردیں بھی ہیں لاکھ شغل جنوں
ہاتھ دل پر رہا رہا نہ رہا

چشم حسرت بھی بند ہوتی ہے
وقت اظہار مدعا نہ رہا

مہندی ملکر لحد پر آئے تو کیا
برگ گل سینے کے نقش پا نہ رہا

تو بہ مے سے یہ ہوا حاصل
اب کسی چیز میں مزا نہ رہا

آئینہ ہے، نہ جلوۂ لب بام
حسن خود بیں و خود نما نہ رہا

جان سے اپنی ہاتھ دھو بیٹھے
اب ہمیں دل کا آسرا نہ رہا

بیوفائی کا شکوہ کیا ناظم
جب جفا کا بھی آسرا نہ رہا

الامان کا امیر نمبر

اعلیٰ حضرت تاجدار افغانستان کے ورود ہند کی تقریب میں

اعلیٰ حضرت امیر شاہ امان اللہ خان خلد اللہ ملکہٗ کی زیر سیادت سہ سہ میں دولت علیہ افغانستان کو آزادی کامل حاصل ہوئی اور برطانیہ کے مقابلہ میں کابل نے فتح حاصل کی۔ اسی سال استقلال افغانستان کی یادگار میں ۷ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹ نومبر ۱۹۲۰ء یوم جمعہ کو پہلا پرچہ شائع ہوا۔ اس عرصہ میں بہت سے طوفان آئے اور بہت سے معاصرین کی ہستیوں کا چراغ گل ہوگیا۔ لیکن بفضلہ تعالیٰ الامان مسلسل اور مستقل ترقی کر رہا ہے۔ اب پہلی مرتبہ امیر کابل یورپ کو جاتے ہوئے بمبئی میں ورود فرمائینگے اور ۱۷ دسمبر کو جہاز سے روانہ ہوں گے۔

لہذا ۱۵ دسمبر کا الامان امیر نمبر ہوگا جس میں آپ کے حالات زندگی کابل کا مستقبل۔ افغانستان کی تاریخ اور ارکان سلطنت کے حالات درج کئے جائینگے نیز غازی افغانستان اور دیگر دالیان ملک کی عکسی تصاویر بھی ہوں گی۔ ان تمام امور کے علاوہ تبلیغی مضامین بھی درج ہونگے اور اس پرچہ کو بالخصوص کابل میں اور دیگر اسلامی ممالک میں بالعموم بکثرت بھیجا جائیگا تاکہ مسلمانان ہند کی موجودہ حالت اور تبلیغ اسلام کی ضرورت سے اسلامی ممالک کے فرزندان توحید بھی واقف ہو جائیں۔ لہذا امیر نمبر تبلیغ نمبر بھی ہوگا۔ اس مخصوص نمبر کی قیمت اغلباً چار آنے ہوگی لیکن مستقل خریداروں سے جدا قیمت نہ لی جائیگی۔

مشتہرین کے لئے بہترین موقعہ

جو صاحبان ہندوستان کے تمام صوبوں میں اور ہندوستان کے باہر کابل و ایران و دیگر اسلامی ممالک میں اپنی اسیاء ایجادات وغیرہ کو شہرت دینا چاہتے ہیں

وہ بہت جلد اشتہارات کا معاملہ طے کریں۔ امیر نمبر رسول نمبر کے سائز کا ہوگا۔

کامل صفحہ	نصف صفحہ	یک کالم
للعہ؍	عہ؍	عہ؍
چالیس روپیہ	پچیس روپیہ	پندرہ روپیہ

علمی جواہر ریزے

نیر اعظم جو ہفتہ وار مراد آباد کا ۳۵ سال کا پرانا اور معزز اور زیادہ چھپنے والا خوش بیان اخبار ہے۔ گورنمنٹ کا وفادار اور رعایا کا دلسوز وکیل ہے اسلامی و قومی درد کے ساتھ پبلک کی اغراض بھی ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے ۲۰×۲۶/۴ کے ۱۲ صفحہ کلاں پر ہفتہ وار شائع ہوتا ہے سالانہ چندہ پیشگی للعہ نمونہ اخبار مع کلاں فہرست کتب مفت طلب کیجئے۔ پسند خاطر ہونے پر قدردانی فرمایئے تجارتی سوداگران کے واسطے اشتہار کا بہترین ذریعہ ہے۔

- گنج شائیگان دنیا بھر کی سلطنتوں کے سونے چاندی تانبے کے سکوں کی تصویریں مع جنت وغیرہ دو جلد .... عہ؍
- مخزن الفوائد۔ دنیا بھر کے اوزان پیمانے تصاویر سکہ جات اور مختلف صنعتیں دو جلد .... عہ؍
- تاج ونشان۔ دنیا بھر کی سلطنتوں، ریاستوں کے تاج ونشان مار کے وغیرہ کی تصاویر دو جلد .... عہ؍
- دستار وکلاہ دنیا بھر کی مختلف قسم کی پگڑی۔ ٹوپی کنٹوپ۔ خود۔ شملہ عمامہ وغیرہ کی تصاویر .... ۸؍
- مُلہم تاریخ۔ فن تاریخگوئی کے تمام قواعد۔ محاسن۔ اس فن کے صنائع۔ بدائع اردو میں .... عہ؍
- ملخص تسلیم۔ مُلہم تاریخ اسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے .... عہ؍
- جنگ یورپ۔ اس جنگ کے مفصل حالات وتفصیلی واقعات کی پہلی کتاب ہے قیمت .... ۸؍
- آئینہ جنگ۔ جنگ یورپ کی نہایت کارآمد مفصل اور مبسوط ڈائرکٹری قیمت .... ۶؍
- تاریخ خیرپور سندھ۔ تین حصہ ریاست کی تاریخ عمائدین کا تذکرہ۔ اڈیٹر کا سفرنامہ .... ۱؍
- احسان اسلام۔ تمام دنیا کے مناسب مقام تفصیل اور اسلام کے دلائل اور ان کے اثرات جو پڑتے ہیں قیمت .... ۱۲؍
- تاریخ اودھ۔ برہان الملک کے عہد سے واجد علی شاہ تک کے مفصل حالات چار جلد میں قیمت .... ۱؍
- تذکرۃ السلوک۔ اردو فلسفہ اور حکمت کو لئے ہوئے مع مصطلحات صوفیہ قیمت .... ۱۲؍
- احسن الاذکار۔ بڑے پیر صاحب کی مفصل سوانح کرامات حالات حسب ونسب شجرہ اور مناقبہ صحیحہ قیمت .... ۱۲؍
- اصول فقہ۔ اردو فقہ میں نہایت مفصل اور مشرح پہلی کتاب طلبہ کو نہایت مفید ہے قیمت .... ۱۲؍
- مجرّب الغرائب۔ طریقہ ہائے جعفریہ وشرح وخواص اسمائے خداوندی مفصل قیمت .... ۸؍
- تاریخ بوہرال۔ بوہرہ قوم کی محققانہ اور مستند تاریخ کلاں وخورد قیمت کلاں ۲؍ قیمت خورد .... ۱۲؍
- مرقع کالج۔ علی گڑھ کالج اور بورڈنگ کے دلچسپ روایات وحکایات قابل دید قیمت ....
- سوانح عمری۔ مہاراجہ نریندر پرشاد سابق پیشکار دولت آصفیہ قیمت .... ۸؍
- افسوس مہذب پارٹی کا ناول بی بی بچوں کے پڑھنے کے قابل پشتہ کا سچا فسانہ قیمت .... عہ؍

اخبار الصنادید۔ دو جلد ۱۳۰۰ صفحہ نواب علی محمد خان کے وقت سے ... تک ... مع تمام والیان ملک کے ہاف ٹون بلاک کی تصویریں

قیمت چند روپے زر نوٹ۔ پانچ روپے کے یکمشت خریداروں کو اور سوداگروں کو کمیشن بھی دیا جاتا ہے۔ المشتہر منیجر نیر اعظم بک ایجنسی مراد آباد۔

ڈاکٹر سرور حسین - ایچ - ایل - ایم - ایس - ہومیوپیتھ دندان و عینک - نمبر ۲۴ امین الدولہ پارک لکھنؤ -

جوہر تمباکو کی خوش نما
خوش ذائقہ
خوبصورت
نقرئی وطلائی
گولی تمباکو خوردنی
جن کو خاص طریقہ سے ہمارے کارخانے
نے محنت اور جانفشانی سے تمباکو کی مضرت دفع کرکے
تیار کیا ہے۔ شیشی مین بھرے ہونے سے سچّے موتی معلوم ہوتے
ہین۔ شایقین اور خصوصًا امرا کے قابل یہ شے بے مثل ہے
نمونتًہ طلب فرما کر ملاحظہ فرمایئے۔ نرخنامہ حسب ذیل ہے
گولی تمباکو نقرئی فیتولہ ۱۰/ و ۸/ و ۶/ گولی تمباکو طلائی فی تولہ ۸/
گولی تمباکو سادہ بلا ورق فی تولہ ۴/
مقتدا خان اقتدا خان تاجر تمباکو وعطر وکٹوریہ اسٹریٹ لک
(مطبوعہ نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنو۔ باہتمام سید مقبول حسین وصل بلگرامی)